نورِ مُبین ما

تصنیف

حضرت محمد نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی امینی کشمیری

مُرتّب

ریاض احمد خیال اویسی

شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ عالیہ اویسیہ
ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان ۔ بھمبر آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

نورِ مبین

تصنیف

حضرت محمد نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی امینی کشمیری

مرتب

ریاض احمد خیال اویسی

شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ عالیہ اویسیہ

ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان۔ بھمبر آزاد کشمیر

سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	نورِ مبین
تصنیف	:	محمد نور الدین اویسیؒ
ایڈیشن	:	اول
طباعت	:	دسمبر 2022ء

﴿برائے رابطہ﴾

(۱) محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون:00441254671126

(۲) ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون:03007424574,03451566483

(۳) محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون:03465259352

فہرست مشمولات

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
1	فہرست	1
2	دیباچہ	3
3	سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم	5
4	سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم	31
5	اول ما خلق اللہ نوری	113
6	نورِ لامحدود میں تقسیم ممکن نہیں	121
7	روح	129
8	انسان کائنات کا مرکز	143
9	انسانی مقصدِ زندگی	145
10	اسلام میں اقتدارِ اعلےٰ	154
11	کائنات	162
12	تخلیق کائنات	198
13	نظامِ کائنات	228

14	وحی	370
15	ولقد اتینا لقمٰن الحکمة	378
16	گرہمیں مکتب وہمیں ملاّ کارطفلاں تمام خواہد شد	385
17	خط بنام محمود احمد طائر	388
18	شجرہ عالیہ اویسیہ	389

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

جناب محمد نورالدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ۔الحاج مولوی محمد امین رحمتہ اللہ علیہ(قطب الاقطاب) جنکا تعلق امام العاشقین حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ(سلسلہ اویسیہ) سے ہے۔کے خلیفہ اور ایک بے مثل شخصیت کے حامل ولی اکمل تھے۔آپ کی ہمہ جہت ذات کا احاطہ مشکل ہے۔آپ کی بارہ (۱۲) عدد کتب شعبہ نشرواشاعت سلسلہ عالیہ اویسیہ شائع کر چکا ہے۔جنکے سرسری مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنے متنوع اور ہمہ گیر موضوعات پر مشتمل ہیں۔لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کہ جہاں یہ کتب ایک عام قاری کیلئے ہیں وہاں انکی تصنیف کا اصل مطمع نظر طریقت اور حقیقت سے شغف اور متلاشیانِ راہ حقیقت ہیں۔جن کو مقصود اور صراط مستقیم پر پہنچانے کیلئے یہ کتب راہنما اور بہترین وانمول توشہ ہیں۔

قبلہ وکعبہ محمد نورالدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ نے اوائل عمری ہی سے تبلیغ وتصنیف کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔''علم العرفان'' اور''راہ حقیقت'' کے ابتدائی مسودات اسی دور کی یادگار ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں تقسیم ہند پر ہجرت کے بعد مشکل اور نا مساعدہ حالات۔اپنی محبوب ترین ہستی اور دیگر احباب کی جان گسل جدائی۔غم روزگاری کی ستم ظریفیوں۔بیماریوں کی یلغار۔وسائل کی عدم دستیابی۔تبلیغ وترویج دین محمدیؐ اور تبلیغی دوروں اور مریدان کی عملی تربیت کی مصروفیات کے باوجود آپ نے تصنیف کا مشن جاری رکھا۔

متنوع اور ہمہ گیر موضوعات سے قطع نظر آپ کا اصل اور پسندیدہ موضوع سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔حقیقت محمدیؐ۔طریقت۔وجہُ اور مقصد تخلیق کائنات(وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) کی تفسیر وتشریح ہیں۔بقول انیس ؏

اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

''نور ہدایت'' کے ایڈیشن اول اور ''نور العرفان'' کے ایڈیشن پنجم کی تکمیل اکتوبر ۲۰۲۰ء کے ساتھ ہی قبلہ وکعبہ محمد نور الدین اویسیؒ کے غیر مطبوعہ مسودات اور کاغذات کا دوبارہ باریک بینی سے مطالعہ شروع کیا۔ انکا بار بار مطالعہ اور جائزہ لیا۔ اور ان میں کچھ مسودات / مضامین / خطوط منتخب کر کے انکی کمپوزنگ کا کام شروع کیا۔ پھر انکی پروف ریڈنگ کی۔ یہ تقریباً ایک ہزار سے زیادہ صفحات کا کمپوزنگ موادتھا۔ اس پر دوبارہ غور کیا۔ اور ان میں سے تیرہ مضامین۔ ایک تقریر اور ایک خط کو فی الحال شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ جو کہ بحمد للہ '' نورمبین'' کے نام سے آپکے ہاتھ میں ہے۔

چونکہ یہ مضامین اس نکتہ نظر سے تو نہ تحریر کئے گئے تھے۔ کہ ایک ہی جلد میں شائع ہوں گے اسلئے بعض جگہ بادی نظر میں تکرار محسوس ہوگی۔ لیکن متذکرہ حقیقت کے علاوہ اسکی دوسری وجہ ان مضامین (سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔ اول ماخلق اللہ نوری۔ اسلام میں اقتدارِ اعلےٰ۔ کائنات۔ تخلیقِ کائنات۔ نظامِ کائنات وغیرہ) کا آپس میں تعلق اور مماثلت ہے۔ لیکن جب آپ بغور مطالعہ فرمائیں گے۔ تو ہر مضمون کا اپنا رنگ ہے۔ (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است)

اس تمام عمل میں محترم محمود احمد طائر صاحب کی شبانہ روز بلکہ ہمہ وقت معاونت۔ مدد اور راہنمائی مجھے حاصل رہی۔ اللہ رب العزت انہیں معرفت میں اکمل کرے۔ باقی اس تمام عمل میں مختلف احباب کا مجھے بروقت۔ مخلصانہ اور پر جوش تعاون حاصل رہا۔ ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسکی جزا دے۔ آمین ثم امین۔

اصلاح اور راہنمائی کیلئے حسب سابق قارئین کی قیمتی آرا۔ تجاویز کا منتظر رہوں گا۔

العارض

ریاض احمد خیال اویسی

یکے از غلامانِ

محمد نور الدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ

محررہ: یکم دسمبر ۲۰۲۲ء

النبی کے مفہوم کو سمجھا جائے۔ کہ سیرت سے کیا مراد۔ اور نبی کے معنی کیا ہیں۔

سیرت النبی۔ دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ ایک سیرت۔ دوسرا نبی۔ سیرت۔ عجمی لفظ ہے۔ یہ فارسی لفظ ہے۔ جسکے معنی کسی وجود کے ذاتی صفاتی کمالات کا اظہار کرنا کہ اس وجود کا مرکب کیا ہے۔ اور اس مرکب کے صفات و خصوصیات کیا ہیں۔

نبی۔ عربی لفظ ہے۔ جو قرآنِ عربی سے لیا گیا۔ جسکے معنی۔ خبر پانے والا۔ خبر دینے والا۔ مجموعی معنی یہ ہوئے۔ کہ ایک خبر پانے والی خبر دینے والی ہستی کا جسمانی مرکب کیا ہے اور اس وجود کی صفت کیا ہے۔ جس وجہ سے اس ہستی کو باقی مخلوق میں ایک خاص مرتبہ عطا ہوتا ہے۔

معزز اہل جلسہ۔ میں اپنی کمتری کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ معزز علمائے کرام کی موجودگی میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنے کی جرأت کرسکوں۔ جسکا میں اہل نہیں۔

ہزار بار بشویم دہن زِ مشک و گلاب　　　　ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبیست

خاکی بشر کی کیا مجال۔ کہ کائنات کی عظیم ترین شخصیت کے کمالات کا احاطہ کرسکے۔ جہاں ملائکہ کے سردار جبرئیل نے بھی اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہا

اگر یک سرِ موئے برتر پرم　　　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

اگر ایک بال بھر بھی۔ آپکی ہمراہی میں۔ آگے بڑھوں تو تجلی کی شدت سے میرے بال و پر جل جائیں گے ___ اسلئے میں اپنے آپ کو اس امر کا اہل نہیں سمجھتا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں آپ کی تعریف کرسکوں ___ سوائے اسکے کہ خود اللہ تعالیٰ ہی آپ کی تعریف بیان کرسکتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ قرآن کی زبانی ہی۔ سیرت النبی بیان کی جائے۔

قرآنِ کریم نے سیرت النبی سے متعلق ایک مستقل باب باندھا ہے۔ جس میں ایک نبی کے متعلق۔ اسکے وجودی مرکب۔ اور اس وجود کی صفات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ ان آیاتِ قرآنی میں سیرت النبی ہی کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحاً وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ تحقیق اللہ نے منتخب کیا آدم کو۔ نوح کو آل ابراہیم کو اور آلِ عمران کو تمام لوگوں میں سے۔ پہلا انتخاب حضرت آدم

علیہ السلام کا ہے ـــــ اس انتخاب کی تفصیل بھی خود قرآن کریم نے بیان کی ہے۔ وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰)۔ جب کہا آپؑ کے رب نے ملائکہ سے میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں ـــــ یہ آیت براہ راست سیرت النبی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کا انتخاب صرف سیرت النبی کے مظاہرہ کیلئے کیا گیا۔ کہ ایک وجود کا مرکب جسمانی کیا ہے۔ اور اس وجود کی صفت کیا ہے۔ اس بیان پر ملائکہ نے پوچھا۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط کیا تو زمین میں ایک ایسے شخص کو بنائے گا جسکی صفت فساد و خونریزی ہے ـــــ اس آیت پر ذرا غور کیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اتنا کہا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بناؤں گا۔ تو خلیفہ کے بنانے پر ملائکہ نے اس کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ زمین کی مٹی سے تو شر و فساد کا وجود بنے گا۔ خلیفہ کی صفت تو تسبیح و حمد ہے۔ وہ نوری وجود سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم کر رہے ہیں۔ تو اللہ نے کہا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰)۔ میں اس مخلوق کے متعلق جو کچھ جانتا ہوں۔ تمہیں ابھی اسکا علم نہ ہو سکے گا ـــــ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مخلوق ارضی کے وجود کے متعلق تفصیلاً بیان پیش کیا۔

اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ـــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے۔ میں زمین پر ایک انسانی شکل و صورت کا بشر بناؤں گا مٹی سے۔ مٹی کی جوہری قوتوں سے ـــــ پس جب میں اسے سنواروں۔ اور اس میں اپنی نوری قوت ـــــ روح پھونک دوں۔ تو تم اس وجود کو اپنے سے افضل سمجھ کر سجدہ ریز ہو جاؤ ـــــ اس آیت میں۔ زمین کی مخلوق کو بشر کہا۔ اسکے وجود کو زمین کی جوہری قوتوں سے بنایا۔ اور جب یہ انسانی شکل و صورت پر آیا۔ تو اسے سنوارا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ سے مراد۔ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۔ اس وجود کو بہترین قوت سمع عطا کی۔ کہ حقیقت کی آواز سنے۔ بہتر آنکھ دی کہ حقیقت شناسا ہو۔ اور بہترین دل و دماغ دیا۔ کہ اس میں ہر خیر و شر کے سمجھنے کی صلاحیت ہو۔ اس میں ارادہ کی قوت بخشی۔ کہ اپنے ارادہ سے خیر و شر کو سمجھ کر۔ خیر کو قبول کرے اور شر سے باز رہے۔ ان قوتوں سے اس مخلوق ارضی کی فساد و خونریزی کا داغ دھل گیا۔ کہ اس میں فساد سے بچنے اور

خیر قبول کرنے کی صلاحیت ہوگی۔ یہ مخلوق اشرف المخلوقات ہوگی۔ اسکے بعد وَنَفَخْتُ فِیْهِ کا مقام آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ یہ ایک نوری قوت ہے۔ جو زمین کی پیداوار نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص و منتخب نور ہے۔ جو ایک خلیفہ کیلئے مقرر کیا گیا۔ ملائکہ نے زمین کی صفت کو سمجھ کر ہی کہا تھا کہ زمین کی صفت فساد و خونریزی تھا۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس بشر میں ایک نورئی قوت بھی شامل کر دیگا۔ اسی کیفیت پر اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ خلیفہ کی صفتِ تسبیح و حمد ایک نور سے جو تم سے افضل نور ہے کی جائیگی ــــ ضروری تھا۔ کہ اس بشر کو ملائکہ سے افضل قرار دینے کی حجت بھی پوری ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے۔ اس حجت کو پورا کرتے ہوئے کہا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○

پھر علم دیا آدم کو تمام اسماء کا پھر امتحان لیا ملائکہ سے۔ کہ اے ملائکہ اگر تم اپنے قولِ معترض میں سچے ہو۔ کہ ہم ہی تسبیح و پہچان کے اہل ہیں۔ تو تم بتاؤ تسبیح و حمد کے صلہ میں تم اسماء کے متعلق کیا جانتے ہو ــــ اس آیت میں ملائکہ کا امتحان لیا گیا۔ کہ اَسماء کی خبر دیں۔ مفسرین نے اس اہم نکتہ کی وضاحت میں مختلف تفسیریں کی ہیں۔ جن میں بتایا گیا۔ کہ اَسماء سے مراد زمین کی اشیاَ ــــ اور بعض مفسرین نے اسماء کے معنی میں وسعت دی ہے کہ تمام اشیائے کائنات مراد ہے۔ زمینی اشیاَ مادی سفلی کیفیتیں ہیں۔ ملائکہ ان کیفیتوں کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ پھر ان چیزوں کی خبر دینے میں کوئی فضیلت نہیں۔ جبکہ قرآن نے بھی ان اشیاَ کو ادنیٰ درجہ دیا ہے ــــ بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ ہم من و سلویٰ اب کھانا نہیں چاہتے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اور جب کہا بنی اسرائیل نے موسیٰ سے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی قسم کے کھانے پر۔ پس تو اللہ سے کہہ کہ ہمارے لئے پیدا کرے۔ اشیائے زمینی میں۔ ساگ۔ کھکھڑی۔ گیہوں۔ مسور کی دال۔ پیاز وغیرہ۔ تو موسیٰ نے کہا۔ کہ کیا تم بدلتے ہو من و سلویٰ کو جو بہتر چیز

ہے۔ بدلے اسکے جوادنیٰ درجہ رکھتی ہیں۔

اس آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے۔ زمین کی اشیاءٔ ادنیٰ درجہ رکھتی ہیں۔ انکے نام بتانا۔ وجہِ فضیلت نہیں ہوسکتا ـــــ اور خبر دینے میں ملائکہ کی قوت سے برتر کیفیت کی خبر دینا ہی۔ وجہِ فضیلت ہو سکتا ہے۔ ملائکہ سے برتر قوت۔ اسماءِ ملکوتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ۔ مقامات نوری۔ کرسی۔ عرش۔ سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے ماورئی مقامات کی خبر دینا مقصد ہے ـــ لیکن ملائکہ نے ان مقامات کی خبر دینے میں عجز کا اظہار کیا۔

قَالُوا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۲) ملائکہ اپنے ماحول سے اپر کسی مقام واسماء کا علم نہیں رکھتے کہا ہم ان اسماء کا علم نہیں رکھتے۔ بیشک تو غلط کہنے۔ غلط کرنے سے پاک ہے۔ تو واقعی علیم وحکیم ہے ـــــ

قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ پس اللہ نے کہا۔ کہ اے آدم اب تو انہیں ان اسماء کی خبر دے۔ فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ پس جب آدم نے تمام اسرار الٰہی۔ تا ذات الٰہی کے اسماء کی خبر دی۔ تو اللہ نے کہا۔ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لا وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۳) کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا۔ کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ کہ جس بات سے تم بے خبر ہو وہ میں ہی جانتا ہوں کہ زمین کی ناقص مخلوق کو کس طرح تم سے افضل۔ وجود۔ اور علم دے سکتا ہوں اور میں جانتا ہوں۔ کہ تم بغیر دلیل آدمِ خاکی کی برتری قبول نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان آیات قرآنی میں۔ حضرت آدم کو سیرت النبی کی خصوصیات کا مظاہرہ کرنے کیلئے منتخب کیا گیا۔ کہ ایک وجود کا مرکب۔ مادی بھی ہے۔ مگر اس میں ایک نوری روح بھی شامل کی گئی۔ اسی نوری روح سے بشر ملائکہ سے بہتر تسبیح وحمد اور مشاہدۂ اسرار الٰہی۔ اور عرفانِ ذات الٰہی کا اہل قرار دیا گیا۔ کہ آدم نے۔ اسرار الٰہی کی خبر پائی۔ اور اسی علم کی خبر ملائکہ کو دی۔ اس خبر میں قرآن نے نَبَاء کا لفظ استعمال کیا۔ اسی نباء سے نبی کا تصور پایا جاتا ہے۔ کہ ایک زمین کی جوہری قوتوں کا مرکب بشر جسکے مرکب میں نوری قوت بھی شامل ہے۔ انہیں قوتوں کی صفت۔ بہتر تسبیح وحمد اور اسماء الٰہی ـــــ اسرار باطنی۔ اور مشاہدۂ ذات الٰہی کی خبر دینا نبوت سے تعبیر ہے۔ اور خبر پانا۔ خبر دینا۔ نبی کی صفت ہے ـــــ

اسکے بعد قرآن نے حضرت نوح کا انتخاب بیان کیا ـــــ اسکی تفصیل بھی اسی نبوت کی ایک کڑی ہے ـــــ کہ حضرت آدم کے بعد تخلیق کی ترتیب بدل گئی ـــــ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ـ اور البتہ بنایا انسان کو مٹی کی جوہری قوتوں سے۔ پھر بنایا اسکو نطفہ سے ماں کے رحم میں ـــــ دوسرا اشارہ اس پیدائش کے لئے هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ـ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وہ اللہ ہے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے۔ اور اسی جان سے اسکا جوڑا۔ عورت بنائی۔ انہیں دو عورت اور مرد سے نطفہ کی شکل میں نسلِ آدم بنی ـــــ

اب آئندہ بجائے۔ جوہری مٹی کے۔ انسان نطفہ سے بنا ـــــ اس وجود میں وہی جسم وہی قوت ہے۔ جو آدم میں تھی۔ ایک جسم۔ ایک ناری روحِ حیوانی اور ایک و نفخت فيه من روحی کی روح رحمانی۔ نوری قوت۔ اس پیدائش میں بھی۔ جسم و روح ہے۔ لہٰذا۔ اس جسم کو بھی۔ اسماء کلھا کا علم دیا گیا کیونکہ یہ وجود بھی۔ خلیفہ کی پیدائش میں شامل ہے۔ اس وجود نے بھی تسبیح وحمد کرنی ہے۔ اور اسماء کلھا کی خبر دینی ہے ـــــ

نسلِ آدم میں ابتدأ۔ اولادِ آدم بھی۔ اسی منصوبہ کے تحت پیدا ہوئی جنہیں اسماء کلھا کا علم دیا گیا ـــــ لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ اولادِ آدم نے نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر۔ حرص۔ طمع۔ لالچ۔ ذخیرہ اندوزی اور زیادہ حصول کی خاطر۔ ایک دوسرے کو مغلوب ومحکوم بنا کر قتل وخونریزی شروع کر دی۔ تو وعدہِ الٰہی کے تحت۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کیلئے ایک نیا نظام قائم کیا۔ قرآن نے اسکا ذکر بھی کیا۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ " ۔ ایک زمانہ میں اولادِ آدم اپنے مقامِ خلافت سے گر کر گمراہ ہو جائیگی۔ تو اس وقت میں ایک ضابطہ بھیجونگا۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۸)۔ پس تمہارے پاس میری ایک ہدایت آئے گی۔ پس جس نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ اسکو نہ خوف ہوگا نہ غم۔ یعنی ـــــ ایک زمانہ آیا۔ جب اولادِ آدم میں۔ نہ جسمانی پاکیزگی رہی۔ نہ روحانی پاکیزگی۔ تو اس وقت اس میں نہ افضلیت رہی۔ نہ مشاہدہ اسرارِ باطنی قائم رہا ـــــ تو قرآن نے اسکا فارمولا بیان کیا۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ز

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۷۹)۔ ان کے دل ہیں مگر اس میں قوتِ فقہ و مشاہدہ نہیں رہی۔ انکی آنکھیں ہیں۔ مگر ان سے حقیقت دیکھتے نہیں۔ انکے کان ہیں۔ مگر اس سے حق کی آواز پہچانتے نہیں۔ اب یہ لوگ خلیفہ کی صفت میں نہیں۔ یہ لوگ حیوانی صفت کے حامل رہ گئے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو مقامِ خلافت پر لانے کیلئے ایک اصلاحی ضابطہ۔ کتاب وحی کی صورت میں بھیجنا مقرر کیا ــــ اسکے لئے اللہ نے اپنے احکام بھیجے۔ جس کے لئے اللہ نے انہیں لوگوں میں سے ایک شخص کا انتخاب کیا۔ یہ منتخب شخص اپنی صفات میں کامل تھا۔ اسے مشاہدۂ اسرار باطنی۔ مشاہدۂ ذات الٰہی حاصل تھا۔ اور یہ نبی کی حیثیت سے پیدا ہوا۔ اسی مشاہدۂ نبوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسے مخلوق انسانی کی ہدایت و تبلیغ کیلئے منتخب کیا۔ یہ نبی حضرت نوح تھے۔ جسکا ذکر اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا میں قرآن نے کیا۔ یہ ایک نبی تھا جسے ایک نیا ضابطہ کلام الٰہی دیکر بھیجا گیا۔ اس ہدایت کیلئے منتخب ہونے پر اسے رسول کہا گیا ــــ

اس طرح انسان کو۔ دو خصوصیات کے لئے پیدا کیا گیا ــــ ایک اسے نبوت کیلئے منتخب کیا گیا۔ دوسرے اسے رسالت کیلئے منتخب کیا گیا۔ اور آئندہ یہ صورت اختیار کی گئی۔ کہ جب دنیا پر نافرمانی اور گمراہی کے سبب انسان مقامِ خلافت سے گر جائے۔ تو ایک نبی کو رسول بنا کر بھیجا جائے ــــ جو اللہ کے احکام لوگوں کو بتا کر۔ انہیں پھر مقام خلافت پر پہنچائے۔ اسکے بعد حضرت ابراہیم کو نبوت کے اظہار کے لئے پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم کے خبر پانے۔ اور خبر دینے پر ملائکہ نے انسان کی عظمت کو تسلیم کیا فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ پس ملائکہ نے انسان کو۔ ہر اعتبار سے اپنے سے افضل تسلیم کیا۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ۔ مگر ابلیس نے انسان کی عظمت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا كَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ یہ ناری قوت سے بنا تھا۔ اللہ نے پوچھا۔ مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۱۲)۔ اے ابلیس تجھے کس چیز نے آدم کو سجدہ کرنے سے باز رکھا۔ تو کہا۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں اس خاکی بشر سے افضل ہوں۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ نار۔ خاک سے افضل ہے۔ یہ خاکی ہے۔ میں ناری ہوں۔ تو اللہ نے کہا دفع ہو جا میری بارگاہ سے تجھ پر میری لعنت قیامت تک رہے گی اور قیامت کے دن تجھے شدید عذاب میں ڈالدوں گا ــــ تو شیطان نے کہا۔ تیری عزت کی قسم جس انسان کے باعث میں لعنت کا سزاوار

ہوا۔ میں اسے تیری تسبیح وحمد سے منحرف کرونگا۔۔۔ یہ تیری تسبیح وحمد کیا تیری کبریائی سے بھی انکار کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ تو کر کے دیکھ لے۔ میں بھی دکھاؤنگا۔ میرا بندہ میری تابعداری کی خاطر کس قسم کا مظاہرہ کریگا۔ اسی مظاہرہ کیلئے۔ حضرت ابراہیم کا انتخاب ہوا۔ قرآن بتاتا ہے۔ وَاِذِ ابۡتَلٰٓی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۲۴)۔ جب میں نے مظاہرۂ نبوت میں ابراہیم پر آزمائش ڈالی تو وہ اس آزمائش میں پورا اترا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کے متعلق قرآن نے تفصیل سے ذکر کیا۔ پہلی آزمائش یہ تھی۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے مظاہرِ فطرت پر غور تحقیق سے آثار واسرار الٰہی۔ اور ذات الٰہی کو پہچانا ۔۔۔ دوسری آزمائش یہ تھی کہ اللہ نے حکم دیا۔ کہ اپنی اہلیہ اور عزیز از جان فرزند کو بے آب وگیاہ سرزمین میں بغیر ذریعہ کے چھوڑ آئے ۔۔۔ تیسری آزمائش تھی۔ کہ عزیز از جان فرزند کو اللہ کی راہ میں ذبح کر۔ فَاَتَمَّهُنَّ ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی خوشنودی میں۔ اپنی جان ومال۔ اولاد ہر چیز قربان کی تو اللہ نے اسکے انعام میں۔ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا اے ابراہیم میں تجھے تمام انسانیت کیلئے راہنما وامام بناؤں گا۔ تو حضرت ابراہیم نے دعا کی قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۔ میری ذریت کو بھی امام بنا۔ تو اللہ نے حضرت ابراہیم کی دعا منظور کی اور آل ابراہیم کو نبوت عطا کی ۔۔۔ یہ نبوت حضرت اسحاق علیہ السلام کی ذریت کو عطا کی گئی کہ اسی ذریت سے نبی اور رسول بنائے گئے ۔۔۔ حضرت ابراہیم کو حکم ہوا۔ کہ بیت اللہ کی تعمیر کرے۔ تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہوئے دعا کی ۔۔۔ وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ○ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَیۡنَا ج اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ○ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَیُزَكِّیۡهِمۡ ط اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ○ع (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۲۷ تا ۱۲۹) اور جب حضرت ابراہیم واسماعیل بیت اللہ کی بنیاد کھڑی کر رہے تھے۔ تو انہوں نے دعا کی۔ کہ اے رب ہمارا عمل مقبول کر۔۔۔ کہ تو سننے والا۔ جاننے والا ہے۔ اے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت کو بھی ۔۔۔ اے رب ہمارے اٹھا ہماری اولاد میں ایک رسول

انہیں میں سے۔ جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے۔ اور کتاب کا علم دے۔ اور پوشیدہ حکمت کا علم دے۔ اور انکا تزکیہ کرے۔ تحقیق تو غالب حکمت والا ہے۔ اسی دعا کے نتیجہ میں آل ابراہیم کا انتخاب ہوا۔ کہ آپ کی ذریت سے حضرت اسحاق۔ یعقوب۔ یوسف۔ سلیمان۔ داؤد اور حضرت موسیٰ کو نبی بنایا۔ اور انہیں کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت پیش کی گئی۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل کہلائی۔ اسی قوم میں آلِ عمران بھی شامل ہے۔ چنانچہ قرآن نے آل عمران کے انتخاب کو نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔ اس واقعہ میں سیرت النبی کا ایک جامع منصوبہ قرآن نے پیش کیا۔ کہ سیرت النبی میں۔ ایک ذات کا مرکب کیا ہے۔ اس مرکب کی صفات و خصوصیات کیا ہیں اور ان صفات کا حامل نبی کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔ اس سے قبل کہ آل عمران کے قرآنی واقعات بیان کئے جائیں۔ قرآن نے تمہیدی طور ایک خاص واقعہ کا ذکر دانستہ طور کیا ــــ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ○ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ۙ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۳ تا ۵) اور جب ندا دی زکریا نے اپنے رب کو پوشیدہ۔ اے رب میری ہڈیوں کے جوڑ کمزور ہو چکے ہیں ــــ اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا ہے۔ میں تجھ سے مانگنے میں ناامید نہیں ــــ میں ڈرتا ہوں۔ کہ میرے بعد کوئی صالح بنی اسرائیل کی نبوت کا وارث نہ ہوگا ــــ میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ پس تو اپنی قدرت کاملہ سے روحانی طور مجھے لڑکا عطا کر ــــ جو میرا اور آلِ اسحاق کا وارث ہو ــــ

اس قرآنی آیت میں صراحت سے یہ بات واضح کی گئی۔ کہ حضرت زکریا علیہ السلام عمر کی اس حد کو پہنچ چکے ہیں۔ کہ انکے نطفہ سے اولاد قطعی ناممکن ہے۔ جبکہ انکی بیوی بھی بانجھ ہے۔ اب اگر اولاد ہونے کی صورت ہے۔ تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر نطفہ کے قدرت کاملہ سے اولاد دے۔

تو اللہ نے حضرت زکریا کی دعا قبول کر لی۔ اور کہا۔ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُہٗ یَحْیٰی ۙ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۷)۔ اے زکریا میں تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہوں اسکا نام یحییٰ ہوگا۔ تو حضرت زکریا نے۔ پوچھا۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ

عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۸) اے رب میرے لڑکا کس طرح ہوگا جبکہ میں بوڑھاپے کی حد میں نطفہ کی قوت سے محروم ہوں۔ تو اللہ نے کہا كَذٰلِكَ ج قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا اسی طرح بغیر نطفہ کے پیدا کرونگا۔ اللہ جسطرح چاہے کرسکتا ہے۔ یہ امر اسکے لئے آسان ہے۔ اس نے تو آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اس سے پہلے۔ جبکہ وہاں بھی کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔۔۔۔ تو اس آیت میں فھب لی من لدنک کا اشارہ۔ نطفہ کے بغیر روح یا نور کو ذریعہ بنایا جاتا ہے۔۔۔۔ قرآن نے اس امر کی نشاندہی نہیں کی کہ بجائے نطفہ کے نور سے پیدا کیا جائے گا۔۔۔ لیکن قدرتِ کاملہ سے پیدا کرنے کی یہی صورت ہوگی۔ اسکا ثبوت خود قرآن۔ آئندہ انتخابِ آل عمران میں وضاحت سے پیش کرتا ہے۔۔۔ یہاں واقعہ زکریا سے صرف اس امر کا ثبوت فراہم کرنا ہے کہ ماں باپ کے ہوتے ہوئے۔ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۰)۔ اللہ جسطرح چاہے بغیر نطفہ مخلوق پیدا کرتا ہے۔۔۔ چنانچہ اسی ترکیب پر آل عمران کا تذکرہ دانستہ طور وضاحت سے پیش کیا گیا۔۔۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَافِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ج اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۵) اور جب کہا عمران کی بیوی نے اے رب میں نذر کرتی ہوں تیرے لئے۔ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے۔ پس تو اسے قبول کر تحقیق تو سننے والا۔ جاننے والا ہے۔ یہ واقعہ اصطفائے آل عمران کا خاص واقعہ ہے۔ جو سیرت النبی کی روح ہے۔ اس واقعہ کو قرآن نے خصوصیت کے ساتھ بیان کیا۔۔۔

واقعہ یوں ہے۔ کہ دینِ موسوی میں۔ یہ طریق تھا۔ کہ بعض عورتیں۔ اللہ کی نذر میں اپنا حمل میں پیدا ہونے والا لڑکا ہیکل میں نذر چڑھاتے تھے۔ ہیکل کے راہب اس لڑکے کو لے کر۔ ہیکل کے حجرے میں رکھتے۔ اسکی پرورش کرتے۔ دین موسوی کے مطابق اسکی تربیت کرتے۔ بڑا ہو کر یہی لڑکا راہب بنتا۔ اور دین موسوی کی تبلیغ کرتا۔۔۔ یہ ایک الہامی طریقہ تھا۔ کہ نذر مانا ہوا لڑکا پیدا ہوتا۔ اسے ہیکل کے راہبوں کے حوالے کیا جاتا۔۔۔ اسکے بعد قرآن اسکی تفصیل یوں بیان کرتا ہے۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَآ اُنْثٰى۔ پس جب اس نے جنا۔ تو وہ لڑکی تھی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۶)

اللہ جانتا تھا جو کچھ اس نے لڑکی جنا تھا۔تو عمران کی بیوی پریشان ہوئی۔کہ لَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى۔ یعنی لڑکا اور لڑکی ایک طرح کے نہیں۔لڑکی تو ہیکل میں نذر نہیں مانی جائیگی ـــــ مجبوراً لڑکی کو ہیکل میں لے گئی۔یہ بھی نذر مانی گئی تھی۔لڑکی دیکھ کر راہب بھی فکر میں پڑ گئے کہ آج تک ایسا ہوا نہیں۔کہ نذر میں لڑکی لی جائے۔فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّ اَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۷) تو چونکہ یہ القائے الٰہی کے تابع ہی عمران کی بیوی نے نذر مانی تھی۔اور اللہ کی مرضی لڑکی پیدا ہونا ہی تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے راہبوں پر القا کیا۔کہ لڑکی کو قبول کریں۔اب ضرورت اس امر کی تھی۔کہ ہیکل کے حجرے میں اس کی پرورش کس کے ذمہ کی جائے۔چنانچہ راہبوں نے دین موسوی کے مطابق فال نکالی۔فال کا القائی۔الہامی طریقہ یہ تھا۔کہ منتخب راہب اپنی قلمیں دریا میں پھینکتے۔جس کی قلم بہاؤ کے مخالف اوپر کو چڑھتی وہی شخص منتخب ہوتا ـــــ راہبوں میں سب نے اپنی قلمیں دریا میں پھنکیں تو حضرت زکریا کی قلم اوپر کو چڑھی۔تو حضرت مریم کی کفالت حضرت زکریا کے سپرد کی گئی ـــــ اسوقت طریق یہ تھا۔کہ ایسے بچوں کو ہیکل کے مشرقی حصہ میں ایک حجرہ ہوتا۔اس حجرہ میں بچے کو رکھا جاتا۔اور مقررہ پاک صاف غذا اسے دی جاتی۔یہی طریق حضرت مریم سے کیا گیا۔انہیں مشرقی حجرہ میں رکھا گیا۔اور جب کھانا کھانے کے قابل ہوئیں۔تو حضرت زکریا۔انکے لئے مقررہ مقدار میں میوہ رکھ کر۔حجرہ میں قفل لگا کر چلے جاتے۔

ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا۔جب حضرت زکریا حجرے میں داخل ہوئے۔تو وہاں اس مقدار سے زیادہ اور مختلف قسم کا میوہ دیکھا۔حیران رہ گئے۔پوچھا يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا اے مریم یہ میوہ تیرے پاس کہاں سے آیا ـــــ حضرت مریم اب اس مقام تک پہنچ چکی تھیں۔جہاں انکے عقل وشعور پختہ ہو چکے تھے۔تو اس نے کہا۔هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۷)۔ یہ میوہ مجھے اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔اللہ جسے چاہے دیتا ہے۔حضرت زکریا نے سمجھ لیا۔کہ حضرت مریم ۔اللہ کی نظر میں مقبول ہو چکی ہیں۔خاموش رہے۔اور حضرت مریم کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔اب حضرت مریم۔اپنی عبادت میں مصروف وقت گزار رہی ہیں۔ایک دن پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا ـــ کہ ایک

فرشتہ حضرت مریم کے پاس آیا اور کہا۔ اے مریم۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۲)۔ اے مریم اللہ نے تجھے۔ کسی خاص مقصد کیلئے منتخب کیا ہے۔ اور تیرے جسم کو ہر کثیف آلائش سے پاک رکھا ہے۔ ایک دن پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ قرآن اسکا ذکر ایک انوکھے انداز میں بیان کرتا ہے۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۷) پس ہم نے بھیجا مریم کی طرف اپنا روح۔ پس وہ انکے پاس بشر کی شکل وصورت میں آیا ــــ اس آیت میں رُوْحَنَا کا لفظ آیا ہے۔ روحنا سے مراد ملائکہ ہے۔ اس سے قبل ملائکہ اپنی اصلی شکل میں آتا رہا۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے اسے بشر کی شکل میں بھیجا۔ اس ترکیب میں اللہ تعالیٰ کا ایک خاص مقصد تھا۔ وہ یہ کہ ثابت ہو۔ کہ نور بشر کی ہیئت اختیار کرسکتا ہے۔ اور بشری ہیئت میں محسوس ہوتا ہے۔ اس ثبوت کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک آیت دانستہ طور پیش کی قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۸) حضرت مریم نے اپنے سامنے ایک بشر کو دیکھا۔ تو کہا۔ میں پناہ مانگتی ہوں۔ اللہ سے۔ کہ تو کس حیثیت میں یہاں آیا ہے ــــ آیا تو بشر ہے۔ یا کچھ اور ــــ اس بیان سے ثابت ہوا۔ کہ نوری پیکر۔ بشر کی شکل میں ــــ بشر ہی محسوس ہوتا ہے۔ لیکن نوری پیکر کی صفت نوری بشری وجود میں بھی۔ علےٰ حالہٖ قائم رہتی ہے۔ تو پھر قرآن نے اسکا ثبوت فراہم کیا ــــ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ۖ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۹) ــــ سوائے اسکے نہیں۔ میں نوری پیکر ملائکہ ہوں۔ مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔ کہ تمہیں ایک پاک ومزکی لڑکے کی بشارت دوں۔ تو حضرت مریم نے متعجب ہوکر پوچھا ــــ قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۲۰) میرے لڑکا کیسے ہوگا۔ جبکہ میری شادی نہیں ہوئی۔ نہ میں غلط کار ہوں ــــ تو ملائکہ نے کہا۔ اللہ کہتا ہے۔ قَالَ کَذٰلِکِ ایسے ہی ہوگا ــــ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ۔ یہ میرے لئے آسان ہے۔ اور قرآن بتاتا ہے۔ ایسا کیوں کیا گیا ــــ اسلئے کہ وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا ج وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۲۱) تاکہ میں ان واقعات کو بطور ثبوت پیش کروں۔ اول یہ کہ۔ واقعہ زکریا میں۔ باپ بھی ہے ماں بھی ہے۔ لیکن اللہ

چاہتا ہے نور سے انسان پیدا کروں۔تو نطفہ کی جگہ نور کو بشر کی پیدائش کا سبب بنایا۔دوسرا۔۔۔نوری پیکر ملائکہ کو بشری شکل میں بھیجنا۔اس غرض سے تھا۔کہ ثابت ہو۔نور بشر کی شکل اختیار کرتا ہے۔۔۔اور اس حال میں اسے بشر ہی سمجھا جاتا ہے۔۔۔لیکن یہ شکل میں بشر محسوس ہوتا ہے۔مگر اس وجود میں نوری صفت قائم رہتی ہے۔

تیسرے۔نطفہ کی جگہ نور سے بھی بشر بنایا جاتا ہے۔اور وہ بشر کی شکل وصورت پر پیدا ہوتا ہے۔لیکن اسکی نوری صفت بشری پیدائش پر موجود ہوتی ہے۔۔۔

اور یہ اسلئے کیا گیا۔ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ۔لوگوں کیلئے یہ واقعات بطور دلیل پیش کرنا مقصودِ الٰہی تھا۔کہ۔ایک بشر کو نور سے پیدا کیا جائے۔اور وہ بشر کی شکل میں پیدا ہو۔اور اس میں نوری صفات کا مظاہرہ ہو۔۔۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۔یہ واقعات مشیت الٰہی کے تابع ازل سے ارادۂ الٰہی میں مقرر ہو چکے تھے۔

اسکے بعد انتخابِ آلِ عمران میں اس نوری بشر کے نوری صفات کا مظاہرہ قرآن نے تفصیل سے پیش کیا۔۔۔اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ (پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۷۱) سوائے اسکے نہیں۔کہ عیسیٰ ابنِ مریم اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔یہ اللہ کا منتخب کردہ نور ہے۔جو حضرت مریم کے بطن میں القا کیا گیا۔اس القا کی ترتیب قرآن بتاتا ہے۔ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۶ آیت ۱۲)۔اور ہم نے حضرت مریم میں اپنا ایک مخصوص نور نفخ کیا۔جو بشری شکل میں پیدا ہوا۔یہ ہے۔ایک انسان کے مرکبِ جسمانی کی خصوصیت۔اب اسکی صفات کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ط قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ○ پس حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں لیکر اپنی قوم میں آئیں۔تو انہوں نے کہا۔اے مریم یہ کیا عجیب شے لے کر تو آتی ہے۔تو حضرت مریم نے اشارہ کیا فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ط قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ قف اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِىْ نَبِيًّا ۙ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۲۹۔۳۰) پس حضرت مریم نے گود میں بچہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔تو انہوں نے کہا۔یہ تو خلافِ عادت ہے۔کہ شیر خوار بچہ کلام نہیں کرسکتا۔مگر حضرت عیسیٰ نے خود جواب دیا۔بلاشبہ میں اللہ کا بندہ

خاص ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی اور مجھے نبی بنایا گیا ـــــ یہ سیرت النبی کا پہلا مظاہرہ تھا۔ جو آل عمران سے ہوا۔

اسکے بعد نبوت کا دوسرا مظاہرہ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ لا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًام بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ج (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۹) تحقیق میں آیا ہوں تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر کہ میں مٹی کا پرند بنا کر اس میں اپنی سانس پھونک دیتا ہوں۔ پس وہ اڑتا پرند ہو جاتا ہے ـــ میں کوڑھی اور اندھوں اور برص والوں کو تندرست کر دیتا ہوں۔ اور مردے زندہ کرتا ہوں۔ یہ قوت مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے ـــ

اسکے بعد کے واقعات کچھ نصاریٰ کی کتابوں۔ اور کچھ تاریخی طور بیان کیے گئے۔ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں تبلیغ شروع کی۔ اسوقت دین موسوی کے یہودی عالموں نے۔ توراۃ کے علم میں من گھڑت فسانے شامل کرر کھے تھے۔ عوام پر انکا غلبہ تھا۔ اور وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ راہب بن کر دولت اکٹھی کرتے تھے۔ تو حضرت عیسیٰ ہیکل میں آئے۔ اور راہبوں کے من گھڑت عقائد کی ردکی۔ تو راہب حضرت عیسیٰ کے خلاف ہو گئے۔ اور انکے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ اور حکومت کو اکسایا۔ کہ حضرت عیسیٰ حکومت کے خلاف سازش کرر ہے ہیں۔ کسی دن یہ حکومت کا تختہ الٹ دیں گے۔ تمام یہودی انکے برخلاف ہو گئے۔ اور انہیں قتل کرانے کے منصوبے بنانے لگے۔ آخر حکومت اور یہودی راہبوں نے سازش بنا کر حضرت عیسیٰ کے خلاف بغاوت کا الزام لگا کر انکے قتل کا فیصلہ لے لیا۔ اس فیصلہ کو لے کر حضرت عیسیٰ کی تلاش شروع ہوئی۔ ایک مخبر نے خبر دی کہ حضرت عیسیٰ ایک مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ پولیس مخبر کو ساتھ لے کر اس مکان پر پہنچی۔ اور مخبر سے کہا کہ حضرت عیسیٰ کو پکڑ کر باہر لائے۔ مخبر مکان کے اندر گیا۔ مگر دیر تک واپس نہ نکلا۔ تو پولیس خود مکان کے اندر چلی گئی۔ اور حضرت عیسیٰ کو پہچان کر گرفتار کر کے عدالت میں لے آئے۔ حضرت عیسیٰ کہتا ہے۔ میں عیسیٰ نہیں ہوں۔ مگر حضرت عیسیٰ کو سب دیکھ رہے تھے۔ کہ یہی عیسیٰ ہیں ـــــ آخر عدالت نے انہیں قتل کی سزا دی۔ حضرت عیسیٰ کے کاندھے پر صلیب رکھ کر۔ مقرر جگہ جہاں صلیب دی جاتی تھی پہنچا کر صلیب دے

دیا۔اور جب عیسیٰ فوت ہو گئے۔تو حواری اسے لے گئے اور دفن کر دیا۔تو دنیا نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ صلیب دیئے گئے یہی تاریخی واقعہ یہود و نصاریٰ میں تھا۔کہ حضرت عیسیٰ صلیب دیئے گئے مگر قرآن نے اس تاریخی واقعہ کے خلاف بیان دیا۔

اس واقعہ کو قرآن نے دلائل کے ساتھ پیش کیا۔پہلی دلیل یہ کہ قرآن حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصیت دلیل ہے۔کہ یہ کتاب آپ پر وحی کی جاتی ہے اسلئے اس قرآن کا ہر واقعہ سچا ہے ــــ دوسری دلیل یہ قرآن توراۃ وانجیل کی تصدیق کرتا ہے۔اسلئے قرآن خود قتلِ مسیح کا واقعہ بیان کرتا ہے۔پہلے حضرت عیسیٰ کی طرف خطاب ہوا ــــ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ ۔ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ ۔وَ مُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اے عیسیٰ میں تمہیں طبعی موت دوں گا اس بیان سے یہود کے قتل کی نفی ہوگئی اور اٹھاؤں گا اپنی طرف ــــ اور ان کافروں کی شر سے محفوظ کر دوں گا کہ وَمَکَرُوۡا وَ مَکَرَاللّٰهُ ۔ وَاللّٰهُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ۔ یہود سازش کر کے آپکو باغی بنا کر قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔میں بھی انکے خلاف ایک منصوبہ بنا رہا ہوں۔کہ میں قتل سے پہلے ہی تجھے آسمان پر اٹھا لے جاؤں گا۔اور تجھے ان کافروں کی شر سے محفوظ کر دوں گا ــــ اسکے متعلق اللہ تعالیٰ نے انکے تاریخی واقعہِ قتل کی رد کر دی۔

وَقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِیۡحَ عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ج وَمَاقَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰکِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ ط وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡهُ ط مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوۡهُ یَقِیۡنًا ۙ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیۡهِ ط وَکَانَ اللّٰهُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ۝ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ج وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یَکُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ شَهِیۡدًا ع (پارہ۶ سورۃ۴ آیت ۱۵۷ تا ۱۵۹) انکا کہنا ہے۔کہ ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا۔مگر نہیں قتل کیا اسکو اور نہ وہ صلیب دیئے گئے۔لیکن اس پر شبہ میں پڑ گئے۔اور وہ جو اختلاف کرتے ہیں قتل ہونے نہ ہونے پر۔البتہ وہ شک میں گرفتار ہیں۔نہیں انکو علم اسکا۔مگر وہم و ظن میں گرفتار ہیں۔یقیناً انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ انہیں آسمان پر اٹھا لیا اور اہل کتاب نصاریٰ میں سے البتہ ایک دن حضرت عیسیٰ کی

موت سے قبل ایمان لائیں گے۔اس حقیقت پر۔اور قیامت کے دن وہ اسکی شہادت بھی دیں گے۔

قرآن نے واضح الفاظ میں گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ نہ صلیب دیئے گئے نہ قتل کئے گئے ــــ ظاہر ہے۔تاریخی طور۔انکی طبعی موت کا کوئی ثبوت نہیں ــــ قرآن نے یہود ونصاریٰ کے شک و ظن کا جوذکر کیا۔یہ ایک درمیانی واقعہ ہے۔جو یہود ونصاریٰ کے علم میں نہیں۔جسکا اشارہ وَمَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ میں پوشیدہ ہے۔کہ یہ تاریخی واقعہ ہی ہے۔کہ جب مخبر حضرت عیسیٰ کو اندر سے پکڑنے کیلئے مکان میں گیا۔تو اللہ نے مخبر کی شکل حضرت عیسیٰ کی شکل میں بدلا دی۔پولیس اندر گئی۔تو مخبر کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا۔تو یہود ونصاریٰ نے صاف دیکھا کہ یہ حضرت عیسیٰ ہیں۔اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کرکے آسمان پر اٹھالیا۔ادھر یہودیوں نے اسی مخبر کو صلیب دیا۔اسی مخبر کو دفن کیا گیا۔اب شک وشبہ کی صورت یہ نکلی کہ مخبر کہتا ہے۔میں مخبر ہوں۔عیسیٰ نہیں ہوں۔مگر جب صاف حضرت عیسیٰ کی شکل دکھائی دے رہی ہے۔کون اسکی سنتا۔مخبر کے رشتہ داروں نے مخبر کی تلاش کی۔مگر وہ نہ ملا۔توشبہ ہوا۔کہ مخبر کا وجود زمین پر نہیں۔ممکن ہے غلط فہمی میں یہودیوں نے مخبر کو قتل کردیا ــــ ان گومگو واقعات نے کہ ایک طرف حضرت عیسیٰ کو صلیب دیا گیا۔دوسری طرف مخبر کا وجود گم ہوگیا۔یہود ونصاریٰ کو شک وظن اور اختلاف کا شکار کردیا۔اسی واقعہ کی تفصیل قرآن نے واضح طور بیان کی ــــ یہ ایک واقعہ تھا۔جسکا ہونا ضروری تھا۔مگر حقیقت یہ ہے۔کہ اس واقع میں حضرت عیسیٰ کے نوری وجود کی صفتِ اولیٰ کا اظہار مقصود تھا۔کہ اس نوری جسم کو اللہ تعالیٰ آسمان سوئم پر لے گیا۔چونکہ یہ نوری صفت کا وجود ہے۔اسلئے آسمان میں رہ سکتا ہے اور طویل مدت تک قائم رہ سکتا ہے۔اور اہل کتاب ایک وعدے کے دن دیکھیں گے۔جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حضرت عیسیٰ زمین پر اتریں گے۔ تو اہل کتاب عیسائی بھی انہیں دیکھیں گے۔اور اس حقیقت کو دیکھ کر دین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔اسکے بعد زمین پر آپکو موت واقع ہوگی۔تاریخی طور آپکی طبعی موت ثابت نہیں۔ قرآن نے بھی آپکی طبعی موت کی شہادت نہ دی۔تو یقیناً آپ آسمان سوئم پر قیام کئے ہوئے ہیں۔

یہ واقعات اصطفائے آل عمران کی تفصیل تھی۔جس میں قرآن نے حضرت عیسیٰ کے وجود کو نطفہ کی جگہ نور سے بنایا۔آپکی صفات میں۔کلام فی المھد۔بیماروں کا اچھا کرنا۔مٹی کے پرندوں کو زندہ

کرنا۔مردے زندہ کرنا ــــ اور آسمان تک عروج کرنا تھا۔اس سے ثابت ہوا۔کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش ذاتی۔صفاتی کمالات میں ہر اس وجود سے افضل ہے۔جو نطفہ سے پیدا ہوا۔کیونکہ نور مادہ سے افضل ہے۔یہ فیصلہ خود قرآنِ حکیم نے کیا۔اسکے بعد قرآن نے کسی اور وجود کی نوری افضلیت کا ذکر نہیں کیا ــــ جو جسمانی حیثیت میں حضرت عیسیٰ سے افضل ہو ــــ

اسکے بعد قرآن نے حضرت عیسیٰ کی زبانی ایک رسول کا خصوصی ذکر کیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا۔مگر آپ کی تبلیغ کے ساتھ ہی یہودی حکومت اور یہودیوں نے شدید مخالفت کی ــــ سوائے چند حواریوں کے اکثریت کے ساتھ یہود کو دین عیسوی میں داخل ہونے کا موقع نہ مل سکا۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھالیا۔اور مخلوق کو ابھی ایک رسول کی ضرورت باقی رہی۔اس کے متعلق حضرت عیسیٰ نے کہا ــــ

وَاِذْقَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۱ آیت ۶)۔اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے۔اے بنی اسرائیل۔میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔اور میں توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں۔اور میں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی۔آئے گا میرے بعد۔اسکا نام احمد ہوگا ــــ

قرآن نے اپنے ابتدائی بیان میں بتایا۔کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔قرآن کی زبانی ہی۔خلیفہ کے معنی۔تسبیح وحمد کرنے والا ــــ اور معرفت الٰہی حاصل کرنے والا نبی ــــ بتائے گئے ــــ اسی تصور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنے والی ہستی کا نام احمد بتایا۔کہ کائنات میں سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔سب سے زیادہ معرفت حاصل کرنے والا ــــ اس سے ظاہر ہے۔کہ یہی وہ ذات ہے۔جس سے مقصد الٰہی کی تکمیل ہوگی ــــ جس سے خلافت کی تکمیل ہوگی۔جس سے نبوت کی تکمیل ہو گی ــــ

اس ذات کو قرآن نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے خطاب سے پکارا۔یہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔جو خاتم النبیین ہیں۔

محمد کے معنی۔حمد کیے گئے۔پہچانے گئے۔جن کی کائنات میں سب سے زیادہ تعریف کی گئی۔اور تعریف آپکے صفات وکمالات سے کی گئی ۔۔۔

خاتم النبیین۔کے معنی ۔۔۔ ختم سے مہر کرنے والے ۔۔۔ اور حضرت عیسیٰ کی بشارت کے لحاظ سے تمام انبیاءٔ کے بعد آنے والے۔کہ ان کے بعد اور کوئی نبی بحیثیت رسول نہ آئے گا۔جسکی مخلوق کو ہدایت کیلئے ضرورت ہوگی ۔۔۔

قرآن نے خصوصیت کے ساتھ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو محمد کہکر پکارا۔قرآنِ عربی میں۔اصطلاحِ قریش میں۔محمد کے معنی حمد کیا گیا۔حمد کے عجمی معنی پہچانا گیا۔تعریف کیا گیا ۔۔۔ اور تعریف عُرف سے ہے۔اس میں بھی عَرَفَ کا مادہ ہے۔عَرَفَ کے معنی بھی پہچانا گیا ہے ۔۔۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے۔جب کہا اللہ نے اَن اُعْرَف۔میں پہچانا جاؤں۔دوسرا مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ۔جس نے اپنے آپ کو پہچانا۔تیسرے یہ تاریخی واقعہ ہے۔کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر جب حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے۔آپ کی پیدائش پر قوم کو دعوت دی۔تو آپ سے پوچھا گیا۔کہ اس نوزائیدہ کا نام کیا رکھا۔تو آپ نے فرمایا۔محمد (صلے اللہ علیہ وسلم)۔کہ میرا بیٹا دنیا میں تعریف کیا جائے ۔۔۔ تو قرآن نے بھی اس کی تائید کی۔وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ قٖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۹) اور رات کو نماز پڑھیں۔یہ عبادت صرف آپ کیلئے ہے۔عنقریب میں آپکو مقام محمود عطا کروں گا۔ مقامِ محمود سے مراد حمد کیا جانا ہے۔محمود میں بھی حمد کا مادہ ہے۔حمد کے معنی پہچان یا تعریف ہی ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے۔کہ جملہ انبیاءٔ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے۔کمال وفضیلت عطا کی۔ جیسے آدم کو۔نوح کو۔ابراہیم کو۔یحیٰ کو۔موسیٰ کو۔عیسیٰ کو بغیر کسی عمل کے فضیلت عطا کی گئی ۔۔۔ حضرت موسیٰ کو اپنی طرف سے نبوت۔عصا۔ید بیضا عطا کیا۔حضرت عیسیٰ کو پیدائشی نبی۔اور نور کی پیدائش اور معجزات اپنی طرف سے عطا کئے۔انہیں۔روح اللہ۔کلمۃ اللّٰہ بنایا ۔۔۔ یہ تمام کمال وہبی کہلاتے ہیں۔یعنی بغیر محنت۔عمل اللہ کی طرف سے عطا ہونا ۔۔۔ اسکے مقابل قرآن نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق۔نہ مثل مریم۔حضرت آمنہ علیہا السلام کے متعلق کسی طَهَّـــرَکِ۔یا

اصۡطَفٰکِ ۔کا بیان دیا۔نہ فَنَفَخۡنَا فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا جیسا بیان دیا۔جس سے حضور کے نوری ہونے کی دلیل دی گئی ہو۔نہ ہی آپ کو حضرت موسیٰ۔حضرت عیسیٰ جیسے معجزات دیئے گئے۔سوائے اسکے کہ آپ کی ذات کیلئے یہ بیان دیا۔ قُلۡ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۔کہ میں بھی تمہاری مثل بشر پیدا کیا گیا___ قرآن کے اس بیان سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے۔ کلمۃ اللہ اور روح اللہ کی نوری خصوصیت ۔بشری حیثیت سے افضل ہے۔لیکن ان تمام کمالات کے مقابلہ میں قرآن نے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو دو صفات سے پکارا۔ایک محمد۔دوسرا احمد۔

محمد سے مراد کائنات میں جسکی تعریف سب سے بلند ہے___دوسرے کائنات میں حمد کیا گیا۔یعنی پہچانا گیا___اور احمد سے مراد جس ذات کیلئے یہ مقرر کیا گیا۔کہ جملہ انبیاءؑ کے وہی کمالات کے مقابلہ میں آپ کیلئے اپنے ذاتی عمل سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنا منحصر کر دیا گیا۔جملہ انبیاءؑ کے مقابلہ میں اگرچہ قرآن نے آپ کیلئے۔کسی نوری پیدائش۔کسی معجزہ کا ذکر نہیں کیا___ مگر محمد واحمد میں جملہ انبیاءؑ کے کمالات وفضائل۔اور علو مرتبت کو جمع کر دیا___ کہ آپ اپنے جہد وعمل سے۔جملہ انبیاءؑ کے کمالات و فضائل سے بلند مرتبہ حاصل کریں گے۔اور آپ جملہ انبیاءؑ کے کمالات وفضائل کے جامع ہوں گے۔یہی صفت نامِ احمد میں پائی جاتی ہے___اور آپ کی صفتِ محمدی۔کل کائناتِ خلقت کی جملہ صفات و کمالات کی جامع ہے۔جبکہ یہ نام کائنات میں کسی ذات کیلئے قرآن نے پیش نہیں کیا۔

قرآن نے تین مقامات پر حمد کا لفظ استعمال کیا۔اول لِلّٰهِ الحمد۔دوسرا مُحَمَّدٌ ___ تیسرا۔اَحۡمَدُ

لِلّٰهِ الحمد سے مراد۔حمد صرف اللہ کیلئے ہے۔یعنی سب تعریف۔سب پہچان اللہ کیلئے ہے۔

محمد سے مراد۔حمد کئے گئے۔تعریف کئے گئے___پہچانے گئے۔

احمد سے مراد۔جس ذات نے۔سب سے زیادہ اللہ کی حمد کی___تعریف کی___اور پہچان کی۔

ان تینوں مقامات پر حمد کا مادہ ایک ہی۔حمد کے معنی ایک ہی ہیں___یعنی جو حمد لِلّٰہ الحمد میں ہے۔ وہی حمد محمد میں ہے۔وہی حمد احمد میں ہے۔اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ انہیں تین ناموں سے حمد کا تعلق ہے۔ضروری ہے کہ اس حمد کی تفسیر بیان کی جائے۔کہ لِلّٰہ الحمد میں حمد کیسے ہوتی

ہے۔محمد کی حمد کیسے ہوتی ہے اور احمد کی حمد کسطرح کی ہے۔

لِلّٰہ الحمد۔کی حمد۔اللہ کی ذات کے اعتبار سے ہے۔کہ وہ اَحَد" ۔اَللّٰہُ اَحَد"۔احد سے مراد ایک نورِ محض۔جس ذات کے مقابلہ میں۔کسی دوسری ذات کا وجود موجود نہیں ہوسکتا۔وہ لاشریک ہے۔۔اس حال میں کہ لامحدود ہے۔حی وقیوم ہے۔پھر ھُوَ الْاَوّل ہے۔وہ قدیم سے تھا۔۔ ھو الْاٰخر ۔وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ابد میں بھی ایسا رہے گا جیسا ازل میں ہے۔ان دو تصورات پر جب فکر کیا جائے۔کہ ماضی میں کتنا وسیع۔کب سے ہے۔کہاں تک ہے۔تو اس کی ذات میں عقل پرواز کرے۔تو عقل پر حیرت و درماندگی طاری ہوتی ہے۔عقل بے بس ہوجاتی ہے۔تو زبان سے اللّٰہ نکلتا ہے۔اللہ سے مراد۔۔ الٰہ ہے۔اور الٰہ سے مراد حیرت و درماندگی میں ڈالنے والا۔۔ یہ اسکی ذات لاشریک ولامحدود کی پہچان ہے۔یہی اسکی تعریف ہے۔ھو اللّٰہ اَحد۔ھو الْاَوَّل۔ھُوَ الْاٰخِرُ میں ایک خصوصی تصور یہ بھی ہے۔کہ وہ ایک ہے۔اسکی ذات کے مقابلہ میں کوئی دوسرا وجود ہونہیں سکتا۔۔ جبکہ اسکی ذاتِ لامحدود میں نہ کوئی جگہ خالی ہے۔نہ اس ذات سے ماسوئ کوئی وجود بن سکتا ہے۔۔اسکے باوجود ایک وجود ھو الاٰخر یعنی دوسرا وجود محسوس ہوتا ہے۔یہ وجود کائنات کا وجود ہے۔قرآنی اصطلاح میں۔ھو الاٰخر سے مراد یہ ہوگی۔کہ یہ دوسرا وجود بھی اسی ذات کا وجود ہے۔ظاہر ہے۔جبکہ کسی دوسرے وجود کیلئے۔نہ کوئی ذریعہ میسر ہے۔کہ اللہ سے ماسوئ کہیں سے اس وجود کا مادہ حاصل ہو۔نہ اللہ کی ذات میں کوئی جگہ خالی ہے۔جہاں اس وجود کا قیام ہوسکے۔تو ضروری ہے۔کہ یہ وجود بھی اللہ ہی کا ہوسکتا ہے۔۔۔اور اللہ ہی اسکا خالق ہوگا۔۔۔اب دیکھنا ہے۔کہ اس دوسرے وجود کی ترکیب پیدائش کیا ہے۔یہ ظاہر ہے۔کہ کوئی وجود خود بخود ہونہیں سکتا۔۔ تو لازم ہے۔یہ وجود اللہ کے ارادہ سے ہو۔۔۔

قرآن نے اس پیدائش کی کوئی تفصیل پیش نہیں کی سوائے اسکے۔کہ ھُوَ خَالِق"۔یعنی اللہ سے ماسوئ اگر کسی وجود کا احساس ہوتا ہے۔تو اسکا بنانے والا خود اللہ ہے۔۔اس سلسلہ میں اگر قرآن نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔تو ہمیں اس پیدائشی ترکیب کا علم حاصل کرنے کیلئے۔اسی ذات سے رجوع کرنا ہوگا۔جو احمد ہے۔جس نے کائنات میں۔کائنات اور اللہ کی ذات کو بدرجہ اولیٰ پہچانا۔

قرآن بھی اس پیدائشی ترکیب کو سمجھنے اور پہچاننے کی تحریک دیتا ہے۔ کہ سِیۡـرُوۡا فِـی الۡاَرۡضِ فَا نۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَالۡخَلۡقَ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲۰)۔ پھرو زمین پر اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کب ــــ کسطرح ۔ اس کائنات کی پیدائش کی ابتدأ کی ــــ تو اس سلسلہ میں احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے واضح طور فرمایا کُنۡتُ کَنۡزًا مَخۡفِیًّا فَاَحۡبَبۡتُ اَنۡ اُعۡرَفَ فَخَلَقۡتُ الۡحُبَّ اللہ تعالیٰ ایک مخفی خزانہ تھا۔ تو اسکی خواہش ہوئی میں پہچانا جاؤں۔ تو ''حُب'' کو پیدا کیا۔ حُب کی تفسیر میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوۡرِیۡ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے سویٰ۔ سب سے پہلے میرا نور بنایا ــــ اور اسی نور سے تمام کائنات بنائی۔ اس وضاحت سے صاف طور عیاں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ترکیب پیدائشِ کائنات میں اللہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نور بنایا ــــ اور پھر اسی نور سے کائنات بنائی گئی۔ ظاہر ہے۔ کہ آپ کے نور کیلئے بھی۔ ماسویٰ سے کہیں نور موجود نہیں ــــ تو ضروری ہے۔ کہ یہ نور اللہ کے نور سے ہی لیا گیا۔ تو اسکی ترکیب یہی ہے۔ اِذَآ اَرَادَ شَیۡـئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ○ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۶ آیت ۸۲) اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا۔ تو اپنے ہی نور میں ایک نور مخصوص۔ کیا ــــ یہ نور ایسا ہے۔ جیسے سمندر میں قطرہ ــــ کہ قطرہ سمندر کی جز ہے ــــ اور اسکا مقام سمندر میں ہی ہوتا ہے۔ ایسے جیسے دائرے میں نقطہ یا مرکز ــــ یہ نور بھی بہ اعتبارِ ہیئت لامحدود کا درجہ رکھتا ہے۔ کہ لا انتہا وسیع۔ لیکن اسکی حیثیت ذات کی نہیں۔ بلکہ محدود مخلوق ہے۔ اس نور کی صفت وہ نہیں جو ذاتِ لامحدود احد کی ہے۔ بلکہ مخلوق اور محدود نور کی ہے۔ البتہ اللہ کی ذات کے بعد اس نور کا مقام و فضیلت دوسرے درجہ کی ہے۔ یعنی کائنات کی تخلیق میں اس نورِ ابتدائی کی حیثیت ''منبع'' کی ہے۔ یا بیج کی سی ہے۔ کہ اسی نورِ ابتدائی سے کل کائنات بنائی جائیگی۔ اور کائناتِ عالم۔ نوری۔ ناری۔ خاکی کی جملہ خصوصیات وصفات اور وجود میں بنیادی وجود۔ اسی نور کا ہوگا ــــ ازل سے لے کر ابد تک جتنی کائنات بنے گی وہ اسی نور سے بنے گی ــــ ایسی صورت میں هُوَ الۡاٰخِرُ کی تفسیر یہ ہوگی۔ کہ بنیادی وجود۔ اللہ کا نور ہی ہے۔ جس سے نورِ ابتدائی بنا ــــ مگر چونکہ کائنات مخلوق ہے۔ اسلئے اس کائنات کا بنیادی وجود مخلوق ہونا چاہیے۔ تو اللہ کے سوا اس کائنات کو ایک مخلوق نور سے ہی بنایا جانا لازمی ہے ــــ سو یہ مخلوق نور ــــ نور ابتدائی ہے۔ لہٰذا یہی نور کائنات کے ہر وجود کا بنیادی سبب تصور کیا جائے گا۔ کہ کائنات کی ہر شے میں

نورِ محمدیؐ ہی کو پہچانا جائے گا ـــــ یہی تفسیر هُوَ الْاٰخِرُ کی ہے۔اور کائنات بنانے کی یہی الٰہی ترکیب و ترتیب ہے۔اور جب کائنات کی تحقیق میں ہر شے کائنات کے وجود ـــــ صفات۔کمالات۔خوبصورتی۔تنظیم میں۔ایک ہی نورِ ابتدائی کو پہچانا گیا۔تو اس نور کو۔پہچانا گیا ـــــ اور اس نور کی صفات کمالات کی تعریف کیا گیا۔کہا جائے گا۔عربی میں اس کیفیت کو محمد سے تعبیر دیا جاتا ہے۔یہی پہچان۔محمد کی حمد کی تفسیر ہے۔کہ محمد کی حمد کس طرح پوری ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔تو اس پہچان کیلئے۔نورِ محمدی بنایا۔تو اس کا مطلب یہ ہوا۔کہ اللہ کی پہچان نورِ محمدی ہی سے کرانا مقصود ہے ـــــ نورِ محمدی سے کائنات بنی۔تو اسکا مطلب یہ ہوا۔کہ کائنات کی شکل میں اللہ کی پہچان ہو ـــــ تو لازم ہے۔کائنات کے ہر ذرہ سے اللہ کی حمد کی جائے ـــــ

کائنات کی ابتدا نوری ہیئت سے ہوئی۔تو لازم ہے۔اس نورِ اول سے نوری وجود ہی پیدا ہونگے ـــــ جن میں۔عالم نوری کی کائنات۔سدرۃ المنتہیٰ۔عرش۔کرسی اور سبع السمٰوٰت شامل ہیں۔یہ عالم نوری یا عالمِ باطن کہلاتا ہے۔اس کائناتِ نوری کو هو الباطن کے تصور میں پیش کیا گیا۔تخلیقی اعتبار سے اگرچہ بنیادی نور۔نورِ الٰہی ہے۔مگر مخلوقی حیثیت میں یہ نور نورِ محمدی ہے۔اور یہ سب کائناتِ نوری اپنے مقام پر تسبیح کرتی ہے۔اور حمد کرتی ہے۔آسمانی مخلوق ملائکہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔کہ وہ بھی اللہ کی تسبیح و حمد کرتے ہیں۔

آسمان کائناتِ نوری کی آخری پیدائش ہے۔یہ سات طبقوں میں تقسیم کی گئی۔آخری طبق آسمانِ اول یا آسمانِ دنیا کہلاتا ہے۔اسلئے آئندہ اس نوری وجود سے بجائے نور کے ناری وجود پیدا ہو گا۔سو آسمانِ اول میں ناری وجود پیدا ہوئے۔جنہیں ستارے۔سیارے۔ناری ہیئت کہا جاتا ہے ـــــ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ۝ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۷ آیت ۶)۔اور ہم نے آسمان دنیا میں ستارے پیدا کئے۔یہ عالمِ ناری بھی کہلاتا ہے۔چونکہ یہ عالم انسانی ادراک میں دیکھنے میں آتا ہے۔اسکی ہیئت ظاہر ہے۔اسلئے اس کائناتِ ناری کو هُوَ الظَّاهِرُ کے تصور میں پیش کیا گیا۔اور زمین بھی انہیں سیاروں میں سے ایک سیارہ ناری ہے ـــــ جو ان سیاروں میں شامل آسمان میں واقع ہے۔ان

ناری سیاروں کی مخلوق بھی ناری ہے۔ جسطرح نوری کائنات میں نوری مخلوق ملائکہ سے موسوم ہے۔ یہ ناری مخلوق بھی تسبیح وحمد کرتی ہے ـــــ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایک مخصوص درجہ دیکر زمین کی مخلوق کو خصوصیت کے ساتھ تسبیح وحمد کی ذمہ داری سونپی جسکے متعلق قرآن نے اس تسبیح وحمد کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ کہ میں زمین کی مخلوقِ بشری سے تسبیح وحمد کراؤں گا ـــــ چنانچہ قرآن نے اس تسبیح وحمد کا واضح طور ذکر اس آیت سے کیا۔ کہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ ثابت ہوا۔ کہ یہ حمد مُحَمَّد سے تعبیر ہے۔ اور یہ حمد محمد کیلئے ہے ـــــ کہ انہیں کی ذات کو پہچانا جاتا ہے۔ انہیں کی تعریف کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں اصطفائے آلِ عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں آپکے ذاتی۔ صفاتی کمالات کو وضاحت سے پیش کیا گیا۔ اور حضرت عیسیٰ کے بعد ایک اکرم الاولین والآخرین ہستی احمدِ مجتبٰے کو احمد سے پکارا گیا۔ کہ زمین کی تمام مخلوق کے مقابلہ میں آپ سب سے زیادہ تسبیح وحمد کرنے والے ہیں ـــــ اب احمد کی تسبیح کی تفسیر لازمی ہے۔ کہ جب آپ محمد کی حیثیت میں مجسم نبوت ہیں۔ یعنی تمام کائنات اور انبیاءؑ آپ ہی کی پہچان کرتے ہیں۔ تو آپ کے لئے اسماء کی پہچان نہ ہوگی تو فیصلہ اس حدیث سے پیشتر ہی ہوگیا۔ کہ اَنْ اُعْرَف میں مَا خَلَقَ اللّٰهُ نوری اپنی ذات سے اللہ کی پہچان کرتی ہے۔ نورِ اول۔ قربِ الٰہی کے اعتبار سے سب سے زیادہ تسبیح وحمد کا حامل ہوگا ـــــ بہ الفاظ دیگر۔ تمام کائنات محمد کی حمد کرتی ہے۔ اور محمد خود احمد کی حیثیت میں اللہ کی تسبیح وحمد کریں گے۔

بالآخر سیرت النبی میں۔ انبیاءؑ کی سیرت کے متعلق قرآن نے وضاحت سے فیصلہ دیا۔ کہ آدم کے ذاتی صفاتی کمالات میں۔ آدم تین قوتوں کا مرکب ہے۔ خاک۔ نار۔ اور نور۔ اولادِ آدم۔ نطفہ۔ نار۔ اور نور۔ نطفہ بھی بمنزل خاک ہے۔

حضرت یحیٰ۔ نور۔ اور نور ـــــ یعنی آپ کا جسم نور سے بنا۔ آپ میں وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کا نور شامل کیا گیا۔ آپ میں خاک یا نطفہ نہیں۔ البتہ آپکی پیدائش میں رحم مادر کا خون شامل ہے۔ اسلئے نطفہ نہ ہونے کے باوجود۔ آپکے جسم میں خاک کی آمیزش پائی جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ نور۔ اور نور ہیں۔ ایک وجود کیلئے نور۔ دوسرا نفخ کا نور۔ روح

رحمانی۔آپ کے وجود میں نہ نطفہ کا اثر ہے۔نہ خاک کا ـــــ انہیں پیدائشی خصوصیات کے تابع۔آپ کے صفات وکمالات کا اظہار کیا گیا۔کہ آدم نے تسبیح وحمد کی۔اسرارالٰہی (محمد) کی پہچان کی۔ذات الٰہی کی پہچان کی۔

حضرت عیسٰی۔کا وجودنور سے ہوا۔اسکی صفات۔اسرارالٰہی کی پہچان۔اللہ تعالیٰ کی پہچان۔اورنوری وجود کے کمالات کا مظاہرہ۔بیمار اچھے کرنا۔مردے زندہ کرنا۔مٹی میں اپنی سانس نفخ کر کے انہیں زندہ کرنا ـــــ اوراہم خصوصیت۔نوری حیثیت میں آپکا رفع۔آسمان میں قیام حاصل کرنا ہے ـــــ فطری تخلیقی ترکیب میں۔ایک بشر۔نطفہ۔ناری قوت اورنوری قوت کا مرکب ہوتا ہے۔سوائے حضرتِ عیسٰی کے کہ آپ میں۔خاکی قوت نہیں۔اورقرآنی بیان کے مطابق۔ایک ارضی وجود میں۔اسکے ذاتی۔صفاتی کمالات کا ذکر کرنا اس غرض سے تھا۔کہ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ○ تا کہ اِن واقعات کو بطوردلیل پیش کیا جائے۔اورایسا کرنا ازل سے ہمارے ارادے میں شامل تھا۔کہ

(۱) زمین میں۔ایک بشر۔خاک۔نار۔نور سے پیدا کیا جائے گا۔جبکہ اس پیدائش میں ماں باپ موجود نہیں۔

(۲) اورایک بشر کے ماں۔باپ بھی ہوں۔تو بھی اللہ چاہے۔بغیر نطفہ کے نور سے بنا سکتا ہے۔

(۳) نور سے بنانے کی ترکیب ایسی ہے۔جیسے ملائکہ نوری وجود بشری ہیئت اختیار کرتا ہے۔

(۴) نور سے بنانے کی ترکیب یہ ہے۔کہ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔کہ ماں کے بطن میں نور نفخ کیا جاتا ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں۔کسی شخص کو یہ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔کہ ایک مخصوص و منتخب بشر کو۔اس بشر کو جسکی تعریف قرآن نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ہو۔اللہ چاہتا ہے۔کہ اس بشر کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نوری وجود سے بھی افضل وجوداورافضل کمالات وصفات سے پیدا کرے۔

تو ایسی پیدائش کے لئے مثل یحیٰی۔ماں باپ کے ہوتے۔بجائے نطفہ کے حضرت عیسٰی کیلئے منتخب کردہ نور سے افضل نور۔مثل مریم علیہا السلام بطنِ آمنہ علیہا السلام نفخ کیا جائے۔تو اس بشر کی

پیدائش میں۔نہ نطفہ ہے۔نہ ناری قوت۔ بلکہ حضرت عیسیٰ کے نور سے افضل نور منتخب کیا گیا۔جس نے بشر کی شکل میں ظہور کیا۔یہ بشر بشر محسوس ہوتا ہے۔لیکن مثل عیسیٰ نوری صفات کا حامل ہے۔اس بشر کی صفت۔اول صفت تو یہ ہے۔کہ قرآن نے اس بشر کو محمد کی صفت سے پکارا۔کہ اگر لَوْلَا کَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَا کَ۔آپ کا نور نہ بنایا جاتا۔تو کائنات کا بننا ممکن نہ ہوتا۔اور کائنات محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی روح رحمانی ہے ــــ جو کسی بشر میں نہیں ــــ اور آپکی روح جسمانی (جیسے عام بشر میں روح حیوانی یا نطفہ کی روح ہوتی ہے) عام انسان اور انبیاءؑ کی روح رحمانی ہے۔یعنی۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کیلئے جونور مخصوص کیا گیا۔اسی نور کی اجزا تمام مخلوقِ انسانی کی وہ روح ہے۔جو وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ میں بشر میں صرف۔مشاہدۂ اسرار الٰہی۔مشاہدۂ ذات الٰہی کیلئے نفخ کی گئی۔اس سے مراد۔انسان کی روح رحمانی۔اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح جسمانی ایک ہی کیفیت ہے۔عام مخلوق انسانی روحِ رحمانی سے مشاہدہ کرتی ہے ــــ مگر حضور کی روحِ رحمانی۔سے کائنات بنائی گئی۔لہٰذا آپ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی روح جسمانی سے مشاہدۂ حمد کریں گے۔

حضرت عیسیٰ کی نوری خصوصیت یہ ہے۔کہ آپ آسمان سوئم پر قیام فرما ہیں۔مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نوری خصوصیت میں قرآن نے بتایا سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت اول)۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری جسم کا خاصہ ہے۔کہ آپ نے رات میں جسم سے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا سفر لمحوں میں کیا۔یہ صرف نوری وجود کی دلیل ہے ــــ اور آپکے وجودی مرکب کے ذاتی صفاتی کمالات میں۔یہ خصوصیت ہے۔ثُمَّ دَنَافَتَدَلّٰی ۙ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا اتنے قریب سے مشاہدہ کیا۔کہ درمیان میں فرق باقی نہ رہا۔یہ خصوصیت سوائے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بشری ہیئت میں پیدا ہونے کے باوجود عطا ہوئی۔کہ آپ کو احمد کا خطاب دیا گیا۔یعنی تمام منتخب انبیاءؑ کو وہبی طور فضیلت ملی۔مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو احمد کی حیثیت میں انکے ذاتی۔جہد و عمل سے حاصل ہوا۔کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ۔محنت و جہد۔تسبیح و حمد۔راتوں کو جاگنا۔یہاں تک کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا۔اس عمل سے جو آپ

پر بشریت کا لباس تھا۔ اسے تحلیل کر کے یکسر نوری بناڈالا۔ یہی تعریف احمد کی ہے ــــ

جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا کہ حمد کا تصور تین مقام پر قرآن نے دیا ــــ

ایک لِلّٰہ الحمد ۔ دوسرا محمد ۔ تیسر احمد ۔ سو اللہ کے ارادہ ازلی میں اَنْ اُعْرَفَ کا یہی تصور تھا ــــ اللہ نے نور محمدی پیدا کیا ــــ اس نور کو کائنات کی شکل دی۔ یہ نور بھی محمد سے تعبیر ہے۔ اور کائنات کی مخلوق بھی محمد کے نور میں شامل ہے۔ یہ صورت بھی محمد کی ہے۔ اور اَنْ اُعْرَفَ میں احمد نے پہچان کی یہ بھی محمد کی ہی ایک صورت ہے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے۔ تسبیح وحمد کی تکمیل ہوئی۔ خلافت ونبوت اور رسالت کی تکمیل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں۔ نہ آدم کو پیدا کرنا تھا۔ نہ نوح کو۔ نہ ابراہیم کو۔ نہ سلیمانؑ کو۔ نہ داؤد کو۔ نہ موسیٰ کو۔ نہ عیسیٰ کو۔ اگر انہیں پیدا کیا تو محض انکی پیدائش کو بطور دلیل وثبوت وَلِنَجْعَلَہٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ غرض صرف ایک حمد کرنے والے کو پیدا کرنا تھا۔ جس سے اَنْ اُعْرَفَ کی تکمیل ہوئی ــــ بس انہیں دو حرفوں میں کائنات کا راز مضمر تھا۔ کہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ نہیں کوئی ذات سوائے احد ولاشریک کے اور ماسویٰ اللہ سے جو بھیجا گیا وہ ھُوَ الْاٰخِرُ کی شکل میں مُحَمَّدٌ کو بھیجا گیا اسکے سوئی کسی وجود کے ظہور کی گنجائش نہیں ہوسکتی ــــ جو بھیجا گیا وہ محمد ہے محمد ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیرت النّبی صلے اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سے قبل کہ ہم ایک پیغمبر کی سیرت بیان کریں۔ تواریخی طور پر ہم پہلے یہ سمجھیں کہ پیغمبر کی تعریف کیا ہوتی ہے۔ عام انسانوں میں ایک پیغمبر کیوں ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ جبکہ پیغمبر بھی عام انسانوں میں ایک انسان ہی کی شکل میں ظہور کرتے ہیں۔ اسکے لئے ہمیں انسانی تخلیق کی ابتدأ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ کہ پیغمبر کا ظہور کب اور کن حالتوں میں ہوا۔

مذاہب عالم میں کوئی ایسا مذہب نہیں جسکے پاس اپنے مذہب یا گزشتہ مذاہب کی کوئی مسند تواریخ موجود ہو۔ مثلاً حضرت نوح۔ حضرت لوط۔ حضرت یونس۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت یعقوب اور آل یعقوب میں قوم بنی اسرائیل کی مختلف قوموں اور پیغمبروں کی تواریخ تا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ان سب مذاہب میں کوئی مذہب اپنی صحیح تواریخ پیش نہیں کرسکتا۔ البتہ قوم بنی اسرائیل ہی ایک قوم ہے۔ جو حضرت یعقوب علیہ السلام سے تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلسل چلی آئی۔ ان میں۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت سلیمان۔ حضرت عزیرا اور حضرت عیسیٰ کے کچھ تواریخی واقعات پائے جاتے ہیں لیکن اس طویل زمانہ میں مذاہب میں جو انقلابات پیدا ہوئے ان واقعات کا اندازہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انکے پاس زمانہ کی طوالت کے باعث متواتر انقلابات نے قوموں اور پیغمبروں کے واقعات کو اپنی اصلی حالت میں قائم نہ رہنے دیا۔ چنانچہ قوم بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ ایک جلیل القدر پیغمبر کی حیثیت سے آئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے توریت کتاب اللہ دی گئی۔ جس کتاب الٰہی پر قوم بنی اسرائیل کے مذہب کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہ کتاب پے در پے انقلابات کے باعث اپنی اصلی حالت میں نہ رہ سکی۔ زمانہ کی طوالت۔ حملہ آوروں کی غارت گری۔ اور پیروان مذاہب کی غرض پرست تحریف نے توریت کی اصل کیفیت فرع میں تبدیل کردی۔ اسی طرح قوم بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر

حضرت عیسیٰ کی تعلیمات جو آپکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انجیل کی صورت میں دی گئی پانچ سو سال کے اندر اندر پیروان مذاہب کی غرضمندانہ دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی۔ان حالات میں کسی مذہب کی تواریخ سے ہمیں کسی قوم کے حالات یا ابتدائی زمانہ کے حالات کا حقیقی سراغ نہیں مل سکتا ہے البتہ متواتر زمانوں میں واقعات کے بنیادی وجود جو روایات کی صورت میں انتقال کرتے رہے۔انہیں واقعات میں ہمیں چند مختصر واقعات کے خاکے نظر آتے ہیں۔مثلاً حضرت آدم کی ابتدائی تخلیق کہ آپ سے ہی تخلیق کی ابتداٗ ہوئی۔آپکے بعد حضرت نوح کے مٹے ہوئے نشان۔حضرت ابراہیم اسحاق و اسماعیل علیہم السلام۔اور انکے بعد حضرت یعقوب۔یوسف۔موسیٰ۔حضرت سلیمان۔داؤد۔یحیٰ۔زکریا۔حضرت عیسیٰ کے پیغمبر ہونے کے واقعات اور قوم بنی اسرائیل کے اور چند واقعات لیکن ان واقعات کی اصل میں فروعی روایات زیادہ پائی جاتی ہیں۔

ان واقعات کی تصدیق کیلئے آیا یہ گزشتہ واقعات صحیح ہیں یا مصنوعی۔ہمارے پاس مذاہب عالم کی کوئی ایسی مسند تواریخ موجود نہیں جس سے ہم ان واقعات کی تصدیق کرسکیں۔سوائے اسکے کہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مذہب اسلام کی تواریخ سے انکے متعلق کچھ حقیقت معلوم کرسکیں۔سو ان واقعات کی تصدیق ہمیں قرآن کریم سے ہی ہوتی ہے۔اور صدیاں گزرنے کے بعد ہم کیوں قرآن کریم کی روایات کو حقیقی مانتے ہیں؟ ـــــ اسکی دلیل یہ ہے۔کہ اول یہ کلام حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں حاصل ہوئی۔جنکے کلام کی تصدیق کیلئے صرف آپکا پیغمبر ہونا اور صادق امین ہونا کافی دلیل ہے۔اسکے علاوہ آپکے کلام کی دوسری تصدیق یہ بھی ہے۔کہ صدیاں گزرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تواریخ۔قرآن وحدیث پیش کی اسکے ایک حرف میں بھی زمانہ کے انقلابات اور حادثات کسی قسم کی تحریف نہ کرسکے۔دوسری بات تمام مذاہب کی تعلیمات اور تواریخ میں سب سے زیادہ بگاڑ پیروان مذاہب نے کیا۔لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروؤں کے پاس قرآن کریم کی ایسی تعلیم تھی جس تعلیم نے آپکے پیروؤں میں وہ استقلال پیدا کردیا۔اور وہ جوہر علم عطا کیا جسکی بدولت انہوں نے نہ تعلیم الٰہی میں کسی قسم کی تحریف کی نہ قرآن کے ذاتی علم نے کسی مخالفِ اسلام کو ہی موقع دیا کہ وہ اس اسلامی تواریخ میں ایک حرف کی بھی تحریف کرنے میں

کامیاب ہوسکا۔

اسی قرآنی تواریخ سے واقعات عالم کا صحیح نقشہ انسان کو حاصل ہوا۔ اگر قرآن کریم گزشتہ واقعات کی روایت بیان نہ کرتا اور ان مذاہب کے اُن بنیادی واقعات کی جو قوموں میں غیر مصدقہ طور روایتاً چلے آتے تھے قرآن کریم تصدیق نہ کرتا۔ تو مشتبہ حالت میں ان واقعات اور ان وجودوں کے ہونے پر بھی ہمارے لئے یقین کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ ابتدائی تخلیق میں حضرت آدم کی پہلی روایت کی کھلے الفاظوں میں قرآن کریم نے تصدیق کر دی۔ کہ کائنات میں۔ انسان کی بنیادی تخلیق کا آغاز حضرت آدم سے ہی ہوا ہے۔

اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خوبصورت اور مسلسل ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے بارے میں سب سے پہلے تمام کائناتِ عالم۔ اور کون و مکاں کی ازلی اور ابتدائی تخلیق کا سراغ ملتا ہے: وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط ترجمہ۔ جب کہا تیرے رب نے ملائکہ سے کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔

یہ بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخلیق کے ابتدائی واقعہ کو پیش کرتا ہے۔ یہاں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق ازلی کی ابتدا میں مخلوق کی ابتدا کس طرح کی۔ آیت بالا میں ایک وقت کا بھی حوالہ ہے۔ کہ خلیفہ کی پیدائش سے اول ملائکہ موجود تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کی تخلیق کے متعلق ارادہ ظاہر کیا۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابتدائی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ یعنی ملکوتی کیفیات کو بنایا۔

اس بیان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصی کیفیت کا اظہار۔ مابین ذات الٰہی اور ملائکہ کے اس مکالمہ سے کردیا۔ کہ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ط (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰) تو فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایک ایسی تخلیق پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جسکا خاصہ زمین میں فساد و خونریزی کرنا ہوگا؟۔

اس واقعہ میں صرف تخلیق ہی کا بیان ہی نہیں بلکہ تخلیق کی جملہ خوبیوں اور کیفیتوں کا بھی ساتھ ساتھ اظہار کیا گیا ہے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ اور اس تخلیق میں کیا مرکب ہے۔ اور اس میں کیا وصف ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ماسوئی نوری مخلوق کے انسانی مخلوق میں اسکی خلقت کے اعتبار سے کیا قوتیں پائی جاتی ہیں۔ خلیفہ اور ارض کا ذکر اسوقت ہوا۔ جب خلیفہ بنا نہیں تھا اِنِّیْ جَاعِلٌ یعنی میں بنانے والا ہوں۔ تو فرشتوں نے خلیفہ اور ارض کا نام سنتے ہی نام سے کیفیت اور وجود کو سمجھ لیا کہ ارض ایک مادی دنیا ہے۔ اور خلیفہ اسی مادے کی پیدائش ہوگی۔ اور مادے کی صفت فساد وخونریزی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے یہ نہیں بتایا۔ کہ ایک وہ انسان ہوگا جو میری تسبیح وتقدیس کریگا مگر ملائکہ نے کیفیتِ خلیفہ اور ارض سے ہی یہ سمجھ لی کہ وہاں یہ کیفیت ہوگی۔ کہ شر وفساد کرنے والا مادہ سے بنائے ہوئے انسان کو تسبیح وتقدیس کا کام سونپا جائے گا۔ شر وفساد سے لبریز انسان کا تسبیح وتقدیس کرنا تو ناممکن ہے! لیکن اللہ تعالیٰ نے تسبیح وتقدیس کا ذکر خصوصی سنکر جواب دیا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰) یعنی انسان کی تسبیح وتقدیس کے بارے میں۔ اور شر وفساد کرنے والے انسان کے مرکب سے متعلق جو کچھ میں جانتا ہوں۔ تم اسے جان نہیں سکتے ــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آدمی جب بنے گا تو بیشک ملائکہ کے اندازہ کے مطابق وہ ایسا ہی ہوگا لیکن تسبیح وتقدیس کی اہلیت کیلئے جو مرکب اسکی تخلیق میں شامل رکھونگا۔ اس مرکب پر نہ تمہاری نظر پہنچ سکتی ہے۔ نہ تم اسے محسوس کرسکتے ہو۔

یہاں تک واقعات کا ذکر کرنے کے بعد قرآن نے ایک نیا طرز بیان شروع کیا۔ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ میں ایک بشر بنانے والا ہوں۔ جب میں اسے شکل انسانی میں بنا سنوار کر آراستہ کروں۔ اور اس میں اپنی روح پھونکدوں تو تم اسکے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ۙ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط۔ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ ق وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○۔ قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ پس تمام ملائکہ نے سجدہ کیا مگر ابلیس نہ مانا (سجدہ کرنا) تکبر کیا۔ اور (میرا حکم ماننے سے) انکار کیا۔ میں نے کہا تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا؟

قَالَ اَنَا خَیْرٌ "مِّنْهُ ج خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ○ ابلیس نے کہا کہ اسکی تخلیق تو مٹی سے ہوئی اور میری تخلیق (مٹی سے قوی تر قوت) نار سے ہے۔ یعنی میں اپنے سے کمتر تخلیق کے سامنے جھکنے پر تیار نہیں خواہ اس میں مجھ سے قوی تر خوبی بھی تو ودیعت کردے۔ تو اس حقیقت کے انکار پر

ابلیس کو مقہور و مغضوب اور قرب سے دور کر دیا۔۔۔۔۔

اس قرآنی واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ" میں بنانے والا ہوں کے زمانہ کے طویل مدت بعد جب زمین بنی اور آدم ابھی بنا نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے کہا اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ اسکے بعد زمین میں آدم بنا۔۔۔۔ اور فرشتوں نے آدم کی ہیئت دیکھی اور اس حالت میں دیکھی وہ صرف مٹی کا ٹھوس پتلا ہی نہ تھا بلکہ اس میں وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ایک عظیم الشان نورِ الٰہی کی ایک جز بھی تھی۔ جو فرشتوں کی قوتوں سے بالاتر تھی تو تسلیم کر لیا۔ کہ یہ بشر۔ درحقیقت خلیفہ ہے۔ اس وقت کی کیفیت کو بھی اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں بیان کیا۔ اس کے بعد سجدے کی پوری کیفیت بیان کی کہ جب آدم بنا اسوقت وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ق وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۴) جب کہا ہم نے ملائکہ سے کہ آدم کیلئے سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے نہ مانا۔ اور تکبر کیا اور وہ انکار کرنے والوں سے تھا۔

یہاں صاف معلوم ہوتا ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا کے بعد کا ایک ایسا زمانہ آیا جب آدم کو سجدہ کرنے کیلئے کہا گیا۔ اور ابلیس نے نہ کیا۔۔۔۔

اسکے بعد قرآن ایک اور واقعہ دوبارہ پیش کرتا ہے۔ جس میں اس حقیقت خلافت کی شہادت و دلیل بھی پیش کرتا ہے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ لا (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۱)۔ اور میں نے آدم کو تمام اسماء دکھائے اور پھر اسی حالت میں ملائکہ کے مقابلہ پر لایا۔ یعنی خلیفہ کی تخلیق تو میں نے زمین سے کی لیکن اسکے مرکب میں ایک شر و فساد سے لبریز مادہ کے ساتھ اپنی روح (اپنے نور کا ایک جز) کا مرکب بھی ودیعت کر دیا۔ اس روح کے ودیعت کرنے میں کیا خصوصیت تھی وہ یہ کہ اسی روح کے ذریعہ میں نے اسے تمام اسرارِ الٰہی۔ اپنی ذات سے لے کر مخلوق کی تخلیق کے تمام آثار کا علم دیا۔ اس خوبی کے مقابلہ میں ملائکہ کی حیثیت کمتر ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ملائکہ کو اصولی طور تسلیم کرانے کیلئے ان پر اس کیفیت کا اظہار کر دیا۔ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ

صٰدِقِیْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۱) خبر دو مجھے مخلوق کے اسرار سے اگر تم اپنے دعوے کو مبنی بر حقیقت سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم نے خلیفہ کے متعلق فیصلہ دیا۔ درست تھا؟۔ تو ملائکہ نے عذر پیش کیا۔ کہ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَاط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۲) کہا انہوں نے ہمیں کچھ علم نہیں صرف اتنا ہی۔ جتنا تو نے ہمیں بتایا۔

یہ وہ وقت تھا۔ جب تمام مخلوقِ سماوی زمین اور خلیفہ بن چکے تھے۔ اور جسے گزشتہ بیان میں خلیفہ ظاہر کیا وہ آدم تھا۔ اس وقت تمام ملائکہ کو پکارا جو اپنے اپنے مراتب میں اپنے اپنے مقامات پر معین تھے کہ بتاؤ تم میرے اسرار سے کیا کچھ جانتے ہو۔ یہاں لفظ علم خود لفظ اَسْماء کی تفسیر بتاتا ہے۔ کہ علم الاسماء سے مراد تمام اسرار الٰہی سے آگاہ کرنا ہے۔ تو ملائکہ چونکہ اپنے اپنے مقامات پر بہ حکم الٰہی تسبیح و تقدیس میں مشغول تھے۔ لیکن ان میں نفخت فیہ من روحی کا نور شامل نہیں اسلئے انہیں سوائے اپنے مقام کے اور بالاتر مقام کی خبر نہیں مل سکتی تھی۔ تو انہوں نے اس خبر کے بتانے سے اپنی عاجزی ظاہر کر دی۔ اور جواب دیا تو اپنے بیان میں ہر قسم کی غلطی سے پاک ہے۔ تو ہر کیفیت کا جاننے والا ہے۔ اور اِس کا بھی جاننے والا ہے۔ جو ہمارے احساسات سے پوشیدہ ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے آدم کو ملائکہ کے مقابل پیش کیا اور کہا قَالَ یٰآدَمُ اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ اے آدم اب تو اپنے اس کمتر مرکب میں جو ملائکہ سے کمتر کیفیت ہے۔ انکے بالاتر مقامات کی انہیں خبر دے۔

فَلَمَّآ اَنْبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ۔ جب آدم نے انکے تمام مقربین ملائکہ کے کیفیات و مقامات کی خبر دی تو ملائکہ نے تصدیق کر دی۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لا وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۳) کہا کیا میں نہ کہتا تھا۔ کہ میں آسمانوں کی ان کیفیتوں سے بھی آگاہ ہوں جو تمہارے محسوسات سے باہر ہیں اور زمین کی کیفیتوں سے بھی آگاہ ہوں۔ اور اس کیفیت سے بھی آگاہ ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو کہ انسان کا خاصہ تو شر و فساد ہے۔ اور اس سے بھی آگاہ ہوں کہ تم اپنے سے کمتر مخلوق کو اپنے سے بالاتر تسلیم کرنے میں رضامند نہیں۔ کہ کیا میں نے پہلے ہی نہ کہا تھا۔ کہ خلیفہ کے بارے میں اسکی خصوصیت کو جتنا میں جانتا ہوں تمہیں اسکے بارے میں اتنا علم نہیں۔ تم نے یہ سمجھ لیا کہ تسبیح و تقدیس صرف روحانی پیکر ہی روحانی

حیثیت سے کر سکتے ہیں۔لیکن یہ جان لو اس تقدیس وعلم کے لئے میں نے۔آدم کے مرکب میں خصوصی طور اپنی روح ودیعت کر کے اسے تمام مخلوق سمٰوٰت میں مکرم بنا کر اُلارض پر بنانا تھا۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس مفصل تواریخی بیان سے آدم کی تخلیق اور ازلی تخلیق کے پورے واقعات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا۔کہ اللہ نے تخلیق کی ابتدأ کرنے سے پہلے ایک ارادہ کر لیا۔کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بناؤں گا۔سو مختلف زمانوں کے واقعات کے ساتھ خلیفہ کی تخلیق۔اسکا مرکب اور اسکی صفات کا پورا ذکر کر دیا۔کہ ازل سے آدم اور زمین بنانے کی ابتدأ آدم سے پہلے مختلف کیفیات سے شروع کرتے ہوئے آخر اُلارض میں بعد ایک طویل زمانہ کے آدم کو بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بیان سے صرف اتنا ہی بتایا وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔جب (کسی زمانہ میں) تیرے رب نے ملائکہ سے کہا۔کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔یہاں معلوم ہوتا ہے۔کہ جسوقت اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب کیا۔تو یہ وہ زمانہ تھا جب ملائکہ بن چکے تھے۔لیکن معلوم نہیں ملائکہ کب اور کسطرح بنے۔اسی تخلیقی ترکیب اور زمانہ کا تعین معلوم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ابتدائی تخلیق کا پتہ چلے گا۔

فی الحال چونکہ ہمارا مقصد انسانی تخلیق کی ابتدأ سے ہے۔اسلئے ہم ابتدائی تخلیق کا ابھی ذکر نہیں چھیڑتے ہم صرف ارض اور خلیفہ کو ہی لیں گے۔

سو اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔کہ اس نے خلیفہ کے بنانے کا مقام اگر مخصوص کیا۔تو وہ زمین ہی تھی۔سوائے زمین کے خلیفہ کیلئے اور کوئی خاص مقام معین نہیں۔اور زمین کا مخصوص مقام معین کرنے سے صرف آدم کی فضیلت ظاہر کرنی مقصود تھی۔کہ زمین میں پیدا ہونے والا یہ انسان اگرچہ مادی مرکب سے تخلیق ہوا۔لیکن اسکی تخلیق اور اسکے مقام سفلی کے باوجود۔ہم نے اسے اس لئے زمین پر ہی بنایا۔کہ کوئی غیر مادی مخلوق یہ حجت بعد میں پیدا نہ کرے۔کہ انسان کو اس لئے یہ کمال حاصل ہوا۔یا انسان نے اپنی قوت سے اسلئے یہ کمال حاصل کیا کہ تو نے اسے عالم ملکوتی سے بنایا اور اس میں ملکوتی خصائل بھی موجود تھے۔اسلئے اسے ملکوتی فضا سے علیحدہ رکھ کر نفخِ روح کے ساتھ اسے ایک خیر و شر کا اختیار دے کر اسکی تسبیح وحمد اسی کے ذمہ ڈال کر۔اسطرح اسکی عظمت و برتری کو ایک مخصوص انداز میں

ظاہر کر دیا۔ اور اگر آدم کا مسکن زمین نہ ہوتا۔ تو اسکی برتری کی اتنی وقعت واہمیت نہ رہتی۔ چنانچہ اب نئے دور کا آغاز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ ازلی کے ایک نئے دور کا آغاز کر دیا۔ کہا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟۔

اس میں شک نہیں کہ آدم کے ساتھ جو واقعات پیش آئے وہ اپنی نوعیت کے انوکھے اور عجیب واقعات تھے۔ کہ ایک سفلی قوت کے حامل انسان پر بھی یہ ظاہر کر دیا۔ کہ میں نے اپنی عنایت اور مہربانی سے تجھے تمام مخلوق نورانی میں فضیلت دی۔ تو اسکے لئے آدم میں جذبہ تشکر پیدا ہونا لازمی تھا اور آدم نے بھی جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرا انتہائی محسن ہے تو پھر اسے الست بربکم کا سوال کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔؟ وہ صرف اسلئے۔ کہ جس آدم کو میں نے بنایا۔ اس میں سفلی قوتیں بھی ہیں۔ کہیں کل یہ مجھ سے منحرف ہو کر میری معبودیت اور میری ربوبیت سے انکار نہ کر دے۔ میرے روبرو یہ اقرار کرے کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ فضیلت تو نے مجھے بخشی میں اسے یاد رکھونگا اور تیری ربوبیت کا ہمیشہ شکر گزار رہونگا۔ تو آدم نے بمعہ اپنی ذریت کے بلیٰ کہکر اقرار کیا کہ میری تخلیق کے سب سامان۔ میری نشو نما کے سب سامان جو میں اپنے ماحول میں پاتا ہوں۔ میری فضیلت کے سب سامان جو تو نے مجھے بلا معاوضہ بلا محنت عطا کئے۔ میرے مرکب میری تخلیق میری اہلیت سے کہیں زیادہ تو نے مجھے عنایت کیا ___ کہا اللہ نے اب جاؤ اب تمہارا مقام اس زمین میں ہوگا جو ایک جنت نشان مقام ہے۔ جہاں تمہارے لئے تمام قسم کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں میسر ہیں۔ اپنی خوبیوں کے ساتھ ٹھہرے رہو اور اپنی اس عظمت کی حفاظت کرو ___ کیونکہ شیطان نے مجھ سے وعدہ لیا ہے۔ کہ مجھے تب تک فنا نہ کرنا جب تک دنیا میں یہ خلیفہ آتا رہے گا۔ میں اسکی سفلی قوتوں میں جذب ہو کر اسے تنزل کی طرف گراؤنگا۔

سو خیال رکھ اس شیطان سے یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَاص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ○ (پارہ اول سورة ۲ آیت ۳۵) اے آدم تو اور تیرا جوڑا۔ اس باغ میں سکونت اختیار کر۔ اور اس ماحول میں جو کچھ تیرے لئے بنا ہے۔ خوب فراغت سے کھا جہاں سے چاہے۔ تجھ پر محنت لازم نہیں۔ کیونکہ تیری پیدائش کے ساتھ یہ چیزیں بھی میں نے بنائی ہیں اور تیرے ہی لئے مخصوص ہیں۔ تجھے اپنی روزی کیلئے محنت کی ضرورت

نہیں۔اس بیان میں آدم کی تخلیق کے ساتھ ایک اور وجود کا ذکر ہے۔وزوجک تیرا جوڑا۔لیکن اس جوڑے کی پیدائشی ترکیب کا ذکر نہیں کیا۔کہ یہ کیسے بنی۔اس جوڑے کے ذکر کی اسلئے ضرورت نہ رہی کہ انسان کو اب پورے طور تخلیق کے تمام اسباب کا علم ہو چکا ہے۔وہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے ذریعہ ہوں۔یا انسان کے ذاتی تجسس و مشاہدہ کے ذریعہ اسکے علم میں آیا ہو ــــ اسکے تجسس کیلئے کائنات کی ہر شئے مخلوق میں اس تخلیق کا نشان پایا جاتا ہے۔جو اس مترتب نظام تخلیق میں ہمیشہ سے جاری ہے۔جسکی قرآن نے پوری ترکیب اس طرح بتادی يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا (پارہ۴ سورۃ۴ آیت اول) اس نے بنایا تمکو ایک جان سے اور اسی جان سے اسکا جوڑا بھی بنا۔خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ (پارہ۲۷ سورۃ۵۵ آیت۱۴۔۱۵) بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی ہوئی مٹی سے۔یعنی یہی زمین تھی جو کسی وقت ایسی تھی جسطرح آوے سے نکلے ہوئے سرخ برتن کی ٹھیکری۔اس کیفیت سے معلوم ہوتا ہے۔کہ انسان کا وجود زمین سے بنایا جو آدم کے بننے سے پیشتر ٹھیکری کے مانند سخت تھی اور اس میں روئیدگی نہ تھی مگر آدم کا وجود اس میں موجود تھا۔اس سے ثابت ہوتا ہے۔کہ روئیدگی کے حاصل ہونے سے قبل اسکی کیفیت ناری تھی جس میں ناری قوت رفتہ رفتہ ختم ہوگئی کیونکہ اسکے ساتھ ہی جان کا ذکر خصوصی طور تخلیق آدم کے ساتھ آیا کہ یہ بھی اسی زمین کی تخلیق ہے۔مگر یہ مخلوق آدم سے قبل اسوقت کی ہے جب زمین نار تھی اور اس کی لوؤں سے جن بنے۔بعد میں زمین پر پانی کے آثار پیدا ہوئے۔یہ زمین پانی سے سیراب ہوئی۔پانی کی بہتاب سے زمین نرم ہوگئی اور اس میں روئیدگی کے آثار نمایاں ہوگئے۔اس کیفیت کو قرآن نے اس انداز سے بیان کیا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ہم نے پانی سے ہی ہر شئے کو زندہ کیا۔یہاں حی سے مراد مردہ سے زندہ کرنا نہیں بلکہ وہ نئی زندگی جو ہمارے محسوسات میں آتی ہے ورنہ ہر شئے مخلوق کی زندگی مجسم نور سے ہے جو نور ہمیشہ زندہ ہوتا ہے۔صرف محسوسات میں نہیں آئی اسلئے شہدا کی زندگی میں بھی بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (پارہ۲ سورۃ۲ آیت۱۵۴) کہا گیا کہ ان میں اس مادی زندگی کی حرکت کے سوا زندگی ہے جو عام آدمیوں کو حرکت ختم ہونے کے بعد حاصل نہیں لیکن تم اسے شعور کے ذریعہ غیر جسمانی حالت

میں محسوس نہیں کرتے ـــــ اور پانی کے زمین میں جذب ہونے پر جب زمین کے نشیبی مقام پر پانی جمع ہوا تو یہاں مٹی لیسدار ہوگئی اس کیفیت کو من حماء مسنون کی ترکیب میں بیان کیا۔ یہاں پر ہی انسان زمین سے بنا ـــــ ان ترکیبوں کو بغور ذہن میں لانے کے بعد اب انسان کی تخلیقی ترکیب میں کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہتا۔ سو اسکی ضرورت نہیں کہ زوج کہاں سے آئی۔ البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے۔ کہ جسطرح آدم کی تخلیق ہوئی اسطرح زوج کی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقی ترکیب میں صرف ایک آدم کو ہی بنانے کی ضرورت تھی۔ اور اسی سے تمام ذریت تمام مخلوق انسانی کا وجود پیدا کرنا تھا ـــــ اسلئے زوج اسی وجود سے ہوئی تا کہ نسل انسانی کا تسلسل شروع ہو جائے۔ اسکے بعد آدم نے جنت میں رہ کر کیا کیا ـــــ اسکی بھی تفصیل بتا دی۔ اس مسلسل تفصیل سے مراد یہ تھی کہ انسان کو علم ہو جائے کہ مجھے خلیفہ بنا کر بھیجنے سے اللہ کی کیا مراد تھی۔ جنت میں سکونت کرنے سے یہ مراد نہ تھی کہ انہیں جنت میں ہی رکھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین انسان کیلئے مقرر کی تھی۔ اسکا مطلب یہ تھا۔ کہ آدم اپنی برتری کے ساتھ اس باغ میں رہے۔ اور اسے اپنی نشو نما اور روزی کیلئے محنت کی ضرورت نہ رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا آدم سے قبل ان تمام نعمتوں کا پیدا کرنا۔ جو تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی تھیں یہ تھا۔ کہ انسان اپنی تمام تر قوت صرف روزی کمانے میں صرف نہ کرے بلکہ صرف اپنی شرافت کی حفاظت کرے اور دنیا میں بھی جہاں چاہے پھرے۔ لیکن مخصوص مقام صرف آدمی کی افضلیت اور تکریم کی خاطر تھا۔ چنانچہ آدم اپنی تمام علم و مشاہدہ کی خوبیوں کے ساتھ جنت میں بمعہ اپنی زوجہ کے رہنے لگا۔

آدم میں ایک طرف روح رحمانی ودیعت کی گئی تھی جس سے اسے علم و مشاہدہ حاصل تھا۔ دوسری طرف سفلی جسم بھی تھا۔ یہ جسم اگرچہ سفلی تھا۔ لیکن کائنات کی تمام ارضی مخلوق کا جوہر تھا۔ اسلئے یہ مٹی کا پتلا بھی اسقدر کمزور یا ذلیل نہ تھا جسے معمولی سی ہوا لگنے سے زکام ہو جاتا۔ بلکہ اس وجود میں اتنی قوت تھی۔ کہ دنیا کی تمام قوی تر مخلوق خواہ وہ زہریلی ہوں۔ یا درندہ صفت کوئی مادی قوت اس پر اثر انداز نہ ہو سکتی تھی۔ ابھی ابھی آدم کی ابتدائی تخلیق ہوئی تھی۔ اور زمین میں اپنی تمام تر قوی قوتیں تازہ تھیں اور آدم بھی تازہ دم اور قوی تھا۔ سو اسکا وجود بھی بالفاظ دیگر نیم روحانی تھا۔ اسلئے اسے غذا کی بھی اتنی حاجت نہ تھی۔ اور جنت ارضی میں رہ کر جبکہ اسے مشاہدہ حقیقی حاصل تھا اِسے ایسی روحانی حالت میں

مادیت کی طرف مائل رہنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ رفتہ رفتہ آدم نے جنت ارضی کی اشیأ کا استعمال کیا۔ یہاں تک کہ اسے ان نعمتوں میں لذت محسوس ہوئی۔ اور کسی قدر آرام طلبی میں اپنے نصب العین اور مقصود سے بے خبر ہو گیا۔ یہی وقت تھا کہ شیطان اسے ورغلاتا۔ سو شیطان نے اسکی لذت اور آرام طلبی سے فائدہ اٹھا کر وسوسہ ڈالدیا۔ اور آدم اپنے عزم سے ڈگمگایا اور شجر کے قریب ہو گیا۔ گویا یہ ایک شرط تھی۔ کہ آدم اللہ کے وعدے کو نہ بھولے۔ نہ دنیا کی طرف مائل ہو۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آدم پر مادیت کا غلبہ ہوا۔۔۔۔۔

آدم اپنی ابتدائی پیدائش کے اعتبار سے روحانی جسمانی حالت میں لطیف و مزکی تھا۔ اسکی روحانیت۔ اسکی جسمانی شہوت پر غالب تھی۔ لیکن خداوندی حکم کو بھول کر اس پر مادیت نے غلبہ کیا۔ اور شہوت اس پر غالب ہو گئی۔ جذباتِ شہوانی نے عود کیا۔ اس جذباتی کیفیت نے اسے اپنے شہوانی وجود کا احساس دلایا۔ اور اسے حیا محسوس ہوئی۔ اور اس نے اپنے ستر کو چھپانے کیلئے۔ جنت کے درختوں کے پتوں سے برہنہ ستر کو ڈھانپنا شروع کیا۔

مادیت کے غلبہ کا اثر یہ ضروری تھا۔ کہ اسکی روحانی خوبی میں کمی واقع ہوئی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آئندہ اسرار الٰہی اور روحانی مشاہدات کا دروازہ اسکے لئے بند ہو گیا۔ حضرت آدم اس تنزلی کیفیت کو دیکھ کر پریشان ہو گئے اور گریہ وزاری شروع کر دی۔ اور اپنی بھول اور غفلت سے نادم ہوئے۔ یہاں تک کہ اسکی دنیوی عیش و آرام اسے بھول گیا۔ اور آدم اللہ تعالیٰ سے توبہ کے ساتھ عفو کا خواستگار ہوا۔ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ۔ پس اللہ نے اس کے دل میں توبہ کے کلمات القٰی کئے جب توبہ کا جذبہ اپنی حد کو پہنچا اور مسلسل رنج و غم اور فاقہ کشی نے آدم کی مادیت کو زائل کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے عفو کا پیغام اپنے مشاہدے کے ساتھ بھیجا فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۷) پس اللہ نے اسکی توبہ قبول کر کے اسکی طرف رجوع کیا۔ کیونکہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اور گناہوں کی بخشش کے ساتھ اپنی عنایت کے دروازے پھر سے کھولدیتا ہے۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ انسان دو اجزأ کے مرکب سے ترکیب دیا گیا ہے۔ ایک سفلی جسم۔ اور ایک روح رحمانی سے۔ سفلی جسم اسکی ارضی تخلیق کے اعتبار سے زمین میں پیدا ہوا۔ اس میں ایک مخصوص زندگی موجود ہے۔ اس زندگی کو

برقرار رکھنے کیلئے اسے جسمانی ہیئت میں لایا گیا۔ تاکہ اسے اس جسم کے ذریعہ نشو نما اور جسمانی ترقی حاصل ہوتی رہے۔ جسم جسقدر مادیت سے پاک رہیگا اسکی ابتدائی لطیف حالت سالم رہے گی۔ اور اسی لطیف حالت میں اسکے سمع و بصر۔ قلب و دماغ اس قابل ہونگے کہ یہ عالمِ اسرار الٰہی کا علم حاصل کرتا رہے گا۔ اور اسرار الٰہی کے علم حاصل کرنے کیلئے اسکی دوسری جز روح رحمانی جو و نفخت فیه من روحی کے ذریعہ اسکے جسمانی مرکب کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے۔ اسی روح کے ذریعہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا کے تمام اسرار اسکے علم میں آئیں گے۔ گویا انسان جب زمین پر پیدا ہوتا ہے۔ تو انہیں دو خوبیوں کے ساتھ اسکا پیدا ہونا ایک ضروری چیز ہے۔

دوسری بات۔ ہر اس مخلوق کیلئے۔ جو بشر کی شکل میں آدم یا بنی آدم کے نام سے منسوب ہو کر دنیا میں پیدا ہوتی ہے۔ گزشتہ قرآنی آیات اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔کی رو سے۔ وہ خلیفہ کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور دینا میں اسکا کام۔ ارادہ و اختیار۔ سفلی جسم۔ اور روح رحمانی۔ کے مرکب کے ساتھ اس حیثیت میں قائم رہنا ہے۔ اور تسبیح و تقدیس کرنا ہے۔ کہ اسکی اشرف المخلوقاتی حیثیت اور خلافت اپنی حقیقی حالت میں قائم رہے۔ اسکے ماسوائے اسکے ذمہ کوئی اور کام نہیں۔ کیونکہ قرآن نے بھی اسکی اس ذمہ داری اور خصوصی عمل کا خود تعین کر دیا۔ کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۵۶) نہیں تخلیق کیا ہم نے زمین کی اس ناری مخلوق اور (روح و مادہ سے مرکب) انسان کو مگر صرف عبادت کیلئے۔ کہ یہ اپنے ارادہ سے مابین خیر و شر کی تمیز کر کے جسمانی لذت کے مقابلہ میں اپنی روحانی سالمیت کو برقرار رکھتے ہوئے اللہ کی تسبیح و تقدیس کر کے اپنے عرفان کو حاصل کئے رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے ایسا خوبصورت مقامِ جنت اسکی سکونت کیلئے مقرر کیا۔ جس میں یہ اپنی زندگی کے سامان سے فارغ رہا۔ لیکن اس فراغت کا اثر یہ نکلا کہ انسان بغیر محنت کی تکلیف محسوس کرنے کے۔ آرام طلب ہو گیا۔ آرام طلبی نے اس پر غفلت طاری کر دی اور غفلت کا نتیجہ بھول نکلا۔ اور انسانی بھول نے۔ اسکی خلافت میں نقص پیدا کر دیا۔ اسلئے اس سفلی خاصیت کیلئے ایک علاج کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ یہ کہ انسان کیلئے۔ ہمیشہ کے لئے فکر مند رہنا لازمی قرار دیا گیا۔

یہ تو آدم ہی تھا جس نے اپنی غلطی کا احساس کیا اور پھر توبہ سکھا کر اسے اللہ نے پھر اپنے

منصب پر پہنچا دیا۔مگر انسان کی سفلی قوت کا تقاضا یہ ہے۔کہ انسان عیشِ فراوانی میں غافل ہو کر یکسر اپنے وعدۂ الست بربکم کو بھول جاتا ہے۔دنیوی لذت سے اسکے جسم کو حظ محسوس ہونے لگ جاتا ہے اور یہ اپنے ارادہ سے اس لذت کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔نتیجہ یہ نکلتا ہے۔کہ انسان اپنی نفسانی لذات کو حصول ناجائز سے حاصل کرتا ہے۔اور یہی ناجائز حصول اسے قانون الٰہی سے انحراف پر آمادہ کرتا ہے۔

اور تیسری کیفیت جو انسان کی پیدائش میں ہے۔وہ یہ ہے کہ انسان کو خلیفہ بنا کر بھیجا گیا۔ خلیفہ ہونے میں اسکی خصوصیت یہی تھی۔جو خصوصیت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے ظاہر کر دی کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔یعنی اس سفلی بشر کی خصوصیات میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔اور آخر آدم کی تخلیق پر ملائکہ پر بھی یہ علم غیب ظاہر کر دیا۔کہ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ج فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۔اے آدم تو خبر دے انکی روحانی کیفیات کی اور عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا میں جو خبریں میں نے تمہیں بتا دی ہیں وہ بھی خبر دے!۔

گویا ملائکہ کے اس جواب پر قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۔دو کیفیتوں کا اظہار کر دیا۔کہ آدم فسادی ہوگا۔اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے اس جواب میں یہی چیز پیش کر دی کہ میں نے خلیفہ میں روح رحمانی ودیعت کر دی جس سے اسنے میرے اسرار الٰہی کا علم حاصل کیا۔یہی خوبی ہے جو اسے تمہارے سوال کے مقابلہ میں ممتاز کر دیتی ہے۔کہ یہ ملائکہ کے مقابلہ میں تمام کائنات کون ومکان اور اسرار الٰہی کے راہ عرفان کی خبر دینے والا ہے۔اسلئے اس آدم کو اس صفت کے اعتبار سے نبی کہا گیا۔

نبی صفت ہونے میں کیا خصوصیت ہے؟۔وہ یہ کہ یہی کیفیت آدم اور بنی آدم کیلئے وجہ فضیلت ہے۔اور دنیا پر نبی کی حیثیت میں آدم کو آنے کی کیا ضرورت تھی۔وہ بھی قدرت کاملہ کی خصوصی ترکیب میں شامل ہے۔کہ آدم کے بعد اولاد آدم جب سلسلہ تناسل کی صورت میں پیدا ہو___تو درمیانی زمانہ جس میں انہوں نے اپنے حواس۔وشعور کی عدم صلاحیت سے گزرنا ہے۔شعور حاصل ہونے پر انکی کیفیت ایسی ہوگی۔جیسے ایک بے خبر انسان رفتہ رفتہ واقعات کا مشاہدہ کرنے لگ جاتا ہے۔تو اسے علم میں کیفیات کی ماہیت سمجھانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔اسی طرح حضرت آدم کی یہ نبوت اپنی اولاد

کوخبر دینے اور خبر کی تصدیق کیلئے تھی۔ اسلئے نبوت سے مراد۔خبر پانے والا۔ اسکے لئے ضروری نہیں کہ خبر دے۔ البتہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق جب اسکی ضرورت محسوس کی جائے تو نبوت سے اس کی کو پورا کیا جاتا ہے۔ تا کہ انسان کو اپنے نصب العین اور حقیقی مقصود کا پورا علم ہو جائے۔

الغرض جنت میں حضرت آدم رہے۔ بھول ہوئی۔ خبریں بند ہوگئیں۔ توبہ سکھائی گئی۔ تزکیہ ہوا۔ اور پھر سے اسے نبی کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اور وہ ہستی جسکے لئے ارادۂ ازلی میں تخلیق کی تحریک ہوئی۔ یہی نبی تھا۔ جسے خلیفہ کے نام سے منسوب کیا گیا۔ اب جو بھی مخلوقِ انسانی ارادہ ازلی کے تحت زمین پر پیدا ہوگی اسکے لئے اس خصوصیت کا ہونا لازمی ہے۔

حضرت آدم کو حکم ہوا۔ کہ آئندہ مخلوق کیلئے ہم نے زمین کو اس حالت میں انکا مستقر کیا۔ کہ وہ محنت کریگی اور اپنے حصول سامان زندگی کیلئے حواس وتعقل سے کام لے کر اپنی ضروریات فراہم کریگی۔ تا کہ ان میں فکر کا مادہ قائم رہ سکے قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيْعًا ۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ'' اِلٰی حِيْنٍ اب نکلو اس باغ سے اور پھر وزمین پر یہ زمین تمہارا مستقر ہے اور تمہاری زندگی کی نشوونما کیلئے تمہیں ایک وقت معین تک متاع زندگی خود حاصل کرنا ہوگا۔

حضرت آدم نے جنت سے نکل کر اپنی زندگی کے قیام کیلئے کونسی محنت کی اسکا تواریخی کوئی جواب نہیں۔ لیکن زمانہ کے واقعات کا تصور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ زمین میں ہر قسم کے میوہ جات نباتات موجود تھے۔ اور جب انہیں اشتہا محسوس ہوئی۔ انہوں نے انہیں نباتاتی اشیأ سے اپنی ضرورت پوری کی حضرت آدم نے اپنے ہاتھ سے نہ زمین کھودی نہ اسکا کوئی سامان اسے حاصل تھا بلکہ قدرتی رزق سے (خواہ وہ پتے ہوں۔ پھل ہوں۔ یا جڑی بوٹیاں ہوں) اپنی رفتار کو قائم رکھا۔ یہی کیفیت اسکی اولاد میں رہی۔ یہاں تک کہ اولاد آدم نے زمین کی وسعت میں پھیلنا شروع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی جسمانی نشونما کے لئے قدرت نے یہی اشجار۔ پتے۔ میوے مقرر کئے تھے۔ جسکے لئے کسی خاص اہتمام یا کسی سامان کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بات آسانی سے سمجھ آسکتی ہے۔ کہ جب انسان میں فطری مادہ۔ خبر پانے کا تھا۔ تو اسکے لئے اس میں تصور الٰہی اور عبادت کا عمل ہونا اور عمل کا اثر پایا جانا لازمی تھا۔ اسلئے ہر شخص جبکہ دنیا میں اسے اور کوئی کام ہی کرنا نہ تھا اسکی طبیعت خود بخود حقیقت کی طرف

مائل رہتی اور جو انسان اپنی خلافت میں کامل ہوتا۔ وہ اسی صفت سے پکارا جاتا۔ جو خلیفہ اور خبر پانے والے اور خبر دینے والے کیلئے مقرر تھی۔ البتہ اس میں یہ فرق ضروری تھا۔ کہ بعض کے عمل بعض سے کم و بیش ہوتے ہیں۔ کسی کا عمل اکمل ہوتا ہے۔ وہ اکمل بنتا ہے۔ کسی کا مکمل ہوتا ہے۔ وہ مکمل بنتا ہے۔ اور کسی کا کامل ہوتا ہے وہ کامل بنتا ہے۔ اور کسی کا عمل مفقود ہو جائے۔ تو وہ ان تمام عظمتوں اور شرافتوں سے گر کر ذلیل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اپنی شرافت کو قائم رکھنے کیلئے اسکے جسمانی عمل کو وجہ عروج و تنزل بنایا گیا ہے۔

آدم کی پشت سے (پشت در پشت) مخلوق کا سلسلہ چل نکلا یہاں تک کہ زمین میں انسانی آبادی وسیع علاقوں میں قوموں اور جماعتوں کی شکل میں پھیلنے لگی۔ اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ لوگوں نے فطری غذاؤں میں اختصار چھوڑ کر اپنی لذتوں میں وسعت دینی شروع کر دی۔ اس لذت نے ان میں ہوس اور زیادہ حصول کی خواہش پیدا کر دی۔ زیادہ حصول نے انکا رخ حصول دنیا کی طرف پھیر دیا۔ اور اسطرح یہ اللہ اور اسکے قانون سے غافل ہو کر اس مقام پر پہنچے جہاں ان میں حقیقی عمل مفقود ہو گیا۔ اور انکی شرافت و خلافت ان سے چھن گئی۔ یہاں تک کہ اس مخلوق ارضی میں کوئی ایسا متنفس باقی نہ رہا۔ جو خبر پانے والا اور خبر دینے والا ہوتا۔ برعکس اسکے ہر مخلوق سے بجائے خیر کے شر کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اگر یہی عالم جاری رہتا تو مخلوق کی فساد و خونریزی اور انحراف سے کائناتِ ارضی کے نظام میں مکمل برہمی پیدا ہو جاتی اور آپس کی فساد و خونریزی سے مخلوق ارضی کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر اس مخلوق کو ایک معین وقت تک جاری رکھنا تھا۔ اسلئے ارادۂ الٰہی کے تحت ضرورت ہوئی کہ کسی ایک نئی پیدائش کو منتخب کیا جائے۔ اور اسکی بشری صلاحیتوں کو محفوظ کیا جائے۔ اور اسے بھی مثل آدم کے قدرت کی طرف سے علم الْاَسماء دیا جائے۔ تا کہ اسی نبی کے ذریعہ عام انسانوں کی اصلاح کی جائے۔ اور اس نبی کو علم الاَسماء یا نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ضابطہ ایک خصوصی قانون دیا جائے۔ جسکا اجرا لوگوں میں کیا جائے۔ جس سے انسان کو ایک طرف فساد و خونریزی سے باز رکھنے کیلئے پابندِ قانون و نظام کیا جائے۔ دوسری طرف اسکی سفلی قوتوں کو کم کرنے کے لئے اسکا جسمانی تزکیہ کر کے اسے اسی پہلی حالت پر لایا جائے جس سے یہ نبی کی خبریں سنکر تزکیہ سے ان خبروں کو پا کر مشاہدہ و علم میں لائے۔ اسی کیفیت کی ان خصوصی خوبیوں میں منتخب انسان کو مصطفےٰ کے نام سے۔ اور اسے خبر دینے والے نبی کی حیثیت سے ایک

مکمل ضابطۂ ہدایت کے ساتھ لوگوں کی طرف بھیجنے کی کیفیت کو رسول اور ضابطۂ ہدایت کو کلامِ الٰہی سے منسوب کیا گیا۔ گویا عام مخلوق میں جب حقیقت سے انحراف پایا جائے اور وہ فطرۃ کے قانون کی خلاف ورزی کر کے دنیا میں فساد وانکار کا مادہ پھیلا دیں تو انہیں حقیقت سے انکار کرنے والے یعنی کافر کہا جاتا ہے۔ چونکہ مقصود اصلی تو زمین پر خلیفہ کا قیام اور قانون فطرۃ کی پابندی ہوتی ہے۔ اسلئے ماحول درست کرنے کیلئے۔ انہی انسانوں میں سے ایک انسان کی ان صفات کی حفاظت کی جاتی ہے۔ تاکہ یہ اپنی پیدائش کے ساتھ خبر دینے والی خوبیوں کے ساتھ سالم رہے۔ اور اسی انسان کو منتخب کر کے لوگوں کی اصلاح کیلئے رسول بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ رسول انہیں پھر آیات الٰہی بتاتا ہے۔ اور انکا تزکیہ کر کے انکی روحانی خاصیت کو جلا دیتا ہے۔ جس سے انہیں کلام الٰہی کی ان کیفیات کا علم ہو جاتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے صراط اللہ کے اسرار پوشیدہ رکھے ہوتے ہیں۔ اور ان پر تمام وہ پوشیدہ کیفیاتِ اسماء ظاہر ہو جاتے ہیں جس سے یہ اپنے انحراف وطغیان کے باعث محروم ہو چکے تھے۔ اسی کیفیت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آدم سے پیشگوئی کی تھی بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ''کہ ایک زمانہ آئے گا لوگوں نے اگر اپنی شرافت کا خیال نہ رکھا اور نہ اسکی حفاظت کا خیال رکھا تو ان میں دنیا کی ہوس اور لذت پیدا ہو گی اور یہ لوگ زیادہ حصول کی خاطر ایک دوسرے کو بلیک مارکیٹ کے ذریعہ گلا کاٹیں گے۔ اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔ اس حالت کے بعد جو کیفیت ان پر طاری ہو گی اسکے علاج کیلئے بتا دیا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى۔ اسکے بعد جب میری ہدایت اور میرا منتخب کردہ نبی ورسول انکے پاس پہنچے۔ تو وہ پھر انکے نصب العین و مقصود کو حاصل کرائے گا۔ فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۸)۔ پس جس نے میرے رسول کی تابعداری کی اور اسکی تعلیم کو اپنایا۔ تو پھر اسے کسی شر کا خوف کسی عذاب کا غم نہ رہے گا اور یہ اپنی اصلی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۹)۔ اور جس نے میری ہدایت ماننے سے انکار کر دیا۔ اور میری نشانیوں کو جھٹلایا یہ لوگ۔ جہنمی لوگ ہونگے (انہیں اپنے تنزل میں آگ ہی ملے گی) جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔

آخر یہی کچھ واقعات اس زمین پر رونما ہوئے۔ رسول آئے انسان کی اصلاح کے لئے

انہوں نے اللہ کی ہدایت لوگوں تک پہنچائی۔ جنہوں نے رسول کی کلام سنکر رسول کی تابعداری کی وہ مومن اور دوست بنا۔ جسنے سننے سے انکار کیا وہ کافر اور مخالف بنا۔ مومن نے رسول کا ساتھ دیا اور کافر نے رسول اور اسکے دین کو مٹانے کیلیئے رسول اور اسکی جماعت سے برسر پیکار ہوا ـــــ یہی طریق ہر زمانہ میں مابین مخلوق اور رسول رہا ـــــ

قرآن کے ان واقعات میں ہمیں گزشتہ ابتدائی تخلیق۔ انسان کی پیدائش اور اسکی خصوصیات ۔ اور رسول (پیغمبر) کے متعلق کہ کیسے آئے اور اسکا ظہور کن حالتوں میں ہوا پتہ چلتا ہے ـــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس تخلیق ارضی کا اللہ تعالیٰ نے ازل میں ارادہ کیا تھا۔ وہ انسان کی تخلیق سے خلیفہ اور نبی کی شکل میں پورا ہوا۔ اور اسی مخلوق میں ایک مخصوص و منتخب نبی اور خلیفہ کو مصطفےٰ اور رسول بنا کر بھیجنے سے اسے باقی مخلوق میں ممتاز کر دیا۔ کیونکہ خبر کے علاوہ رسول کو ایک وحی براہ راست اپنی ذات سے دی جو کسی شخص کو انسانوں میں حاصل نہ تھی۔ البتہ انسانوں میں انسان اول کو اسکی ایک جز حاصل تھی وہ یہ کہ آدم کو بھی براہ راست اپنی طرف سے خبر دی گویا آدم سے خود اللہ متکلم ہوا ـــ اسکے بعد اور کسی مخلوق سے متکلم نہیں ہوا۔ سوائے ایک منتخب مصطفےٰ رسول کے۔ لیکن حضرت آدم کو ہدایت دیکر نہیں بھیجا بلکہ اسکی وحی کا تعلق صرف عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ سے ہی تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آدم تمام مخلوق میں اس خصوصیت کے اعتبار سے افضل ہے۔ اور رسول اپنی وحی و ہدایت کے اعتبار سے آدم اور تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اب ان رسولوں میں فرق مراتب یہ ہیں۔ کہ کسی نبی کو ایک مخصوص قوم کیلیئے بھیجا اور حسب ضرورت ہدایت دی۔ اسنے مخلوق میں ہدایت پہنچا کر کم یا زیادہ مخلوق کو اپنے مقام پر پہنچایا۔ دوسرے رسول کا ذاتی کردار کہ اسنے اپنی اور مخلوق کی عظمت کیلیئے کتنا وسیع عمل کیا ـــ ویسے مرکب کے لحاظ سے ہر انسان۔ خواہ آدم ہو یا رسول۔ یا عام انسان۔ ہر شخص میں وجودی مرکب ایک ہی کیفیت کا ہے۔ اور انہی میں سے ہر رسول کی قوم نے اپنے نبی و رسول کی جو تعریف اور سیرت بیان کی انہی حدود کے اندر ہر تعریف سمائی ہوتی ہے۔

ان کیفیتوں سے علاوہ اگر کسی رسول یا انسان میں کوئی خصوصیت ہو۔ تو وہ اسکے وجودی مرتبہ کے لحاظ سے ہی ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اظہار خلیفہ وارض میں

ملائکہ نے صرف وجودی اعتبار سے ہی سوال کیا تھا کہ انسان مادی مرکب ہے؟ اس لحاظ سے اس میں خصوصیت پیدانہیں ہوسکتی۔ چنانچہ قرآنی تواریخ میں اس خصوصیت کا بھی ذکر آ گیا۔

قرآن نے رسولوں کی خصوصیات کا ذکر کیا۔ عبد۔ مصطفٰے۔ نبی ورسول اور خلیفہ کے خطاب سے کیا۔ ان خصوصیات میں کوئی ایسی مزید خصوصیت نہیں پائی جاتی جن میں۔ کسی وجودی بالاتر کیفیت کا اظہار ہوتا ہو۔ البتہ چند ایک نئے واقعات کا ظہور انسانی پیدائش میں معلوم ہوتا ہے۔ وہ واقعات قرآن نے ایک خوبصورت ترتیب اور تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اور اس کی ابتدأ تواریخی طور اسطرح خصوصیت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۳) تحقیق اللہ نے چن لیا آدم کو (پیدائش کی ابتدأ اور خبر دینے کیلئے) اور نوح کو جو سب سے پہلا رسول وحی (کلام الٰہی) کے ساتھ۔ قوموں کی ہدایت کیلئے بھیجا گیا۔ اور ابراہیم کی اولاد میں سے (بہت سے رسول) جن کے ذریعہ میں نے خلیفہ کی خصوصیات اور انکے مقصود و عمل اور طریق ہدایت کا اظہار (جو میرے ارادۂ ازلی میں تھا) کیا۔ اور خصوصاً ال عمران کو بھی چن لیا جنکے ذریعہ میں نے ان خصوصیات کا اظہار کیا جن کا اظہار ابھی تک پوشیدہ تھا جو کیفیات تمہارے ظاہری۔ فطری قانون سے بالاتر خصوصیات کی حامل ہیں۔ چنانچہ ان خصوصیات کے اظہار کی ابتدأ ال عمران کے واقعات سے شروع کی اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ج اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (پارہ ۳ سورۃ ال عمران آیت ۳۵)۔ جب عمران کی بیوی نے کہا اے رب میں نذر کرتی ہوں آزاد کر کے تیرے لئے جو کچھ میرے بطن میں ہے۔ پس تو اسے قبول کر کہ تو میری پکار کو سنتا ہے۔ عمران کی بیوی نے اللہ کیلئے اپنے بطن کی پیدائش کو نذر دیدیا یعنی اسوقت بنی اسرائیل کے دین میں یہ طریق تھا۔ کہ نذر میں مانا ہوا بچہ ہیکل میں دیا جاتا۔ علماءِ دین اسکی پرورش کرتے اور اسکی حفاظت کرتے اور جوان ہوکر یہ ایک عالم کی حیثیت سے تبلیغ دین کرتا اور خبر دیتا تھا۔ لیکن یہاں واقعات میں ایک نئی کیفیت پیدا ہوگئی فَلَمَّا وَضَعَتْهَآ اُنْثٰى پس جب عمران کی بیوی نے بچہ جنا تو وہ لڑکی تھی۔ یعنی نذر تو لڑکے کی تھی مگر یہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ تو عمران کی بیوی پریشان ہوئی کہ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى۔ مرد عورت کی طرح نہیں ہوسکتا۔ یعنی لڑکے کی جگہ لڑکی نذر میں قبول نہیں کی جاسکتی

لیکن اللہ نے کہا۔ کہ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ کہ میں اس پیدائش کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیونکہ یہ سب کچھ میرے ارادے سے ہوا۔ لڑکی جننے پر عمران کی بیوی نے اسکا نام مریم رکھا۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ پس اللہ نے لڑکے کی جگہ اس لڑکی کو ہی بطریق احسن قبول کیا۔ حضرت مریم کو ہیکل میں لیا گیا اور بحکم الٰہی حضرت زکریا اسکے کفیل بنے۔ حضرت زکریا کو کفیل بنانے میں بھی ایک خصوصیت تھی جسکا ذکر بھی قرآن نے خود ہی کیا۔ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا جب زکریا نے اللہ کو دل سے پکارا کہ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۴) کہا زکریا نے اے رب میرے بدن کے جوڑ کمزور ہو چکے ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گیا ہے۔ میں اسوقت دعا مانگ رہا ہوں جبکہ میں جانتا ہوں۔ کہ اس حالت میں اسباب وعلل کا کوئی ذریعہ نہیں کہ میرے کوئی اولاد ہو سکے۔ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۵) میں اپنے بعد اقارب سے ڈرتا ہوں۔ میری بیوی بانجھ ہے۔ سو مجھے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک لڑکا عطا کر۔ تو اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کہا۔ کہ یٰزَكَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ یَحْیٰی اے زکریا اس حالت میں بھی جبکہ تیری بیوی بانجھ ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے تیرے پاس اولاد پیدا کرنے کی قوت نہیں۔ میں تجھے ایک فرزند یحییٰ کے پیدا ہونے کی بشارت دیتا ہوں۔ اور جب زکریا نے یہ بشارت سنی تو قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۸) اے رب مجھے خبر دے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْئًا ۝ کہا اللہ نے یہ بات میرے لئے آسان ہے۔ میں نے پہلے بھی تجھے اور حضرت آدم کو بھی اسی طرح بنایا۔ کہ تم موجود نہ تھے۔

یہاں حضرت زکریا قدرتِ کاملہ کے شاہد تھے اور ان پر بھی ایک ایسا واقعہ گزرا تھا جو انسانی تخلیق میں ایک نئی طرز تھی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تخلیقِ مخلوق میں سوائے تخلیق آدم اور سلسلہ

تناسل کے ذریعہ انسان کی پیدائش کے سوا یہ طریق بھی ہو سکتا ہے۔ کہ باوجود اسباب ظاہری نہ ہونے کے بھی قدرت کاملہ میں ایک انسان پیدا کرنے کی قدرت ہے۔ اور اس انسان کی خاصیت کے حوالے میں حضرت مریم کی پیدائش میں اسی استاذِ ربانی کی کفالت میں ایک اور پیدائش اور ترکیب کا ظہور ہونے والا ہے۔ حضرت زکریا نے حضرت مریم کو ہیکل کے مشرقی حجرے میں مقفل کر کے رکھا۔ جہاں اسے مادی غذا سے پاک رکھا گیا اور اسکا تزکیہ کیا گیا۔ لیکن حضرت زکریا نے ایک مافوق الفطرت واقعہ کا مشاہدہ کیا۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ لا وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ج قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۷) جب زکریا ہیکل کے اس حجرے میں داخل ہوئے تو حضرت مریم کے سامنے رزق پایا۔ تو پوچھا اے مریم (تیرے لئے تو رزق بند کیا گیا ہے) یہ رزق کہاں سے پایا تو نے۔ تو مریمؑ نے جواب دیا یہ رزق مادی نہیں بلکہ یہ رزق اللہ کی طرف سے دیا گیا۔ چنانچہ اسی حالت میں حضرت مریم سنِ بلوغ تک پہنچیں۔ تو اللہ نے بتا دیا کہ اے مریم تجھے اب اللہ نے تمام عالموں کی عورتوں میں (اپنی قدرت کاملہ کیلئے) تخلیق کی ایک نئی طرز کے اظہار کیلئے منتخب کر لیا اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۲) اور اس اصطفٰے کیلئے تجھے ہر مادی آلائش سے پاک رکھا گیا ہے۔ اس چناؤ کو قرآن نے فطرۃ کے ایک حقیقی انداز سے بیان کیا۔ کہ اے مریم تجھے اللہ نے باقی تمام ان عورتوں میں اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کیلئے چن لیا اور تجھے پاک کیا گیا تا کہ تجھ سے ایک ایسی تخلیق کا آغاز کیا جائے۔ جو باقی عالم کی تخلیق سے اپنی نوعیت میں بالکل الگ ہوگی۔ بلکہ مافوق الفطرۃ ہوگی۔ تو باری تعالیٰ نے اس واقعہ کو تواریخی طور قرآن میں پیش کیا وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ م اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ○ لا (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۶) اور ذکر کیجئے (یارسول اللہ) حضرت مریم کا کتاب میں سے۔ جب انہیں ہیکل کے مشرقی حجرہ میں (مقفل) رکھا گیا۔ تو ایک دن فرشتہ نے آ کر کہا اے مریم تجھے اللہ نے مصطفٰے اور پاک کیا ہے۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۷) پس بھیجا ہم نے طرف مریم کے روح اپنی کو (یعنی ایک مقرب فرشتہ کو) پس وہ ہوا مثل تندرست بشر کے۔ جب حضرت مریم حجرہ میں تنہا تھیں تو ایک فرشتہ (روح

الامین) اسی حجرہ میں بشر کی شکل میں آپکے سامنے کھڑے ہو گئے تو حضرت مریم نے جب ایک توانا انسان کو اپنے پاس پایا۔ تو گھبرا گئیں۔ کہ اس تنہا جگہ پر کسی انسان کا آنا باعث نقصان ہے تو اسی اثر کے تابع حضرت مریم نے ملائکہ سے کہا۔ قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۸) اگر تم پاکباز ہو تو میں تم سے پناہ مانگتی ہوں ــــ فرشتہ نے کہا۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ قلے لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۹) انہوں نے کہا گھبراؤ نہیں میں بظاہر بشر مثل تمہارے ہوں۔ مگر میری خاصیت ملکوتی ہے۔ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ملائکہ ہوں۔ تا کہ میں تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا (اللہ کی طرف سے) عطا کروں۔ حضرت مریم کیلئے یہ امر فطری طور تعجب خیز تھا۔ کہ ایک ایسی عورت جسے انسانی تخلیق کے مادی اسباب سے واسطہ نہ ہو۔ کیسے بغیر اسباب کے لڑکا پیدا ہو سکتا ہے تو کہا قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۲۰)۔ میرے لڑکا کیسے ہوگا۔ جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور نہ میں خلاف فطرۃ چلی؟۔ تو ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک نئی تخلیق کا اشارہ بتا کر کہا۔ کہ قَالَ کَذٰلِکِ ج قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ ج وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۲۱) یعنی کہا اسی طرح ہوگا۔ کہ اسکے لئے نہ زمین کی ضرورت ہوگی نہ مٹی کی ضرورت ہوگی نہ سلسلہ تناسل کی ضرورت ہوگی۔ ترکیب یہ ہوگی کہ وہی ابتدائی سبب ہوگا جس وجود سے آدم کا وجود بنایا۔ اسی طرح ہم نے لڑکے کے لئے ایک روح (نور) مقرر کیا جو مجسم زندگی ہے۔ اسی مجسم زندگی کو مثل تخلیق آدم رحم مادر میں بشری شکل دیں گے اور اسکی ترکیب کی وضاحت اسطرح کی کہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ عیسیٰ کی پیدائش کی مثال آدم کی پیدائش کے مانند ہے کہ اسے مٹی سے بنایا اور عیسیٰ کی پیدائش کیلئے حضرت مریم میں اپنی روح کو القا کیا اور ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ پھر ہم نے اس روح کو حکم دیا کہ شکل بشری کی طرف رجوع کرو۔ پس اسی نور نے اسی ملکوتی وجود نے اسی طرح بشری شکل کی طرف عود کیا جسطرح عورت کے رحم میں ایک انسان کا نطفہ انسانی شکل کی طرف ہیئت اختیار کرنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح ہم نے حضرت مریم کیلئے ایک نور مخصوص کیا جسے مریم میں القا یا نفخ کیا گیا۔ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۶ آیت ۱۲)۔ یعنی فرشتہ نے ایک

نور کو حضرت مریم کی طرف منتقل کیا جس نے آپ کے بطن میں قرار پکڑا۔ اور اسی نور نے بشری شکل اختیار کی ۔۔۔ اور پھر قرآن نے اس کیفیت کو مجمل اور متشابہات حالت میں نہیں چھوڑا۔ بلکہ اس کے حق ہونے کی ظاہری دلیل بھی دی۔ پہلی دلیل یہ دی اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ق اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۵) جب ملائکہ نے کہا اے مریم اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے ایک کلمہ سے (اپنے نور کے ایک خصوصی جز سے) کہ تجھ میں ڈالا جائے تو وہ ایک لڑکا ہوگا۔ اور اسکا نام بغیر باپ کے مسیح عیسیٰ تیری نسبت سے ہوگا۔ یہاں تخلیق کا بنیادی وجود ایک خصوصی نور بتایا جس میں فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کی مانند ایسی ہی پیدائشی خصوصیت ہوگی کہ وہ خاصیت میں نوری ہوگا مگر پیدائش میں بشر کی حیثیت سے ظاہر ہوگا۔ اس کا وجود دنیا پر ہوگا۔ وہ کھائے گا۔ پیئے گا۔ بازاروں میں پھریگا۔ مگر بشر ہونے کی حالت میں بھی وہ مجسم نوری صفت ہوگا۔ اور اسکی دلیل وہ لڑکا خود اپنی ذات سے دیگا۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وہ ظاہری تخلیق کے خلاف گود میں ہی کلام کریگا۔ انسان اپنے حواس و تعقل کی سالمیت کے بغیر بول نہیں سکتا۔ کیونکہ مادی تخلیق کا یہی انداز ہے۔ لیکن یہ تو ایک ملکوتی وجود ہوگا جو بشر کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ملکوتی حیثیت میں وہ مثل (روح الامین) ملائکہ حواس و تعقل کی سالمیت کے سوا بھی بولنے کی قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے کہا اے مریم تم اس گود کے بچہ کی طرف اشارہ کرتی ہو۔ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ قف اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○ لا (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۲۹۔۳۰) شیر خوار بچہ کیسے گود میں بول سکے گا تو قرآن نے بتایا۔ کہ حضرت عیسیٰ نے ماں کی گود میں کہا۔ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ قف اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ میں بھی اللہ کا ایک بندہ ہوں۔ مجھے کلام الٰہی دیا گیا۔ مجھے مصطفےٰ کیا گیا اور مجھے رسول بنا کر بھیجا گیا۔ گویا یہ سب کیفیتیں وہی ہیں۔ جو ایک خلیفہ ارض کیلئے نبی ۔۔۔ مصطفےٰ۔ رسول کی صورت میں مقرر کی گئی تھیں فرق صرف اتنا تھا۔ کہ آدم کے وجود کی بنیاد بھی نور تھا۔ مگر اسکا وجود زمین میں سے اٹھایا گیا۔ اسکے بعد اولاد آدم میں وہی نور پشت در پشت نسل در نسل انتقال کرتا رہا۔ یہاں بھی بنیادی وجود مخصوص نور تھا۔ لیکن اولاد آدم سے انتقال شدہ نور سے بطن مریم میں کوئی وجود نہ آیا بلکہ خصوصی نور کلمة اللّٰه سے اسکی بنیاد ہوئی گویا مسلسل تخلیق کی کیفیت ت ۔ یہ کیفیت بالکل علیحدہ ہوگئی۔ اسکی

تیسری دلیل بھی ایسی دی جس سے حضرت عیسیٰ کی اس ملکوتی صفت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ لا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًام بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ج (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۹) حضرت عیسیٰ مردہ زندہ کرتے تھے۔ اندھوں۔ کوڑھیوں کو اچھا کرتے۔ مٹی کے پرندوں میں اپنی روح نفخ کے ذریعہ ڈال کر زندہ کرتے۔ یہ کیفیتیں خود اس امر کی دلیل ہیں۔ کہ باوجود ایک بشر کی مثل ہونے کے آپ میں ملکوتی صفات علےٰ حالہٖ پائی جاتی تھیں۔ اور اس نوری صفتِ بشری کا آخری کمال بھی بتلا دیا۔ جو اس نور کی ایک خصوصی خاصیت میں شمار ہوتا ہے۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ط اسے قتل کیا گیا نہ صلیب دیا گیا۔ بلکہ وہ ملکوتی وجود تھا اللہ نے اسے ملکوتی عالم میں اٹھا لیا ــــ تو اس آیت کو حضرت عیسیٰ کی ملکوتی ہیئت کے اعتبار سے سمجھنے میں نہ کچھ دشواری ہے۔ نہ اس میں کوئی مبالغہ ہے ــــ البتہ اس خصوصیت کا تخلیق سے ہی تعلق ہے۔ افضلیت نبوت و رسالت وہی ہوگی۔ جو علم اور کلام الٰہی اور تبلیغ دین سے آپکو حاصل ہیں۔ کسی سے کم کسی سے زیادہ۔ غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ قرآن کریم نے ان واقعات کو ایک خوبصورت انداز و ترتیب سے کیوں بیان کیا۔ اور یہ کیوں کہا۔ کہ ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ط وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ ص (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۴)۔ یہ خبریں غیب کی ہیں (حالانکہ یہ واقعات اس سے قبل ظہور میں آچکے تھے) وحی کی گئیں آپکی طرف۔ اور آپ اسوقت انکے پاس نہ تھے۔ جب ہیکل کے راہب حضرت مریم کے کفیل مقرر کرنے کیلئے قلموں سے قرعہ اندازی کرتے تھے۔ سو مشیت الٰہی کے مطابق حضرت زکریا مریم علیہا السلام کے کفیل بنے۔ اسکا مقصد یہ تھا۔ کہ ایک نئی تخلیق کا اظہار کیا جائے جو اس سے قبل ظاہر نہ ہوئی تھی۔ اسکی ابتدأ حضرت زکریا کے بوڑھے ہونے اور آپکی بیوی کے بانجھ ہونے سے کی کہ بغیر ظاہری اسباب کے بھی میں نے تخلیق کی۔ اور انہیں بھی خلیفۂ ارض میں شامل کر دیا ــــ دوسری تخلیق کی تمثیلی ترکیب میں اسکا مرکب بھی نئی طرز کا بتایا ــــ کہ ملائکہ بھی اپنی صفت کے ساتھ بشری شکل میں آسکتے ہیں۔ اور ان میں اپنی نوری قوت کے اعتبار سے بولنے سننے کی قوت پائی جاتی ہے۔ بشر ہونے کی صورت میں انکی نورانی خاصیت زائل نہیں ہوسکتی۔ اسکے بعد ایک نئی پیدائش

کیلئے اسکا نورانی ماحول حضرت مریم کا اصطفےٰ ہونا۔اور بشری پیدائش کی صورت میں بھی مادیت سے اسقدر پاک ہونا۔کہ وہ ایک نور کو اپنے میں سما کر ایک نئی نوری تخلیق کا سبب اور ذریعہ بنے۔تیسری کیفیت۔حضرت عیسیٰ کا وجود انہیں گزشتہ کیفیات کی رو سے۔کہ آپکا بنیادی وجود نوری ہے۔بشر کی شکل میں پیدا ہوئے۔لیکن ملکوتی صفات زائل نہیں ہوئیں۔کھاتے پیتے۔چلتے پھرتے بھی ملکوتی صفات سے متصف رہے۔گود میں باتیں کیں۔مردے زندہ کئے۔پرندوں کو نفخ سے جان دی۔بیمار اچھے کئے ۔۔۔ اور تمام عمر بشر کی حالت رہنے کے بعد بھی ملکوتی خاصیتوں کی حفاظت کی یہاں تک کہ ملکوتی مقام میں انکو قرار دیا گیا۔گویا یہ بھی ایک اَلْاَرض کا خلیفہ ہے۔یہ خوبیاں بھی خلیفہ ارض میں شمار ہوتی ہیں۔اسی لئے اسے نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا اور اسے بھی کلام الٰہی (انجیل) دی گئی۔گویا اگر کوئی تخلیق کسی اور ترتیب سے پیدا کی گئی وہ بھی اسی اَلْاَرض کی تخلیق میں شامل تھی۔اور باری تعالیٰ کے ازلی ارادہ میں اس تخلیق کا مواد بھی موجود تھا۔ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۷)۔اسی طرح (جس طرح ارادۂ ازلی میں ہے) اللہ بناتا ہے جو چاہے۔جب کسی کام کے کرنے کا اردہ کرتا ہے۔تو اسکے لئے کہتا ہے۔کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔یہ کیفیت ایک ابتدائی ترکیب سے علیحدہ چیز ہے۔جو اس کے خصوصی ارادہ اور منشاء سے تعلق رکھتی ہے۔اسکے لئے اُس نے ایک منصوبہ باندھ رکھا ہے۔کہ اَلْاَرض میں بعض ایسے واقعات کا بھی صدور ہوگا۔جو بظاہر ارضی فطرۃ کے خلاف محسوس ہوگا۔مگر اس کا تعلق میری ذات سے ہوگا۔کہ میں اپنی قدرت کاملہ سے ایسا کرنے پر قادر ہوں۔

الغرض یہ بھی ایک تخلیق ہے۔جسکا تعلق اَلْاَرض سے ہی ہے۔اسکے بعد قرآن نے کسی نئی تخلیق کا تواریخی واقعہ پیش نہیں کیا۔یہاں تک جو واقعات اَلْاَرض میں۔خلیفہ۔مصطفےٰ۔نبی۔رسول کے پیش آئے سب کیفیتیں بیان کر دیں۔انہیں کیفیتوں سے۔پیغمبر کی تعریف۔پیغمبر کا وجود کس طرح ظاہر ہوا۔اسکی ترکیب اور خصوصیت کیا ہے۔پیغمبر کا ظہور کب اور کن حالتوں میں ہوا۔تمام کی تمام عیاں ہو جاتی ہیں۔اسکے بعد اگر کوئی واقعہ نہیں تو زمانہ میں تخلیق کی وہی ابتدائی اور آخری ترکیب وہی کیفیت رہے گی جو قرآن نے ہمیں بتائی۔

قرآن نے ہر مخلوق کی ابتدأ کھلے الفاظ میں بیان کی جس میں خصوصیت صرف اَلْاَرض اور خلیفہ کی تھی اور اسکی ابتدأ آدم سے کی لیکن آدم کی تخلیق سے قبل قرآن نے ملائکہ کے وجود کا بھی ذکر کیا۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ ملائکہ کی ابتدأ کہاں سے ہوئی اور اَلْاَرض تو ایک آخری تخلیق ہے۔ کیونکہ یہ نور کے مقابلہ میں مادی ہے۔ اور مادہ نور کی آخری تنزلی جز ہوتی ہے۔ تو اب قرآنی تواریخ سے اس ازلی نور کی تلاش کرنی ہے۔ جس سے تمام ملکوتی مقام اور اسکی مخلوق کا وجود ظاہر ہوا۔ اسکے لئے اگرچہ قرآن نے کوئی خصوصی نشان نہ دیا۔ لیکن بعض واقعات و کیفیات کو دہرایا جنکے پس منظر میں خود ایک حقیقی ابتدائی وجود کا ظہور ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اپنی ذات کا ابتدائی حوالہ دیا کہ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور اسکے تصور کیلئے ایک وجدانی کیفیت بتادی۔ کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اسکی تفسیر بھی خود کردی کہ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی وہ اللہ ہے۔ کہ جسکے وجود کے بارے میں ہم سوچیں کہ وہ کتنا وسیع ہے۔ اسکی ابتدأ کیا ہے۔ اسکی انتہا کیا۔ وہ کب سے تھا۔ تو ہم اسکے بارے میں سوچنے میں حیرت و درماندگی میں پڑ جاتے ہیں اور ہمارے عقل و شعور اسکے وسیع نور میں پرواز کرتے کرتے تھک جاتے ہیں مگر نہ اسکی ابتدأ ہے نہ انتہا۔ لہٰذا وہ ایک ہے۔ جہاں وہ ہے۔ وہاں کوئی دوسرا موجود نہیں ہوسکتا۔ لیکن اسکے بغیر ہمیں ایسے وجود محسوس ہوتے ہیں۔ جو اس جیسے نہیں۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ اگر وہ خود واحد ہے۔ اور کوئی دوسرا نہیں۔ تو یہ وجود کہاں سے آئے؟ انکے وجود کس بنیاد سے ہوئے۔ تو اسکا ایک فطری جواب ہوگا کہ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ کہ یہ تمام مخلوق اسی کے نور کی ایک جز ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ تو ہمیں یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ اس ارض کی تخلیق کی ابتدأ تو معلوم ہی ہے۔ تو سمٰوٰت کی ابتدأ اسکے نور سے کیسے ہوئی۔ تو یہ اندازہ کرنا آسان ہے۔ کہ جب اس لامحدود نور کے مقابلہ میں کوئی نور نہیں ۔ اور کوئی ایسا مقام بھی نہیں جو اس نور سے خالی ہو تو اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ اس مخلوق کی ابتدا اسی نور سے اور اسی نور میں ہوئی تو اسکا تصور ہمیں اسطرح حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک نور احد تھا جب اسکے ارادۂ ازلی میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا ارادہ آیا تو اس نے اپنے نور میں ایک نور کو جز کی حیثیت سے اِصطفٰے کیا۔ اور اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۔ ارادہ کیا تو نور احد میں مخلوق کا ایک نور مصطفٰے و مخصوص ہوگیا کہ اسی نوری جز سے تمام مخلوق اور الارض بناؤں گا۔ کن کہنے سے ایک نور مخصوص

ہو گیا! جس نور میں اسکی مخلوقی ذات سے لے کر اُلاَرض ومخلوق ارض کی آخری ادنیٰ تخلیق کا مواد جمع تھا۔ بس اسکے لئے ایک بار کن کہنا گویا تمام کائنات السمٰوٰت و الارض کی تخلیق مکمل ہوگئی۔اس نور میں ارادہ وحرکت بھی موجود ہے۔سو ترتیب نوری (ترتیب الٰہی) کے مطابق ایک نور سے اسکا معلول اس سے اسکا معلول۔ایک نورِ اعظم سے دوسرا نور۔دوسرے سے دوسرا نور ارادۂ حرکت کے ساتھ تخلیق ہونا شروع ہوا۔اس تخلیق میں طوالت زمانہ اور تخلیقی ترکیب کا اندازہ یا تصور کرنا مشکل ہے۔کہ کب اور کس حالت میں نوری کیفیت کا وجود ایک دوسرے سے ظاہر ہوتا رہا۔اس زمانہ کا تعین نہیں۔البتہ ایک طویل بیحد طویل زمانہ کا احساس ہوتا ہے۔یہاں تک کہ قرآن ہمیں ایک تخلیقی مقام کا پورا تصور دلاتا ہے۔ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اسکی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے میں سمایا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَابَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ج (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۵ آیت ۵۹) اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سات دنوں میں بنایا پھر عرش پر قائم ہوا۔ارض کی کیفیت تو ہمیں معلوم ہے۔کہ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۳۰) یہ کہ آسمان وزمین ایک ہی جز (آپس میں ملے ہوئے) تھے پھر آسمان سے زمین کو جدا کیا۔اسی طرح جسطرح کرسی نے آسمانوں کو اپنے میں سمایا ہے۔اسی طرح آسمان اول (آسمان دنیا) نے زمین اور اسکے ساتھ تمام سیاروں کو اپنے میں سمایا ہے۔وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۵)۔سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سیارے سورج چاند زمین اسی آسمان اول کی معلول ہیں اور اسی میں سمائے ہوئے ہیں۔ دوسری کیفیت آسمانوں کی بتائی کہ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۳)۔ہم نے آسمانوں کو طبقوں کی شکل میں بنایا۔یہ طبق ایک دوسرے کو سمائے ہوئے ہیں یہاں تک کہ سات آسمان ایک دوسرے سے بنے ہیں اور یہ سات آسمان کرسی سے بنے ہیں اور کرسی نے ان سب کو اپنے میں سمایا ہے۔ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پھر تخت پر جلوہ گر ہوا۔یہاں اگرچہ عرش تخت سے مراد ہے۔مگر بعض جگہ کرسی سے اوپر کے مقام کو عرش سے تعبیر دیا گیا ہے۔فَتَعٰلَی اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ ج لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ ○ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۱۱۶) اسلئے عرش ان تمام سمٰوٰت وکرسی پر

واسع ہے۔ اسکے بعد کے مقامات کا اظہار نہیں لیکن اتنے وسیع نور کی اتنی ہی حد نہیں بلکہ عرش سے اوپر بھی بے شمار مقامات ہیں جنکا نام ونشان عقل کی حد میں نہیں آسکتا البتہ ان تمام کیفیتوں کی نسبت علت در علت اسی نور اول سے ہے۔ جس ابتدائی وجود سے مخلوق نوری و ارضی کی ابتدا ہوئی۔ گویا۔ اگر ہم اَلْاَرض سے ہی اپنے تصورات کو منازل در منازل پرواز میں لائیں۔ تو ہمارے تصورات اسی مقام پر پہنچ جائیں گے جہاں پر نور احد سے وہی ایک نور مخصوص کیا گیا جو ارادہ ازلی کی ابتدائی مخلوق کن کے ذریعہ مخلوق ہوئی۔ اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ نور احد سے اور نور احد میں ایک نور مخلوق ہوا اور یہی نور تمام مخلوق ارض وسمٰوٰت کی ابتدا ہے۔ اور اسی نور سے تمام مخلوق کا وجود بنتا آیا ــــ یہ تو اسکی ابتدا ہوئی۔ لیکن اسکی کیفیت نوری کیا ہے۔ اسکی ترکیب کیا ہے۔ وہ نور کے وجود سے ظاہر ہے اور نور ذات احد کے وجود کا جز ہے۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۵۵)۔ اللہ ہے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اسکے کہ وہ زندہ ہے۔ یعنی مجسم زندگی ہے۔ ایک زندگی سے جب تک وہ نوری کیفیت میں ہے مجسم زندگی ہی مخلوق ہوگی۔ گویا وہ مجسم زندگی ہوگی۔ زندگی کی خاصیت یہ بھی ہے۔ کہ وہ ارادہ بھی رکھتی ہے۔ حرکت بھی رکھتی ہے۔ اگرچہ اس میں مادی حواس نہیں۔ لیکن مجسم اور قوی زندگی کے اعتبار سے۔ اس میں قوت ہے۔ کہ مادہ کے مقابلہ میں وہ اپنی قوت و وسعت کے ساتھ مادہ سے زیادہ۔ کلام کر سکے۔ سن سکے۔ سمجھ سکے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مادی مخلوق میں جو کچھ صفات ہیں وہ اسی مخلوق نوری کی ادنیٰ کیفیتیں ہیں اور جب ان تمام کیفیتوں کو ایک خالق حقیقی سے نسبت دی جاتی ہے۔ تو ہمارے لئے یہ تصور قائم ہو جاتا ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰)۔ جو کیفیتیں مادہ (لوگوں) میں پائی جاتی ہیں۔ وہ کیفیتیں۔ ان سے بالاتر مخلوقی قوتوں میں مادہ سے قوی اور خالق میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ اس تفکر کیلئے قرآن خود ایک ترکیب بتاتا ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (ایک خالق کے اقرار و تصور کیلئے) زمین و آسمان میں اسکی بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں اور اس خلیفہ کے وجود میں بھی۔ اگر تم آنکھوں سے بھی مشاہدہ کرو تو کر سکتے ہو۔ وہ کیا نشانیاں ہیں؟

وہ یہ کہ ایک خالق نے تخلیق کیلئے ایک عظیم الشان نور پیدا کیا اس عظمت کے اعتبار سے وہ

بیحد خوبصورت وجاذب ہے۔ اسکی کمالیت اسکا حسن تمام مخلوق کائنات سے اعلیٰ وافضل ہے۔ اسکے بعد باقی مخلوق السمٰوٰت میں بھی اسکے جز کے کمال وخوبیاں بیحد ہونگی اور جب ہم اَلْاَرض کی کیفیات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اسکی تخلیق میں بھی سوئ اور قدر کے خوبصورت نظام اسکی خوبصورتی۔ اسکا حسنِ نظام۔ اسکی دلکشی اتنی دلچسپ ہے۔ کہ انسان اسکے مشاہدے میں بیخود ہو جاتا ہے۔ آسمانوں کی نیلگوں فضا۔ اسکی شفقی مسحور کن روشنی۔ پہاڑوں کے احمرین لباس۔ سمندروں کی سیاہ فضائیں۔ آبشاروں کا ترنم۔ گلزاروں کی رنگ آمیزی۔ اور انسان کی خوبصورت سوئ (فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ) اسکی خوبصورت بناوٹ۔ اسکا سحر آفرین حسن کائنات کا تمام حسن جب ہمارے قلب پر اپنا اثر طاری کرتا ہے۔ تو ہم بیخود مست ہو کر بیخودی میں جھوم جاتے ہیں بے ساختہ ہمارے جذباتِ بیخودی ہماری زبان پر آ جاتے ہیں۔ کہ کسقدر خوبصورت نظام۔ کسقدر لطیف حسن! یہ سب تعریف کے قابل ہے۔ اور یہ سب تعریف اسی نور سے وابستہ ہے۔ جو نور ابتدائے ازل سے اس خوبصورت نظام کیلئے مصطفیٰ ومخصوص کیا گیا یہ حسن خود نہیں بلکہ اسی وجود نوری سے ہے۔ تو ہماری زبان سے جو لفظ اسکی خوبصورت مرکب اور ترکیب کے مشاہدے سے بیخودی میں نکلتا ہے اسے اگر عربی زبان میں ادا کیا جائے تو اسکے معنی یہ ہونگے۔ کہ **ھذا محمد**۔ یہ سب خوبیاں انتہائی خوبیاں ہیں۔ اور ہر شے میں ایک ہی خوبی کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور ہر شے ہر مخلوق ایک ہی مجسم خوبی کی جز ہے۔ اور اسی خوبی کی بدرجہ اتم تعریف کی جارہی ہے۔ وہی نور ازلی بدرجہ اتم خوبیوں والا ہے۔ اور اسی خوبی کو **محمد** سے پکارا جاتا ہے۔ گویا **محمد** کی تعریف تمام جہان کر رہا ہے۔ اس کیفیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ارادہ ازلی میں جو نور ابتدائیں مصطفیٰ کیا گیا اسی نور سے اس تمام مخلوقِ ارض وسمٰوٰت کا وجود ہے۔ اور ہر وجود میں جو خوبی وجہ فضیلت ہے۔ وہ خوبی بھی اسی نور ابتدائی سے پیدا ہوئی۔ اور اس کائنات میں جو وجود بنیادی پہچانا جاتا ہے اور خوبیاں پہچانی جاتی ہیں یہ سب کچھ اسی نور ابتدائی کے وجود سے ہے۔ اپنی ہیئت کے اعتبار سے ہی اس نورِ ابتدائی کو **محمد** کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ محمد سے مراد جس سے ہر خوبی کا وجود ہو۔ جس کی سب سے زیادہ تعریف وحمد کی جائے۔ تعریف کیا گیا وجود۔ اور یہی تخلیق ابتدائی ازلی تخلیق ہے۔ جسکی تلاش ہم کرنا چاہتے تھے۔

خلیفہ کا قصہ تو درمیانی قصہ تھا۔ جس میں ابھی تخلیقِ ابتدائی کا ہمیں علم نہ ہوا تھا۔ تو فرشتوں

نے بھی اسی لاعلمی کی بنا پر خلیفہ اور ارض پر حرف لایا۔ یہ اعتراض اپنی جگہ معقول تھا۔ مگر اللہ نے انکی علمیت کی بنا پر ہی جواب دیا اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں وہ جانتا ہوں۔ جسکا تمہیں مشاہدہ نہیں ہوسکتا۔ وہ یہی ابتدائی تخلیق کا علم تھا۔ کہ خلیفہ میں ایک روح پھونکی جائیگی۔ جس سے یہ میرے اسرار کا علم حاصل کریگا۔ وہ روح اسی نور ابتدائی سے تھی جو اللہ کے بالکل قریب بلکہ اُسی کے ذات کے وجود کی ایک قریبی جز تھی۔ اگر روح اس نور سے نہ ہوتی تو خلیفہ کسی اور روح سے اللہ کے قریب نہ ہوسکتا نہ ہی اسے اللہ کا علم ہوسکتا ــــ فرشتوں کو علم نہ تھا۔ کہ زمین کی کیا خصوصیت ہے۔ وہ یہ خصوصیت تھی۔ کہ اس میں ہر بشر خبر دینے والا اور اسی روح کا حامل ہوگا۔ اس میں مصطفٰے رسول آئیں گے۔ جن میں اسی روح ابتدائی کی فضیلت ہوگی۔ اسی کیفیت کو دیکھ کر ملائکہ پکار اٹھے سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ انہیں معلوم ہوا۔ کہ جو روح خلیفہ میں ودیعت کی گئی۔ بظاہر ہم نوری مخلوق ہیں۔ لیکن اس نور کے مقابلہ میں ہمارے نورانی وجود بھی کمتر حیثیت رکھتے ہیں۔ سو انہوں نے اسی نور کی افضلیت کو تسلیم کیا۔ حضرت جلال الدین رومی علیہ رحمتہ نے اسی نور کی صفت ایک حدیث کی شرح میں بتائی ہے۔

وز برائے من بدش سجدہ ملک　　　وز پئے من رفت بر ہفتم فلک

میرے پیچھے ہی آسمان ہفتم پر ملائکہ گئے۔ اور میرے لئے ہی ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا۔

بس قصہ مختصر کہ قرآن نے ہمیں کائنات عالم کا تمام نقشہ اور اسکی نوعیت بتا دی۔ اس تمام قصہ میں صرف ایک ہی مقصد واحد تھا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں زمین پر ہی ایک خلیفہ کے قیام کا ارادہ رکھتا ہوں۔

ان واقعات کے مطالعہ میں ابھی چند واقعات ایسے ہیں جو خلیفہ کی ترکیبی کیفیات میں تشنہ تکمیل رہتے ہیں۔ وہ یہ کہ زمین پر خلیفہ آدم کی صورت میں بنا۔ اسی سے خلیفہ کے وجود کا اظہار ہوا ــــ مگر اسکی ابتدا آخری درجہ نور پر کی۔ حالانکہ اس سے قبل بہت سی بالاتر قوتیں بھی وجود میں آئیں۔ سب سے اول نور ابتدائی۔ جس نور میں مخلوق کائنات کی تمامی خوبیاں سمائی ہیں۔ تو اس نور کے مقابلہ میں ارضی خلیفہ کا وجود عدم کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو پھر خلیفہ کے باوجود یہ خلیفہ کی کلی صفت سے متصف نہیں۔ خلیفہ قائم

مقام کو کہتے ہیں اس میں۔ذات اول کی سی خوبیاں ہونی چاہیں۔لیکن تخلیقی اعتبار سے یہ قائم مقام کی حد سے بہت دور مقام پر پیدا ہوا۔۔۔ اسکے مقابل سب سے قریبی تخلیق نور ابتدائی ہے۔جو قربت کے لحاظ سے ذات کے قائم مقام کی تمام خوبیوں کا حامل ہے۔تو پھر آدم پر خلیفہ ہونے کے باوجود خلیفہ کی صفت صادق نہیں آتی؟ لیکن قرآنی واقعات خود یہ بتا رہے ہیں۔کہ خلیفہ زمین میں ہوگا۔اوراس کا وجود زمین سے ہوگا۔اس میں نور ابتدائی کی روح ہوگی۔اسکی ایک ترکیب تخلیق آدم سے ظاہر ہوگی۔دوسری ترکیب ال عمران میں سے یحییٰ۔مریم اور حضرت عیسیٰ کی تخلیق سے بھی ہوگی۔تو اسکا مطلب یہ ہے۔کہ اگرچہ زمین پر خلیفہ کا اظہار ہو چکا۔لیکن ابھی ایک ایسی ہستی بھی خلیفہ ہوگی۔جو۔تخلیق آدم۔تخلیق مریم۔تخلیق عیسیٰ ان تمام تخلیقوں کا مرکب ہوگا۔آدم زمین پر خلیفہ بن کر آیا۔تو اللہ نے شرط لگادی کہ تم میں وہی شخص خلیفہ رہ سکتا ہے۔جو اپنی خلافت (روحانی عظمت اور نبوت (خبر پانے کی صلاحیت)) کی حفاظت کرے۔مگر انسان پیدا ہوئے ہر شخص نے حفاظت نہ کی۔بلکہ اپنے آپکو شر وفساد کا مجسمہ ثابت کیا تو اسکا مطلب یہی ہے۔کہ زمین پر وہی شخص خلیفہ کہلانے کا مستحق ہے جو اپنی اشرف المخلوقاتی عظمتوں کی حفاظت کرے اور سالم رہے ورنہ اگر انسان خبر پانے والے کی حیثیت سے پیدا بھی ہو۔اور پھر اپنی شرافت و عظمت کو ضائع کرے وہ خلیفہ میں شمار نہیں ہوسکتا اسلئے یہ ارادہ ازلی اسی کیلئے مخصوص ہے جو نبی (خبر پانے والا) کی حیثیت سے رہے۔مصطفیٰ کی حیثیت سے رسول بنکر رہے۔اور انکے مراتب انکی سیرت و عمل کے مطابق ہونگے جس بشر کا وجود آدم جیسا ہوگا وہ آدم جیسا خلیفہ ہوگا جسکا وجود مریم جیسا ہوگا وہ مریم جیسا خلیفہ ہوگا۔جس بشر کا وجود عیسیٰ جیسا ہوگا وہ عیسیٰ جیسا خلیفہ ہوگا اور اگر کوئی ایسی ہستی بھی پیدا ہو جائے جسکے لئے یہ کیفیت صادق آئے کہ ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو ایسی ہستی خلیفہ اعظم تصور ہوگی۔گویا ارادہ ازلی کی تکمیل اسی ہستی سے ہوگی۔آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ تک قرآنی تواریخ نے صرف وجودوں کی تخلیقی ترکیب اور بشر کی جملہ صفات کا اظہار ہی کیا اور ہر وجود اپنی فضیلت میں افضل خلیفہ تصور کیا گیا۔مگر ایسا کوئی وجود ظاہر نہ ہوا۔جو ان تمام خوبیوں کا مرکب ہو۔

حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہوئے اسکے بعد اسرائیلی نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ بند ہوگیا۔اب یہاں سے قرآنی تواریخ نے ایک اور سلسلہ کا نشان بتایا۔اس واقعہ کو بھی ایک خوبصورت

انداز سے بیان کیا۔

خلیفہ کا ظہور آدم سے ہوا۔ مگر دیکھنے میں آیا کہ اکثر خلفاً قہر و عذاب اور تباہی کا شکار ہوئے۔ ان میں بھی خلافت کی تکمیل نہ ہو سکی انسان اپنی عظمت سے گر کر ذلیل حالت میں آ گیا۔ تو انہیں دوبارہ منصب خلافت پر لانے کیلئے رسول بھیجے گئے مگر ایک بار گرا ہوا خلیفہ پھر اپنے مقام سوائے چند کے حاصل نہ کر سکا۔ رسول اپنی خصوصی فضیلتوں کے ساتھ آئے مگر اس خلافت کی تکمیل نہ ہو سکی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کا ظہور ہوا جنکی تخلیق باقی مخلوق سے افضل تھی مگر ایسے رسول سے بھی تمام انسانیت اپنا مقام حاصل نہ کر سکی۔ اگر زمین پر خلیفہ کے قیام کی تکمیل ضروری ہے تو ایک ایسا خلیفہ پیدا ہونا لازمی ہے۔ جو خود خلیفہ ہو۔ نبی ہو اور رسول بھی ہو۔ اور تمام تخلیقی مرکبات وصفات کا حامل ہو۔ اور اس سے اَلْاَرض کی تمام مخلوق فیضیاب ہو کر انسانی مقصد کی کلی طور تکمیل ہو۔ اسی سلسلہ میں قرآن نے ایک واقعہ دہرایا۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۴۷)۔ اے بنی اسرائیل۔ یاد کرو میری نعمتوں کو جو میں نے انعام کی تم پر اور فضیلت دی تمہیں اوپر عالموں کے۔ کہ تمہاری حکومت رہی اور تم سے ہی رسول اور نبی بھی منتخب کئے ___ ہم نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں آل اسحاق یعقوب کو دنیا کے لوگوں پر فضیلت دی کہ ان میں اکثر کو رسول و نبی بنا کر اصطفےٰ کر کے بھیجا۔ اسی فضیلت میں حضرت یعقوب کی اولاد کو مخصوص کر کے خلیفہ اور ارض کی تمام ترکیبوں کو ایک نشانی بنا کر ظاہر کیا۔ اور دوسری طرف حضرت ابراہیم کا واقعہ خصوصی طور بیان کیا۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ○ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ط وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ___ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ ط اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ○ ع (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۲۴ تا ۱۲۹) (ترجمہ) جب ابراہیم کو اُنکے رب نے آزمایا چند باتوں میں تو ابراہیم نے پورا کیا انکو۔ کہا (اللہ نے) میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا میری ذریت میں بھی امام بنانا۔ اللہ نے کہا یہ عہد میں پورا کرونگا۔ مگر آپکی ذریت میں ظالموں کو امام بنانے کا میں عہد نہیں کرتا۔ اور جب بیت اللہ (کعبہ) کو ہم نے لوگوں کیلئے مرکز اور جائے امن قرار دیا اور حکم دیا۔ کہ ابراہیم کے مقام کو نماز کی جگہ بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں۔ اعتکاف کرنے والوں۔ اور رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے پاک وصاف رکھو اور یاد کرو جب ابراہیم نے کہا۔ اس (ویران) جگہ کو ایک پر امن شہر کی صورت دے۔ اور اس میں رہنے والوں میں سے انکو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں کھانے کو میوے دے۔

اور جب ابراہیم واسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے ہمارے رب ہماری محنت قبول کر اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک فرمانبردار جماعت (امت) پیدا کر اور ہمیں عبادت کے طریقے دکھا۔ ہماری توبہ قبول کر۔ تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے رب ہمارے اس امت میں سے ایک رسول کو اٹھا جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ اور کتاب الٰہی کے آثار واحکام۔ اور اسرار کا علم کرائے۔ اور انکا تزکیہ کرے۔ تحقیق تو غالب اور چھپی باتیں جاننے والا ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنی تواریخ میں مختلف واقعات بیان کئے اور ان واقعات کو بیان کرنے سے مراد یہی تھی کہ انسان کو ان واقعات کے ظہور کی اصل معلوم ہو۔ اور ان واقعات سے وہ ایک علم حاصل کرے۔ چنانچہ ان قصص کے بیان کرنے کا مقصد قرآن خود ظاہر کرتا ہے ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ج وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ وَ هُمۡ يَمۡكُرُوۡنَ ○ وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ○ وَمَا تَسۡـَٔلُهُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ط اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ○ ـــ لَقَدۡ كَانَ فِيۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ط مَا كَانَ حَدِيۡثًا يُّفۡتَرٰى وَلٰكِنۡ تَصۡدِيۡقَ

الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَ تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّ ھُدًی وَّ رَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۱۰۲ تا ۱۰۴، ۱۱۱) سورۃ یوسف کے قصہ کے آخر میں قصص بیان کرنے کی غرض وغایت بیان کی گئی۔ کہ یا رسول اللہ آپ پر یہ خبریں وحی کے ذریعہ نازل کی جاتی ہیں ـــــ اور ان میں اہل جہاں کیلئے واقعات کی خصوصیات اور نصیحتیں موجود ہیں۔ اسکے دوسرے حصہ میں بھی مزید وضاحت کی ہے۔ کہ بیشک یہ ان لوگوں کے حالات ہیں جنکا گزشتہ زمانوں میں ظہور ہوا۔ اور ان لوگوں کے حالات میں عقلمندوں کیلئے عبرت کا سبق ہے۔ بلکہ یہ ان باتوں کی تصدیق کرتی ہے۔ جو مذاہب عالم میں روایاتی قصص ان میں چلے آتے ہیں۔ اور ان قصص میں گزشتہ واقعات کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل ہے۔ جس میں ہدایت اور رحمت ہے واسطے قوم مومنوں کے۔

اسی لحاظ سے حضرت ابراہیم کا قصہ دہرا کر اس واقعہ کی ایک خصوصیت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ کہ حضرت ابراہیم انبیاءً کے جد تھے۔ انہیں کے دو فرزندوں اسحاق و اسماعیل سے رسول و نبی پیدا ہوئے اور زیادہ تر آبادی انہیں دو فرزندوں کی اولاد سے پھیلی۔ آپکے ایک فرزند اسحاق سے قوم بنی اسرائیل کے رسول پیدا ہوئے۔ اور انہیں کی اولاد سے وہ مخلوق بھی ہوئی جنکے لئے رسول مبعوث ہوئے۔ یہ تمام قومیں بنی اسرائیل (یعقوب کی اولاد) سے منسوب کی گئی۔ جنہوں نے اُلارض میں قرآن کے اس واقعہ (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اور ملائکہ کے اعتراض) کو ظاہری شکل میں اپنے کردار سے پیش کیا۔ اور دوسری مخلوق جو حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہوئی۔ یہ بنی اسرائیل سے علٰیحدہ بنی اسماعیل سے ہوئی۔ اس قوم کے کردار کا واقعہ قرآن نے ایک علٰیحدہ نوعیت سے پیش کیا۔ جسکی ابتداءً۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل کے خصوصی واقعہ سے کی کہ ہم نے حضرت ابراہیم کو چند باتوں میں آزمایا۔ یہ باتیں کیا تھیں؟ ان باتوں میں وہی کیفیت تھی جو قرآن کے تخلیق کی خصوصیات میں بیان کیں۔ اول حضرت ابراہیم کا غیر اللہ کی پرستش سے انکار و مخالفت کرنا ـــــ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا جانا۔ مگر آپکی خصوصی تخلیق۔ خلیفہ۔ نبی۔ رسول کی کیفیت کا اثر یہ تھا کہ آگ آپ پر غالب نہ آئی بلکہ آپ ہی آگ پر غالب آگئے۔ دوسری آزمائش حکم الٰہی کی تابعداری کہ مکہ میں جہاں زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا حضرت اسماعیل اور آپکی والدہ کو بغیر کسی سہارے و سبب کے چھوڑ دینا۔ جہاں پر حضرت اسماعیل کی خصوصیات کا

ظہور ہوا۔ تیسری آزمائش حضرت اسماعیل کا ذبح۔ جس میں حضرت ابراہیم و اسماعیل نے خلافت ارضی کا عظیم الشان کردار پیش کیا۔ کہ فرشتے بھی تعجب میں آئے۔ اسی کردار پر حضرت اسماعیل کو انتہائی فضیلت حاصل ہوئی۔ اور اس فضیلت کی ابتدأ اللہ نے اسی حکم سے کی کہ اس مقام پر اللہ کی وحدانیت اور اسکی ربوبیت کا ایک کھلا نشان بنایا جائے۔ اور اس مقام کو ارادۂ ازلی کی تکمیل کا مرکز بنایا جائے۔ تو حضرت ابراہیم نے بھی یہی خواہش کی اے رب اس مقام کو تو تمام کائنات کا مرکز علمی و فضلی بنا۔ اس مقام کو تو ایک آزمائش گاہ بنا۔ اپنے رسولوں اور خلفأ (بندوں) کی درسگاہ بنا جو کائنات کی تمام درسگاہوں کی سرتاج اور شہنشاہ ہو تا کہ تیرے بندے اس مقام سے تیرے ارادۂ ازلی کی تکمیل کریں۔ اے رب اس مقام پر ایک ایسا رسول خیر البشر بھیج جو تیری تمام خصوصی مخلوق کی جملہ صفات و کمالات کا مرکب و مجسم ہو۔ اور اس سے علم و نبوت اور رسالت کی کلی طور تکمیل ہو۔ اور اسے ایک ایسی امت امۃ وسطاً دے جسکا ہر فرد مکمل خلیفہ ہو ___ چنانچہ قرآنی تواریخ سے قوم بنی اسماعیل میں کسی رسول کی شہادت پیش نہیں کی گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جو عہد ابراہیم و اسماعیل سے کیا۔ اسکا ظہور ہونا باقی تھا ___ ابھی اُلْاَرض میں ایک ایسا خلیفہ۔ نبی اور رسول پیدا ہونے والا تھا۔ جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے ابتدأ تخلیق سے لے کر آخر رسالت کی تمامی تخلیقی خصوصیات اور تمامی عظمتوں کو وقتاً فوقتاً اُلْاَرض پر اظہار کیا۔ اور مختلف زمانوں میں خلیفۃ الْاَرض کی تخلیق و عظمت و فضیلت کو بطور نمونہ پیش کیا۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ ہر مخلوق خلیفہ۔ نبی رسول کی حیثیت سے آئی۔ مگر اس خلافت۔ نبوت و رسالت میں ابھی تک کلی طور استقلال پیدا نہ ہوا۔ سو اس استقلال کو قائم کرنے کیلئے ایک ایسے ہی رسول اور امت کی ضرورت تھی جس سے انسانیت کو اپنا انتہائی مقام حاصل ہونے کے لئے تمام سامان مہیا ہو۔ اور انسان کلی طور استقلال کے ساتھ اپنا مقام حاصل کرے۔

تواریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کے بعد ایک نبی رسول آیا۔ جسے نبی آخر الزمان۔ خیر الرّسل۔ خاتم النبین۔ خاتم المرسلین۔ شاہد و مبشر۔ افضل الانبیأ۔ حاملِ نور' مبین کی صفات سے منسوب کیا گیا۔ ضرورت ہے۔ ایسے رسول کے متعلق تفصیلی طور جانا جائے کہ یہ کونسا رسول ہے۔ اسکی تخلیقی ترکیب وابتدأ کیا ہے۔ اسکی تخلیقی ترکیب میں۔ باقی گزشتہ تخلیقی

مخلوق کے مقابلہ میں افضل خصوصیات کیا ہیں۔ اسکا نام کیا ہے۔

تواریخ کا یہ وہ دور ہے۔ جب ہمیں اَلْاَرض کی مخلوق میں زمانہ کے واقعات کا پورا پورا مواد حاصل ہوتا ہے۔ اب سوائے چند خصوصی اور تصدیقی اسناد کے ہمیں قرآن سے ماسوٰی قومی و مذہبی تواریخ سے بھی اس واقعہ کا پورا مواد مل رہا ہے سو ہم اس زمانہ کے مطابق واقعات عالم کا جائزہ لیتے ہیں۔ کہ اس دنیا پر جو مخلوق موجود تھی۔ وہ بنی اسرائیل و اسماعیل کی نسل سے تھی ان میں مختلف قبیلے جماعتیں پائی جاتی تھیں۔ کہیں۔ بنی اسرائیل میں قیصر و کسریٰ۔ کہیں ہرقل۔ کہیں خسرو پرویز اور دیگر عظیم الشان بادشاہتیں تھیں۔ کہیں مختلف قبیلے اپنے اجداد کے نام سے۔ قریش۔ بنی ہاشم۔ بنی تمیم۔ بنی عدنان۔ بنی عدی۔ بنی مخزوم۔ بنی امیہ۔ بنی سہم۔ بنی اسد۔ بنی عبدالدار۔ بنی زہرہ۔ بنی نوفل۔ یہ سب قبیلے بنی اسماعیل میں سے تھے۔ اور اکثر قومیں مکہ کے علاقہ میں رہتی تھیں۔ ان تمام قوموں قبیلوں اور شہنشاہتوں کا کردار کیا تھا؟ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ان میں ایک ایسا متنفس باقی نہ تھا۔ جن میں گزشتہ نبیوں رسولوں کی ہدایت کا کوئی اثر پایا جاتا ہو۔ یا ان میں کوئی فرد ایسا نہ تھا جن میں خلیفہ یا نبی کی صفت صادق آتی ہو۔ برعکس اسکے ہر چہار طرف فساد و خونریزی (اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ) کا اسقدر غلبہ تھا۔ کہ اس زمانہ کی مخلوق میں اس کردار میں اتنی قوت پیدا ہو چکی تھی جسکے مٹانے کیلئے اگر گزشتہ تمام رسول اکٹھے ہو کر انہیں حقیقت کی طرف مائل کرتے تو وہ سب قتل کئے جاتے یا سولی چڑھائے جاتے۔ ان میں اخلاقی کمزوریاں فسق و فجور، بغاوت و انکار اسقدر غالب تھا کہ کسی قوت کا انکے اس غلبہ پر غالب آنا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ یہ تھی اَلْاَرض کی حالت۔ مگر وعدۂ الٰہی نے ظہور ہونا تھا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى۔ اور پھر ابھی ایک خصوصی عہد باقی تھا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ــــ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ تو اس مکہ میں ایک مسلم جماعت پیدا کر ان میں سے ہی ایک رسول کو مصطفےٰ کر کے اٹھا۔ جو انہیں تیری آیات سنائے۔ اور انکا تزکیہ کرے۔ اور تیری ہدایت (کلام الٰہی) کے اسرار و آثار سے آگاہ کر کے خبر پانے والا ــــ خبر دینے والا بنائے۔

تواریخ بتاتی ہے۔ کہ اِسوقت ایک مکہ کیا بلکہ تمام جہاں اسی ظلمت و تباہی میں گھرا ہوا تھا۔ اب یہی وقت تھا کہ وعدۂ الٰہی کے مطابق عہد اسماعیلی کا اظہار ہو کیونکہ اب اس عہد کا اظہار باقی رہا تھا مگر

جہاں تمام عالم پر کفر و بغاوت کا غلبہ ہو ہر شخص اپنے انحراف و فساد میں غالب ہو تو ان میں ایک رسول کا انہیں میں سے پیدا ہونا بھی قدرت کاملہ کا ایک عظیم الشان کارنامہ اور ایک عظیم الشان تخلیقی ترکیب کا مظاہرہ تھا۔اور اسکی ابتدأ کیسے ہوتی ہے۔کہ مکہ میں بنی اسماعیلی خاندان کی سکونت تھی۔یہاں پر بنی اسماعیلی قبیلے اپنا اقتدار حاصل کئے ہوئے تھے جنھوں نے ابراہیم و اسماعیل کے بنائے ہوئے اللہ کے گھر میں تین سو ساٹھ معبودان باطل کو اپنا معبود بنا کر اپنا پورا غلبہ حاصل کیا تھا۔اسی خاندان میں مکہ کے شریف انسان عبدالمطلب بھی تھے ــــ اب اگر کوئی ذریعہ ایسے وقت میں ایک عہد کئے ہوئے رسول کیلئے تھا وہ یہی خاندان عبدالمطلب ہی تھا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔کہ آپکے فرزند حضرت عبداللہ کی پیدائش ہوئی۔آپ نے انہیں نذر مانا ــــ کہ ہم حضرت ابراہیم و اسماعیل کی سنت کو پورا کر کے کردار خلیلی کی تجدید کریں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ کو اللہ کی نذر کیلئے تیار کیا گیا۔مگر اللہ ہی اسکے پس منظر کو جانتا تھا۔کہ اس کردار کی بنیاد میں کونسی تحریک کام کر رہی ہے۔حضرت عبداللہ ایک سو اونٹ کے فدیہ میں آئے اور آپکی جگہ سو اونٹوں کا فدیہ دیا گیا۔آپکی شادی حضرت آمنہ سے کی گئی یہی وہ کائنات کی عظیم الشان ہستیاں ہیں۔جن سے عبداللہ (اللہ کا مخلص بندہ) اور امن کا اجرأ ہوا۔ابھی زمانہ گزشتہ روایات سے اتنا جانتا تھا کہ فاران کی پہاڑیوں سے ایک نور اپنے ایک لاکھ چوبیس ہزار مشعلوں کے ساتھ دنیا کو روشن کرنے آئے گا۔اسکے ہاتھ میں نور ہو گا (توریت موسیٰ) ایک خبر دینے والا رسول آئے گا۔جو دنیا اور اسکی مخلوق کو اپنے انتہائی مقام پر پہنچا کر ارادۂ ازلی کی تکمیل کرائے گا۔

اچانک انسانی آبادیوں میں ہیجان پیدا ہوا۔قیصر و کسریٰ کے شاہی محلات میں زبردست زلزلہ پیدا ہوا۔ہزار سالہ زرتشتی آگ اچانک بجھ گئی۔شیطان پر مایوسی طاری ہو گئی وہ سینہ پیٹنے لگا ــــ معلوم تو کرو۔اس باطل دنیا میں۔یہ کیسا طوفان پیدا ہوا ــــ ؟ ہاں سنا ہے۔کہ عبدالمطلب کے گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ارے۔بچے تو پیدا ہوتے ہیں۔لیکن یہ طوفان کیسا ہے۔اسے بچہ سے کیا نسبت۔ یہ بات تو حضرت آمنہ علیہا السلام سے ہی پوچھو اس نوزائید میں کوئی خصوصی خوبی تو نہیں ظاہر ہوئی ــــ حضرت آمنہ علیہا السلام۔تو غنودگی میں ہیں۔مگر چہرے پر انتہائی مسرت و تبسم ہے۔یہ کیا کیفیت ہے؟ ــــ یہ کیفیت تو اہل باطن جانیں ظاہر تو کوئی کیفیت نظر نہیں آتی ــــ ہاں حضرت آمنہ بچہ کی پیدائش پر

غنودگی میں کچھ دیکھ رہی ہیں۔کیا ـــ ؟ ـــ ایک نور زمین و آسمان پر چھایا ہوا ہے۔اس نور سے کمرہ جگمگا رہا ہے۔آسمانوں سے خوبصورت نوری پیکر اتر رہے ہیں۔خوبصورت دوشیزائیں۔وہ کہتی ہیں ع

حورونی گاؤ آئے محمد عربی۔ صلے اللہ علیہ وسلم

ملائکہ دست بستہ کھڑے ہیں۔کہتے ہیں محمد کا ظہور ہوا۔ارے۔محمد تو ہم نے ابتدائی نورِ ازلی کا نام دیا ہے! ـــ خیر اسکا فیصلہ اسوقت ہی ہوگا جب اس نوزائید کا نام رکھا جائے گا۔حضرت عبدالمطلبؓ کو خبر ہوئی آپ انتہائی خوش ہوئے۔بچہ کو لے کر سینہ سے لگایا۔اوز بیت اللہ میں لے گئے۔اور دعا مانگی اے رب کعبہ اس بچہ کو تو دنیا میں محمود و برگزیدہ بنا ـــ یہ الفاظ اگرچہ عبدالمطلب کے تھے۔لیکن آپکی زبان پر یہ الفاظ قلب سے آئے۔قلب پر اسی نوزائید کے نور کا اثر تھا جسے آپ نے سینہ سے لگایا تھا۔

کہتے ہیں۔ابولہب کو لونڈی نے حضرت عبداللہ کے گھر لڑکا پیدا ہونے کی خبر دی تو انہوں نے لونڈی کو خوشخبری سنانے کے عوض آزاد کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب گھر آئے لوگوں کو اس خوشی میں دعوت دی۔لوگوں نے عربی رواج کے مطابق پوچھا بچے کا نام کیا رکھا۔تو آپ نے جواب دیا۔بچہ کا نام محمد ہے صلے اللہ علیہ وسلم۔حضرت آمنہ نے تصدیق و تائید کی کہ عالم غیب میں اسی بچہ کو محمد کے نام سے ہی پکارا گیا۔لوگ تعجب میں پڑ گئے۔کہ آپ نے عرب کے رواجی ناموں کو چھوڑ کر انکا ایک ایسا نام رکھا جو آج تک کسی کا نہیں رکھا گیا۔آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا میں تعریف کیا جائے۔مکہ کے لوگ سوچنے لگے کہ یہ ایک ایسی صفت ہے۔کہ آج تک نہ کسی پیغمبر سے منسوب کی گئی ـــ نہ کسی فرعون۔نہ کسی ہرقل کا نہ کسی خسرو کا نہ کسی شہنشاہ کا؟ آدم سب سے بڑا انسان ہوا۔اسکا نام بھی محمد نہ ہوا۔نوح و ابراہیم میں بھی یہ نام نہ پایا گیا۔اور موسیٰ کو بھی پانی سے نکالا ہوا کہا گیا۔اتنی بڑی عظیم الشان تخلیق جسکے متعلق اللہ نے خود کہا اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۷۱) تحقیق حضرت عیسیٰ کی حیثیت یہ ہے۔کہ وہ مسیح ہے ابن مریم (پاکیزہ وجود کی پیدائش) رسول اور کلمۃ اللہ جو القا کے ذریعہ حضرت مریم میں اپنا ایک نور ڈالا گیا۔جسکی بنیاد خالص نوری تھی۔ایسا نبی و رسول بھی عیسیٰ کہلایا۔مگر محمد کے معنی تو یہ ہیں۔کہ تمام کائنات میں حمد کیا گیا ـــ بدرجہ اتم (تمام کائنات میں سب سے

زیادہ) خوبیوں والا۔ ہر خوبی میں اسی کی خوبی نظر آئے ۔۔۔ جسکی خوبیوں کی تمام جہان حمد (پہچان) اور تعریف کررہا ہے۔

درحقیقت یہ ایک الٰہی اصطفیٰ تھا۔ جسکے لئے قدرت نے ایک خصوصی وجود مقرر کیا ۔۔۔ اور اسکا نام بھی محمد رکھا ۔۔۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ بدرجہ اتم خوبیاں تب تک اپنی انتہا کو نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ اسکے مقابلہ کوئی ایسا وجود پایا جائے جو بدرجہ اتم خوبیوں کی دوسری خوبی ظاہر کرتی ہو۔ یعنی دو خوبیوں کے حامل وجود بدرجہ اتم کی صفت میں نہیں آسکتے۔ جب تک ایک ہی وجود قائم نہ ہو۔ حالانکہ اس سے قبل تخلیق ابتدائی کی صفت بھی محمد کے نام سے منسوب ہے۔ تو پھر اس نور اور اس آخری خصوصی تخلیق میں کیا مناسبت ہوسکتی ہے۔ جس مناسبت سے دونوں وجودوں میں ایک خوبی شمار ہوسکے۔

اس کیفیت کو پانے کیلئے سب سے اول اَلْاَرض کے مخلوقی عنصر کا تجزیہ کرنا ہے۔ کہ مخلوق کی تخلیقی ترکیب میں کیا کیا خواص پائے جاتے ہیں سو ہمیں دوبارہ تخلیق کے ابتدائی مقام کی طرف رجوع کرنا ہوگا قرآن نے تواریخی طور پر تخلیق سے متعلق جو کیفیتیں بیان کی ہیں ان میں ایک خصوصی وصف یہ ہے۔ کہ ان کیفیات کو معطوف علیہ و معطوف کی طرز سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی بعد کے واقعہ کے ظہور سے پیشتر ایک ایسا واقعہ ظاہر کردیا۔ جس واقعہ سے دوسرے واقعہ کے حقیقی مواد کی شہادت ملتی ہے۔ اور ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہو۔

ابتدائی تخلیق آدم سے بتانی مقصود تھی۔ تو آدم سے پیشتر کا واقعہ بیان کیا۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اس واقعہ میں ملائکہ کا تصور بھی دلایا گیا ہے۔ کہ وہ ایک نورانی پیکر ہیں۔ جن میں اپنی ہیئت کے اعتبار سے حرکت و عمل سمع و بصر اور فہم بھی موجود ہے۔ اس سے ثابت کرنا یہ مقصود ہے۔ کہ زندگی یا حرکت و عمل کیلئے۔ صرف جسمانی ساخت لازمی نہیں۔ بلکہ زندگی ایک ایسی کیفیت ہے۔ جو جسم کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھی۔ اور نورانی ہیئت کے اعتبار سے یہ زندگی جسمانی زندگی سے افضل بلکہ جسمانی زندگی بھی اسی نورانی زندگی کی ایک ادنیٰ جز ہے۔ لہٰذا ماقبل کی زندگی مابعد کی زندگی کی معطوف علیہ ہے۔ اگر ماقبل کی زندگی کا وجود نہ ہوتو مابعد کی زندگی کا وجود قائم نہیں ہو سکتا۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کے بیان سے

ملکوتی زندگی کی بنیاد کیلئے ذات باری تعالیٰ کا وجود خود ملکوتی زندگی کا معطوف علیہ ہوجاتا ہے۔ کہ اگر اللہ کی ذات سے زندگی کا اجرا نہ ہوتو کوئی زندگی قائم نہیں ہوسکتی۔ اس سے صاف عیاں ہوتا ہے۔ کہ ہر زندگی کا وجود اسکی ماقبل کی زندگی سے ہی واقع ہے۔ اور وہ زندگی اول نورِ ابتدائی ہے۔ جسے محمد کے نام سے منسوب کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہی نور ابتدائی تمام مخلوق ارض وسمٰوٰت کی بنیاد ہے۔ اور ہر وجود کی زندگی کیلئے اسی نور ابتدائی کا ایک ایک جز مقرر کیا گیا۔ انسان کی تخلیق میں دو مرکب بیان کئے گئے ایک طین (خَلق الْاِنسان من طینٍ) یہ مرکب مادی ہے۔ دوسرا روح (ونفخت فیہ من روحی)۔ یہ دونوں مرکب اسی وجودِ نوری سے ہونگے جسے خالصتاً مخلوق کی تخلیق کیلئے مختص ومخصوص کیا گیا۔ یعنی مخلوق کی روح بھی اسی نور کا روحانی جز ہے۔ اور مخلوق کا جسم بھی اسی نور کا ایک جز ہے۔

دوسرے مقام پر ماقبل کیفیت کا اظہار اسطرح کیا گیا ہے۔ کہ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۝ اے رب کیا سوائے طریق تناسل کے بھی ایسی کوئی ترکیب ہے؟ جس میں تناسل کی قوتیں نہ ہونے کے باوجود ہمارے اختلاط میں ایک وجود پیدا ہوسکتا ہو؟ تو اس سے مقصود یہ تھا۔ کہ باوجود طریق تناسل کے جبکہ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ باپ کا نطفہ ہی ایک صورت حاصل کرتا ہے لیکن قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۹) اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے۔ کہ وہ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۶ آیت ۸۲)۔ جب وہ چاہتا ہے کہ میں اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ کسی کو پیدا کروں تو ظاہر اسباب کے احاطہ میں بھی وہ قدرت کاملہ کو استعمال کرکے اپنی مخصوص مخلوق کو اسی طرح پیش کرتا ہے جس طرح طریق تناسل میں ایک پیدائش کا ظہور ہوتا ہے مگر اس میں میری روح ہی بجائے نطفہ کے جبکہ ایک بوڑھے میں نطفہ کی قوت موجود نہ ہو اور عاقر میں بچہ بنانے کی قوت نہ ہو تو ایسے مقام پر وہ اپنی القا کردہ روح کو شکل انسانی میں پیدا کرتا ہے۔ اگر باور نہیں تو اسکے معطوف کی طرف دیکھو کہ ہم نے بغیر نطفہ کے صرف اپنی القا کردہ روح کو انسانی شکل میں پیدا کردیا ـــــ یہاں آل عمران کے واقعہ میں یحیٰ زکریا کے واقعہ کو حضرت عیسیٰ کے واقعہ کیلئے عطف بنایا۔ اور حضرت عیسیٰ کی نئی تخلیق بھی کسی واقعہ کا عطف ہونا چاہیے۔ سو ان تمام واقعات کو ایک جگہ جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نور ابتدائی (ازلی) کو ہی مخلوق کی پیدائش کیلئے

مخصوص کیا گیا۔اور ہر مخلوق کے روحانی اور جسمانی مرکب کیلئے اُسی نور ابتدائی سے روح کیلئے ایک جز مقرر کیا یہ جز ہر تخلیق کے مراتب کے لحاظ سے مقرر کیا گیا۔آدم کیلئے بھی۔یحیٰؒ کیلئے بھی عیسیٰؑ کیلئے بھی اور محمد بھی آدم کے وجود سے ہوئے اسلئے اس ابتدائی نور (محمد) کی اعلےٰ جز محمد کیلئے مخصوص کی گئی۔جس سے بطریق یحیٰؑ وعیسیٰؑ۔آپکے وجود کی تخلیق ہوئی۔بظاہر اس وجود مقدس کی پیدائش کے اسباب حضرت عبداللہ و آمنہ علیہما السلام محسوس ہوتے ہیں۔مگر اس میں القائے عیسیٰؑ اور تخلیق یحیٰؑ کی خصوصیت کارفرما ہے۔یہی وجہ ہے۔کہ آپکو روح و جسم کے اعتبار سے بھی محمد کے نام سے منسوب کیا گیا۔یہ وہی روح رحمانی ہے۔جسکی خوبیاں بدرجہ اتم ہیں (بدرجہ اتم خوبیوں والا)۔اور اسکی وسعت کائنات کے ہر ذرہ تک پھیلی ہے۔اسلئے اس روح رحمانی کی خوبی محمد سے مناسبت رکھتی ہے۔باقی رہا جسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔ یہ جسم بھی القائی جسم ہے اور یہ بھی اسی نور میں سے مخلوقی جز مصطفےٰ کی گئی ہے۔حضور علیہ السلام کے اس القائی جسم خاکی میں وہی کیفیت ہوگی جو عیسیٰؑ کے وجود میں ہے۔بلکہ بدرجہ اولا مخصوص نور ہونے کی حثیت سے اس نور کی یہ خاصیت ہے۔کہ اگر عیسیٰؑ مردہ جسموں کو زندہ کرتے تھے۔جبکہ ان میں جسمانی ہیئتیں پائی جاتیں اور پرندوں کو شکل دیکر ان میں روح پھونکی جاتی۔تو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صرف توجہ اور مس سے درخت کے تنے جن میں زندہ ہونے کی کوئی صلاحیت نہ تھی انسانی ہیئت میں نہ ہونے کے باوجود اپنی ہی ہیئت میں انہیں زندگی حاصل ہوئی اور ان چیزوں نے انسان کی طرح کلام کیا۔اور زندگی کو پایا۔

یہ خصوصیات اس امر کی شاہد ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ روحانی اعتبار سے وہی محمد ہیں۔ جس محمد کی ابتدا ازل سے ہوئی اور محمد کے جسم مقدس میں نفخ ہو کر مرکبِ محمد میں ظاہر ہوئی یہ ایک خصوصی تخلیقی ترکیب بھی۔جو خلیفہ۔نبی اور رسول خاتم النبین کیلئے مخصوص تھی اور آپکی افضلیت کیلئے یہی نور ابتدائی اور اسکا علم و خبر آپکی وجہ فضیلت ہے۔اب دیکھتے ہیں۔کہ جسم کی حثیت میں آپ نے کیا کردار پیش کیا جس سے جسمانی فضیلت کی مناسبت مکمل طور واضح ہو جبکہ آپکو روح جسم کے مرکب کے ساتھ ہی محمد کے نام سے منسوب کیا گیا تو محمد مصطفےٰ کے ساتھ آپکا اسم مقدس احمد مجتبےٰ بھی ہے۔

جسم کے اعتبار سے ہی اکثر رسولوں کا نام رکھا گیا۔

آدم: آدم کے معنی گندم گوں انسان

نوح: نوح کے معنی: آرام۔ والد نے ان کو آرام وراحت کا موجب قرار دیا

اسحٰق: اس کے معنی: ہنسنے والا۔ ہشاش بشاش چہرے والا۔ آپ کا چہرہ ہر وقت کِھلا رہتا تھا۔

یعقوب: پیچھے آنے والا۔ یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ توام پیدا ہوئے

موسیٰ: پانی سے نکلا ہوا

عیسیٰ: گلابی چہرے والا خوبصورت

محمد: (روحانی اعتبار سے) بدرجہ اتم خوبیوں والا۔ جسکی تمام مخلوق نے حمد کی

احمد: جس نے مخلوق کائناتِ ارض وسماوات میں سب سے زیادہ اللہ کی حمد کی۔ بدرجہ اتم حمد کرنے والا۔۔۔۔

مخلوق نے محمد کی حمد کی اور احمد نے اللہ کی حمد کی۔۔۔۔

مخلوق نے محمد کے نور کو محمد کی خوبیوں کو پہچانا۔ اسی محمد واحمد نے اللہ کے نور وخوبیوں کو پہچانا۔۔۔۔ اللہ کی خوبی اسکی ذات سے وابستہ ہے۔ اور نور محمدی اسکی قریبی جز ہے۔ اسلئے اس نور نے اللہ کو قریب سے پہچانا۔ جتنا قریب محمد اللہ سے ہے۔ مخلوق میں کوئی شے اتنی قریب نہیں۔

احمد صلے اللہ علیہ وسلم بشر کی حیثیت سے پیدا ہوئے۔ آپکا مقام اَلْاَرض ہی تھا۔ لیکن جسطرح آدم کو اپنی تمام خوبیوں۔ علم ونبوت کے ساتھ دنیا پر پیدا کیا۔ اسی طرح ہر رسول کو بھی اپنے علم ونبوت کے ساتھ سالم حیثیت میں دنیا پر بھیجا۔ انکی خوبیوں کی حفاظت کی گئی انہوں نے زندگی میں اپنے عمل اور کردار سے دنیاداری بھی کی۔ تبلیغ بھی کی اور اپنی عظمت کی حفاظت بھی کی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی انتہائی خصوصیت کے ساتھ علم نبوت اور رسالت کے ساتھ دنیا پر ظہور کیا۔ ان کیفیتوں میں ایک خصوصی فرق ضرور ہے۔ وہ کیا فرق ہے؟ یہ کیفیت خصوصی کیفیت ہے۔ جس سے احمد کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔ آدم کو اپنی پوری جسمانی تکمیل پر علم ونبوت دیا۔ اسلئے اس پر کوئی زمانہ حواس وفہم کی عدم تکمیل کا وارد نہ ہوا جس سے اسکا وجود (ذہن) اپنے علم ونبوت سے بے خبر رہتا۔

عیسیٰ کو مجسم نور سے پیدا کیا۔ نور اپنی ہیئت میں مجسم فہم وحواس کا حامل تھا۔ اس پر کوئی زمانہ ایسا

وارد نہ ہوا جس سے اسکا وجود (ذہن) علم و نبوت اور رسالت سے بے خبر رہتا۔ ماضی میں نور تھا۔ حال میں نور تھا۔ مستقبل میں بھی نور تھا اسلئے اسکے علم و مشاہدے میں کوئی فرق پیدا نہ ہو سکا۔ حضرت احمد مجتبےٰ۔ بشر کی حیثیت سے طرز تناسل پر پیدا ہوئے شیر خوارگی کا زمانہ۔ بچپن کا زمانہ آپ پر وارد ہوا۔ اس زمانہ کی صفت یہ ہے کہ انسان جسمانی حیثیت میں اسکے حواس و فہم کی عدم تکمیل کے باعث روحانی یا ظاہری واقعات کو حافظہ میں جمع نہیں رکھ سکتا جس پر آئندہ علم کی آگاہی کا انحصار ہوتا ہے۔ روحانیت کا تعلق قلب سے ہوتا ہے۔ قلب پر ہر وقت کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ لیکن جب تک شعور اس سے آگاہ نہ ہو اور کیفیات حافظہ میں جمع نہ رہیں انسان کسی علم و خبر سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اگر چہ مراتبِ روحانی میں وہ ہر کیفیت روحانی کو حاصل کئے ہو۔ اس تخلیقی کیفیت کا عطف حضرت یحییٰ کی پیدائش اور شیر خوارگی۔ اور حضرت عیسیٰ کے بنیادی وجود کی ترکیب ہے۔ گو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش تمام گزشتہ پیدائشوں کا مرکب ہے۔ بہ الفاظ دیگر فطرۃ نے جس پیدائشی ترتیب پر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا تھا اسی خصوصی ترتیب کے خاکہ پر کائنات کی تمام مخلوقِ ملکوتی و ناسوتی کی پیدائش کو بطور نمونہ پیش کیا۔

یہی فرق خصوصی ہے۔ جس میں شیر خوارگی سے لے کر سن بلوغ تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے خصوصی علم نبوت سے آگاہی نہ ہوئی۔ حقیقت تو یہ ہے۔ اس انتہائی مقدس و مزکی وجود کو اپنی پیدائش کے ساتھ ہی تمام علم و نبوت کا مشاہدہ تھا۔ کیونکہ اسکا تعلق روح سے ہے۔ روح فہم و ادراک میں قوی ہوتی ہے لیکن یہ کیفیت انسانی علم کیلئے قبل از وقت تھی اسلئے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بچپن میں حضور کو اپنے علم و نبوت سے آگاہی نہ تھی ــــ لیکن چونکہ آپ کی ذات مصطفےٰ تھی۔ باوجود انتہائی مسموم ماحول کے بھی آپ نے ماحول کا تاثر قبول نہ کیا۔ بلکہ حقیقی جذبہ کے تحت خود بخود آپکی حفاظت ہوتی رہی اور اس پر آپکے تفکر و استغراق نے بھی آپکی خوبیوں کی حفاظت کی۔

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ جنگلوں کی تنہائیوں اور خاموشیوں میں آپکا شغل گلہ بانی تھا جہاں آپکو تفکر و استغراق کی ہی تحریک ہوتی رہی اور اس تفکر و استغراق میں جستجو صرف خالق کائنات کی تھی۔ اس تفکر و استغراق کے سوائے آپ نے کسی استاد سے کوئی تعلیم و ہدایت نہ پائی جسطرح رسول ہدایت کا طریق بتا کر تزکیہ کراتے تھے۔ لیکن ایک نورانی طبیعت کو صرف جذبہ کی جولانی کی ضرورت تھی سو یہ

ضرورت۔ تنہائی۔ خاموشی۔ تفکر و استغراق نے پوری کر دی۔ آپ نے کوئی خصوصی شرعی عمل سوائے اس کے نہیں کیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آپکو اپنے علم و نبوت سے آگاہی و مشاہدہ ہونے لگا۔ حضرت آدم و عیسیٰ کو نبوت دی گئی کہ آپکو عالم ملکوت السمٰوٰت والارض کے اسماء دکھائے گئے۔ مگر محمد رسول اللہ مجسم علم و نبوت تھے۔ آپکا علم آپکی نبوت یا تو ذات الٰہی کی عظمت و سعت تھی یا خود اپنی ذات نوری کا مشاہدہ تھا۔ جسکے لئے کسی دوسرے علم الاسماء یا خبر پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے اپنی ذاتی جستجو سے تفکر و استغراق سے علم نبوت حاصل کیا۔ جنگلوں کی تنہائیوں میں۔ غار حرا کی خلوتوں میں اسی علم نبوت کی ابتدا و جود ذات الٰہی کا مشاہدہ کیا۔ اس زمانہ میں جو عمل آپ نے کیا وہ سوائے۔ خلوت۔ تفکر و استغراق اور ذکر اَللّٰہُ ھو کے کچھ نہ تھا۔ جس سے آپکو وہ مقام حاصل ہوا۔ کہ بغیر کسی رہنمائی کے آپکو وحی حاصل ہوئی۔ اسی مقام کو قرآن نے اس انداز سے بتایا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۸ آیت ۱۱۰)۔ کہو سوائے اسکے کچھ نہیں میں تمہاری طرح کا بشر ہوں اور ہم پر وحی آتی ہے۔ یہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کیلئے ایک ادب اور خصوصی وجدان کی ضرورت ہے۔ کہ بشر کا تصور کرنے سے پہلے۔ گزشتہ تخلیق کا مطالعہ سامنے رکھا جائے کہ سب سے اول کی تخلیق میں اللہ نے فرشتوں سے کہا میں بشر بنانے والا ہوں تو یہ مادی بشر ہی تھا مٹی کا پتلا ہی تھا۔ پھر زمانہ گزرنے کے بعد پھر بشر کو دہرایا۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا یہ بھی بشر کہلایا۔ مگر اس بشر کی بشری صفت کی ساتھ ہی وضاحت کر دی حضرت مریم بھی بشر کی شکل میں تھی۔ آدم بھی بشر کی شکل میں تھا۔ رسول بھی بشر کی شکل میں تھے اور وہ انسان بھی بشر کی شکل میں ہی تھے جو اپنی نافرمانی کے باعث اپنی روحانی عظمتوں سے گر کر ذلیل حثیت میں واجب القتل اور تباہی قہر و عذاب کے مستحق ہوئے۔ اسی بشر کو سمجھ کر حضرت مریم نے کہا۔ قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا ۔ حضرت مریم کو کسی خطرے کا احساس ہوا جو بشر سے ہونا لازمی تھا۔ کیونکہ یہ بھی بشرٌ مثلکم ہی تھا۔ مگر وہ تو ملائکہ تھا بشر صرف ہیئت میں تھا۔ حضرت عیسیٰ بھی بشر مثلکم اور رسول منھم ہی تھے۔ اور اسی

دھوکے نے لوگوں کو یہ سمجھنے سے اندھا کر دیا۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وہ بشری صفت کے ظاہری اسباب کے برعکس عدم صلاحیت میں بھی بشر ہوتے ہوئے مافوق الفطرۃ واقعہ کا ظہور کریگا۔ اگر ان تمام مخلوقی ترکیبوں میں بشر ہوتے ہوئے بھی یہ کمال حاصل ہے تو پھر افضل الانبیاءً کیلئے یہ صفت بدرجہ اتم ہی ہونی چاہیے اور سمجھنے کی بات ہے۔ کہ ملائکہ کو بھی بشر کے تمثیلی نام سے پکارا گیا جنہوں نے آدم کی عظمت و برتری کو تسلیم کر لیا۔ وہاں فرشتہ پر کوئی شخص یہ اعتراض نہیں کرتا۔ کہ وہ ایک انسان تھا اور اس میں کوئی کمال یا علم غیب کا ہونا ممکن نہ تھا۔ اعتراض یہ ہوتا ہے۔ وہ فرشتہ تھا۔ انہیں مادی غذا حاصل نہ تھی اسلئے انکی سالمیت برقرار رہی۔ مگر اسکے بعد کے واقعہ میں بھی تو ایسا ہی ہوا۔ کہ اللہ کی روح بشر کی حالت میں ظاہر ہوئی اور اسکے لئے بھی یہی آیت صادق آتی ہے۔ کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ۔ حضرت عیسیٰ بھی چلتے پھرتے تھے۔ کھاتے پیتے تھے۔ مگر مردہ زندہ کرتے تھے اور علم غیب کی خبریں بھی لوگوں کو بتاتے تھے۔ یہاں پر کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ کہ رسول بشر ہونے کی حیثیت میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ یا علم غیب نہیں جان سکتا۔ یا اپنی قوت و عظمت کے اعتبار سے ایک کنکر کو بھی نہیں ہلا سکتا! فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ۔

یہ تو عیسیٰ ہیں مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو بشر کی حالت میں پیش کرنے پر آپکی ذات مقدس کو ایک ادنیٰ انسان کی بشری قوت کے تصور میں دیکھنا گویا نعوذ باللہ تمام خدائی پر حرف لانا اور اسکی تکذیب کرنا ہے۔ حضور نے فرمایا جو ہم پر اپنی طرف سے کذب باندھے وہ ہم سے نہیں اسکا ٹھکانا جہنم ہے۔ اب یہ فیصلہ حقیقت کی صحت پر ہے کہ کون حق پر ہے کون باطل پر۔۔۔۔

تواریخ شاہد ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی کی غذا کا تخمینہ اوسطاً چار دن میں بھی اتنی غذا نہیں بنتی جتنا ایک بشر ایک وقت کھاتا ہو۔ ابتدائی زندگی سے لے کر غار حراؐ کی خلوت تک صرف کوئی وقت ایسا آیا کہ آپکو ایک غریب خاندان میں جو کی روٹی میسر ہو سکی ہو سوائے قلیل مقدار ستو اور پانی کے۔ تو اندازہ کرنے کا مقام ہے۔ کہ اس مقدار میں انسانی نشو نما کا برقرار رہنا سوائے اسکے نہیں ہو سکتا کہ آپکا جسم مقدس تحلیل ہو کر مجسم نوری کیفیت میں مزکی ہو چکا تھا۔ اگر کوئی معترض اس پر اعتراض کر سکتا ہے۔ تو میں ایک عالمِ شریعت سے لے کر سائنس کے ایک افضل محقق کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ

میرے اس سوال کا جواب تردید میں پیش کرے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خود زبان مقدس سے فرمائی ہوئی حدیث ہے۔ اور تواریخ اسکی عدم صحت کیلئے کوئی سند پیش نہیں کر سکتی۔ کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر میں جب آپ جنگل میں گلہ بانی کررہے تھے۔ تو چند فرشتے آئے انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ چاک کیا۔ اور قلب مبارک کو سینہ سے باہر لاکر طشتری میں دھویا۔ آپکا دودھ بھائی عبداللہ بن الحارث اور خود حضور بھی بہ ہوش وحیات اس کیفیت کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ آپکا قلب مبارک پھر اپنی جگہ رکھ کر سینۂ مبارک درست کیا گیا۔ کہ کیا کوئی محقق اس بات کا ثبوت پیش کر سکتا ہے۔ کہ ایک بشر کا قلب وجود سے الگ کرنے کے بعد وہ ہوش میں رہ کر اپنی کیفیت کو بلا تکلیف دیکھ سکتا ہو اور اس حالت میں زندہ رہ سکتا ہو۔ اگر نہیں تو پھر یہ ماننا پڑیگا کہ جس رسولِ محتشم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہم بشر کے تصور میں ایک ادنیٰ انسان سے بھی نیچے گراتے ہیں۔ انکی بشری خصوصیت کے یہ معنی نہ لینے چاہیں کہ وہ بھی ہماری طرح انسان تھے جیسے ایک انسان ہوش وحواس میں بھی اپنی حالت سے بے خبر اور اپنی قوتوں میں کمزور ترین ہوتا ہے۔

یہ واقعہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر میں آپکے بچپن کے زمانہ کا ہے۔ اسکے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے نکاح کے زمانہ تک اور بعد میں بھی رسالت کے زمانہ تک انتہائی مجاہدے اور ریاضتیں کیں۔ جسکے اثر سے پہلے ابتدائی اثر میں یہ قوت پائی گئی کہ آپکو وحی حاصل ہوئی یُوۡحٰی اِلَیَّ کی خصوصیت اسی عظمت کی بناء پر تھی۔ ورنہ کسی انسان کو وحی حاصل ہونا۔ بغیر علم ورہنمائی اور تزکیہ کے ناممکن ہے۔ اور رسالت کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو وہ ہدایت بھیجی جو ہدایت ایک بشر کو اپنی ذلیل حالت سے اٹھا کر مقام خلافت پر پہنچاتی ہے۔ اس پر سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی عمل کیا۔ لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ "حَسَنَۃٌ" (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۳ آیت ۲۱) تمہارے لئے رسول کے عمل میں بہتر نمونہ ہے۔ دنیا مانے یا نہ مانے مگر قرآنی اعلان کو دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۱)۔ یہ ایک اعلان ہے۔ جس میں مادی وجود کے قلیل مدت میں انتقال کا ایک

معجزہ ہے۔ جو عقلی طور مبالغہ سمجھا جا سکتا ہے مگر یہ اعلان ایک حقیقی راہنما کا ہے۔ جس کی ذاتی شخصیت کو دنیا کا ہر انسان تسلیم کرتا ہے۔ پھر یہ بھی عطف ہے کسی معطوف کا۔ وہ کیفیت بھی اسی سلسلہ میں بیان کر دی ثُمَّ دَنَافَتَدَلّٰی ○ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ○ پھر ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم مقدس کو اس قدر قریب کیا اور اپنی ذات سے اس مادی بشر کو ملایا کہ درمیان کوئی شے حائل نہ رہی۔ غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ مادہ نور میں جا نہیں سکتا یہ امر خلاف فطرۃ ہے۔ تو پھر اگر بشر اللہ میں مل جائے تو کیا یہ بشر عام انسانوں جیسا ہے یا یہ جسم مجسم نور ہے۔

شریعت کا یہ ایک خصوصی اصول ہے۔ کہ ہر انسان پر تفکر لازم ہے۔ اور اس تفکر کا نتیجہ انسانی عظمت و سر بلندی اور قرب و مشاہدۂ الٰہی ہے۔ قرب و مشاہدہ کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔ کہ انسان کی روح عرفان حاصل کرتی ہے۔ عرفان سے مراد پہچان ہوتی ہے۔ اور پہچان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ہر وجود کے عرفان میں تب تک مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس وجود میں فنا حاصل نہ ہو۔ فنا کے معنی اپنا وجود گم کر کے مشہود میں سما جانا۔ حمد کے بھی یہی معنی ہیں۔ اور عرفان کے بھی یہی معنی ہیں۔ جو شخص علم اور خبر حاصل کرے اسکے لئے یہی طریق ہے۔ کہ شریعت کی پابندی سے اپنی روح کو وسعت دے اور یہ وسعت ذات باری تعالیٰ تک ہوتی ہے۔ جب روح ذات باری کے قریب ہو کر اسکا مشاہدہ کرے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ یہ روح اسوقت ذات باری کے نور میں سما کر اس نوری کیفیت کو حاصل کر رہی ہے۔ چونکہ روح کا تعلق قلب سے ہے۔ اسکا عکس براہ راست قلب پر طاری ہوتا ہے۔ اور قلب سے جسطرح ارادہ کی تکمیل عقل سے ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ کیفیت ذہن تک آجاتی ہے اور شعور (جو ذہن کا ایک حصہ ہے) اس عکس کو محسوس کرتا ہے۔ تو انسان ہوش و حواس میں جاگتی حالت میں اپنے روحانی جذب کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ مشاہدہ مثل عام دنیوی مشاہدہ کے حافظہ میں جمع ہو جاتا ہے۔ یہی مشاہدہ جب حافظہ میں جمع ہوا تو یہی کیفیت انسانی علم کی اساس بن جاتی ہے۔ گویا ایک طرف انسان کو روحانی عظمت میں بقا و فنائے روحانی حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف حافظہ میں اسکا علم جمع ہو جاتا ہے۔ تو ایسا شخص عالم کہلاتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر روح بقائے الٰہی حاصل کرے تو روحانی علمیت کے اعتبار سے ایسا شخص روحانی اعتبار سے کائنات کے ہر ذرہ سے سمیع و بصیر کی حیثیت میں آگاہ ہوتا ہے۔ میرا مطلب سمیع و بصیر

سے صفت خداوندی نہیں بلکہ دیکھنے سننے کی کیفیت کو عربی الفاظ میں ادا کرنے کا ہے۔علاوہ ازیں جبکہ اللہ خود اپنی ذات کے اعتبار سے سمیع وبصیر حاضر و ناظر ہے۔تو جو روح اس نور میں سما جائے تو وہ روح خود روح نہیں رہتی بلکہ اپنی اصل میں سما جاتی ہے۔پھر دوسری شے کا وجود نہیں رہتا اسطرح جو کیفیت اللہ کی ہو وہ اللہ کی ہی رہتی ہے۔اور روح پر بھی وہ کیفیت بہ اعتبار فنا حاصل ہوتی ہے۔صرف انسان کو قلب و ذہن اور روح کے عکس سے اسکا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ایسی حالت میں جو کیفیت انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ ذات باری کی ہوتی ہے۔اسطرح انسان روحانی مشاہدہ سے سمیع وبصیر اور روحانی اعتبار سے جب وہ ذات الٰہی میں سما جائے تو اسکے لئے حاضر و ناظر ہونا لازمی ہوتا ہے ۔۔۔ یہی کیفیت احمد میں پائی جاتی ہے۔کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی تزکیہ سے اپنی جسمانی ہیئت کو اس مقام پر لایا جہاں یہ وجود ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ کے مقام پر نوری ہیئت میں ذات باری تعالیٰ میں سما گیا۔جسکے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہم نے اللہ کو اِن آنکھوں سے دیکھا۔یہاں پر صاحب علم لوگ جب اس کیفیت کو بیان کرتے ہیں تو وہ اس کیفیت کا اندازہ لگانے کا خیال نہیں کرتے کہ عام انسانی آنکھوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں میں کیا فرق ہے۔وہ انسانی آنکھوں کے تصور کے ساتھ اس کیفیت کو بیان کرتے ہیں جس سے معترض کو اعتراض کرنے کیلئے کافی گنجائش ملتی ہے۔مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔نماز میں اپنی صفوں کو درست رکھو ہم عقب میں بھی دیکھتے ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ انسان کی آنکھ پیچھے دیکھ نہیں سکتی۔مگر حضور کی آنکھ مجسم نوری ہے جسے صفوں اور آنکھوں کے درمیان حائل ہونے والی کیفیت دیکھنے میں حائل نہیں ہوسکتی۔تو ایسی آنکھ جسمانی نہیں بلکہ مجسم روحانی ہے۔بعض حدیثوں میں ذکر ہے۔کہ حضور سوئے ہوئے تھے اور چند اشخاص نے آپکے سامنے کچھ باتیں کیں تو حضور نے فرمایا کہ یہ شخص یہ باتیں کہہ رہے تھے ایسا وجود جس میں نـــوم اور ایـقـظ ۔نیند اور بیداری کی حالت میں کوئی فرق نہ ہو وہ روحانی ہوتی ہے۔یہی کیفیت احمد کی ہے۔ جسوجہ سے مرکب محمد و احمد کو محمد کے نام سے پکارا گیا۔اور آپکے وجود پر بھی محمدؐ کا اسم صادق آیا یہی مناسبت ازلی محمد اور محمد رّسول اللہ میں ہے۔اب دیکھئے کہ آپکی شریعت کیا تھی جس سے ایک انسان کو ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔

قبل اسکے کہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تفصیل بیان کی جائے۔ ضرورت ہے۔ کہ ہم اس تخلیق کے خصوصی مقصد کو دوبارہ دہرائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے ماسویٰ ایک مخلوق بنانے کا ارادہ کیا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں ارض میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ مگر مقصودِ خلیفہ بنانے سے یہ تھی کہ اسے علم ونبوت عطا کروں۔ اور اسی علم ونبوت کی روشنی میں۔ یہ مجھ سے اور میرے اسرارِ اسماء سے آگاہ ہو۔۔۔ اسی مقصود کے ساتھ اسے دنیا پر بھیجا۔ بس قصہ ختم اب کسی اور شے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ لیکن انسان پر اسکی حفاظت لازمی تھی۔ اگر انسان میں علم ونبوت کی خوبی باقی نہ رہے۔ تو مقصد الٰہی فوت ہو جائے گا۔ لہٰذا انسان سے وعدہ لیا کہ تیرے لئے ازبس ضروری ہے۔ کہ تو اپنی اس عظمت و برتری کی حفاظت کرتا رہے اسکے لئے اسے قوتِ ارادہ واختیار محکم دیا۔ کہ یہ تیرے ذمہ ہے کہ تو اپنی عظمت کی محافظت کر سکتا ہے۔ اسکے لئے کسی نئے طریق کار کی ضرورت نہ تھی سوائے اسکے کہ انسان مادیت سے علیحدہ رہے۔ روحانی تقویت کو اسی مادی علیحدگی سے قائم رکھے۔ اس علیحدگی کا طریق یہ تھا کہ وہ کسی مادی اور ماسویٰ علم نبوت کیفیت کا تصور اپنے قلب وذہن پر طاری نہ ہونے دے۔ جس سے اسکے قلب وذہن میں ہر لحہ تصورِ الٰہی موجود رہے۔ اسکا طریق ذکر الٰہی زبان سے اللّٰہ ھو اور قلب میں تصور ومشاہدۂ الٰہی ہر وقت موجود رہے۔ اس کیفیت کو حُب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ لیکن آدم کو ایک خوبصورت اور شاداب باغ میں رکھا گیا۔ جہاں ہر قسم کی نعمتیں موجود تھیں۔ اسے جنت (باغ) سے تعبیر دیا گیا۔ یہ جنت کیا وہ جنت ہے۔ جسکا وعدہ بعد موت قیامت میں دیا گیا یا اس جنت کا جوز مین پر موجود تھی۔ اسکی تشریح قرآنی آیات سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ اگر یہ جنت یوم الجزاٗ کی جنت ہے۔ تو وہ جنت ایک روحانی عالم میں ہے۔ جسکے لئے ایک خالص روحانی وجود کا حاصل ہونا لازمی ہے۔ جس میں مادیت کا ایک ذرہ بھی نہ پایا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس مقام پر کیا۔ جہاں ایک مومن کو اسکی عمل کی روحانی جزاٗ میں روحانی مقام حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۙ○ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا ○ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۸ آیت ۱۰۷ تا ۱۰۹)

اس بیان سے صاف عیاں ہے۔کہ یہ جنت مومنوں کوانکے عمل کی جزا ٔمیں ملے گی۔جنہوں نے عمل صالح کئے۔عمل صالح اور جزا ٔکی کیفیت کیا ہے؟۔۔۔وَمَاتُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا یعنی عمل صالح میں اسکا ثواب یانتیجہ عمل ایک ایسی کیفیت ہے۔جو ہمارے احساسات سے ماورا ٔہے۔ہم اسے محسوس نہیں کرتے۔اگر محسوس نہیں تو اسکی کیفیت نورانی ہے۔اور یہی عمل صالح کا نتیجہ مومن نے اپنے لئے اپنی عاقبت کیلئے قبل ازموت بھیجنا ہے۔یہ نور اللہ کے پاس موجود ہے۔سواجر میں یہی کچھ ملے گاوَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ تمہارے لئے وہی کچھ ہے جوتم نے بنایا۔اسکا مطلب یہ ہوا۔کہ انسانی عمل سے اسکے لئے ایک مقام بنے گا جوروحانی مقام ہوگا۔اور اسکی تمثیلی کیفیت باغ کی سی ہوگی جس باغ کوہم کو جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔۔۔مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ج وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ج وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ط وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ط (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۷ آیت ۱۵) نہریں۔درخت۔رنگین قسماقسم پھول۔میوے ہر قسم کی خوبصورت سے خوبصورت کیفیتیں اور لطیف رنگوں کی روشنی محسوس ہونگی۔گوان کیفیتوں کواسی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔جو ہماری مادی دنیا میں پائی جاتی ہیں۔لیکن جنت چونکہ اعمال کی نورانیت کے اعتبار سے عالم نورانی میں ہے۔اسلئے ایسے مقام پر ہر کیفیت جسکے متعلق قرآن نے تمثیلی انداز (صرف سمجھانے کیلئے) اختیار کیا۔تمام کی تمام نورانی ہوگی جس میں مادیت کا وجود ہونا خلاف فطرۃ ہے۔اس کیفیت کی تائید کیلئے ہی قرآن نے یہ بیان بھی ساتھ دیا کہ تم میری روحانیت کے اسرار کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ کتنی وسیع ہے۔اور جنت بھی میرے کلمات سے ایک ہے۔اگر تم اسی جنت کی تعریف میں سمندروں کی سیاہی بنا کر لکھنا شروع کرو تو ایک کلمہ کی تعریف میں ہی تمام سمندر بلکہ اس سے بھی دوگنے خشک ہوجائیں گے مگر میرے روحانی وسعت کے کلمات کی تعریف مکمل نہ ہوسکے گی۔

اِدھر جب حضرت آدم کوجسم خاکی میں مکمل کرکے اَلْاَرض میں بنایا۔تو اسکا مطلب یہ ہے۔کہ حضرت آدم کوخاک سے خاکی حالت میں بنایا۔اور جوکچھ واقعات حضرت سے متعلق بیان کئے وہ اسی حالت میں تھے کہ حضرت آدم زمین پر ہی تھے۔فرشتوں کا سجدہ اور آدم کی خبر دینا یہ سب زمین پر ہی ہوا۔

گمان یہ ہوتا ہے۔کہ جسوقت حضرت آدم کا فرشتوں سے مقابلہ ہوا۔حضرت آدم فرشتوں کے سامنے پیش کئے گئے ہمارے علم میں پیش ہونے سے مراد یہ لی جاتی ہے۔کہ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اسوقت حضرت آدم کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔مگر فرشتے عرش سے لے کر آسمان اول تک پائے جاتے ہیں۔اس صورت میں سامنے حاضر حالت میں ہونے کی کیا ترکیب ہوسکتی ہے۔اگر عرش پر لایا تو آسمان اول کا فرشتہ تو عرش سے بے خبر تھا اگر آسمان اول پر لایا تو عرش کا فرشتہ دور ہو جاتا ہے۔اگر فرشتہ کیلئے دوری مانع نہیں تو زمین پر ہونے میں بھی کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔اس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ ثُمَّ عَرَضَهُمْ کی کیفیت یہ ہے۔کہ اسوقت اگر چہ ہر کیفیت اپنے مقام پر ایک دوسرے سے دور تھی مگر ایک خصوصی واقعہ کی اطلاع کیلئے ہر ایک کو ایک دوسرے کی طرف متوجہ کر کے ایک دوسرے سے آگاہ کرا دیا۔فرشتے بھی مشاہدہ کر سکتے تھے اور وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے اعتبار سے آدم بھی عرش سے لے کر آسمان اول کی ہر کیفیت کو اسطرح علم و مشاہدہ میں لا رہا تھا جسطرح دو شخص ایک دوسرے سے آمنے سامنے مشاہدے میں لاتے ہوں۔یہی کیفیت سجدے میں بھی محسوس ہوتی ہے۔کہ آدم سامنے تھا تو فرشتے سجدے میں اسی طرح جھکے جسطرح انسان اللہ کے سامنے سجدہ میں جھکتا ہے۔مگر یہاں ملائکہ کا سجدہ تھا جنکا مادی یا انسانی وجود نہ تھا کہ انہیں سجدے کیلئے جھکنا پڑے۔بلکہ انکا سجدہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کا نہ تھا۔بلکہ انکا سجدہ اسی طرح کا تھا جسطرح کا سجدہ حضرت یوسف کو انکے والد اور انکے بھائیوں نے کیا۔یہ طریق خلافِ فطرۃ ہے۔کہ جو سجدہ اللہ کی عظمت و وحدانیت اور معبودیت کے لئے مختص ہے۔وہ سجدہ نہ اللہ ہی کسی دوسرے کے آگے کرنے کو پسند کرتا ہے۔نہ اسکا حکم ہی دیتا ہے۔نہ فطری طور ایسے سجدہ کا سوائے اللہ کے اسکی وحدانیت ربوبیت اور معبودیت کے اعتبار سے کوئی غیر اللہ حقدار ہوسکتی ہے۔حضرت یعقوب رسول تھے۔حضرت یوسف رسول تھے۔حضرت یعقوب حضرت یوسف کے والد تھے۔والد کیلئے فطری طور یہ جائز نہیں کہ بیٹے کے آگے جھکے مگر یہاں نہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کا تصور تھا۔نہ نسب کا تصور تھا۔بلکہ اس خصوصیت کا تصور تھا جو خصوصیت اللہ نے رسول ہونے کی حیثیت سے صرف حضرت یوسف کو عطا کی کہ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ج

(پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۱۰۰)

وہ منتخب رسول تھے اوران میں ایک مزید خصوصیت خواب کی تعبیر عطا کی گئی تھی جو باقی لوگوں میں نہ تھی۔اسی کیفیت کوتسلیم کرنے کا طریقہ صرف معمولی جھکنے سے یا اگر سجدے کی حالت میں بھی ہوتو بھی جائز تھا کیونکہ اس میں تصور ایک خصوصی خوبی کا تھا۔ذات کا نہ تھا۔یہی کیفیت آدم کی تھی وہاں ذات کی حیثیت سے تو فرشتوں نے اعتراض کیا۔مگر صفت کی حیثیت سے ہر فرشتہ نے اپنی اپنی جگہ امنا صدقنا کہہ کرتسلیم کیا۔اسکے لئے ضرورت نہ تھی کہ آدم کو براہ راست آسمانوں پر لایا جائے۔بلکہ جب اللہ نے اسکا مقام ارض کیا۔تو ارض میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسے علمِ نبوت کی خوبی عطا کر کے اسے روحانی رفعت عطا کی۔سوانسانی مقصود میں روحانی رفعت ہی قابل ذکر کیفیت ہے۔

چونکہ آدم کے ساتھ جسم بھی مکمل ہو چکا ہے۔اسلئے اسکا مقام زمین کی جنت میں ہی ہوسکتا ہے۔جنت کسی خاص مقام کا خصوصی نام نہیں بلکہ ایک کیفیت کی صفت ہے۔جہاں زمین میں ایسی صفت پائی جائے جس میں نہریں۔درخت۔پھول۔پھل پائے جائیں۔مادی حیثیت سے اسے عربی میں جنت کہا جاتا ہے۔

روحانی جنت ایک روحانی ماحول ہے۔روح کی کوئی جسمانی شکل نہیں۔اس کیفیت کا علم حاصل کرنے کیلئے اگر ایک روحانی عالم کہا جائے۔تو انسان اس روحانی عالم کے تصور میں کوئی کیفیت نہیں پاسکتا۔اسلئے اسے تمثیلی مشابہت کے ساتھ بیان کیا گیا۔اور اس نورانی عالم کو اگر کوئی محسوس کرے۔تو اسی طرح جسطرح حضرت مریم یا حضرت ابراہیم۔یا حضرت لوط نے ایک نورانی پیکر کو تمثیلی شکل میں محسوس کیا۔غور کرنے کی بات ہے۔ملائکہ کے معنی نورانی پیکر ہیں۔اللہ نے ایمان کی صفت میں ملائکہ کے وجود کوتسلیم کرنے کا حکم دیا۔اسوقت ملائکہ کے نام کے مطابق ہی روحانی پیکر میں تصور کیا جائے گا۔لیکن انسان روحانی پیکر کا تصور نہیں کرسکتا۔اسلئے وہ صرف تسلیم کریگا کہ ملائکہ روحانی پیکر ہے۔مگر اسکے وجود کا کوئی تصور اسکے پاس نہ ہوگا۔اب اگر تصور کی ضرورت ہوتو ہم اسے ایک بشر کی صورت میں تصور میں لاتے ہیں جو اگرچہ بشر کی صورت میں ہے۔لیکن اس میں مادیت نہیں صرف نور ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے تصور کو ٹھکانے پر لانے کیلئے روحنا کے ساتھ یہ کیفیت پیش کردی فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔یہی کیفیت جنتِ یوم الجزاء کی ہے۔کہ وہ نوری ماحول ہے۔اورقرآن نے انسان کو عمل

صالح کی تحریک میں جولانی پیدا کرنے کیلئے اسے ایک ایسے تمثیلی وجود سے مشابہ دیکر بیان کیا جس تصور کو پانے سے انسان کو ایک ایسے مقام کا احساس ہو۔ جو اسکے وجود میں بھی آرام وسکون واطمینان وراحت کا اثر پیدا کرتا ہے۔

اس بیان سے صاف واضح ہوتا ہے۔ کہ آدم نہ آسمانوں میں لایا گیا۔ نہ اسکا مقام جنت یوم الجزاُ تھا۔ بلکہ زمین اپنی ابتدائی کیفیت میں تھی اسکی ہر شے تازہ ولطیف تھی اس میں نئی روئیدگی تھی جس میں ہر شے اپنے اصلی جوہر میں نمایاں تھی۔ اسکی روئیدگی میں۔ شیریں نہریں۔ خوبصورت پھول۔ لذیذ پھل اور لطیف آب وہوا موجود تھی اسی باغ میں کہا یاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ۔ یہاں جنت میں آدم کا جوڑا بھی ساتھ تھا۔ اگر آدم کی خصوصیت میں یہ چیز شامل تھی کہ اسے آسمان یا جنت میں رکھا جائے تو اسکے جوڑے کو کیوں اسکے ساتھ شامل رہنے کو کہا۔ آخر جوڑا کس لئے تھا ـــــ اور پھر جنت میں کوئی مادی چیز نہ تھی تو پھر حضرت آدم پر مادیت کا غلبہ کس چیز سے ہوا کہ اس نے باغ کے پتوں سے ستر کو ڈھانپا۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَۃَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ ط (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۲) اور یہ کیفیت کیسے پیدا ہوئی۔ آدم تو ایک لطیف جسم رکھتا تھا۔ مگر تھا مادی! اسے اپنے علمِ نبوت کی وجہ سے ہر طرف نور نظر آتا تھا۔ اس مشاہدہ میں فرق آیا۔ فرق آنا شہوت و مادیت کے غلبہ سے ہوتا ہے۔ تو یہ مادیت کا غلبہ جنت کی کس چیز سے پیدا ہوا۔ یہی کیفیت ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا اشارہ ظاہر ہوتا ہے کہ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَۃَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور اس درخت کے قریب نہ ہونا۔ یہ درخت تھا۔ اسکی تفصیل قرآن نے بیان نہیں کی اسلئے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ درخت کس قسم کا تھا۔ مگر ممانعت تھی۔ اللہ تعالیٰ کی ممانعت اٹکل پچو نہ تھی بلکہ کسی خصوصی اثر کے تابع تھی۔ اللہ کا کوئی کام خالی از حکمت ومصلحت اور ترتیب نظام سے خالی نہیں۔ سو اللہ کا منع بھی اسی حکم کے تابع تھا۔ جسکا اثر آدم پر ظاہر ہوا کہ آدم پر شہوت غالب ہوئی اور رفتہ رفتہ اپنی روحانی خاصیت میں کم تر ہوتا گیا۔ یہاں قرآنی ارشاد میں۔ اللہ کے طرز بیان اور زمانہ وکیفیت کے وجود کا ضروری خیال رکھنا چاہیے۔ کہ قرآن نے ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ بھی دہرایا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ واقعات کے ایک ساتھ بیان کرنے میں واقعات بھی اسی وقت ظہور پذیر ہوئے۔ نہیں بلکہ ایک واقعہ ایک وقت میں ہوتا ہے۔ دوسرا

واقعہ مدتیں گزرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔ یہاں بتایا بنانے والا ہوں اسکے ساتھ ہی بتایا اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا ۔ میں اب بنانے ہی والا ہوں۔ اور ساتھ ہی بتایا کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِکَةِ ان واقعات میں انداز بیان کو دیکھیں اور اللہ کے بیان کے الفاظ پر بھی غور کریں کہ ایک وقت کے ایک بیان میں ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ پیش آنے میں ایک طویل زمانہ کا وقفہ پایا جاتا ہے ـــ الغرض آدم زمین پر بنا۔ اسے علم و نبوت عطا کیا گیا اور یہی مقصود پیدائش آدم کی خصوصیت ہے۔ اس خصوصیت کا تقاضا یہی ہے کہ صرف انسان۔ خلیفہ کی حیثیت سے رہے اور اپنے علم و نبوت کی حفاظت کرے۔ اسکے لئے اب کسی اور کیفیت کسی رسول کی ضرورت نہ رہی۔ لیکن انسان سے خطا ہوئی ـــ اسکا علمِ نبوت (خبر) اس سے چھن گیا۔ اب اسی مقصود کی دوبارہ تکمیل کیلئے۔ ایک انسان کو اصطفیٰ کیا گیا۔ جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے ماسوئ مقصود (علم و نبوت) ایک علم کا اجرا کیا۔ یہ علم بھی مقصود کی تکمیل کیلئے تھا۔ گویا یہ علم مقصود میں شامل نہیں۔ لیکن اسکی کیفیت کے اعتبار سے یہ علم اور عالم۔ رسول اور ہدایت (شریعت) عام (مقصود سے دور اور ذلیل حالت) انسانوں کے مقابلہ میں برتر و عظیم کیفیتیں پیدا ہوئیں۔

رسول آئے۔ علم۔ نبوت اور رسالت کے ساتھ۔ مگر ان میں علم۔ نبوت وہی ہے۔ جو خلیفہ کیلئے وجہ عظمت مقرر کی گئی ہے۔ اور رسالت صرف مقصود تک پہنچانے کیلئے ہے۔ سو رسولوں نے لوگوں کو مقصد تک پہنچا کر اپنا فرض ادا کیا۔ کسی رسول کو ایک قوم کیلئے شریعت دی گئی۔ جیسی قوم میں شریعت کی ضرورت تھی ویسی شریعت دی گئی۔ یہ انسانی خاصیت پر منحصر تھا۔ کس قوم کیلئے کتنی مختصر یا وسیع شریعت پیش کی جائے۔ اب دیکھنا ہے۔ کہ رسول اس شریعت سے قوم کے کسقدر افراد کو اپنے مقصد تک پہنچاتے ہیں۔ اس کیفیت سے یہ فرق محسوس ہوتا ہے۔ کہ کسی رسول پر زیادہ محنت و ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کسی پر کم۔ نتیجہ اسکا یہ ہوگا کہ انسانوں میں کچھ ہدایت پائیں گے۔ کچھ محروم رہیں گے۔ اور شریعتیں بھی مختصر ہونگی۔ شریعت میں اس کیفیت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اب ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کا مطالعہ گزشتہ شریعتوں کی روشنی میں کرتے ہیں۔ کہ رسول ہونے کی حیثیت سے جبکہ آپکی تخلیق میں کائنات عالم کی تمام مخلوق کے مقابل زیادہ

خصوصیت اور خوبیاں پائی جاتی ہیں تو شریعت میں باقی مذاہب کے مقابلہ میں کیا خوبی اور خصوصیت پائی جاتی ہے۔

سب سے پہلی خوبی یہ ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ذاتی جستجو۔ جہدو۔ محنت سے وہ مقام حاصل کیا جہاں انہیں وحی حاصل ہوئی۔ یہ مقام سب انبیا و رسل کے مقابلہ میں افضل ہے۔ دوسری چیز قرآن ہے یہی شریعت ہے۔ اس سے قبل انبیاءِ بنی اسرائیل مختصر قوموں کیلئے رسول بنکر آئے۔ اور انکے پاس مختصر شریعت تھی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ رسولوں کے تھوڑی مدت بعد انکے پیروان مذہب میں تعلیم کا کوئی اثر باقی رہا نہ تعلیم ہی باقی رہی جس سے انسان کو رسول کے بعد نہ رجوع کیلئے کوئی سبب مہیا ہو سکا نہ اسے ہدایت کا راستہ مل سکا۔ نہ ہی علم نبوت کا اسے سراغ مل سکا۔

اسکے مقابل قرآن اور حضرت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کائنات کی ہر مخلوق کیلئے رسول بنکر آئے۔ گزشتہ قوموں میں انحراف و بغاوت کے باعث تباہیاں آئیں۔ زمین میں فساد کا مادہ ہر طرف پھیلا۔ تو فطرۃ کے قانون کے مطابق اس زہریلی فضا کا خاتمہ کرنے کیلئے تختۂ زمین کا ہر ذی نفس فنا ہو گیا۔ نباتات۔ وحوش۔ طیور۔ پہاڑ و سمندر ہر شے مخلوق پر اسکا اثر طاری ہوا۔ لیکن حضور محمدؐ رسول اللہ کی پیدائش رحمت للعلمین کی حیثیت سے ہوئی کائنات میں امن چھا گیا چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک۔ چشمہ سے لے کر سمندر تک پتے پھول میوہ درخت غرضکہ کائنات کے ہر ذرہ کو اس نور محمدی سے سکون و امن حاصل ہوا۔

انسان درست ہوا۔ اب کوئی کیفیت ایسی نہیں جس میں ظلم۔ غلامی۔ درندگی کا مادہ غالب ہو۔ ہر کیفیت عدل کے احاطہ میں آ گئی۔ ایک پتا بلاضرورت کوئی توڑنے کا کوئی حق نہیں رکھ سکتا۔ نہ توڑ سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ اپنے استحقاق کی سند پیش نہ کرے۔ سمندر پر سکون ہے۔ اسے ناجائز استعمال نہیں کیا جا سکتا نہ ہی اس میں طاقت ہے۔ کہ اپنے سے غالب انسان پر دست درازی کرے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جانباز خلیفے اس پر گھوڑے دوڑاتے نظر آتے ہیں۔ نیل کو یہ طاقت نہیں کہ کسی جان کی قربانی حاصل کرنے کیلئے انسان پر حملہ آور ہو۔ اس نے توبہ کی اب ایک معمولی مچھر سے نہ چھیڑوں گا۔ حضرت عمر کی ایک معمولی جھڑک نے اسے راست کر دیا۔ اسی طرح کائنات کی ہر شے کو امن حاصل

ہوا۔ یہ صفت رحمتہ للعلمین باقی انبیاً کے مقابلہ میں صرف محمدؐ رسول اللہ کو ہی حاصل تھی۔

انجیل۔توریت۔زبور۔ مخصوص قوموں کیلئے تھی۔ مگر قرآن نے ہر انسان کو بلاتمیز مذہب ملت دعوت دی کہ اس قرآن میں وہ مواد موجود ہے۔ جس سے تم مچھروں کی نسل سے لے کر درخت کے پودوں۔ درختوں۔ مینڈکوں غرض نباتات جمادات حیوانات۔ اور انسان کو بھی اسکی تخلیق کے اعتبار سے ترقی وعروج کی طرف لا سکتے ہو۔ ایک زرتشتی۔ یہودی۔ نصاریٰ۔ ترسا ہر ملت کا انسان اس قرآن کو ہاتھ میں لے اور اس سے ہدایت طلب کرے تو رسول اللہ کی یہ شریعت اسکے مقصود کی تکمیل کرا سکتی ہے۔

کسی قوم کی علمی وعملی ترقی وعروج کا انحصار گزشتہ علمی اثاث پر ہی ہو سکتی ہے۔ جب تک کسی محقق کسی سابقہ علم پر اپنی تحقیق کی بنیاد نہ رکھے وہ کسی شے کی تحقیق میں اپنے حافظہ سے کوئی نئی ایجاد پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب تک کوئی کلام الٰہی اپنا علم پیش نہ کرے انسان مقصود حاصل نہیں کر سکتا۔ تواریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ انسان کے پاس ظاہری باطنی عروج کیلئے دنیا پر کوئی ایسا حقیقت افروز علم نہ تھا جس سے انسان صحیح معنوں میں زندگی کے کسی شعبہ میں ترقی کر سکتا جس ترقی کا نتیجہ انسان کی فلاح و بہبود میں پایا جاتا ــــ قرآن نے اپنی شریعت میں ذرہ سے لے کر آفتاب تک کی وسعت میں اپنے علم کو پیش کیا۔ اور یہی ایک قرآن ہے۔ جس نے دنیا پر تمام علمی سرمایہ ختم ہونے پر اپنا علم پیش کیا۔ اب یہ باور کرنا لازمی ہے۔ کہ اسکے بعد انسان کو جو علمی و عملی عروج حاصل ہوگا وہ اسی علم القرآن کی روشنی میں ہوگا۔ یہ تو قرآن کی عمومی حیثیت ہے۔ اب اسکی خصوصیت کا بھی مطالعہ کیا جائے۔

قرآن نے بتایا۔ الٓمّٓ ۚ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ۝ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱ تا ۳) یہ کتاب ہے۔ اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ کہ کسی کا مسلمان ہونا نام ضروری نہیں۔ بلکہ کسی مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ مگر شرط ضروری یہ ہے کہ اپنے آخری نتائج سے ڈرنے والا ہو کہ میری زندگی کا آخر انجام عذاب ہوگا یا راحت اس ڈر سے وہ عمل صالح میں بغیر مشاہدہ (جبکہ اس سے علم وخبر چھن گئی ہے) یہ اقرار کرے کہ الست بربکم۔ واقعی وہی میرا رب ہے۔ تو اسکی تعمیل اسکی عبادت وتشکر اور تصور سے کرے۔ تو پھر اس شریعت کو دیکھے تو یہ شریعت اسے اللہ تک پہنچنے اور اسکے اسرار کی خبر پانے میں پوری مدد کر کے اسے اسکے

مطلوب تک پہنچائے گی۔اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں کہ شریعت نے کیا کیا طریق عبادت یا حصول مقصد کے طریق بتائے۔اسکے لئے ہم دیکھیں گے حضور علیہ الصلوٰہ والسلام کی امت کو اس سے مقصود حاصل ہوا یا نہیں۔اسکے لئے اتنا ہی بیان کافی ہے۔کہ اگر کسی شخص کا دعوےٰ یہ ہے کہ قرآن اپنے دعوے کی دلیل پیش نہیں کرتا تو اسکا جواب یہ ہے۔وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ص وَادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۲۳)۔اگر تم شک میں ہو اس امر میں کہ قرآن میں مقصود حاصل ہونے کا پورا مواد موجود نہیں یا اسکے بغیر بھی مقصود حاصل ہوسکتا ہے۔تو لاؤ وہ طریق حصول مقصود اسکے مقابلہ میں اور اسکے حامل راہنما کو بھی پیش کرو اور دلیل دو کہ تم میں سے کتنے وہ ہیں جنہیں مقصود حاصل ہوا۔یہی دلیل سب سے اعلیٰ ہے۔اب ہم شریعت کو اسی حیثیت سے اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

شریعت وہ ہے۔جو وحی کے ذریعہ رسول اللہ کو حاصل ہوئی۔آپ کو وحی سے پیشتر وہ مقام حاصل تھا۔جس سے مقصود کو پالیا۔اب آپکو اپنی ذات کیلئے کسی شریعت کی راہنمائی کی ضرورت نہ تھی۔ مگر ابھی حفاظت کرنی باقی تھی۔سو آپ بھی اس میں شامل ہوئے۔اگرچہ آپ مجسم نور ہونے کی حیثیت سے ذاتی عمل سے بھی حفاظت کرتے تو کر سکتے تھے مگر ذاتی حیثیت کے مقابلہ میں علم الٰہی کو مقدم سمجھا گیا اسلئے آپ نے اپنی حفاظت کیلئے ظلِ الٰہی کو بہتر سمجھا۔دوسرے امت کو ایک ترکیب کی ضرورت تھی وہ بغیر رسول کے اسوۂ حسنہ کے حاصل نہ ہوتی۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی سے قبل مشاہدہ حاصل تھا۔ مشاہدہ کا تقاضا یہ تھا کہ آپکو علم وخبر سے بھی آگاہی حاصل تھی۔جیسے حضرت آدم کو بغیر کسی رسالت کے علم حاصل تھا۔۔۔ شریعت تو صرف گمراہ لوگوں کی ہدایت کیلئے مخصوص ہوتی ہے۔اس میں رسول پر پابندی نہیں مگر اللہ نے رسول پر پابندی اسلئے عائد کردی کہ آپکی جملہ صفات کمالیہ علےٰ حالہٖ برقرار رہیں۔آپکا جسم مقدس لطیف ونورانی تھا اور آپکی روح مقدس مجسم علم وخبر تھی۔اس حیثیت میں آپ پر سب سے زیادہ بوجھ تھا۔کہ اس عظیم الشان عظمت کی حفاظت کی جائے۔سو اسکی حفاظت شریعتِ قرآنی سے کی گئی۔اور آپ نے سب سے پہلے شریعت الٰہی پر عمل کیا۔یہ تو ذاتی کردار تھا۔مگر شریعت امت کیلئے تھی سو آپ نے تبلیغ شروع کی اور ایک کثیر جماعت حاصل کی یہاں تک کہ تمام عالم انسانی کی اکثریت اس شریعت

سے فیض یاب ہوئی۔اس فیض میں اول اول وہ جماعت رہی جنہیں آپکا قرب حاصل ہوا۔وہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے ایک طرف مقصود حاصل کیا اور دوسری طرف ان میں وہ خصوصیت پیدا ہوئی کہ انہوں نے بھی اسی شریعت کو اسی طرح انسان کے سامنے پیش کیا جسطرح رسول پیش کرتے رہے۔حضرت ابوبکر صدیق۔حضرت عمر فاروق۔حضرت عثمان۔حضرت علی اور دیگر اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے کونے کونے میں اس شریعت کو پہنچایا کہ دنیا کا کوئی بشر یہ حجت پیش نہیں کرسکتا کہ مجھے شریعت نہ ملی یا میں مقصود میں کامیاب نہ رہا۔اصحاب رسول اللہ میں رسول اللہ نے اتنی قوت پیدا کردی کہ انہوں نے خود اس شریعت کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔اپنے سینوں میں جمع کیا کتابوں میں جمع کیا عمل میں جمع کیا۔غرضکہ اسکا ایک حرف بھی ایک مکمل ضابطہ سے باہر نہ چھوڑا۔اور اس علم شریعت کو اسقدر وسعت دی کہ کسی زمانہ میں دنیا کے کسی فرد کو بھی اس قرآن سے مواد حاصل کرنے میں دقت نہ ہو۔اور یہ سلسلہ متواتر زمانوں میں لگاتار چلنے لگا۔اور اسکا یہ انتقال علم اب قیامت تک جاری رہے گا۔اب رسول اللہ کی امت کی وسعت قیامت تک ہوگی اور جب تک امت باقی ہے علم شریعت بھی باقی رہے گا اسکی خصوصیت بھی باقی رہے گی۔

رسول کی صفت یہ ہے۔کہ اسے اصطفےٰ کیا گیا۔اسے علم ونبوت بھی حاصل ہے۔اسے شریعت دی گئی۔رسول کی خصوصیت یہ ہے۔کہ اسے براہ راست اللہ سے شریعت حاصل ہے۔جب تک رسول کی شریعت باقی ہے۔اسکی خصوصیت باقی رہے گی۔رسول کی صفت خصوصی یہ ہے۔کہ اسکی شریعت کے اجراٗ سے انسان علم وخبر کو پالے۔یہی کچھ گزشتہ نبیوں نے کیا مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت باقی انبیاٗ کے مقابلہ میں یہ ہے۔کہ آپکی امت میں علم وخبر پانے کے علاوہ ایسے افراد بھی ہونگے۔جو رسول کی اس اہم خصوصیت کو جاری رکھیں گے کہ آپکی امت کے لوگ شریعت کو لے کر انسان کو علم وخبر عطا کریں گے۔رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں اصحاب رسول اللہ اور علماٗ امت نے کیا کیا؟ سوائے اسکے اور کوئی جواب نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ کی شریعت سے انسان کو علم وخبر عطا کی۔ایک شریعت سے علم وخبر عطا کرنے والا رسول ہی تو ہوتا ہے۔

اسی کیفیت کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث کا اشارہ ہے۔اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ

كَاَنْبِيَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ۔میری امت کے عالم (علم وخبر اور علم شریعت پانے والے) بنی اسرائیل کے رسولوں کی مانند ہونگے انہوں نے صرف اپنی ذات سے انسان کو مقصود پانے کیلئے شریعت پیش کی۔ میری امت کا ہر فرد تمام عالم کے انسانوں کو اسی طرح شریعت پیش کر کے علم وخبر عطا کریں گے ــــ دوسری حدیث بھی اسی کیفیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ

عالم امت وارث انبیاؑ ہوتا ہے۔اور نبی ورسول کے پاس صرف شریعت کا علم ہوتا ہے۔جو امت کا عالم اپنی تحویل میں لیتا ہے۔رسول اللہ کی شریعت میں سب سے بڑی خصوصیت دعائے ابراہیم و اسماعیل کا اثر ہے۔رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ــــ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج۔اے رب اس قوم بنی اسماعیل میں ایک ایسا رسول اصطفےٰ کر کہ وہ انسان کو تیری کتاب کی نشانیاں پڑھ کر سنائے اور انکے قلب کا تزکیہ اپنے نور سے کرے کہ خود بخود انکے قلب روشن ہوں۔اور وہ کتاب کی آیات کو جن میں تیرے اسرار وخبر کے آثار ہیں اپنے ذہن وقلب میں سما کر پورا مشاہدہ حاصل کریں۔اور تیرا ہر چھپا ہوا سر۔خبران پر آشکارا ہو جائے ــــ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وارث میں یہ خصوصیت ہونی لازمی ہے اگر یہ خصوصیت نہ پائی گئی اگرچہ سارا قرآن اسکے حافظہ و عمل میں ہو۔لیکن اس خصوصی خوبی کے سوا وہ عالم نہیں کہلا سکتا۔شریعت کے ساتھ اسے یہ خصوصیت بھی وراثت میں حاصل کرنی چاہیے۔یعنی اسکا عمل خالص دنیوی لذت ومحبت سے خالی قلب رکھنے اور ایک مزکی انسان ہو۔تاکہ وہ قرآنی علم کو اسکی تمام خوبیوں کے ساتھ قلب وذہن کی صلاحیت (فقہ) کے ساتھ انسان کو پیش کرے۔اگر قلبی فقہ اور مکمل تقویٰ نہیں تو ایسے عالم کو قرآن کی اصلی حقیقت کا القاؑ نہ ہو سکے گا اور اسکا علم بھی عقلی عقائد کی زد میں آکر تخیلی تاثرات کا پلندہ بن کر رہے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی کے دو ادوار میں دو مخصوص عمل کئے۔ابتدائی زندگی سے لے کر وحی کے نزول تک جنگلوں کی تنہائیوں اور غار حراؑ کی خلوتوں میں مراقبہ واستغراق اور خالق حقیقی کے تصور میں ہر شے سے نفی کی جس سے آپکو علم مشاہدہ الٰہی حاصل ہوا۔اور اس کمال خصوصیت کی حفاظت اور انسان کی ہدایت کیلئے شریعت (وحی) حاصل ہوئی شریعت پر عمل وحی کے بعد رہا۔یہی عمل

(حضور کے ان دوادوار کے مجموعہ کو) قرآن میں پیش کیا گیا۔ایک طرف محکمات ٹھوس احکام شریعت نماز روزہ حج زکوٰۃ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۔کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ۔ وَالْحَجَّ ۔دوسری طرف وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَۃً لَّکَ ۔ فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا۔پہلا حکم حفاظت کیلئے اور راہ پر پہنچنے کیلئے۔اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۔پہنچا مجھے اس سیدھی راہ پر۔سیدھی راہ سے کیا مراد ہے۔ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط اللہ کا راستہ وہی کہ اسی سے آسمان وزمین پیدا ہوئے۔اورانہیں آسمان وزمین کے آثاروعلم۔ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ اللہ کے راستہ سے تعبیر ہیں۔اس راہ پر پہنچنے کیلئے وہی لوگ ہیں جنہیں ان اسرار وعلم اور فضیلت سے نوازا گیا۔انکا ذکر خصوصی اس لئے ہے۔ کہ یہی لوگ ہیں۔جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے عالم کہلاتے ہیں۔ان لوگوں کی تعریف یہ ہے۔اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ نعمت پانے والوں میں پہلے نبی کا مقام پانے والے کہ انہیں تمام اسماء کا علم دیا گیا۔اور وہ لوگ جنہوں نے نبی کی تابعداری وتسلیم میں نبی سے علم وخبر پائی وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۔اور رسول کی تصدیق کرنے والے نبی کی مدد کرنے والے نبی پر جان دینے والے صدیق اور دنیا کی نعمتوں کے مقابلہ میں صرف اللہ کو پانے کی خواہش میں اپنی جان دینے والے شہدا۔اور امت کے جملہ افراد (عالم) جنہیں نبی کی وراثت سے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ کی خوبی بھی حاصل ہواورانہیں علم وخبر کی کیفیتیں حاصل ہوں۔اور یہی لوگ قائم مقام رسول ہوکر رسول کی شریعت سے انسان کی راہنمائی کریں۔شریعت کا پہلا حکم ظاہری احکام ہیں۔جس میں سازگار ماحول قائم کرنا۔معاشرتی تمدنی نظام کا استوار کرنا۔ایک خالص نظامِ اسلامی کیلئے مومنین کی اکثریت پیدا کر کے ایک خالص اسلامی ماحول کی کیفیت پیدا کرنا۔اور دوسرا حکم نَافِلَۃً لَّکَ زائد عبادت میں۔فرائض سے سوا نفل۔رات کا جاگنا۔اور قرآن کا پڑھنا ہے۔گویا ظاہر شریعت سے ایک اسلامی نورانی ماحول پیدا کر کے۔عوام کو اس احاطہ میں لاکر۔رسول اللہ کی سنت کے مطابق تنہائی۔استغراق۔یکسوئی۔اور تزکیہ نفس کیلئے رات کے جاگنے (اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا) سے اختیار وارادہ میں قوت پیدا کر کے روح رحمانی (وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ) کو اپنی

اصلی حالت پر مشاہدۂ علم وخبر حاصل کراتا ہے۔ یہی دو دور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں پائے جاتے ہیں اور انہی دوادوار کا عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل کا نمونہ ہیں۔ شریعت ظاہری پر ہر شخص امت سے کاربند ہے۔ جس عمل سے اسے اپنا مرتبۂ خلافت حاصل ہوتا ہے۔ البتہ جب تک وہ نبوت سے قبل سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کاربند نہیں۔ اُسے مراتب خلافت تو حاصل ہونگے۔ اسے اپنے مرتبۂ علم وخبر سے آگاہی ظاہری وجود کے ساتھ حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ شریعت بھی انسان کو اسکے مرتبہ پر پہنچانے کیلئے مقرر ہے۔ لیکن اسکا خصوصی عمل۔ قیام لیل۔ قرأت قرآن اور تزکیہ نفس اسے علم و خبر کا مشاہدہ حاصل کراتے ہیں۔ چنانچہ یہ خصوصی علم اصحاب رسول اللہ اور امت کے اکثر علماً کو حاصل ہوا۔ جنہیں ولی کے نام سے پکارا گیا۔ قرآن میں ان علماً کا ذکر رسول اللہ کی خصوصی عبادت وعمل کے ساتھ ساتھ کیا گیا۔ اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَ نِصۡفَہٗ وَ ثُلُثَہٗ وَطَآئِفَةٌ" مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ اور اللہ جانتا ہے۔ کہ آپ اس خصوصی حکمِ نَافِلَةً میں رات کو جاگتے ہیں اور امت میں ایک جماعت بھی آپکی معیت میں اس زائد حکم پر قائم ہے۔

وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَالنَّھَارَ ط عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ط عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی لا وَاٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ لا وَاٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ز فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ لا وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا ط وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیۡرًا وَّ اَعۡظَمَ اَجۡرًا ط (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۲۰) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خصوصی جماعت کی کارکردگی اطاعت وعمل کو سراہتے ہوئے اللہ نے قیام لیل اور قرأتِ قرآن کی شرکت میں انکی تکلیف کو جانتے ہوئے ان پر انعام فرمایا۔ کہ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ کے اس عمل میں شامل ہونے والوں کو قیام لیل سے جسم پر تکلیف پہنچتی ہے اور جسم کچلا جاتا ہے۔ اس جماعت کے لوگ دن کو کاروبار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں پھر بھی رات کو جاگتے اور قرآن پڑھتے ہیں۔ اور بعض مریض بھی ہوتے ہیں۔ اتنی محنت انکے لئے ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔ اور بعض لوگ جہاد بھی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ ورسول کی رضا وقرب حاصل کرنے کے شوق میں علم وخبر کا مشاہدہ ہونے کے شوق میں وہ ہر تکلیف

قبول کرتے ہیں۔اور جانتا ہوں کہ وہ اس تکلیف کی برداشت کے حامل نہیں۔سو اللہ ان کی طرف رجوع کرتا ہے۔انکے عمل میں آسانی پیدا کرتا ہے۔کہ قلیل مدت رات جاگیں اور جتنا میسر ہو سکے اتنا ہی پڑھیں تو بھی انکا تزکیہ پورا ہو جائے گا۔اور اسکے ساتھ حسب معمول نماز۔زکوٰۃ اور خصوصاً قرض حسنہ دیں تو بس اسی عمل سے انکی شریعت کی تعمیل اور سنتِ نبوی کی تعمیل کا مقصد پورا ہو جائے گا۔گویا یہ دونوں کیفیتیں شریعت ہی میں شامل ہیں۔

انہیں دو طریقوں سے رسول کی رسالت و نبوت کی تکمیل ہو جاتی ہے اور امت کی اسی مخصوص جماعت کو علماء امت۔عالم شریعت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ان علماً میں وہ لوگ جو دونوں طریقوں پر عامل ہو کر مشاہدۂ علم و خبر حاصل کریں انہیں ولی کے نام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔جو صرف رسول اللہ کی شریعت (یعنی ظاہری محکمات) پر عامل ہو کر رات کے جاگنے اور قرأت قرآن میں دوام نہ رکھیں لیکن انہیں تزکیہ قلب حاصل ہو۔جس سے انہیں علم و خبر کا کلی مشاہدہ نہ ہو (انہیں القائے قلبی حاصل ہو) انہیں علماء امت یا فقیہ کے نام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اگر ان علماً میں یہ خوبی نہ پائی جائے تو انہیں مشاہدہ علم۔اور فقہ قلبی کی عدم صلاحیت پر نہ قرآن کے حقیقی علم سے آگاہی ہوگی نہ علم و مشاہدہ حاصل ہوگا ایسے لوگوں کو بسبب اپنی قوت نہ ہونے کے علم الانبیاً وراثت میں حاصل نہ ہوگا۔نہ ہی یہ علماء امت کہلائیں گے اور نہ وارث انبیاً کہلانے کے مستحق ہونگے۔

الغرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت و شریعت نے امت میں ایسے لاتعداد افراد کو پیدا کیا۔جنہیں علم و مشاہدہ حاصل تھا۔چنانچہ خلفاءِ اربعہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ۔جنہوں نے رسالت کی اس خصوصیت کو حاصل کیا کہ اپنے زمانہ میں ایک مضبوط نظام اسلامی کو مستحکم کیا کہ آپکے بعد کسی طاغوتی قوت کی یہ طاقت نہ رہی کہ وہ اس رسالت و نبوت کی روشنی میں کسی قسم کا ہیجان یا رخنہ پیدا کر سکیں۔آپکے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس نور کو تمام عالم پر پھیلایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اسکی حفاظت کی اور اس علمِ شریعت (رسالت و نبوت) کو اس کیفیت میں لایا کہ یہ علم ابد الآباد کیلئے مکمل ہو گیا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی علم رسالت کے دائرہ میں انسانوں کو علم نبوت عطا کیا۔چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس زندگی میں ہی اسکی شہادت پیش کی اَنَــــا دَارُ

الْحِکْمَۃِ وَعَلِیّ" بَابُھَا ہم اسرار الٰہی کے پوشیدہ خزانہ ہیں۔یعنی۔مخلوقِ عالم کون ومکان کا علم وخبر تمام مخلوق سے زیادہ ہم میں ہے اور اسکا دروازہ جہاں سے یہ انسانوں تک پہنچنے والا ہے حضرت علی ہیں کہ علم نبوت انہیں کے ذریعہ خصوصیات کے ساتھ پہنچے گا۔اور ان اصحاب سے علاوہ اس صفت میں خَیْـــرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ان زمانوں کی اکثر ہستیاں اس صفت میں شامل ہیں اور انکے بعد وہ علماء امت جنہوں نے قرآن وحدیث اور (القائے قلبی سے) فقہ۔منطق۔معقول۔ فلسفہ اور دیگر قسم کے علوم انسان کی آسانی کیلئے پیدا کئے اسی صفت میں شامل ہیں اور وہ جماعت علماً جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت امام حسین وحسن۔حضرت حسن بصری اور مابعد زمانہ کے علماً اور خصوصاً حضرت محی الدین ابن عربی۔حضرت بایزید بسطامی۔حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری۔حضرت سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی۔معین الدین چشتی۔حضرت فرید الدین گنج شکر۔ حضرت بختیار کاکی۔حضرت علاؤالدین علی احمد صابر۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور جملہ مشہور علماء امت جلال الدین سیوطی امام رازی امام غزالی امام سہروردی امام شافعی۔امام مالک امام احمد بن حنبل امام ابو حنیفہ اور دیگر علماً جنکی تفصیل بیان کرنے میں ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔یہ سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی پیدا کردہ جماعتِ انسانی ہے مختصر الفاظ میں اگر انکی تعداد کا تعین کیا جائے۔تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس (روحانی جسمانی) محمد واحمد کے اعتبار سے۔نبوت کے لحاظ سے۔رسالت کے لحاظ سے۔اور آپکی امت کے علماً (شریعت ونبوت کے لحاظ سے) گزشتہ زمانہ کے انبیاً کی تعداد سے کہیں زیادہ ثابت ہونگے۔

ان جملہ خصوصیات تخلیقی میں تمام کائنات سے افضل سیرت حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم کی خود بخود ثابت ہوتی ہے۔

تخلیق کے اعتبار سے جملہ انبیاً ایک مخصوص نور سے تخلیق کئے گئے۔اور اسی نور کا علم وخبر بھی انہیں دیا گیا جس سے انکی نبوت قائم ہے۔

انکے مقابلہ میں حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ارادہ ازلی کی اول مخصوص تخلیق ہے۔یہی نور مخصوص ہے۔یہی آپکی سیرت ہے۔

تمام انبیا کو رسالت عطا کی گئی لیکن انکی رسالت انکے علم (شریعت) واطاعت تک ہی باقی رہی۔ ایک نبی کے علم ورسالت کے بعد دوسرے نبی کے علم واطاعت کی ضرورت پڑی۔ انکے مقابلہ میں حضرت احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت انکا علم واطاعت انکے پیروان رسالت ونبوت قیامت تک جاری رکھیں گے۔ انکے بعد کسی نبی ورسول کی نہ ضرورت رہی نہ علم واطاعت میں ایک ذرہ بھر فرق آئے گا یہ بھی آپکی خصوصی سیرت میں شامل ہے۔

زمانہ میں کسی نبی ورسول کی امت نہ علم حقیقی پیش کرسکتی ہے۔ نہ عالم پیش کرسکتی ہے۔

انکے مقابلہ میں حضرت نبی آخرالزمان کی امت میں ہر زمانہ میں عالم رسالت عالم نبوت پیدا ہونگے اور رسالت (شریعت) نبوت کو اسی طرح جاری رکھیں گے جسطرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جاری فرمایا۔ یہ بھی آپکی سیرت میں شامل ہے۔

قرآن نے کسی نبی کے متعلق اتنی تعریف بیان نہیں کی نہ کسی نبی کی کتاب میں خود اس نبی کی تعریف اتنی باقی ہے جتنی حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی باقی ہے۔

یہاں قرآن کی ایک ہی تعریف پیش کی جاتی ہے۔ جسکے مقابلہ میں کوئی دین کوئی کتاب اتنی بڑی دلیل پیش نہیں کرسکتا۔

اول ہر رسول کو اسکے نام کی صفت سے پکارا گیا مگر محمد رسول اللہ کو محمد۔ احمد۔ نور۔ یٰسین۔ طٰہٰ۔ صاحب مزمل۔ مدثر۔ والضحیٰ کے خطاب سے پکارا گیا۔ اور سب سے افضل خصوصیت شریعت کے احکام میں (جس سے انسان اپنا شرف حاصل کرسکتا ہے) آپ پر الصلواۃ کا بھیجنا ہے۔ اس الصلواۃ کو تمام کون ومکان کی مخلوق کے ایک ذرہ سے لے کر خود ذات الٰہی تک کی تمام قوت کو حکماً جاری رکھنے کا حکم دیا گیا۔ وہ حکم کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (پارہ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۶)

تحقیق اللہ نے بھی خود اس محبوب ہستی کے لئے الصلواۃ کو جاری رکھا۔ اور تمام کائناتِ السمٰوٰت کیلئے بھی یہ حکم شدت کے ساتھ جاری کیا۔ اور خلیفہ کیلئے بھی یہی شرط خلافت (امنوا) رکھی کہ اس

الصلواۃ (صَلُّوْا۔(یعنی اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں)) کا عمل جاری رکھو۔

اور اس صَلُّوْا کے معنی کیا ہیں؟۔اللہ کے لئے اسکی خالقیت اور نور لامحدود کے اعتبار سے۔ ملائکہ کیلئے انکی ملکوتی صفات کے اعتبار سے اور انسان کیلئے اسکی روحانی جسمانی مرکب کے اعتبار سے حضور محمد الرّسول اللہ پر درود بھیجنا چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اس صَلُّوْا کو انسان کیلئے مقرر فرمایا۔ یہ فخر صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ کہ آپ اپنی تعریف خود کریں۔اور کسی نبی کو یہ فخر حاصل نہیں۔آپ نے فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط ترجمہ۔اے اللہ درود بھیج اوپر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اور ال محمد پر جسطرح درود بھیجا اوپر ابراہیم کے اور آل ابراہیم کے تحقیق تو حمید کیا گیا ہے اور اے اللہ برکت کر اوپر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اور آل محمدؐ پر جسطرح برکت کی اوپر ابراہیم کے اور ال ابراہیم کے۔

یہ درود نماز میں پڑھا جاتا ہے۔قرآن نے نماز کے بارے میں الصلواۃ کا حکم دیا۔الصلواۃ سے مراد جملہ عبادات اور لفظ الصلواۃ کو نماز کیلئے اسی وجہ سے مخصوص کیا گیا۔کہ الصلواۃ کی جملہ خوبیاں اسی نماز میں پائی جاتی ہیں۔لیکن الصلواۃ کے ارکان امت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتائے۔انہیں ارکان میں آپ نے درود کو خصوصیت کے ساتھ شامل فرمایا۔کہ اگر نماز میں اس رکن کو ادا نہ کیا گیا۔تو نماز کی تکمیل نہ ہوگی۔یہاں اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔کہ نماز میں درود خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شامل کیا۔یہ آپکا ذاتی فعل نہ تھا۔کیونکہ نماز حکم الٰہی ہے۔اور حکم الٰہی میں عبادت ذات الٰہی کے لئے ہے۔اللہ تعالیٰ ہر اس حکم کو جو اسکی منشاء کے خلاف ہو۔وحی کے ذریعہ روک دیتا ہے۔لیکن نماز کا حکم آنے پر جسطرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے ارکان بتائے۔اللہ تعالیٰ نے اسکی ترتیب پر کوئی اعتراض نہ کیا۔بلکہ اکثر اوقات نماز اور نماز پڑھنے والوں کی تعریف بیان کی اس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ نماز میں درود پڑھنا اگر چہ رسول اللہ کی طرف سے حکم ہے۔لیکن یہ حکم منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے۔

اس کیفیت سے درود کی ایک اہم خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ عبادت یا نماز صرف اللہ کی ذات کیلئے مختص ہے کہ ہم نماز میں اسی کی تعریف کریں۔ کسی غیر اللہ کی تعریف کرنا اللہ کی عبادت کے منافی ہے۔ لیکن ہم عبادت میں رسول اللہ کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ اور اگر یہ تعریف نہ کریں تو ہماری۔ الصلواۃ مکمل نہ ہوگی۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر نماز و عبادت اللہ کیلئے مختص ہے۔ تو اس میں غیر اللہ کو کیوں شامل کیا گیا۔ تو اسکے لئے درود کے معانی پر عمیق غور کرنا اور اسکی مکمل شرح کی ضرورت ہے۔

ہم بظاہر نماز میں ایک عربی کلام کو دہراتے ہیں۔ جس میں اللہ کی تعریف ہوتی ہے۔ اسکے برعکس سوائے عربی کے نماز کسی اور عجمی زبان میں ادا نہیں ہوسکتی کیونکہ کلام عربی کی وسعت۔ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اللہ کی تعریف کسی اور زبان سے سوائے عربی کے ادا نہیں ہوسکتی۔ اسلئے لازمی طور جب تک نماز عربی میں نہ پڑھی جائے نماز درست نہیں ہوسکتی۔ اسطرح عربی میں نماز پڑھنے میں عجمیوں کیلئے عربی الفاظ ادا کرنے میں ایک رسمی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ عربی الفاظ ادا کر کے نماز کی تکمیل کریں۔ لیکن یہ نماز عربی زبان جاننے والوں کیلئے تھی کہ اُنکی زبان عربی تھی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اِنکی اپنی زبان میں اپنی تعریف بیان کی تا کہ وہ اس تعریف کو سمجھ کر نماز میں الفاظ کیفیتوں کے ساتھ ادا کریں۔ وہ لوگ عربی پڑھتے نہ تھے بلکہ عربی زبان میں اللہ کی تعریف کیلئے کلام کرتے تھے۔ جس تعریف کے ادا کرنے میں کوئی رسمی کیفیت قرأت محسوس نہ ہوتی تھی۔ جب وہ الحمد للہ رب العٰلمین پڑھتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ وہ اللہ سے باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن عجمی عربی پڑھتے وقت جب تک کہ وہ عربی مکمل طور نہ جانتا ہو۔ صرف پڑھتا ہے۔ سمجھتا نہیں اور اگر وہ سمجھتا بھی نہیں پھر بھی اسکی نماز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ عربی میں ہی اسکی تعریف کی کیفیتوں کو نہ جاننے کے باوجود دہراتا ہے۔ اور اگر وہ انہیں الفاظ کا ترجمہ کر کے کسی غیر عربی زبان میں ادا بھی کرے اور جانتا ہو کہ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں۔ تب بھی اسکی نماز بوجہ عربی وسعت نہ ہونے کے درست نہ ہوگی۔

یہی کیفیت نماز (عربی زبان میں پڑھنے کی) غیر عربی (عجمی) میں ایک رسمی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ جس میں عربی جاننے والوں کی وجدانی کیفیت عجمی کو حاصل نہیں ہوتی سوائے اسکے کہ اسکے وجدان میں صرف یہی پایا جاتا ہے۔ کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں۔ لیکن معلوم نہیں میں اس سے کیا

کہہ رہا ہوں۔اس کہنے میں جو وجدان رب العٰلمین۔ایاک نَعبُدُ۔ایاک نستعین۔الرحمٰن و الرحیم وغیرہ کی وجدانی کیفیات اسے حاصل نہیں ہوتیں۔چونکہ نماز اللہ تعالیٰ کو معبود تسلیم کرنے کی ایک ادا ہے۔یہ کیفیت ہر ایک کو حاصل ہو جاتی ہے۔اسلئے ہر شخص کی نماز ہو جاتی ہے۔

نماز کی خصوصیت یہ ہے۔کہ عربی کے ہر لفظ کی کیفیات کا علم ہو۔کہ میں کس وقت کیا کہہ رہا ہوں۔اور جب یہ کیفیت سمجھ میں آجائے تو آسانی سے معلوم ہوگا کہ ہم درود شریف پڑھتے ہیں یا اپنے وجدان کے ساتھ اللہ سے کلام کرتے وقت ایک کیفیت کا اظہار کرتے ہیں۔کہ اے اللہ ہم نے تیری نماز میں ابھی تک تیری تعریف میں ہر وہ تعریف ادا کی جو تو نے ہمیں الرحمٰن الرحیم۔رب العٰلمین۔سبحان ربی العظیم۔سبحان ربی الاعلےٰ۔التحیات للّٰہ و الصلوٰت والطیبات کے الفاظ میں بتائی اب تو نے محمد رّسول اللہ پر درود پڑھنا لازم کیا سو آپ پر درود پڑھنا تیرے خصوصی حکم سے ہے۔سو تیری تعریف کے بعد اب یہاں درود پڑھنے کا ہی مقام ہے۔سو ہم کہتے ہیں اے اللہ تو لامحدود ہے۔تو نور ہے۔تیرے نور کی عظمت و شان ہر مقام پر (خواہ مکان ہو یا لامکان) نہایت خوبصورت اور لامحدود ہے۔اے اللہ! تو نے حضرت محمد رّسول اللہ پر بشر۔نبی۔رسول۔حبیب اور خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے آپ کیلئے مخصوص کردہ نعمتوں اور انتہائی عظمتوں کو بدرجہ اتم نزول فرمایا ہے۔اب اپنی لامحدود وسعتوں اور عظمتوں کے ساتھ۔اپنے نورِ لامحدود کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ پر متوجہ رکھ تا کہ آپ کو ہر آن فرحت و سرور تیرے دیدارِ لامحدود کا حاصل ہوتا رہے۔اور یہی انعام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندانِ نبوت اہل بیت اور ذریت پر بھی جاری رکھ اور آپکے اصحاب خاص و عام پر بھی یہ فیض جاری رکھ اور آپکی امت پر بھی یہ انعام جاری رکھ (جس میں میں بھی شمار ہوں) تا کہ تمام انبیاءً میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی عظمت والشان مسلّم ہو اور آپکی امت کی شان بھی دوبالا ہو۔جسطرح اس سے پہلے باقی انبیاءً کے مقابلہ میں تو نے حضرت ابراہیم پر انعام کیا کہ انہیں ابوالانبیاءً بنایا۔ان پر لاانتہا عنایتیں فرمائیں۔اور آپ ہی کی اولاد سے پیغمبر پیدا کیے جنہیں تو نے عام مخلوق کے مقابلہ میں اصطفےٰ۔نبوت۔رسالت سے سرفراز کیا۔

اے اللہ تو رسول اللہ کے اس انعامِ۔فخر رّسل۔خاتم الانبیاءً۔خلافت۔نبوت۔رسالت اور

انتہائی عظمت والشان کو برقرار رکھ۔ کہ آپ کے نور فیضان سے کائنات عالم کا ہر ذرہ منور ہوتا رہے۔ کائنات کی ہر مخلوق آپکے فیض سے مستفیض ہوتی رہے۔ کہ یہ رسول کی خصوصیت ہے۔ اور آپکے دین و شریعت کو قیامت تک جاری رکھ۔ جسطرح تو نے ابراہیم کی ذریت میں بے شمار رسول پیدا کئے جنہوں نے مخلوق ارض کو اپنی خلافت پر پہنچایا۔ اور انہیں نجات دلائی اور اس سلسلہ کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک جاری رکھا اور اسکے بعد محمدؐ رسول اللہ کو وہ عظمت والشان عطا کی وہ شریعت عطا کی جو شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی جس شریعت میں ہر زمانہ میں خلیفۂ رسول انسانوں کو نبوت کا علم بتائیں گے۔ اور یہ سلسلہ بھی قیامت تک جاری رہے گا کہ ہر شخص تیری عبادت کرتا رہیگا۔ تیرے رسول کی حمد کرتا رہیگا۔ یہی وجدان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات میں ہے۔ جو آپ نے امت کو بتائے کہ درود میں یہی الفاظ ادا کیا کرو۔ جن الفاظ سے منشاء الٰہی کے حکم کی پوری کیفیت ادا ہوگی۔ سو اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر قیامت تک اپنے نور لامحدود سے توجہ فرمائیں گے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر وقت لاانتہا کیفیات کے دیدار سے مسرور ومخمور رہیں گے۔ اور فرشتے بھی یہی کچھ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یہی رحمتیں نازل کرتا رہ اور آپکی امت کو بھی اسی طرح علم وہدایت میں دوام عطا کر۔

یہ تو درود نماز کیلئے مخصوص ہے۔ اس میں حکم (قال) رسول اللہ کی تقلید لازمی ہے۔ کہ اگر انسان ترجمہ نہ جانتا ہو۔ تو بھی الفاظ کے ادا کرنے سے مقصد حل ہو جاتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی اس عظیم المرتبت رسول سے ایک مومن کیلئے اپنی ہر عزیز شے سے زیادہ محبت رکھنا بھی فرض ہے۔ جیسی نماز فرض ہے۔ اگر ہر شے سے زیادہ محبت نہ رکھی تو ایسے شخص کا کوئی عمل مکمل نہ سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی عبادت کے ساتھ جسطرح درود کو لازم رکھا اسی طرح محبت کو بھی لازم رکھا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا ـــ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ـــ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط۔ ان سے کہدیں کہ اگر اپنے آبا سے اور بھائیوں سے اور اولاد اور رشتہ داروں سے اور دولت جسے تم جمع کرتے رہتے ہو اور تجارت سے جسکا تمہیں بھاؤ مندا ہونے کا ڈر رہتا ہے۔ اللہ اور اسکے رسول سے زیادہ محبوب رکھتے ہو تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے تم پر کوئی نیا حکم

(عذاب کا) آئے۔ یعنی اگر تم اپنے مال و جائیداد۔ اپنے عزیز اولاد و رشتہ داروں سے زیادہ اللہ اور اسکے رسول کو عزیز نہ سمجھو تو پھر تم انتظار کرو کہ تم پر میری طرف سے کوئی عذاب نازل ہو۔ یعنی پھر اللہ تمہیں مومنوں میں شمار نہیں کریگا نہ اپنی نعمتیں عطا کریگا بلکہ تم قوم مغضوب سے ہو جاؤ گے اور تم پر بلائیں نازل کی جائیں گی اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی محبت کو قائم رکھنے کی ایک خصوصی شرط رکھی۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

نہیں مومن ہوسکتا ہے تم میں سے کوئی جب تک کہ وہ ہمیں اپنے والد، اولاد اور تمام لوگوں (تمام چیزوں سے) زیادہ محبوب نہ رکھے۔ اس محبت کے تاثر سے درود پڑھتے وقت انسان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر خوبی میں ایک کیف پاتا ہے۔ اور ان کیفیات کو بھی دہراتا ہے۔ ایک عاشقِ رسول کی وجدانی کیفیت میں رسول اللہ کے حسن کی تعریف میں کلمات کا استعمال کرنا بھی اسی درود میں شامل ہو جاتا ہے۔ جس سے اللہ اور اسکا رسول محبت کی اس کیفیت کو پسند کرتے ہیں اور عاشقانِ رسول کے یہ وجدانی کلمات باقی طالبانِ رسول کیلئے سنت بن جاتے ہیں۔ کہ اللہ اور اسکے رسول کی محبت اس حد تک طاری ہو جائے کہ اسے بھی رسول اللہ کی ہر ادا میں ایک عظیم الشان حسن محسوس ہو۔ یہی کیفیت محمد کی حمد سے تعبیر ہوتی ہے۔ گویا یہی حمد امت کا درود کہلاتا ہے۔ جو ایک انسان کیلئے اسکی عبادت کا مخصوص طریق ہوتا ہے۔ علماء امت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درود کے کلمات کے علاوہ وہ کلمات درود میں شامل کئے ہیں۔ یہ کلمات درود سے علیٰحدہ نہیں بلکہ انہیں خوبیوں کے تاثرات ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار ہو کر ایک محبِ رسول کلمات ادا کرتا ہے اسلئے یہ کلمات چونکہ رسول اللہ کی حمد میں شامل ہیں۔ رسول کے بتائے کلماتِ صلواۃ کے ساتھ انکا شامل رکھنا جائز ہے۔

نماز سے ماسوئ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درود کے بارے میں یہ کلمات بھی فرمائے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ اسکے علاوہ ان اصحاب وخلفاً نے بھی درود بتائے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد شریعت محمدی کا اجرٗا کیا۔ اور انہوں نے علم نبوت سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ کہ محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد سے ہی اللہ تعالیٰ کی حمد کی تکمیل ہوتی

ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۱)۔ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو یا اللہ تم سے محبت کرے تو تم شریعت محمدی کی تابعداری کرو۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کرو۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد کرو۔ کہ آپکے نام مقدس (محمد) کی یہ خصوصیت ہے۔ تو یہی طریق ہے کہ اللہ تم سے محبت کرے اور اللہ سے محبت کرنے کے طریق کی اسطرح تکمیل ہو۔ خلفاءِ رسول اللہ نے اسی حب کے اثر سے مقامِ خلافت حاصل کیا اس میں جذبِ حب نے وہی وجدان پیدا کیا کہ ان کے قلب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے وقت آپکے حسن کی خوبیوں کی تعریف ہوتی رہی یہی وجدان سنت کی حیثیت سے طالبان حقیقت کو منتقل ہوتی رہی۔ اس تمام کیفیت سے یہ امر عیاں ہے۔ کہ حضرت محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خلافت۔ نبوت۔ رسالت کے اعتبار سے ایک خصوصی خوبی و عظمت حاصل ہے۔ جو اس سے قبل کسی نبی کو حاصل نہ ہوئی۔ یہ خصوصی کیفیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت میں شامل ہے۔

اب ہم اس خصوصی سیرت پر اس سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا تمتہ کرتے ہیں۔ اسکے بعد سیرت سے متعلق چند نکات ضروری ہیں۔ جنکا یہاں بیان کرنا لازمی ہے۔ یہ نکات اگرچہ گزشتہ انبیاءً سے بھی نسبت رکھتے ہیں۔ مگر حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ان نکات کی خصوصی نسبت ہے۔ اسلئے یہاں حضور علیہ السلام کے نکات کی خصوصیت کا بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ آپکی شریعت قرآن ہے۔ اور قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ عربی میں نازل کرنے کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ عربی زبان ابتدائی اور قدیمی زبان ہے۔ تواریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عربی زبان حضرت آدم سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے۔ کہ جسطرح عام قوموں میں انکے تمدنی معاشرتی اختلاط سے زبان پیدا ہوتی ہے۔ حضرت آدم کو یہ زبان اسطرح حاصل نہ ہوئی کیونکہ اسوقت سوائے حضرت آدم کے کوئی انسانی قوم پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس زبان میں حضرت آدم نے کلام کیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی القاءً کی گئی۔ اور وہ زبان عربی تھی۔ قرآنی تواریخ بھی اس امر کی شہادت دیتی ہے۔ کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا میں جس زبان سے باری تعالیٰ نے حضرت آدم سے خطاب کیا وہ زبان

عربی تھی اور یہ کیسے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ نے حضرت آدم سے عربی زبان میں کلام کیا۔ اسکی شہادت بھی قرآن سے ملتی ہے۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں خلیفہ کا پیدا کرنا تھا۔ تو تواریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ کی تخلیق میں اگرچہ آدم اور دیگر انبیأ کا ظہور ہوا۔ مگر اس تمام مخلوق میں حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی وہ خلیفۂ اعظم ہیں جنہوں نے کائنات میں خلافتِ انسانی کی تکمیل کی۔ چونکہ آپ کی زبان بھی عربی تھی اور آپکی امت میں بھی عربی زبان جاری تھی اسلئے اللہ نے اسی ارادۂ ازلی کے تحت عربی زبان کو مخصوص کیا۔ عربی زبان کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ جسطرح اللہ تعالیٰ نے اسم مقدس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں محمد و احمد کی خصوصیت رکھی اسی طرح آپکی زبان میں بھی یہ خصوصیت رکھی کہ آپ نے ارادۂ ازلی کے ساتھ ہی اس زبان کا اجرأ کر کے اسے اپنی زبان (کلام الٰہی) مخصوص کیا۔ یہ زبان استاذِ حقیقی کی زبان ہے۔ جو آدم کو سکھائی گئی اور تمام علم جو اس زبان سے حاصل ہوگا وہ علم ذاتِ الٰہی سے نسبت رکھتا ہے۔ یہی زبان ابتدأ آدم کے بعد اسکی اولاد میں چلی نوح (آدمِ ثانی) کی بھی یہی زبان ہوئی۔ نوح کی اولاد میں بعض کی یہ زبان رہی۔ جنہوں نے نقل مکانی نہیں کی۔ اور باقی اولاد دوسرے مقامات کی طرف پھیلنے لگی۔ اور مستقل زبان عربی حضرت ابراہیم کو ملی۔ اور حضرت ابراہیم کی اولاد میں حضرت اسماعیل کے ساتھ مکہ میں منتقل ہوئی اور حضرت محمد رسول اللہ تک بنی اسماعیل میں یہی زبان جاری رہی۔ ادھر دوسری اولاد نے قوموں کی صورت اختیار کی جن میں زمانہ کے حالات کے ساتھ۔ ماحول اور قوموں کے مختلف طرزِ زندگی نے اسی زبان کو۔ کلدانی۔ تورانی۔ سریانی اور مختلف قسم کی زبانوں میں تبدیل کیا۔ اور قوم بنی اسرائیل کے رسولوں کو بھی یہی تورانی۔ سریانی۔ کلدانی زبانیں ملیں۔ ان میں قوموں کے علم و مشاہدات اور طرز تمدن کے اثرات بھی شامل تھے اسلئے ان رسولوں کو سوائے وحی الٰہی کے جو کہ انہیں کی زبان میں تھی بنیادی زبان عربی سے استاذ الٰہی سے خصوصی نسبت حاصل نہ ہوئی ـــ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ عربی استاذِ الٰہی سے ہی منتقل ہوتے ہوتے آپ تک پہنچی اسلئے اس زبان پر کسی قومی طرزِ زندگی۔ تمدن۔ معاشرہ اور ماحول کا اثر نہ ہوا کیونکہ عربی زبان ہر طرز زندگی اور تمدن کی کیفیتوں پر اپنی وسعت۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے حاوی ہے۔ اسلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ خصوصیت کہ آپ امی ہیں۔ آپکو کسی استاذ سے کسی قسم کا علم

جو بطن فی البطن کی طرح ہیں۔اسلئے قرآن عربی کو سمجھنے کے ساتھ اس امر کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔کہ ایسی وسیع زبان کا سمجھنا ایک عربی نژاد کیلئے بھی مشکل ہے۔البتہ عجمیوں کے مقابلہ میں عربی اسکی فصاحت و بلاغت اور تمدنی طرز سے زیادہ سمجھ سکتا ہے اور سوائے محمد رسول اللہ کے اس زبان کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔قرآن نے اس کیفیت کو ایک خصوصی انداز سے بیان کیا۔هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وہ ہے جس نے آپ پر نازل کی کتاب (اپنی کلام) اس میں نشان ہیں یا آیتیں ہیں محکمات یعنی احکام ہی مغزِ کتاب (یعنی رسول کی شریعت) ہے۔کہ انہیں احکام کو رسول لوگوں کو پہنچاتا ہے۔اور انہیں احکام کی تعمیل سے انسان میں صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔کہ وہ اپنے منصب خلافت علم وخبر کو حاصل کرے۔وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور دوسری آیتیں ایسی ہیں۔جو متشابہات کہلاتی ہیں۔اور متشابہات سے مراد یہ ہے۔کہ جسطرح محکمت میں اسکے اصلی معنی صاف ظاہر ہوتے ہیں۔کہ نماز پڑھو۔روزہ رکھو۔زکواۃ دو۔جھوٹ نہ بولو۔کم نہ تولو وغیرہ احکام ـــ جن میں کسی خاص اجتہاد کی ضرورت نہیں۔اسی طرح انکے مقابل متشابہات میں قرآنی آیات والفاظ کی بھی ظاہری شکل ہے اور ظاہر معنی ہیں۔مگر ان میں خصوصی بطن ہیں۔کہ ظاہر میں وہ ایک کیفیت پر صادق آتے ہیں۔لیکن ان میں ایسے معنی بھی ہیں جو انسانی ادراکِ عقلی میں نہیں آسکتے۔بلکہ ان کے باطنی معنی کیلئے مشاہدہ کی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

اس باطن کے نیچے ایک دوسرا باطن ہے　　جس میں فکر ونظر حیران ہو جاتی ہے
زیرِ آں باطن یکے بطنِ سوم　　کہ درو گردد خردہا جملہ گم
اس باطن کے نیچے ایک تیسرا باطن ہے　　کہ اس میں تمام عقلیں گم ہو جاتی ہیں
بطنِ چارم از نُبے خود کس ندید　　جُز خدائے بے نظیر و بے ندید
قرآن کا چوتھا باطن کسی نے نہیں دیکھا　　لا مثیل اور لا شریک خدا کے سوا
ہم چنیں تا ہفت بطن اے ذُوالکرم　　می شُمر تو زیں حدیث معتصم
اے بھلے اسی طرح سات باطن تک　　تو اس محفوظ حدیث سے گن لے

(شعبہ نشر واشاعت سلسلہ عالیہ اویسیہ)

حاصل نہ ہوا۔ اپنی آبائی زبان بھی خالص استاذِ الٰہی کی زبان سے حاصل ہوئی۔ اس حالت میں اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باوجود ان پڑھ ہونے کے عربی زبان پڑھ سکیں یا لکھ سکیں تو یہ اسی استاذِ حقیقی کے القاً کا ذریعہ ہوگا جس نے صرف حضور محمد رّسول کی عظمت والشان کی خصوصیت میں آپکی زبان کو بھی اسی خصوصیت کے ساتھ مصطفٰے کیا۔ اسلئے آپ سے زبان عربی میں کسی کیفیت کا اظہار براہ راست استاذِ الٰہی سے منسوب ہوگا۔ چونکہ یہ زبان بنیادی ہے اور ازل سے ابد تک جو زبانیں پائی جائیں گی ان زبانوں کے مقابلہ میں عربی زبان بھی ام (ماں) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زبان کے اعتبار سے اُمّی (ماں کی حیثیت رکھنے والی زبان) سے خطاب کیا گیا۔

عربی زبان کی اس خصوصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امر کا خصوصی خیال رکھنا لازمی ہے۔ کہ یہ زبان ذاتِ الٰہی کی خودساختہ زبان ہے اسی لئے اسے نورٌ مبین کہا گیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مادی زبان سے پاک ہے اسکی کلام اسی طرح ہوگی کہ نور اپنی کلام نورانی کیفیت میں بھیجے گا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ کلام نور کی حیثیت میں بھی (وحی) مشاہدہ ہوگی۔ اور آپکے ذہن میں یہ کیفیت آواز میں آئے گی تو اسکی ہیئت کلامِ عربی میں ہی محسوس ہوگی۔ یہ کیفیت نورانی ہے۔ اسلئے اللہ کی کلام کا ایک بطن نورانی ہوگا۔ جو عام انسانوں کے مشاہدہ میں نہ آئے گی۔ یہی زبان ملائکہ کی بھی ہے۔ اسلئے اس زبان میں ملکوتی کیفیات بھی ہونگی۔ یہ کیفیت بھی انسان کے مشاہدہ میں نہ آسکے گی اور انسان تو رسول کی زبان سے ادا کردہ کلام سنتا ہے۔ تو اسکا یہ مطلب ہے۔ کہ قرآنِ عربی صرف ابجد کے حروف میں محدود نہیں بلکہ اسکے باطن میں نور بھی ہے۔ اسی کیفیت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الفاظ میں بیان کیا۔ کہ قرآن کے ابجد کے لحاظ سے یا ظاہری زبان عربی کے لحاظ سے ایک ہی معنی نہیں بلکہ اس کلام کے سات بطن ہیں[1]

---

[1] حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ نے مثنوی میں اس حدیث کی تفسیر ان اشعار میں کی ہے۔

حرفِ قرآن را بداں کہ ظاہر ست	زیرِ ظاہر باطنے بس قاہر ست
سمجھ لے کہ قرآن کے لفظ اسکا ظاہر ہیں	اور ظاہر کے نیچے ایک مضبوط باطن ہے
زیرِ آں باطن یکے بطنِ دگر	خیرہ گردد اندر و فکر و نظر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جو بطن فی البطن کی طرح ہیں۔ اسلئے قرآن عربی کو سمجھنے کے ساتھ اس امر کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ ایسی وسیع زبان کا سمجھنا ایک عربی نژاد کیلئے بھی مشکل ہے۔ البتہ عجمیوں کے مقابلہ میں عربی اسکی فصاحت و بلاغت اور تمدنی طرز سے زیادہ سمجھ سکتا ہے اور سوائے محمد رسول اللہ کے اس زبان کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ قرآن نے اس کیفیت کو ایک خصوصی انداز سے بیان کیا۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وہ ہے جس نے آپ پر نازل کی کتاب (اپنی کلام) اس میں نشان ہیں یا آیتیں ہیں محکمات یعنی احکام ہی مغزِ کتاب (یعنی رسول کی شریعت) ہے۔ کہ انہیں احکام کو رسول لوگوں کو پہنچاتا ہے۔ اور انہیں احکام کی تعمیل سے انسان میں صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے منصب خلافت علم و خبر کو حاصل کرے۔ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ" اور دوسری آیتیں ایسی ہیں۔ جو متشابہات کہلاتی ہیں۔ اور متشابہات سے مراد یہ ہے۔ کہ جسطرح محکمت میں اسکے اصلی معنی صاف ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکواۃ دو۔ جھوٹ نہ بولو۔ کم نہ تولو وغیرہ احکام ــــ جن میں کسی خاص اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح انکے مقابل متشابہات میں قرآنی آیات و الفاظ کی بھی ظاہری شکل ہے اور ظاہر معنی ہیں۔ مگر ان میں خصوصی بطن ہیں۔ کہ ظاہر میں وہ ایک کیفیت پر صادق آتے ہیں۔ لیکن ان میں ایسے معنی بھی ہیں جو انسانی ادراکِ عقلی میں نہیں آسکتے۔ بلکہ ان کے باطنی معنی کیلئے مشاہدہ کی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

اس باطن کے نیچے ایک دوسرا باطن ہے — جس میں فکر و نظر حیران ہو جاتی ہے
زیرِ آں باطن یکے بطنِ سوم — کہ درو گردد خردہا جملہ گم
اس باطن کے نیچے ایک تیسرا باطن ہے — کہ اس میں تمام عقلیں گم ہو جاتی ہیں
بطنِ چارم از نُبی خود کس ندید — جُز خدائے بے نظیر و بے ندید
قرآن کا چوتھا باطن کسی نے نہیں دیکھا — لا مثیل اور لا شریک خدا کے سوا
ہم چنیں تا ہفت بطن اے ذُوالکرم — می شمر تو زیں حدیث معتصم
اے بھلے اسی طرح سات باطن تک — تو اس محفوظ حدیث سے گن لے

(شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ عالیہ اویسیہ)

ضرورت ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ج لیکن جن کے دلوں میں کھوٹ ہے۔ وہ انہیں آیتوں کو عقلی طور بحث میں لاکر ایک ربانی اور حقیقی علم میں فتنہ پیدا کرتے ہیں۔

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ لا كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۷) اور نہیں جانتے ان آیتوں کے معنی حقیقی ان میں سے کوئی بھی۔ البتہ اللہ جانتا ہے۔ اور وہ لوگ جانتے ہیں جنہیں اللہ نے علم عطا کیا ہو۔ وہ علم جسے علمِ نبوت کہتے ہیں۔ جو علم رسول و نبی کو ہے اور نبی سے اسکی امت کے مخصوص بندوں نے اپنے علم و مشاہدہ کے ساتھ حاصل کیا۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے۔ اور حقیقت و معارف سے لبریز علم۔ اور ان نصیحتوں کو صرف صاحب بصیرت لوگ ہی سنتے ہیں۔

ان آیات میں قرآن حکیم کی دونوں کیفیات کا ذکر ہے۔ ایک شرعی احکام کا دوسرا علم نبوت کا جو علم باطن میں ہے۔ یہی علم نورِ الٰہی کی شکل میں کلامِ الٰہی ہے۔ جسکے معانی سمجھنے کے لئے فقہ قلبی اور شعور کی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ عقلی طور انکے معانی کرنا سراسر فتنہ ہے۔ چنانچہ قرآن نے ان آیات کا حوالہ دیکر انکے علم کے ذرائع کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ اور ہر آیت کے ساتھ اسکے سمجھنے کی قوت کا ذکر صاف صاف کر دیا ہے۔

قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر ایسے اشارات بیان کئے گئے ہیں مگر ہم چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ــ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ○ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ تحقیق زمین و آسمان کی تخلیق میں ایسی بھی نشانیاں ہیں جن سے تمہیں ایک خالق اور اسکی مخلوق کی ابتداء تخلیق کے آثار معلوم ہونگے اور تمہارے جسمانی وجود میں بھی۔ کیا تم ان نشانات کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

یہاں آیت میں مادی تخلیق کے آثار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسکی تحقیق کیلئے تُبْصِرُوْن ۔ آنکھ کو ذریعہ علم بتایا گیا ہے۔ آگے ایات خَلْقِ السَّمٰوٰت کی خود تشریح کی ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ○ (پارہ۲ سورۃ۲ آیت۱۶۴) تحقیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور اختلافِ لیل و نہار میں اور کشتیوں میں جو سمندروں کی پہنائیوں میں چلتی ہیں جن سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے۔ اور جو کچھ اللہ نازل کرتا ہے آسمانوں سے پانی کی صورت میں کہ زندہ کرتا ہے اس پانی سے مردہ زمین کو اسکی موت کے بعد اور پھیلائے اس زمین میں تمام جانور۔ اور ہواؤں کے چلنے میں اور بادلوں میں کہ باندھے ہوئے ہیں آسمان اور زمین کے درمیان۔ ان میں نشانیاں ہیں عقلمند قوم کیلئے (یعنی عقلمندوں کیلئے)۔

اس آیت کی تمام نشانیاں مادی اور ظاہری ہیں جو حواس میں آسکتی ہیں۔ ان نشانیوں کی تحقیق کیلئے ایک ذریعہ علم ساتھ بتادیا القوم یعقلون یہاں انکے ذریعہ علم کو عقل سے منسوب کیا۔

یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور عقل و بصر کی مدد سے تحقیق کرنے کی تحریک دی ہے۔ کہ ان نشانیوں کی تحقیق میں جب تم عقل و بصر کو استعمال کرو تو تمہیں صحیح نتیجہ حاصل ہوسکتا ہے۔ اسکے بعد متشابہات کا ذکر ہے۔

قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ط وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ ○ (پارہ۲۰ سورۃ۲۷ آیت۶۵) کہہ دیجئے کہ سوائے اللہ کے آسمانوں اور زمین کے غیب کوئی نہیں جانتا اور انہیں شعور نہیں کہ کس وقت اٹھائے جائیں گے۔ اس آیت میں ان کیفیتوں کا ذکر ہے۔ جو عقل کے ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتیں۔ اسکی تائید بعث سے کی کہ کوئی بھی مابعد اور باطن کی اس کیفیت کو شعور کے ذریعہ نہیں جانتا کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ یہاں علم باطن اور قیامت کے ذکر کے ساتھ اسکے **ذریعہ علم یشعرون کا ذکر شامل** ہے۔

دوسری جگہ اس سے بھی واضح الفاظ میں کیفیت متشابہ کا بیان کیا گیا ہے وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ط بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ○ **(پارہ۲ سورۃ۲ آیت۱۵۴) اور**

مت کہو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے مردہ (اس حالت میں کہ قتل ہوئے۔ خون بہہ گیا۔ اور حرکت ختم ہوگئی اور عقلی طور ان پر موت کا اطلاق ہو جاتا ہے) نہیں۔ بلکہ یہ زندہ ہیں۔ اس حالت میں کہ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اور یہ خوش ہیں اپنی جگہوں میں۔ مگر یہ کیفیت عقلی نہیں بلکہ شعوری ہے۔ تمہاری دانست میں مردہ ہونے کیلئے شرط حرکت ختم ہونا ہے۔ مگر حقیقی زندگی ایسی شے ہے جو شعور سے سمجھی جاسکتی ہے۔ اسلئے اس کیفیت کو پانے کیلئے تمہیں قوت شعور حاصل نہیں ـــ یہاں یُقْتَلُ ظاہری علامت ہے۔ مگر بَلْ احیاءٌ اس امر کی تائید کرتا ہے۔ کہ اسکا ظاہری مطلب زندہ ہونا ہے۔ مگر اسکے معنی ظاہر میں تمہیں معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن اسکے معنی شعور سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہ معنی انہیں حاصل ہوگا جو راسخون فی العلم ہیں ورنہ بغیر شعور کے اس آیت پر بحث کرنے والے مفتن اور سیاہ قلب تصور ہونگے۔

دوسری جگہ ایک اور کیفیت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ ط (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۴۴) تسبیح کرتے ہیں واسطے اسکے آسمان سات اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور یہ کہ نہیں کوئی چیز مگر تسبیح کرتی ہے اسکی حمد کے ساتھ لیکن تم ان کی اس تسبیح کو فقہ نہیں کر سکتے۔ یہاں ایک غیر جسمانی کیفیت تسبح السمٰوٰت اور ارض کا ذکر ہے۔ اسکے ساتھ اسکا علم ہونے کا ذریعہ فقہ بتایا گیا ہے۔ اور فقہ دل سے ہوتا ہے۔ دل حواس و دماغ کی طرح سمجھتا نہیں بلکہ کیفیات کا عکس روح کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ گویا یہ دل عالم غیر جسمانی کو دیکھنے میں آنکھ کا کام کرتا ہے۔ جسے سمجھ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسکی کیفیت بھی سمجھنے کی وہی ہے۔ جو اَفَلا تبصرون میں بتائی گئی ہے۔ اس کی تشریح ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے۔ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا ج فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ۝ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ آیت ۴۶) کیا پس نہیں پھرتے زمین میں۔ پس ہوتے انکے واسطے دل کہ تعقل کرتے اس سے یا کان کہ سنتے ان سے۔ پس تحقیق وہ نہیں اندھے آنکھوں کے۔ لیکن اندھے ہیں دل کے جو انکے سینہ میں ہے۔ ذرائع علم سے متعلق ایک آیت میں پوری تفصیل دی گئی ہے۔ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا ز وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا ز وَلَھُمْ

اٰذَانٌ لَّا یَسۡمَعُوۡنَ بِھَا ط (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۷۹) انکے دل ہیں مگر فقہ نہیں کرتے۔ انکی آنکھیں ہیں ان سے نہیں دیکھتے۔ انکے کان ہیں ان سے سنتے نہیں۔ یہی تین قویٰ انسانی علم کو ذہن تک پہنچانے کے خصوصی ذرائع ہیں۔

اس آیت میں تبصرون۔ تعقل کا تعلق برائے حصول علم۔ اور قلب (بصر کی حیثیت سے) اور تعقل کا تعلق بتایا گیا۔ کہ آنکھ سے دیکھنے میں عقل ہی علم حاصل کرتی ہے۔ اور قلب بھی آنکھ کی جگہ کام کرکے تعقل کو علم پہنچاتا ہے۔

ان آیات میں دو کیفیتوں کا ذکر ہے۔ ایک ظاہری مادی اشیأ کا انکے علم کے ذرائع حصول حواس و تعقل کو بتایا گیا ہے۔ دوسری کیفیت متشابہات سے تعبیر ہیں۔ جنکے علم کیلئے قلب و شعور کو ذریعۂ حصولِ علم بتایا گیا ہے۔

ان آیات قرآنی کے بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ متشابہات کیلئے ایک ایسے شخص کا بحث کرنا جسے فقہ و شعور کی قوت سے علم القرآن حاصل نہ ہو وہ راسخون فی العلم میں شمار نہیں۔ اور بغیر ان خصوصی قوتوں سے اپنی عقل کے بوتے پر بحث کرنے سے حقیقی معنی حاصل نہیں ہو سکتے ہیں۔ بلکہ غلطی کا احتمال ہے اور غلط معنی کرنے سے ایسے لوگ انہیں میں شامل ہوتے ہیں جنہیں قرآن نے فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ زَیۡغٌ انکے دلوں میں کجی ہے اور ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ فتنہ پیدا کرتے ہیں اس اشارہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بغیر مشاہدۂ قلبی کے متشابہات پر بحث کرنا قرآنی قانون کی رو سے جرم ہے۔ بلکہ ان آیات کے غلط معانی سے حقیقی علم ایک فتنہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

ان آیات کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے۔ کہ ہر شخص پر یہ لازم ہے۔ کہ قرآنی تفسیر یا شرح و معانی کرتے وقت اس بات کا خصوصی خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ جس مسئلہ قرآنی پر بحث کی جائے۔ اسکی نوعیت کا اندازہ کیا جائے۔ کہ یہ عربی زبان میں ہے۔ اسکے معانی میں عربی طرز معاشرت۔ اسوقت کے اصول۔ اصطلاحات و استعارات اور تشبیہات کا بھی خیال رکھا جائے کہ الفاظ کے وہی مفہوم نہ لئے جائیں جو ہم اپنی عجمی زبان میں لیتے ہیں۔ یا وہی مفہوم نہ لیا جائے جو ظاہراً اسکے معنی (ترجمہ) میں آتے ہیں۔ جیسے اَحیــــــاء۔ میں شہیدوں کی زندگی۔ حاضر و ناظر میں مادی کیفیت کا وجود سمجھنا۔

وغیرہ۔اسکے علاوہ ہر آیت میں مادی کیفیت اور روحانی کیفیت کا اندازہ کرنا۔کہ جنت صرف جنتِ یوم الجزا ہی کہلاتی ہے۔اور مادی جنت کو باغ سمجھ کر اسکی جنت سے موسوم ہونے سے انکار کرنا۔یا مادی جنت سے حقیقی جنت کا انکار کرنا۔جہاں عقلی واقعات ہوں وہاں عقلی طرز اختیار کرنی۔جہاں شعوری کیفیات ہوں وہاں مادہ وروح کو خلط ملط نہ کیا جائے اسی قسم کی کیفیات کا اندازہ کرنے میں اگر کیفیات کا لحاظ نہ رکھا جائے تو قرآنی معانی میں فرق آنے سے حقیقی کیفیت نہ حاصل ہوسکتی ہے۔نہ سمجھ آسکتی ہے۔بلکہ اس میں بحث کی طوالت اور الجھاؤ پیدا ہوتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مقدس میں جب قرآن کا عربی زبان میں نزول ہوا۔ہر شخص عربی زبان میں ماہر تھا اور انہیں قرآنی آیات سمجھ آجاتی تھیں۔باوجود اس علم کے بھی جہاں متشابہات یا دقیق مسائل پیش آتے تو اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسے مسائل میں آپ سے شرح وتفصیل پوچھتے اور بعض احکام میں انہیں پوچھنے کی ضرورت نہ پڑتی کیونکہ انکا کام صرف محکمات پر عمل کرنا تھا۔باقی آیات میں بھی اِنکی یہ حالت تھی۔کہ بعض آیات کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود دریافت فرماتے۔کہ اس آیت سے تم کیا سمجھے۔تو جواب دیتے۔اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ اس سے مراد یہ تھی کہ قرآن نور ہے۔اسکا علم برحق ہے۔جس میں کسی تاویل اور بحث کی ضرورت نہیں۔جو کچھ انہیں سمجھنے کی ضرورت تھی وہ سمجھ لیتے۔باقی کی خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریح قال وحال سے فرمادیتے۔ لیکن عجمی ممالک میں عربی سمجھنے کیلئے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت تھی۔کچھ احادیث رسول اللہ سے تفسیر ہوجاتی اور کچھ علماء محمدی کے القائے قلبی (فقہ) سے تفسیر ہوجاتی۔جب تک قرآنی علم عرب کے حدود کے ملحق رہا یہاں بھی عربی زبان ہی رائج تھی انہیں بھی زیادہ شرح وتفسیر کی ضرورت نہ تھی۔انہیں ملحقہ علاقوں میں اسلام کے محدث۔فقیہ۔مجتہد پیدا ہوئے جنہوں نے عجمی لوگوں کیلئے اسقدر تفسیر وشرح کردی کہ اسکے بعد کسی عجمی ملک میں کسی عجمی فرد کیلئے قرآن وحدیث سمجھنے میں دقت باقی نہ رہی۔لیکن بعض زمانوں میں ایسے ہی مقامات میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے۔جنہوں نے القائے قلبی کے بغیر قرآن کی تعلیم کو لینا شروع کیا۔جسکا نتیجہ یہ ہوا۔کہ انہیں قرآنی آیات (محکمات ومتشابہات) میں بحث نے اتنا طول پکڑا کہ دین میں فتنہ پیدا ہوگیا۔لیکن قدرت نے اپنے دین کی حفاظت کرنی تھی۔سوایسے زمانوں میں امام احمد

بن حنبل ۔امام مالک ۔امام شافعی ۔امام ابوحنیفہ۔امام سہروردی۔امام رازی ۔امام غزالی جیسی ہستیاں پیدا ہوگئیں جوشریعت کی رو سے مومن تھے اورانہیں بھی وراثت میں یَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ کا ملکہ حاصل ہواتھا۔انہوں نے قرآنی علم وتحقیق میں ۔کلام ۔منطق ۔معقول ۔فلسفہ ایجادکر کے منکران دین اور مفتن قوم کے تمام حربے بیکار کردیئے ۔یہی امامین کا علمی مواد مابعد کے علماً کے علم واجتہاد کی اثاث رہی ۔بعد کے زمانہ میں بہت کم علماً کو یہ ملکہ رسولی تلاوت تزکیہ۔ حکمت حاصل ہوا۔اسلئے آئندہ زمانہ میں امامین وفقہا ومجتہدین کی علمی اثاث پر ہی علماً نے اپنے علم کو جاری کیا۔اسلئے ضروری تھا کہ جہاں تک انکی تقلیدامامین اورانکی علمی حدیں اسی علم کی حدمیں رہتیں اسے تسلیم کرنا فرض کی حیثیت سے تھا۔لیکن بعض علماء اسلام نے اپنے کمال علم کے زعم میں اپنی ذاتی قوت تعقل سے قرآنی علم کی تفسیر شروع کردی ۔چونکہ اس تفسیر کا بنیادی موادامامین کے علمی عقیدے پر تھا۔نتیجہ یہ ہوا۔کہ علماءِ اسلام نے صرف عقیدہ کولیا۔مگرقرآن کی حکمت کا مشاہدہ القائے قلبی سے نہ کیا۔انکے پاس صرف عقیدہ رہالیکن حقیقی معانی سے آشنائی نہ رہی ۔اب ان علماً نے اپنی علمی قابلیت پر عقل وشعور کی تمیز کئے بغیر ـــ اپنے عقائد کے استحکام کیلئے محکمات اور متشابہات دونوں کیفیتوں کے لئے مادی دلائل دینے شروع کئے ۔مادی دلائل سے چونکہ یہ کیفیتیں واضح نہ ہوسکیں ۔اسطرح ان میں فتنہ پیداہو گیا۔یہی فتنہ ہردور میں انسانی عقلوں پر پردہ ڈالتارہایہاں تک کہ علماً میں تفرقہ پیداہوگیا۔ہرفرقہ نے اپنے عقائد منوانے کے لئے ۔ہرممکن طریقہ اختیارکیا۔علماً کے عقائد کی حمایت میں عوام میں بھی تفرقہ پیداہوا۔ان میں معانی سمجھنے کی صلاحیت نہ تھی صرف ظاہری شخصیت کولےکرایک عالم کی حمایت شروع کردی ۔اسطرح اسلامی وحدانیت میں تہتر فرقے پیداہوگئے اوراسی علم قرآنی پرایک فرقہ دوسرے کی تکذیب کرنے لگا۔حالانکہ درمیان میں قرآن وحدیث ہی تھا۔صرف ذاتی عقائدونظریات نے آپس میں اختلاف ومنافرت صرف جہالت کی وجہ سے پیدا کردی ۔نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک یہ فتنہ برابر جاری ہے۔اسی فتنہ نے جماعتوں کے افراد میں بھی مختلف نظریات پیدا کردیئے ۔اسطرح تہتر(۷۳) فرقے اب تین سوساٹھ فرقہ پیداہوا۔کہ ہرنئے روز ایک نیا فتنہ اٹھتا جارہاہے۔کوئی غلام جیلانی برق کا فتنہ ہے۔کہیں غلام محمد پرویز کا فتنہ ہے۔کہیں مرزاغلام محمد قادیانی کا فتنہ ہے۔کہیں کسی عالم کا فتنہ کہیں کسی

عالم کا فتنہ۔ایک عالم صرف قرآن کو ظاہری مادیت کا مجموعہ کہہ کر صرف مادی ترقی کا خواہاں ہے۔کہ وہ مادیت میں ذلیل ہورہا ہے۔وہ ہر آیت کو مادیت کے استدلال میں پیش کرتا ہے۔کوئی قرآنی آیات کو اپنے نظریات کی چٹنی بنارہا ہے۔کہ اسکی نظر میں رسولوں کی عظمت۔قرآنی روحانیت کی حقیقت ایک مبالغہ ہے۔وہ چاہتا ہے۔کہ قرآن کو الف لیلہ سے زیادہ اہمیت نہ دی جائے۔کوئی فقیر درویش بنا ہوا۔ ہر شے کو خدا بنا کر اسکی پرستش کرتا ہے۔باقی تمام فرقوں کو کافر و زندیق تصور کرتا ہے۔اسکے مقابلہ عالم شریعت ایسے عقائد کو شیطانیت سے تعبیر دیتا ہے۔وہ خدا کو خدا باقی مخلوق کو مٹی اور گندی کیفیت بتاتا ہے۔اس عقیدہ پر اتنا مضبوط ہے۔کہ ہر کہ ومہ کو کاذب و کافر کا فتویٰ دیتا ہے۔اگر کوئی شخص اسکے عقیدے پر اعتراض کرے تو اسے مومنانہ دشنام دیکر جہنمی و کافر۔ مستحق عذاب قرار دیتا ہے۔اس طرح ہر فرقہ ایک دوسرے کی تکذیب پر آمادہ ہے۔ یہاں تک کہ فریقین انہیں عقائد کے اختلاف کی بناء پر مسجدوں میں غنڈہ گردی کرتے ہیں اور مسجدوں میں لاٹھیوں کلہاڑیوں ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہیں۔جسکا نتیجہ غیر مسلم کے سامنے ذلت۔قید اور خانہ خدا کے امن میں خلل ہو رہا ہے۔بزعم خود ہر شخص اپنے آپ کو مومن تصور کررہا ہے۔اپنی جگہ ہر فرقہ اپنے عقائد کے استحکام میں مادی دلائل پیش کرتا ہے۔لیکن تعجب کا مقام ہے۔کہ کسی فرد کو یہ خیال نہیں کہ قرآن کیا شے ہے۔اسکی کیفیت کیا ہے۔ان کیفیات کو کس علم کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔اور حصول علم کے ذرائع قرآن نے کیا بتائے ہیں۔یہ تمام فتنہ اسلئے ہے۔کہ قرآن کی تعلیم پر اسطرح نظر نہیں ڈالی جاتی جسطرح خود قرآن نے طریق حصولِ علم بتایا ــــ افسوس اور انتہائی افسوس کا مقام ہے۔کہ بزعمِ خود ہر فرد اپنے آپکو شریعت کا حقیقی دعویدار اور عامل ظاہر کررہا ہے۔اور اس زعم کے باوجود وہ اسقدر شدید گناہ کا ارتکاب کررہا ہے۔کہ گزشتہ مغضوب قوموں نے بھی ایسا طریق اختیار نہیں کیا۔نتیجہ اسکا یہ ہے کہ اسی تکرار میں ہر فرقہ حقیقی علم کی بھی تکذیب کررہا ہے۔ستم بالائے ستم یہ ہے۔کہ ان فرقوں کے عقائد و نظریات کو اس ہستی پر استعمال کیا جاتا ہے۔جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام ہستیوں سے بالاتر عظمت دیکر اصلاح انسانی کیلئے بھیجا۔انکے مباحث کے موضوع یا تو اللہ کا حلول کرنا۔اللہ کو مخلوق کے رنگ میں پیش کرنا۔اسکی وحدانیت کا پارہ پارہ کرنا۔(نعوذ باللہ) یا صرف حضور محمد مصطفٰے خاتم النبین کی

اعلےٰ افضل ہستی کو کوئی اللہ بناتا ہے۔ تو کوئی اللہ کے مقام سے گرا کر (خاکم بدہن) زمین پر اسطرح پٹخ دیتا ہے۔ جیسے ایک مادی کمترین شے کو بے قیمت و بے مقدار سمجھ کر گندگی میں پھینکا جاتا ہے۔

فی زمانہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں معراج جسمانی نہیں ہوا۔ آپ حیات نہیں۔ حاضر و ناظر نہیں۔ علم غیب نہیں رکھتے وہ تو ایک انسان ہیں۔ رفع احتیاج کیلئے بھی عاجز ہیں۔ ان میں ایک آدمی میں کوئی فرق نہیں وغیرہ نعوذ باللہ۔ یہ علماً یہ فریق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو اپنی نظریات کی خوردبین کی حدود میں لا کر ایک ذرہ برابر قیمت نہیں رکھتے۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی تعریف محمد واحمد ہے۔ آپکی تعریف قرآن نے سب انبیاً اور عیسیٰ سے بڑھ کر کی تو کیا عیسیٰ اور کلو میراثی میں علم و نبوت کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں۔ اگر رسول کو ایک بشر کی حیثیت میں صرف ایک ذلیل انسان کے تصور کی طرح لایا جائے۔ تو ایسا عالم کیا واقعی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان۔ خلافت۔ و نبوت اور رسالت کا قائل ہے؟ اللہ کو تو ہر مذہب نے مانا۔ کافروں نے بھی تسلیم کیا۔ مگر انکے مغضوب ہونے کا سبب رسول کی تکذیب ہی ہوا۔ تو پھر جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی شان گھٹا کر اس حد تک پہنچائے جس سے آپکی تکذیب عیاں ہو تو ایسے لوگ اگر جامع ازہر۔ یا کسی دارالعلوم سے تمام علمی خزانہ حافظہ میں لاد کر لائیں۔ اور پھر ان میں القائے قلبی تزکیہ مشاہدہ نہ پایا جائے۔ اور علم القرآن میں اپنی عقلی دلائل بغیر فقہ قلبی کے پیش کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ منسوب کریں۔ جو آپکی شان عالی کے منافی ہو۔ جس میں رسول اللہ کی شان میں انتہائی بے ادبی اور گستاخی پائی جائے۔ تو کیا یہ تکذیب نہ ہوگی؟ کیا یہ روش اسلام میں فتنہ کا باعث ہو گی یا ہدایت کا باعث؟ اسلئے ان تین سو ساٹھ فرقہ مسلم سے اپیل ہے۔ کہ وہ اس آیت قرآنی کا مطالعہ قلبی سنجیدگی کے ساتھ کریں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ لا وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ز وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ط
(پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۳)

کہ اللہ تعالیٰ نے عاشقان رسول اللہ خلفاً شریعت جو مجسم شریعت تھے انکی عشق ومحبت کی اس

ادا کو بھی حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کیلئے پسند نہ فرمایا۔ کہ وہ جذبہ عشق میں آستانہ رسول پر کھڑے رہیں۔ چہ جائیکہ آج رسول اللہ کی شان میں وہ گستاخی ہو رہی ہے جس سے تمام ملکوت السموات لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ کہ یہ مخلوق جسے ہم فتنہ وفساد کا مرکب سمجھتے تھے اس مخلوق نے اپنے فتنہ وفساد کی کائنات کی تمام مخلوق میں حد کر دی۔

استدعا ہے۔ کہ یا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان عالی میں بحث ومناظرہ کو ترک کر دیا جائے۔ اکثر رسالے صرف اسی مقصد سے نکلتے ہیں کہ ان میں بحث صرف رسول اللہ کی ذات گرامی پر ہوتی ہے۔ کہ رسول اللہ کا سایہ نہ تھا۔ رسول کو علم غیب نہیں ہو سکتا۔ وہ شہیدوں کے مقابلہ میں بھی مر گئے زندہ نہیں۔ وہ عام انسان کے سوا کچھ نہ تھے کیونکہ قرآن نے انہیں بشر کہا لیکن بشر کے کوئی معنے نہیں جانتا۔ وہ اپنے مادی عقائد کے استحکام کیلئے مادی دلائل پیش کرتے ہیں۔ اسکی رد میں دوسرا رسالہ اسکی تردید کرتا ہے کہ انکا سایہ تھا۔ وہ کھاتے پیتے انسان تھے۔ رفع احتیاج کو جاتے تھے اور مادے کا ایک ٹھوس پتلا تھے جس میں کوئی مافوق الفطرت قوت موجود نہ تھی۔ بھلا ان سے پوچھئے۔ جزع نخل۔ انگلیوں سے پانی بہنا۔ پیچھے سے دیکھنا۔ معراج پر جانا بھی۔ ایسی حالت میں ثابت ہو سکتا ہے۔ اس حالت میں حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ مبالغہ کا پلندہ تصور کیا جائے گا۔ بھلا آپکو کیا تکلیف؟ صرف اس بحث سے رسول اللہ کی شان عالی میں فرق لانا مقصود ہے۔ یہ جہالت نہیں تو اور کیا ہے ـــــ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہم پر جھوٹ باندھے وہ ہم سے نہیں اسکا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اسکا مطلب یہی ہے۔ کہ بغیر فقہ قلبی رسول اللہ کے ان نشانات وآیات پر بحث کرنی جو متشابہات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اپنی عقائد کی پختگی میں عقلی اور بے معنی دلائل دینے سے رسول اللہ کی تکذیب ہوتی ہے۔ وہ کیسا ہی عالم اپنے آپ کو تصور کرے۔ لیکن اس پر اس حدیث کا اثر ایک دن ضرور ظاہر ہوگا ـــــ اللہ رحم کرے قوم نام نہاد مسلم پر ـــــ

اسلئے اس گناہ عظیم سے بچنے کیلئے ضرورت ہے کہ ہر شخص سیرت النبی کا عمیق نظروں سے مطالعہ کرے۔ اور ایسے مسائل میں بنیادی تحقیق سے اپنے مباحث کی ابتدأ کرے۔ ورنہ سطحی بحث کا نتیجہ وہی ہوگا جو ظاہر ہے۔ ورنہ رسول اللہ کی شان کے متعلق مباحث کا دروازہ بند کر دیا جائے۔

امت کوضرورت ہے۔ کہ انہیں ایک خالص اسلامی ماحول میسر ہو۔ یہ ماحول ان لوگوں سے ہوسکتا ہے۔ جوعلماء اسلام کی حیثیت سے جماعت مسلم میں موجود ہیں انکا کام پہلے اپنے آپ کواس آیت نبوی کے عین مطابق زندگی ڈھالنی ہے۔ وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ ـــ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۔انکے ہاتھ میں یہی کتاب ہے جس میں شریعت ہے۔ جس میں نبوت ہے۔ یہ علم بغیر تزکیہ نفس کے حاصل نہ ہوگا لہٰذا ضرورت ہے۔ کہ پہلے خود تزکیہ کریں۔ اور پھر امت تک حقیقی تعلیم شریعت پہنچائیں۔ اکثر خطبات میں وما علینا الا البلاغ موٹے الفاظ میں لکھا ہوتا ہے۔ مگر سمجھ نہیں آتی کہ آیا علماً کا کام امت کے افراد کوکلام سنا کر رٹانا ہے۔ یا ان میں حقیقی علم و عمل کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ آخر محی الدین جیلانی۔ معین الدین چشتی اور دیگر علماً نے جو اس کفرستان میں کافروں کومسلمان بنایا۔ کیا انکا نظریہ یہی تھا۔ کہ یہ لوگ ہم سے سنیں تو ہمارا فرض پورا ہوگا۔ مگر اس کفرستان میں انہیں حضرات کی بدولت اسلام ایسا پھیلا کہ ابھی تک باوجود گل فنا ہونے کے ابھی خوشبو باقی ہے۔ تو کیا یہ وما علینا الا البلاغ کی حقیقی کیفیت نہیں؟ ضرورت ہے۔ کہ مسلمان اور علماء اسلام سیرت النبی کی چند خصوصیات کی روشنی میں علم کو لے کر عوام کے دلوں کو اسلام وشریعت کی طرف اسطرح متوجہ کریں۔ کہ ہر شخص میں جذبہ محبت اور شریعت پر عمل کا جذبہ طاری ہو۔ اور ہر شخص حقیقی معنوں میں اسلام وشریعت کی لذت محسوس کرنے لگے۔ ورنہ قرآن بھی پڑھا جاتا ہے۔ نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں۔ بلکہ اکثریت کے ساتھ مگر پھر بھی اسلامی ماحول میں نورانیت نہیں۔ ہر فرد حراساں پریشان اور اضطراب کی حالت میں سرگرداں ہے۔ حالانکہ مسلمان بھی ہے۔ عالم بھی۔ امۃً وسطاً بھی ہے۔ اور وارث انبیاً بھی۔ حقیقتاً دیکھا جائے تو مسلمان شریعت کے حقیقی احکام کی روح سے خالی ہے۔ اسکے دل میں اللہ و رسول کی محبت نہیں۔ نہ ہی یہ اپنی ذاتی منفعت کے مقابلہ میں۔ اپنی عزت کے مقابلہ میں۔ رسول اللہ کی عظمت کی قدر کرنے پر آمادہ ہے۔ اور جب تک ہمیں سیرت النبی سے یہ مادہ حاصل نہ ہو تو مسلمان کسی طرح بھی مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ مومن نہیں تو اسے امان بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

جو حمد ۔لِلّٰہِ الْحَمْدُ میں ہے۔وہی حمد۔ مُحَمَّدٌ میں ہے۔وہی حمد۔ احمد میں ہے۔اس بیان سے ظاہر ہے۔کہ ان تین ناموں اللہ۔محمد۔احمد کیلئے حمد مخصوص کی جاتی ہے۔اب دیکھنا ہے۔کہ ہر مقام پر حمد کا مفہوم کیا ہے۔لِلّٰہ الحمد اللہ کی ذات کیلئے خاص ہے۔کہ اسکی پہچان۔ اورتعریف یہ ہے۔کہ وہ اللّٰہُ ہے ــــ اور اللہ سے مراد۔جس ذات پر سوچا جائے یا اسے دیکھا جائے ـــــ یا اسکا مشاہدہ کیا جائے۔تو اسکی ذات اتنی لامحدود ہے کہ لاتعداد مدت تک اسکی ذات میں پرواز کی جائے تو اسکی حد نہیں ملتی۔اسکی ذات پر ماضی کا تعین کر کے سوچا جائے۔کہ کب سے تھا۔اور وسعت میں کتنا وسیع ہے۔تو اسکی وسعت پر عقل حیرت و درماندگی میں پڑ جاتی ہے۔اسی کیفیت کے اعتبار سے وہ لامحدود ذات حیرت و درماندگی میں ڈالنے والی ذات اللہ سے موسوم ہے۔اسکی ذات کی پہچان اسی اعتبار سے ہوگی۔ایسی پہچان کسی اور ذات کیلئے نہیں ہوسکتی۔

اسکا مطلب یہ ہوا۔کہ اللہ کی پہچان یہ ہے۔کہ وہ احد ہے۔ھو اللّٰہُ احد وہ لامحدود ذات ہے۔اور ایک ہے۔کہ اس ذات کی موجودگی میں کسی بھی ذاتِ شریک کا وجود ممکن نہیں۔اس حال میں۔ کہ کسی دوسری ذات کیلئے نہ وجود موجود ہوسکتا ہے۔نہ کوئی مقام خالی ہوسکتا ہے۔جہاں کسی دوسرے وجود کے قیام کی گنجائش ہو ـــــ اور اگر کوئی وجود ماسویٰ اللہ موجود ہو۔تو اسکا خالق۔اسکا بنانے والا خود اللہ ہی ہے۔یہ اس ذات کی دوسری حمد ہے۔کہ وہ خالق ہے ـــــ

اسکے بعد قرآن نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی صفت بھی حمد کیا گیا بتایا۔ جبکہ اس حمد کے معنی بھی پہچان ہی ہے۔تو اس حمد کی تفصیل خود محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر سے بیان کی جاتی ہے ـــــ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ .... اَنْ اُعْرَفَ اللہ تعالیٰ ایک مخفی ذات تھی۔تو اس نے ارادہ کیا میں پہچانا جاؤں۔تو پہلے "حُب" کو پیدا کیا ـــــ آپ ہی کی زبانِ اطہر

سے ادا کیا گیا ایک بیان اور ہے۔ کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ ۔ اس بیان سے ظاہر ہوا۔ حُب اور نوری ایک ہی کیفیت ہے۔ اور فرمایا۔ اسی نور سے کل کائنات بنائی گئی۔ اس سے مراد کہ کائنات میں جو بھی کیفیت پائی جاتی ہے۔ وہ اسی نور سے بنی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر کوئی اس کیفیت کو سمجھ نہ سکے تو اسے ناسمجھی کے باعث ضعیف حدیث قرار دے۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ کہ اس۔ حدیث کے سمجھنے سے کائنات کی تخلیق کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

اس سے پیشتر کہ اس حقیقت کو سمجھا جائے۔ پہلے قرآن کی آیات کو سامنے رکھا جائے۔ قرآن نے بتایا۔ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَالْخَلْقَ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲۰)۔ پھر و زمین میں اور دیکھو اس کائنات کی ابتدا۔ کیسے۔ اور کہاں سے ہوتی ہے۔ تو ایک عالم قرآن کیلئے کائنات کی ابتدا کا علم حاصل کرنا ضروری ہے ــــ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ابتدا کا واضح تصور دیا۔ کہ کائنات کی ابتدا ہمارے نور سے ہوئی ہے۔ اس مقام پر دو سوال آتے ہیں ــــ

اول یہ کہ اللہ واحدہٗ لاشریک کے مقابلہ میں۔ دوسرے وجود کیلئے۔ مادہ Material کہاں سے آیا ــــ دوسرے یہ کہ وہ کونسی جگہ ہے۔ جہاں اس وجود کے قیام کی جگہ میسر ہوئی۔ جبکہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی مقام خالی نہیں ــــ

دوم یہ کہ۔ نوری سے کیا مراد۔ جبکہ حضور محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ایک انسان کی شکل میں دیکھا جاتا ہے۔ تو اس نور کو اس جسم سے کیا نسبت ہے اور نوری سے کیا مراد۔ تو پہلے۔ اللہ کی ذات کی پہچان میں۔ الٰہ اور خالق۔ ھُوَ اللّٰہُ اور ھو اللہ الخالِق کی تفسیر سمجھی جائے۔

ھُوَ الْاَوَّلُ ۔ وہ اول ہے۔ احد ہے۔ ھُوَالْاٰخِرُ ۔ دوسری کیفیت اگر وجود پائے۔ تو وہ کوئی غیر وجود نہیں ہو سکتا۔ تو یہ قدرتی فیصلہ ہے۔ کہ دوسرا وجود بھی اسی کا وجود ہوگا ــــ ھُوَالْاٰخِرُ ۔ دوسرے وجود کا تصور کیا جائے۔ تو ازروئے حدیث۔ یہ وجود اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ ــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ تو یہ نور کس مادہ سے بنا۔ اور کہاں پر اسکا مقام ہوا ــــ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ دوسرا وجود بھی اللہ کا نور ہے۔ اسی مقام پر جب کہ گزشتہ قوموں کے دانشوروں۔ محققوں۔ فلسفیوں نے کائنات کی ابتدا کو جاننے کی کوشش کی تو انہوں نے بھی یہی نتیجہ نکالا۔ کہ کائنات اللہ کے نور سے بنی۔ مگر اس مقام پر

انہوں نے ٹھوکر کھائی ــــ ہندو فلسفی نے بھی وحدت الوجود کے تصور میں کائنات کو اللہ کا نور سمجھ کر ہر چیز کو اللہ کے تصور میں پوجنا شروع کیا ــــ مگر

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا

وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوۡرِیۡ۔ پہلے میرا نور بنا۔ اللہ نے اپنے ہی نور سے ایک جز مخلوق کی ــــ یہ نور مخلوق بنا۔ اس نور کے بنانے سے نہ کسی غیر مادہ Material کی ضرورت رہی۔ اللہ نے اپنے نور کو اپنی ہی ذات میں بنایا۔ ایسی صورت میں۔ ماسویٰ اللہ کسی مقام کی ضرورت بھی نہ رہی۔ جہاں مخلوق کا مقام ہو۔ پھر اس نور سے کائنات مخلوق کی جو غیر اللہ قرار دی گئی ــــ اب ایک طرف اللہ کی ذات کی احدیت قائم رہی۔ دوسری طرف مخلوق غیر اللہ کا وجود بھی قائم ہوا۔ ظاہر ہے۔ کہ اگر نور محمدی نہ بنایا جاتا تو کائنات کے بننے کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ اسی کیفیت کی طرف لَوۡلَاکَ لَمَا خَلَقۡتُ الۡاَفۡلَاکَ کا اشارہ ہے اور یہ تصور بھی قائم ہوتا ہے۔ کہ اللہ نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں ــــ تو پہچان کیلئے ایک وجود بنایا۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوۡرِیۡ نور محمدی بنایا ــــ جس سے پہچان ہو ــــ لیکن اللہ نے اس پہچان کیلئے ایک علیٰحدہ منصوبہ باندھا تھا ــــ کہ اپنے پہچاننے والے کی بھی پہچان کراؤں۔ تو فیصلہ کیا۔ کہ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ــــ کہ زمین بنائی جائے۔ جہاں اس حمد کا مظاہرہ کیا جائے۔ تو پہلے نوری ملائکہ بنائے ان سے حمد کرائی۔ کروڑوں۔ اربوں۔ کھربوں۔ بلکہ لاتعداد سالوں یہ تسبیح و حمد ہوتی رہی۔ پھر وقت آیا۔ کہ اصل منصوبہ کا عمل ہو تو ملائکہ سے کہا۔ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً۔ تم یہ گمان نہ کرو۔ کہ تم کھربوں سال عبادت کر رہے ہو۔ اور ہمارے بعد کوئی ایسی عبادت نہ کر سکے گا۔ تو سن لو اب میں تمہارے بعد۔ زمین کی مخلوق سے تسبیح۔ حمد کراؤنگا ــــ تو ملائکہ نے کہا۔ کہ تسبیح و حمد بشر کا خاصہ نہیں۔ کہ ہم جیسی تسبیح و حمد کرے۔ تو اللہ نے بشر کو بنا کر اس میں روح پھونک دی۔ اور ملائکہ سے کہا۔ کہ تم اپنے وجودوں کو دیکھو۔ کہ کیا ہو۔ پر انہیں اسکی حقیقت نہ معلوم ہو سکی کہ ہم کس نور سے بنے ہیں ــــ تو بشر سے کہا کہ تم بتا دو ان ملائکہ کی حقیقت کیا ہے۔ تو بشر نے نہیں۔ بلکہ اس روح نے۔ جو بشر میں پھونکی گئی۔ اس نے بتا دیا۔ کہ کائنات نور محمدی سے بنی ہے۔ اور خود تمہارا وجود بھی اسی نور سے بنا

ہے۔فرشتوں نے بشر کو دیکھا۔تو اس میں بھی نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم ہی بول رہا تھا۔یہاں ملائکہ کو حقیقت کا علم ہوا۔تو اس نور محمدی کو سجدہ کیا۔

ع وز برائے من بدش سجدہ ملک

یہ سجدہ بشر کو نہیں تھا۔بلکہ نور محمدی کو سجدہ تھا ۔۔۔۔

قرآنی آیت سے واضح ہے۔کہ اب پہچان کس کی ہو رہی ہے۔گو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اپنی ذات کی پہچان ہی ہے۔مگر اسکا طریق۔یہ ہے۔کہ زمین پر آدم کو بنایا۔تو اُسے کس کی پہچان کیلئے بنایا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ لا فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۱) اور ہم نے آدم کو اسماء کا علم دیا۔اور اسماء میں نوری ملائکہ بھی شامل ہیں۔یہ اسماء کائنات کی پہچان کرنا ہے ۔۔۔۔ آدم کو کائنات کی پہچان کیلئے بنایا۔کہ بغیر اسکے پہچان ہو نہیں سکتی۔فلسفیوں نے اپنی عقل سے پہچانا تو بت پرستی کی ۔۔۔۔ مگر یہ طریق پہچان کا نہ تھا۔جب تک کہ پہچاننے والے نور کو نہ پہچانا جائے۔یہ پہچاننے والا کون ہے۔اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔نور محمدی تھا ۔۔۔۔ نور محمد تھا۔جس سے کائنات بنی۔

اب یہ سمجھنا ضروری ہے۔کہ نور محمدی۔اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کی کیا تفسیر ہے۔یہ تفسیر قرآن کی روشنی میں بیان کی جاتی ہے ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے ایک منصوبہ کے تحت اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا اعلان کیا۔کہ خلیفہ سے کیا مراد ہے۔سو قرآن نے بتایا ۔۔۔۔ کہ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۔مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ۔۔۔۔

یہ ایک وجود ہے۔جو تین کیفیتوں کا مرکب ہے۔ایک خاکی مرکب جسم ۔۔۔۔ دوسرا ناری مرکب روح۔جسے روح حیوانی کہا گیا۔یہ خاکی جسم کو متحرک کرتی ہے۔تیسرا روحی۔نوری روح۔اسے روحِ رحمانی کہا گیا ۔۔۔۔ انسانی جسم کی ان تین قوتوں کو ذہن میں رکھ کر تجزیہ کیا جائے۔کہ ہر اس وجود میں جو زمین پر پیدا ہوگا۔اس میں تین قوتیں لازمی ہونگی۔ایک خاکی۔دوسری ناری۔تیسری نوری ۔۔۔۔ نوری قوت صرف۔اسماء کے علم کیلئے ہے۔لہٰذا ہر انسان میں ان تین قوتوں کا ہونا ضروری ہے۔نسل آدم بھی انہیں تین قوتوں سے بنی۔ایک نطفہ۔دوسرا روح حیوانی ۔۔۔۔ تیسرا نور روح رحمانی ۔۔۔۔ اب ہر

وجود کیلئے لازم ہے۔کہ روحِ رحمانی سے اسماءکلھا۔کائنات کی پہچان کرے۔زمین سے لے کر۔ذات الٰہی تک۔اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کی پہچان کرے۔اس سے مراد یہ کہ ذات الٰہی سے لے کر۔۔۔ زمین تک اسی نور کی پہچان ہوگی ۔۔۔ بہ الفاظ دیگر۔اللہ کی ذات سے لے کر زمین تک جب کائنات کی پہچان کی جائے تو اس میں ہر ذرہ میں نور محمدی کا وجود ہی پہچانا جاتا ہے۔اسی پہچان کو۔جبکہ ہر وجود نور محمدی سے بنا۔ہر وجود میں۔اسکے مرکب۔اسکی صفات۔اسکی خوبی وکمال میں ایک ہی نور کو پہچانا جائے تو اسے عربی میں محمد سے تعبیر دیا جاتا ہے۔یہی وہ حمد ہے۔جسکا تصور محمد میں سمایا ہے کہ محمد کے معنی کائنات میں پہچانا گیا۔جسکی حمد ہر شے سے کی جاتی ہے۔اسکے بعد تیسرا نام احمد ہے۔تو یہ احمد وہ ذات اقدس ہے۔جسکا ظہور بشری شکل میں زمین پر ہوا۔اور یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ بشر تین کیفیتوں سے مرکب ہے۔ایک جسمِ خاکی۔دوسرا ناری روح۔تیسرا نوری روح۔بشر کی حیثیت میں احمد میں بھی یہ تین قوتیں ہونگی ۔۔۔ ایک جسمِ خاکی۔دوسرا۔ناری روح۔تیسرا نوری روح۔

یہی وہ مقام ہے۔جہاں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے کہا تھا۔کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰) اے ملائکہ تم آدم کو سجدہ کرنے کے چکر میں پھنس گئے تمہیں معلوم نہیں۔کہ اس میں سجدہ کس کو کرنا ہے۔کیوں کرنا ۔۔۔ کیسے کرنا ہے۔جو راز اس کھیل میں پنہاں ہے وہ تمہیں نہیں معلوم۔کہ میں نے اپنے پہچاننے والے کی پہچان کرانی ہے۔جسکا یہ ایک ابتدائی قدم ہے۔

اس مقام پر۔انسان۔اور احمد کا تجزیہ کرنا ہے۔کہ کائنات میں کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا۔

آدم کے معنی۔ گندمی شکل والا

یعقوب کے معنی۔ بعد میں آنے والا۔توام بیٹا

یحییٰ کے معنی۔ ہنس مکھ۔خوبصورت ماں باپ کا نورِ نظر

موسیٰ کے معنی۔ پانی سے نکالا ہوا

عیسیٰ کے معنی۔ گلابی چہرے والا ۔۔۔ مگر

محمد کے معنی۔ حمد کیا گیا۔پہچانا گیا

احمد کے معنی۔ سب سے زیادہ حمد کرنے والا پہچان کرنے والا۔

اور محمد کے معنی کائنات کی تخلیق میں پہچانا گیا نور۔ یہی ایک راز ہے جو اِنِّیۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے منصوبہ میں پوشیدہ ہے۔۔۔۔ اسکی تحقیق اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۔مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔اور وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ میں پوشیدہ ہے۔ اور اس راز سے وہی لوگ آگاہ ہوسکتے ہیں جنہیں اسماء کلھا کے علم ومشاہدہ سے آگاہی ہوسکتی ہے۔ جنہوں نے محمد کی حمد کو پہچانا۔ البتہ قرآن نے اس راز کے متعلق کچھ اشارے دیئے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۔ تحقیق آسمان وزمین کی تخلیق میں نشانات موجود ہیں۔ وَفِیۤ اَنْفُسِكُمْ اور بشری وجود میں بھی۔۔۔۔ ایک کائنات کی پیدائش میں بنیادی وجود۔ نور محمدی ہے۔ اور تمہارے وجود میں۔ روحِ رحمانی۔ دراصل نور محمدی کی جز ہے۔۔۔ مگر یہ حقیقت بغیر مشاہدۂ نوری پائی نہیں جاسکتی۔۔۔ کہ اسکا تعلق باطن سے ہے۔ ہاں اسکا اشارا قرآن میں دیا گیا۔

اول تخلیق آدم میں۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ پھر تخلیق عیسیٰ میں۔ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ۔اور اس واقعہ میں بھی۔ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ۔اور یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اور اس واقعہ میں بھی اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ یَحْیٰی ۔اور آخری واضح اشارہ اس میں بھی ظاہر ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا اور ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی جبکہ قرآن نے واضح الفاظ میں کہا۔ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ازلی منصوبہ بنایا تھا۔ کہ میں اپنے پہچاننے والے کی۔ پہچان کراؤں۔ یہ میرے ازلی منصوبہ میں مقرر ہوا تھا۔

(۱) حضرت یحییٰ کی پیدائش میں کیا آیت ہے لوگوں کیلئے۔ كَذٰلِكَ۔ ماں باپ ہوں۔ تو اللہ چاہے ماں باپ کے ہوتے۔ نطفہ کی بجائے نور سے بشر بنائے۔

(۲) نور اس طرح بشر بنتا ہے۔ جیسے ملائکہ بشری ہیئت میں آتا ہے۔ اور بشر محسوس ہوتا ہے مگر بشری ہیئت میں بھی نور کہلاتا ہے۔

(۳) اسکی ترکیب یہ ہے۔ کہ ماں باپ ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ بجائے نطفہ کے نور کو بطن میں نفخ کرتا ہے۔ تو

نوری بشر پیدا کرتا ہے۔

(۴) پھر اسکی بڑھائی۔ فضیلت کیلیئے۔ اسے نوری آسمان میں داخل کرتا ہے ـــ یہ نوری وجود کی دلیل کیلیئے ہے۔

(۵) نوری وجودِ بشری کو۔ نوری حیثیت میں سب سے اونچا مقامِ احمد۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی سے دیتا ہے۔ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ۔اب کسی شخص کو ان قرآنی آیات کی روشنی میں اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں۔ کہ ایک وجود کو نور سے کس طرح بنایا۔ اسے رفعت کس طرح دی۔ اسکی دلیل قرآن نے پیشگی دیدی۔

ہاں۔ تخلیقِ آدم میں دانستہ طور یہ بیان دینا۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا ـــ ثُمَّ سَوّٰهُ۔ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ میں ایک کیفیت ابھی تشنہ تحقیق ہے۔ کہ ہر بشر میں تین قوتیں ہیں۔ خاکی جسم۔ ناری روح اور نوری روح ـــ ادھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ محققین و مفسرین نے اس نوری کی شرح میں نوری کا حقیقی تصور پیش نہیں کیا۔ سوائے اسکے کہ میری روح کہہ کر آگے بڑھ گئے ـــ آیئے اس قرآنی آیات کی روشنی میں۔ اس ''نوری'' کا تجزیہ کریں۔

تخلیقی اعتبار سے ہر بشر میں۔ روح رحمانی۔ اسرار الٰہی۔ ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اسرارِ الٰہی نورِ محمدی سے تعبیر ہے ـــ

حضرت عیسیٰ کے وجود کو نور سے بنایا۔ ان میں۔ ایک جسم۔ دوسرا ناری روح کے بجائے نوری روح ہے جس سے جسم متحرک ہے۔ تیسری روح رحمانی ـــ قرآنی آیت سے ثابت ہوا۔ حضرت عیسیٰ میں ناری روح نہیں۔ ناری روح سے مراد نطفہ ـــ حضرت عیسیٰ نبی ہیں۔ انہیں بھی خبر دی گئی۔ یہ خبر روح رحمانی سے پائی۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلیئے بھی ـــ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود نور سے بنا۔ ضروری ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلیئے بھی نور ہی وجود کا سبب ہو ـــ تو آپ کیلیئے۔ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ۔ مثلِ یحیٰی۔ ماں باپ ہیں۔ مگر آپکے وجود کیلیئے بھی فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا کی ترکیب استعمال کرنا ضروری ہے۔ یہ نور حضرت عیسیٰ کے نور سے افضل ہے ـــ لہٰذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود کیلیئے خالص نور مقرر ہوا۔ حضرت عیسیٰ کا نوری وجود رفع میں آسمان سوئم میں مقیم ہے۔ مگر حضور صلے اللہ

علیہ وسلم کا بشری جسم ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی کے مقامِ قرب تک پہنچا اس معراج میں آپ نے اپنے جسم سے اسماء کا مشاہدہ۔ اور ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا۔ لہٰذا ثابت ہوا۔ عام بشر کی روحِ رحمانی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم کیلئے مقرر کردہ نور ایک ہی ہیئت و حیثیت رکھتے ہیں۔ عام انسان کی جسمانی روح روحِ حیوانی ہے اور آپ کی جسمانی روح ایک منتخب کردہ نور ہے جو حضرت عیسیٰ کے منتخب کردہ نور سے افضل ہے۔ اسلئے آپ کے جسم کیلئے۔ روح حیوانی کی ضرورت نہیں۔ آپ میں نہ نطفہ کی روح ہے نہ ناری روح۔ اسکی جگہ آپکی جسمانی ہیئت نوری ہے۔ جس سے اسماء کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اسلئے آپ کو مشاہدہ کیلئے روح رحمانی کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا آپکی روح رحمانی ــــ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ ہے۔ جس سے کل کائنات اور اسرار الٰہی بنائے گئے ــــ گویا کل کائنات کا نور آپ کے وجود کی روح رحمانی ہے۔ جسکو تمام مخلوق نے پہچاننا اور حمد کرنا ہے۔ اسی اعتبار سے آپکو محمد سے تعبیر دیا گیا۔ کہ احمد کا وجود۔ دو روحوں سے مرکب ہے۔ ایک نوری جسم ــــ عام مخلوق کی روح رحمانی ــــ دوسرا نوری روح۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کی روح تمام مخلوق انسانی میں روح رحمانی مشاہدۂ اسرار الٰہی کے لئے نفخ کی گئی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں جسم کیلئے وہی روح نفخ کی گئی۔ یہی کیفیت مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ آپ کی روح رحمانی مراد ہے۔

ان آیات سے واضح ہے۔ کہ محمد کا مقام مخلوق کائنات میں سب سے اعلےٰ و افضل ہے اور اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کے مقام کے اعتبار سے آپ کی ذاتِ اقدس سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہے۔ اس قرب کے اعتبار سے آپ کی حمد۔ ذات الٰہی کی پہچان سب سے اولیٰ و اعلےٰ ہوگی ــــ چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کی روح رحمانی۔ اور فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ آپکے جسد مطہر کی روح سے بشر کی شکل میں احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر کا ظہور ہوا۔ اسلئے یہ تمام تعریف احمد صلے اللہ علیہ وسلم سے ہی نسبت دی جاتی ہے ــــ اور احمد کی حیثیت میں قرآن نے آپکے عمل۔ آپکی تسبیح کو بھی واضح کر دیا ــــ کہ حضور احمد مصطفٰے سب سے زیادہ حمد کرنے والی ہستی ہیں۔

✿✿✿✿✿

نورِ لامحدود میں تقسیم ممکن نہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

نور ایک حقیقی وجود ہے۔ جو ''تخلیقی عمل میں'' تقسیم Analysed ہوتا ہے ـــ سوائے نورِ مستقل کے۔ کہ وہ لامحدود نورِ مستقل ہے جسکی تقسیم ممکن نہیں ـــ تو کیا نورِ احد میں نورِ اول کی تخلیق کو تقسیم سے تشبیہ نہیں دیا جا سکتا؟ ـــ یعنی ''نورِ احد میں تقسیم ممکن نہیں'' کے بیان پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے!

نورِ مستقل سے مراد ـــ جیسے مادّہ مختلف اجزأ کے مرکب سے بنتا ہے ـــ ماضی میں اس ہیئت کا وجود موجود (یا ظاہر) نہیں ہوتا ـــ حال میں چند اجزأ کے مرکب سے ایک وجود ظاہر ہوتا ہے۔ اور مستقبل میں پھر منتشر ہو کر (حال کا وجود) معدوم (غیر محسوس) ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے مادہ مستقل نہیں ـــ اسکے مقابل نور ایک ازلی وجود ہے۔ جو اجزأ سے نہیں بنتا۔ بلکہ مستقل شکل وصورت اور وجود رکھتا ہے۔ ماضی۔ حال۔ مستقبل میں یکساں ہیئت میں رہتا ہے ـــ ازلی ـــ اور مستقبل ہونے کی صورت میں نور اگر تقسیم کیا جائے۔ تو اسکی اپنی نوری ہیئت قائم رہتی ہے ـــ

تقسیم سے مراد ـــ تقسیم کے دو تصورات ہیں۔ ایک Divide ـــ دوسرا۔ Analysed

Divide ـــ میں ایک وجود اجزا میں منتشر ہو کر اپنی ہیئت کھو بیٹھتا ہے ـــ ایسی تقسیم نور میں نہیں ہوتی

Analysed ـــ سے مراد۔ ایک وجود کی تقسیم میں آخری حد تک اجزأ کا ظاہر ہونا ـــ یہ لفظ نور کی تقسیم میں استعمال کیا گیا۔

نور کو ازلی ـــ اور مستقل ہیئت کہا گیا ہے ـــ جہاں تک کائنات کی تخلیق کا تعلق ہے۔ نور کو کائنات کے وجود کا بنیادی مرکب قرار دیا گیا ـــ جس میں ازل سے ابد تک نور تقسیم ہو کر مختلف نوری۔ ناری۔ خاکی ہیئتوں میں ظاہر ہوا ـــ مادہ کے مقابل نور مستقل ہیئت ہونے کی صورت میں ماضی۔

حال۔ مستقبل میں یکساں ہیئت میں رہتا ہے ـــــ جو اجز اُسے مرکب نہیں ہوتا۔لہٰذا وجودی اعتبار سے نور کو مستقل (نورِ مستقل) تصور کیا جاتا ہے۔لیکن تخلیقی عمل میں۔ چونکہ نور مختلف شکلوں اور ہیئتوں میں تقسیم ہوتا ہے۔اس ترتیب کے اعتبار سے یہ وجود مستقل نہیں۔کیونکہ کائنات کی فطری تخلیق میں ''سبب'' (علت و معلول ـــ Subject & Object) کے منظم نظام کی ترکیب شامل ہے ـــ یعنی ایک نوری وجود سے دوسرا نوری وجود بنتا ہے ـــ اس حال میں کہ دونوں وجود (علت و معلول) نوری ہیئت رکھتے ہیں۔لیکن ایک مقام پر ابتدأ (ماضی میں) معلول کا وجود موجود نہیں۔ بلکہ اپنی علت میں سمایا ہوتا ہے۔اس اعتبار سے جبکہ ماضی میں ایک وجود موجود نہ ہو۔حال میں کسی علت سے اسکا ظہور ہو۔یہ ہیئت غیر مستقل ہیئت تصور کی جاتی ہے۔اس سے مراد ـــ نور ـــ نوری ہیئت میں ـــ نوری اعتبار سے ازلی۔اور مستقل ہے۔کہ ہر مقام پر اسکا وجود موجود ہے۔اور غیر مستقل اس حال میں۔کہ تخلیقی عمل میں ہر وجود کسی علت سے پیدا ہوتا ہے۔کہ یہ وجود ماضی میں موجود نہیں۔غیر مستقل ہونے کا تصور رکھتا ہے۔
اس نوری تخلیق میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ مادی ہیئت میں ہر شے اجزأ میں منتشر ہو جاتی ہے۔جیسے پانی ـــ ہائیڈروجن۔آکسیجن کے مرکب سے پیدا ہوتا ہے۔یہ دونوں اجزأ پانی کی ہیئت پانے کے بعد اپنی ہیئت کھو بیٹھتے ہیں۔دوسری طرف پانی جو ماضی میں موجود نہیں۔حال میں موجود ہوتا ہے۔اور مستقبل میں منتشر ہو کر اپنی ہیئت کھو بیٹھتا ہے ـــ دونوں صورتوں میں یہ ہیئتیں غیر مستقل کہلاتی ہیں ـــ اسکے مقابل نوری ہیئت تقسیم ہو کر اپنی اصلی ہیئت نوری میں قائم رہتی ہے ـــ اولاً نور ہے۔حال میں بھی نور۔ مستقبل میں بھی نوری ہیئت برقرار رہتی ہے۔اور نکتہ یہ کہ نوری علت معلول خارج ہونے کے بعد بھی اپنا وجود قائم رکھتی ہے ـــ یہ نور کے مستقل ہونے کی علامت ہے ـــ لیکن علت خود کسی ابتدائی علت کی معلول ہوتی ہے۔جسکا وجود ماضی میں موجود نہیں ہوتا ـــ نیز یہ کہ ہر علت و معلول اپنے مقام پر ـــ اپنے زمانہ میں پیدا ہونے پر مجبور ہے ـــ اس اعتبار سے نور تخلیقی عمل میں تقسیم ہوتا ہے۔یہ علامت نوری ہیئت مخلوقی کے غیر مستقل ہونے کی علامت ہے ـــ

تو کیا نورِ احد میں نورِ اول کی تخلیق کو تقسیم سے تشبیہ نہیں دیا جاسکتا ـــ جبکہ نورِ احد میں تقسیم ممکن نہیں۔تخلیق کائنات کے بیان میں جہاں نورِ احد کو نورِ مستقل تصور میں لا کر یہ بیان کیا گیا۔کہ ''نورِ احد

میں تقسیم ممکن نہیں" ــــ اس سے مراد اوپر کے بیان میں واضح شدہ حقیقت پر غور کرنا ــــ کہ نورِ احد۔نور مستقل۔حقیقتاً۔علتِ لامحدود ثابت ہے۔چنانچہ آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰) کی رو سے نورِ مستقل میں۔سمع و بصر۔فہم۔ارادہ کی صفات کو ساتھ رکھا جائے۔تو یہ علت۔علتِ مستقل ہے۔جس میں ارادہ وفہم موجود ہے۔لہٰذا یہ علت خود خالق ہوسکتی ہے۔جسکے پیدا ہونے کیلئے کسی دوسری علت کا تصور قائم نہیں ہوسکتا۔بلکہ ہر آئندہ معلول اسی کے ارادہ سے مخلوق ہوتی ہے ــــ اس اعتبار سے یہ تقسیم شدہ وجود نہیں۔نہ کسی وجود کی معلول ہوسکتی ہے۔اور جبکہ ہر معلول ایک نظام کے تحت اپنی علت میں خود بخود پیدا ہوتی ہے ــــ تخلیق کائنات کے تجزیہ میں۔ علت لامحدود نورِ مستقل کے وجود سے نورِ اول کے وجود کا ظہور۔خود بخود نہیں۔بلکہ الٰہی ارادہ کے تحت عمل میں آتا ہے ــــ اس حال میں کہ نورِ اول کی علت کوئی ایسی علت نہیں جو پہلے معلول کا درجہ رکھتی ہو۔نہیں بلکہ نورِ اول کی علت نورِ مستقل ہے۔تو ہیئت کے اعتبار سے مستقل اور تخلیقی عمل چونکہ اس نور پر وارد نہیں لہٰذا تخلیقی عمل میں خالق ہونے کے اعتبار سے بھی مستقل۔ایسی صورت میں نورِ احد میں نورِ اول کی تخلیق سے نورِ احد کی تقسیم کا تصور قطعی نہیں ہوسکتا ــــ یہی مراد "نورِ لامحدود میں تقسیم ممکن نہیں"۔سے ہے۔

اور اب نورِ اول کی تعریف ــ نورِ اول کی تخلیق کا کیا سبب ہے؟۔

کائنات کے تجزیہ میں جب نورِ احد کو علتِ لامحدود تسلیم کیا گیا۔تو لازم ہے۔ہر شے نورِ اللّٰہ سے بنی۔اس تصور میں ہر شے کو خدا تصور کیا جانا لازمی ہے۔مگر اصول کے تابع مخلوق کو خالق تصور کرنا درست نہیں۔اور اگر مخلوق کو غیر خدا تصور کیا گیا تو یہ واحدیت میں نقص کے مترادف ہے۔ایسی صورت میں ضروری ہے۔کہ ماسویٰ نورِ احد کے جو بھی وجود موجود ہو۔غیر اللہ ہوتے ہوئے۔دوسرے وجود کا تصور باقی نہ رہے۔یہ قدرت کا تخلیقی عمل ہے۔کہ ماسویٰ اللہ کے کسی غیر وجود سے کوئی دوسرا وجود۔نہ پیدا ہونا ممکن ہے۔نہ ایسا ہونا ممکن ہو ــــ لہٰذا نورِ اول کی پیدائش کا سبب سوائے اسکے نہیں۔کہ اسکی پیدائش کے بغیر کائنات کا مخلوقی حیثیت میں پیدا ہونا ممکن نہیں۔اسی کیفیت کی طرف لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کا ہے۔کہ اگر نورِ اول پیدا نہ کیا جاتا تو کائنات کا مخلوقی حیثیت میں پیدا ہونا ممکن نہیں۔اس حال میں کہ مخلوقِ کائنات کے وجود کیلئے۔نورِ اول مخلوق کا ہونا ضروری تھا۔لَوْلَاکَ کا بیان اس حدیث

سے واضح ہے۔کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ حقیقتاً۔نورِاول۔لما خلقت ۔نوری۔میں ایک ہی تصور پایا جاتا ہے اور یہ کیوں بنا؟۔اسلئے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ حقیقتاً منصوبہ ازلی میں اصل مقصد زمین اور زمین کی مخلوق بنانا تھا ___ زمین کی تخلیق اٹکل پچو۔"شُف" کرنے سے نہیں ہوئی۔ نہ کائنات ___ شُف (پھونک مارنے) سے ہوتی ہے۔بلکہ کائنات کی تخلیق میں ایک منظم نظام پایا جاتا ہے۔جو علت و معلول کی صورت میں نافذ ہے۔لہٰذا بغیر نورِ اول۔کی پیدائش۔اور علت و معلول Subject & Object کے عمل کے زمین خاکی ہیئت میں پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔جو قدرت کا مقصد اولین تھا ___ اب ایک نکتہ ہے۔کہ "نوری" سے نورِ محمدی کیسے تعبیر دیا جاتا ہے۔یہ ایک طویل بحث ہے جسکی یہاں گنجائش نہیں۔سوائے اسکے۔کہ فی انفسکم کے اصول کے تحت تخلیق کائنات پر تجزیہ کرنے والا یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔کہ نورِ اول کو اگر کائنات کے تمام وجودوں کا بنیادی مرکب سمجھا جائے۔کہ ہر وجود میں بنیادی Material نورِ اول ہی کا نور ہے ___ تو اس تجزیہ میں انسان ہر شے کی تحقیق میں۔ہر انسان ایک ہی نور کو پہچان لیتا ہے۔کہ کسی وجود کی اپنی مستقل ہیئت تخلیقی عمل کے تابع نہیں۔بلکہ ہر وجود کی ساخت۔شکل و صورت۔نورِ اول سے ہی مستعار ہے ___ جیسے درخت میں بیج کی قوت کا اظہار ہوتا ہے۔تو اس تجزیہ میں جو کیفیت پہچانی گئی۔اسے عربی میں مُحَمَّدٌ' سے تعبیر دیا جاتا ہے۔محمدؐ کے معنی پہچانا گیا وجود۔اب رہا سوال یہ نور ___ نورِ محمدی۔کا حقیقی تصور کیا ہے؟ ___ یہ مسئلہ متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔یعنی یہ مسئلہ روحانیت سے متعلق ہے۔قرآنی آیت کے مطابق۔سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی ___ اور ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ___ واقعہ معراج میں ایک اشارہ سا ملتا ہے۔کہ حضورؐ نے جسم سے معراج کیا۔اور اس سفر میں۔آسمان۔جنت۔اور مقام بالا۔تا اللہ کی ذات مشاہدہ کیا ___ جسم سے ___ یہی مشاہدہ ایک ولی روح رحمانی سے کرتا ہے۔اس سے حضورؐ کی جسمانی ہیئت کا ایک تصور ملتا ہے۔ کہ حضور کے جسم مبارک۔کی وہی صفت ہے۔جو ایک ولی کی روح رحمانی کی ___ اور حضورؐ کی روح رحمانی ___ وہی نور ہے۔جو اول ما خلق اللّٰہ نوری میں بیان کی گئی یعنی نُوْرِیْ سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نوری روح (جو عام انسانوں میں نہیں) گویا تمام کائنات کا وجود حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا نوری وجود ہے۔جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسمانی مرکب کا ایک حصہ ہے۔جیسے انسان کا وجود۔

جسم خاکی۔ جسم ناری۔ جسم نوری سے مرکب ہے۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسمانی مرکب میں ناری قوت نہیں۔ بلکہ آپ کا جسم نوری قوت سے بنا ہے (یہ مسئلہ روحانیت کا ہے)۔

اسکے بعد حضرت آدم کی پیدائش کا مسئلہ:

قرآن نے انسانی پیدائش کی ترتیب۔ ترکیب۔ مرکب (Material) کا واضح بیان پیش کیا۔ جس میں ایک واضح ترکیب اس آیت میں بیان کی گئی۔ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا (پارہ۴ سورۃ۴ آیت ۱) یعنی انسان کو نفسِ واحد سے بنایا گیا۔ اسی نفس واحد سے اسی کا جوڑا بنایا گیا ـــــ نفس واحد میں حقیقتاً ایک ناری ذرہ ہے۔ جسے Cell کہا جاتا ہے۔ یہی ذرہ جسمانی ہیئت کی طرف انتقال کرنے لگ جاتا ہے۔ تو فطری تخلیقی عمل کے تحت ابتدأ میں دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ یہی دو حصے نر و مادہ۔ (مرد اور اسکا جوڑا) کی ہیئت میں وجود پذیر ہوتے ہیں۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش کا بنیادی وجود یہی ذرہ (Cell) ہے جس سے ابتدأ اسکا جوڑا علیحدہ ہوا۔ جو حوآ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ فطری تخلیقی ترتیب کے مطابق جوڑا خود بخود پیدا ہونے کی وجہ سے قرآن نے حوآ کی تخلیق کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔ سوائے اسکے کہ قرآن نے بشر کی خلق کے متعلق واضح بیان دیئے۔ جبکہ حوا (عورت) بھی انسانی تخلیق اور شکلِ بشر میں شامل ہے ـــــ رہا یہ سوال کے مفسرین نفس واحد کو حضرتِ آدم کے وجود سے تعبیر دیتے ہیں۔ یہ نظریہ از روئے قرآن درست نہیں ـــــ بلاشبہ۔ نفس واحد ہی حضرت آدم کی شبیہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اگر حضرت آدمؑ کو نفس واحد مانا گیا۔ تو فطری تخلیقی ترکیب کا ایک اہم باب انسانی علم سے پوشیدہ رہتا ہے۔ کہ انسان کی پیدائش کا بنیادی سبب کیا ہے ـــــ نیز اسکی پیدائش کی حقیقی ترکیب کیا ہے۔ بصورتِ دیگر حضرت آدم کو مٹی سے بنانے میں ایک من گھڑت نظریہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ نے براہِ راست حضرت آدم کو مٹی کے پتلے سے بنا کر اس میں روح پھونک کر زندہ کیا۔ حالانکہ فطری تخلیقی عمل کے تحت روح ڈال کر زندہ ہونا خلاف قانونِ فطرت ہے ـــــ بجائے اسکے ہر وجود کی ابتدأ روح (زندہ ذرہ) سے ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ نفس واحد بجائے خود ایک جان (ذرہ یا Cell) کے تصور میں آتا ہے ـــــ جبکہ حضرت آدم کے جسم بشری میں تین انفاس پائے جاتے ہیں۔ نفسِ امارہ ـــــ نفسِ لوامہ ـــــ نفسِ مطمئنہ۔ ایسی صورت

میں آدم کے جسمانی وجود کو نفس واحد کہا نہیں جا سکتا۔ سوائے اسکے کہ نفس واحد کا اشارہ۔ آدم کے بنیادی وجود ـــــ جو بشری ہیئت کی تکمیل سے قبل۔ انسانی وجود کی ابتدا کرتا ہے ـــــ دوسری بات۔ جیسا اسلامی محققین یا مفسرین۔ حضرت آدم کے جنت میں قیام کو جنتِ اخروی (قیامت کی جنت) قرار دیتے ہیں۔ اس میں بھی مبالغہ ہے۔ یہ تصور بھی درست نہیں۔ کیونکہ قرآن میں آدم کو جنت میں لے جانے کا کوئی ذکر نہیں ـــــ دوسری بات ـــــ جنت اخروی ـــــ اسلامی عقیدہ کے مطابق۔ آسمانوں میں واقع ہے اور یہ مقام یکسر نوری ہے ـــــ لہٰذا۔ ایسے نوری مقام میں۔ کثیف وجود (شجر ممنوعہ) پیدا ہونا خلافِ قانون فطرت ہے۔ دوسرے۔ آدم خاکی وجود رکھتا ہے ـــــ خاکی وجود۔ نوری جنت میں سما نہیں سکتا ـــــ پھر حکم عدولی میں آدم وحوا پر شہوت کا غلبہ پایا جانا ـــــ یہ امر بھی خلافِ فطرت ہے۔ جبکہ قرآن بتاتا ہے۔ کہ جنت میں نہ لغویات ہونگے۔ نہ غلبۂ شہوت ہو گا ـــــ اسلئے یہ امر واضح ہے۔ کہ عربی میں ایک خوبصورت مقام۔ جس میں پھل۔ پھول۔ نہریں۔ پرند وغیرہ ہوں اور زمین میں واقع ہو۔ اسے بھی جنت کے لفظ سے موسوم کرتا ہے۔ جسے عجمی اصطلاح میں باغ کہا جاتا ہے۔ حقیقتاً اگر اخروی جنت کو عجمی زبان میں کہا جائے۔ تو اسے قیامت کا باغ کہا جائے گا۔ اور اس جنت کا تصور حقیقتاً ارضی جنت کے تصور پر ہی پیش کیا گیا۔ دونوں صورتوں میں۔ زمین کے باغ۔ اور قیامت کے باغ کو عربی میں جنت کہا جاتا ہے ـــــ جیسے ایک مغالطہ ـــــ کوئی شخص گڑھا کھودتا ہو۔ "تو کوئی کہے قبر کھود رہے ہو"۔ تو جواب ہو گا قبر نہیں گڑھا کھود رہا ہوں ـــــ حالانکہ عربی میں ہر گڑھے کو قبر کہا جاتا ہے۔ اور کوئی قبر کھود رہا ہو۔ تو اس سے پوچھا جائے گڑھا کھود رہے ہو تو کہے گا نہیں قبر کھود رہا ہوں۔ حالانکہ عربی میں قبر کو گڑھے کے تصور میں لایا جاتا ہے ـــــ صرف عجمی تصور میں قبر اور گڑھے کو دو صورتوں میں تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح۔ جنت کے لفظ کو جنتِ اخروی میں تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ارضی باغ کو بھی عربی میں جنت کے لفظ سے پکارا جاتا ہے۔ رہا سوال آدم کو جنت اخروی میں رکھا جانا کیوں غلط العام تصور میں لایا جاتا ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ قرآن نے یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ کا بیان ہے۔ درحقیقت یہ جنت اخروی نہیں۔ بلکہ جنتِ ارضی ہے۔ اسلئے کہ اس جنت میں شجر کثیف بھی ہے۔ اور اسی جنت میں آدم وحوا پر غلبہ شہوت طاری ہوتا ہے۔ یہ کیفیت جنت ارضی میں ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ دوسرا مغالطہ اِهْبِطُوْا فِی

اَلْاَرْضِ کے بیان سے لاحق ہوتا ہے۔ کہ آدم وحوا کو آسمانی جنت سے زمین پر ''اتر جانے'' کا حکم ملتا ہے۔ یہ تصور بھی غلط ہے کیونکہ قرآنی بیان سے زمین پر قیام کی صورت میں ــــ زمین پر سفر کرنے کیلئے بھی اھبطوا کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَکُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۔اترو شہر کی طرف پس تمہارے لئے۔ مسور کی دال۔ تھوم۔ پیاز۔ کھکھڑی ہی مقدر کیا جاتا ہے ــــ یہ اسلئے کہ زمین پر اونچی۔ نیچی سطحوں پر مقامات واقع ہیں۔ لہٰذا اونچی سطح سے نیچی (یا ہموار Plain سطح) جگہ انتقال کرنے میں بھی اھبطوا کا لفظ استعمال ہونے میں آسمان سے زمین پر اترنے کا خاص تصور قائم نہیں ہوتا ــــ اھبطوا فی الارض سے مراد۔ اب تم اس آرام دہ باغ سے نکل کر زمین کی وسعتوں میں سکونت اختیار کرو۔ اس نظریہ کو اس بیان سے تقویت ملتی ہے۔ کہ اھبطوا منھا جمیعاً۔ اترو اس باغ سے تم سب۔ یہاں جمیعاً میں تثنیہ (دو وجود آدم وحوا) کا حوالہ نہیں۔ بلکہ جمیعاً کثیر تعداد اجسام کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جو اولاد آدم کیلئے استعمال ہوسکتا ہے۔ اس بیان سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے۔ کہ جب حضرت آدم کی کثرت سے اولاد ہوئی ایسے موقع پر اھبطوا منھا جمیعاً سے واضح ہوتا ہے۔ کہ یہاں جنتِ اخروی کا تصور پایا نہیں جاتا۔ کیونکہ جنت اخروی میں مباشرت و نسل کشی کا ہونا۔ درست نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ بات بتانی رہ گئی ــــ کہ تخلیق آدم ؑ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ دراصل وجود زندہ کرنے کیلئے نفخ کرنا نہیں۔ بلکہ اس نفخ سے آدم کی خصوصیتِ خلافت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ بقولِ ملائکہ۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِکُ الدِّمَآءَ ــــ ملائکہ نے ارض کی کیفیت سمجھ کر یہ سوال نہیں۔ بلکہ بیان دیا۔ کہ ارضی مخلوق میں۔ سفلی خاصیت کے تحت فساد وخونریزی کا مادہ ہوگا۔ تسبیح وحمد کا مادہ نہیں ہوسکتا۔ اسی بات پر اللہ نے کہا اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ وہ لاعلمی کیا تھی؟۔ یہی وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ۔ یہ روح زمین کی پیداوار نہیں۔ بلکہ نوری خاصیت کی حامل روح ہے۔ جو ایک زائد قوت ہے۔ جو روح بشری وجود کی تکمیل پہ اس میں پھونکی جائیگی ــــ اس تخلیقی عمل سے ملائکہ بے خبر ہیں۔ کیونکہ یہ روح زمین کی پیداوار میں شامل نہیں۔ آگے چل کر قرآن اس امر کی وضاحت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ میں اور ملائکہ اور آدم کی علمی خصوصیت سے مکمل طور کرتا ہے۔ اسی صفت پر آدم کو اِنِّيْ جَاعِلٌ'' فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ــــ خلیفہ کہا گیا۔ یہاں خلیفہ سے مراد۔ ملائکہ کے بعد زمینی سفلی مخلوق سے ملائکہ سے بہتر تسبیح وحمد کا حامل

ہونا ـــــ جو محض زمینی سفلی مخلوق سے ممکن نہیں۔ مفسرین اس اعتراض کا مکمل جواب نہیں دیتے۔ کہ ملائکہ کو کیسے معلوم ہوا۔ کہ انسان سے فساد و خونریزی ہوگی۔ تو جواب ملتا ہے۔ کہ انہوں نے جنات کے عمل سے یہ جان لیا۔ حالانکہ یہ تاویل درست نہیں۔ جبکہ ملائکہ زمینی کیفیت سے پوری واقفیت رکھتے ہوئے۔ زمینی صفت و خاصیت کا اظہار کرتے ہیں۔ انہیں اگر علم نہیں تو وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کا علم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ تخلیقی عمل۔ فطری تخلیقی عمل سے ایک علیٰحدہ ترکیب ہے۔ جسکا ملائکہ کو علم نہیں ہوسکتا تھا۔ اس بیان میں دراصل انسان۔ اور آدم کی خصوصیت خلافت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ جو اللہ کے نزدیک تخلیق کا حقیقی مقصد ہے۔ آدم نہ خلیفۃ اللہ ہیں۔ نہ زمین پر حکمرانی کے لئے بھیجا گیا۔ بلکہ تسبیح وحمد سے معرفت الٰہی حاصل کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ جو فی الارض خلیفه کے بیان سے واضح ہے۔ مفسرین نے زمینی اشیاء۔ مولی۔ گاجر کے اسماء بتانے پر۔ آدم کی خصوصیتِ خلافت کو محدود کیا۔ حالانکہ قرآن ان اشیاء کو حقیر بتاتا ہے۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ" ۔کیا تم دال۔ ککھڑی۔ پیاز زمینی اشیاء جیسی ناقص اشیاء طلب کرتے ہو؟ حقیقتاً اسماء سے مراد زمین و آسمان اور ذات الٰہی کے باطنی اسرار ہے۔

روح

یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ (پارہ ۱۷ سورۃ الحج آیت ۵) اے لوگو اگر تم اپنے جی اٹھنے میں شک میں ہو۔ تحقیق ہم نے ہی پیدا کیا تمکو مٹی سے۔ پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے لہو سے پھر بنی ہوئی بوٹی کی صورت سے اور بے بنی ہوئی بوٹی کی صورت سے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔ کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش یعنی نطفہ چالیس دن تک ماں کے رحم میں رہتا ہے۔ پھر اتنے ہی دن (یعنی چالیس دن) پھٹکی یعنی جمے ہوئے لہو کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر چالیس دن بوٹی (لوتھڑے) کی شکل میں رہتا ہے۔ یعنی جما ہوا لہو گوشت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اسکے پاس اللہ تبارک تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے یعنی جب اسکی انسانی شکل پوری ہو جاتی ہے تو فرشتہ اس انسان کی (۱) روزی (۲) عمل (۳) موت (۴) نیک ہے یا بد (جنتی۔ دوزخی) لکھ دیتا ہے پھر اسکو روح پھونکتا ہے۔ روایت کیا اسکو بخاری و مسلم نے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان روح پھونکنے سے پیشتر زندہ ہوتا ہے کیونکہ وہ نطفہ سے تین چار ہیئتوں میں سے گزر کر ارتقاً کی طرف آتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ۖ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۗ ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ۗ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۱۲ تا ۱۶) اور البتہ اس میں شک نہیں کہ بنایا ہم نے انسان کو (ٹھیکری کے مانند) بجتی ہوئی مٹی سے۔ پھر بنایا اسکو نطفہ سے بیچ جگہ محفوظ کے (یعنی رحم مادر میں)۔ پھر بنایا نطفہ کو جما ہوا لہو۔ پھر بنایا جمے ہوئے لہو کو گوشت کا لوتھڑا۔ پھر بنایا

گوشت کے لوتھڑے کو ہڈیاں پھر لپیٹا ہڈیوں پر گوشت۔ پھر پیدا کیا ہم نے اسکو آخری پیدائش۔ پس بہت برکت والا ہے بہتر بنانے والا۔ پھر اسکے بعد تم البتہ مرنے والے ہو۔ پھر قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

یہاں ثُمَّ اَنْشَانٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ سے مراد روح کا پھونکنا ہے۔ کیونکہ جب تک انسان کی شہوانی اور ملکوتی تخلیق پوری نہ ہوا انسان مکمل نہیں۔ جسم انسانی بنانے کے بعد اس کی تکمیل روح پھونکنے سے کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب نطفہ چار مہینے کا ہوتا ہے۔ تو اسکی طرف اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔ جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ تین اندھیروں میں۔ یہی معنی ہیں ثُمَّ اَنْشَانٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کے خلف آخر کے قریب اور یہی قول مجاہدؒ عکرمہؒ اور شعبیؒ اور حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے کہ خَلْقًا اٰخَرَ سے مراد روح کا پھونکنا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ انسان میں روح پھونکنے سے مقصد اسکی انسانی تخلیق پورا کرنا ہے۔ نہ کہ زندہ کرنا۔

بہرحال یہ دو آیتیں اور حدیث شریف اس بات کی شہادت ہیں کہ انسان کی زندگی میں دو روحیں کارفرما ہیں ایک وہ روح جس سے انسان کی زندگی وابستہ ہے۔ اور دوسری وہ روح جس سے انسانی وجود کی تکمیل ہوتی ہے۔ اب ان دونوں روحوں کی ابتدا کیسے ہوئی۔ روح کیا چیز ہے۔ اسکے متعلق قرآن کا کیا حکم ہے؟ قرآن روح کے بارے میں واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۸۵) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہود و نصاریٰ نے روح کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگاہ کیا کہ ان سے اتنا ہی کہدو کہ روح امر ربی (خدا کا حکم) ہے۔ امر ربی سے مراد عرب کے عربی دان بخوبی جان گئے انہوں نے واپس کوئی اعتراض نہ کیا۔ اور چلدیئے۔ گویا وہ امر ربی کو سمجھ گئے امر ربی کیا ہے؟ کہ خدا کا حکم۔ اور خدا جب چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ یعنی جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی شے کے بنانے کا اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۶ آیت ۸۲)۔ اللہ جب ارادہ کرتا ہے کسی شے کے بنانے کا تو حکم کرتا ہے کن ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح روح کا تعلق ازلی ابدی امر کے ساتھ ہے یعنی جب کچھ نہ تھا وہ خود علت

لامحدود تھا۔ اس نے اپنے نور کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شکل لفظ کن یعنی امر سے دی جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے میرا نور بنایا۔ تو یہ بات صاف طور واضح ہے۔ کہ جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بنا وہ انہیں کے نور سے بنا۔ گویا تمام کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور سے بنی۔ گویا اللہ تعالیٰ کا امرِ اول حضرت محمد الرسول اللہ کا نور مقدس ہے لیکن وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا اس امر اور اسکے اسرار سے واقفیت صرف انہیں کو ہو سکتی ہے جنہیں یہ علم قدرت کی طرف سے دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا مقصد اس تمام کارخانہ کو بنانے سے صرف یہ تھا۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اور اسی خلیفہ کو پہلے بنانا تھا سو اپنے امرِ اول میں ہی خلیفہ کو بنایا۔ جو باعتبار قائم مقام ہونے کے قریب تر تھا اور اسی نور مقدس نے اللہ کو پہچانا اسلئے اِسے احمد کا نام دیا گیا۔ بس قصہ پاک ہوا صرف اتنا حصہ باقی رہا کہ اس کا تماشا فی الارض زمین پر ہی کرے۔ سو اللہ نے نور محمدی سے محمد نام پانے کیلئے ایک کثرت پیدا کردی جس کثرت میں محمدؐ کی شان پہچانی جائے تاکہ محمد نام کی پوری تشریح ہوجائے اسلئے امر اول کے ساتھ ایک اور امر ہوا۔ یہ امرِ ثانی حضرت محمد رسول اللہ کے نور مقدس سے ہوا۔ جس سے تمام کائنات خصوصاً انسان کی روحیں پیدا کی گئیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح ایک مجسم نور ہے۔ اور نور اپنی ہیئت کے اعتبار سے مجسم زندگی ہے۔ اس نور کی کیفیت اس امر سے واضح ہوسکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ تحقیق زمین و آسمان کی پیدائش میں تمہارے عرفان کیلئے نشانیاں ہیں اور تمہارے وجود میں بھی کیا تم نہیں دیکھتے۔ اس آیت کے اعلان سے یہ بات واضح ہے کہ اگر تم تخلیق پر تفکر کرو تو تم آسانی سے اللہ کی نشانیوں کو دیکھ اور سمجھ سکتے ہو۔ سائنس اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچا چکی ہے اور عینی مشاہدہ میں لا چکی ہے۔ کہ اس کائنات میں دیکھنے۔ سننے۔ چکھنے۔ کیلئے ہر قسم کا سامان موجود ہے۔ مثلاً انسان کی آنکھ قوت بصر۔ یعنی دیکھنے کی قوت۔ مادی حکیم کا تجربہ ہے۔ کہ انسان کی آنکھ صرف اشیأ کو محسوس کرنے کا ایک آلہ ہے۔ اشیأ کی ماہیت یعنی شکلیں اور انکی رنگت انسان تب دیکھتا ہے۔ جب لطیف فضأ میں لطیف جراثیم اشیا کی اصل ہیئت ان جراثیم کے ذریعہ آنکھ کے آلہ تک پہنچاتے ہیں یعنی فضا میں اس قسم

کے وسیع جراثیم موجود ہیں جنکے ذریعہ آنکھ کے اندرونی آلہ (لنز) پر کسی شے کا عکس پہنچتا ہے۔ اگر یہ جراثیم فضا میں موجود نہ ہوں تو انسان کسی شے کو دیکھ نہیں سکے گا۔ اسی طرح سننے کیلئے انسان کے کان کے اندر ڈھول کی شکل میں ایک آلہ ہے۔ اسکی ساخت اسی طرح ہے جسطرح ریڈیو میں ٹرانسمیٹر جب انسان کے منہ میں ایک ہوا (آواز) خارج ہوتی ہے یہ ہوا (آواز) فضا کے ایتھری جراثیم سے ٹکراتی ہے یہ ایتھری جراثیم کائنات میں ہر جگہ وسیع پیمانہ پر مثل سمندر کی وسعت کے جاری ہے۔ جب آواز سے ایتھر میں لہر پیدا ہوتی ہے تو یہ کان سے ٹکراتی ہے۔ اور آواز میں جس قسم کا اتار چڑھاؤ ہو اسی اتار چڑھاؤ کے مطابق الفاظ کان کے اس ڈھول کے ٹرانسمیٹر سے ٹکراتے ہیں اس ڈھول سے دماغ تک کئی ایک تاریں رگوں کی صورت میں ملی ہوئی ہیں انکے ذریعہ دماغ کسی بات کو محسوس کرتا ہے۔ گویا تاروں کے ذریعہ آواز کو دماغ سے محسوس کرنے کو سننا کہتے ہیں۔ یہ کان نہیں سنتا بلکہ آواز حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی طرح اگر جسم کے کسی حصہ پر چوٹ آجاتی ہے تو جسم کے احساساتی آلے (رگیں) دماغ کو خبر دیتے ہیں کہ بازو یا جسم کے کسی حصہ پر چوٹ آئی ہے۔ اسکا انتظام کیا جائے چنانچہ دماغ انسانی اعضائے کو بیرونی زہریلے جراثیم سے محفوظ کرنے کیلئے فوج بھیج دیتا ہے کہ چوٹ کی جگہ تعمیری کام شروع کردو۔ جسم کے اندرونی محافظ محاذ پر فوج در فوج جمع ہو کر بیرونی فضا کے زہریلے جراثیم کو جو زخم کے ہوتے ہی انسان کے اندرونی حیاتی جراثیم کو مار کر اندر داخل ہونا چاہتے ہیں یہ اندرونی جراثیم چونکہ قوی ہوتے ہیں انہیں مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپکو معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر ایک زخم پر پلستر اس لئے باندھتے ہیں کہ زخم بیرونی جراثیم سے محفوظ ہو جائے اور اندرونی تعمیری جراثیم کو زخم پورا کرنے کا موقع مل جائے۔ زخم پر اگر کوئی دوا لگائی جاتی ہے وہ زخم بھرنے کیلئے بھی اگر ہو مگر یہ دوا بھی بیرونی جراثیم سے زخم کو محفوظ کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ الغرض انسان کے مادی سامان کیلئے کائنات میں مادی نظام موجود ہے۔ سورج ایک حد درجہ تیزی اور تابانی رکھنے والی قوت ہے اس میں اس قدر گرمی ہے کہ اگر اسکی گرمی براہ راست انسان تک پہنچ جائے تو انسان جل کر راکھ ہو جائے مگر قدرت نے فضا میں اس قدر کثیف جراثیم کا وجود پیدا کیا ہے۔ کہ سورج کی گرمی بجائے نقصان کے نفع بخش ہو جاتی ہے۔ یہ تو دینوی نظام میں ایک ترتیب نظام قدرت نے پیدا کیا ہے۔ کہ انسان کس طرح آسانی سے اپنا سامان زندگی حاصل کر سکتا ہے اور کس طرح اپنی

زندگی برقرار رکھ سکتا ہے۔مگر انسان دنیا میں زندگی برقرار رکھنے کیلئے نہیں آیا۔اس نے مرنا ہے۔تو پھر زندگی کا سامان حاصل کرنا اور زندگی کا برقرار رکھنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں فرمایا۔وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۵۶) میں نے انسان کو دنیا میں اسلئے نہیں پیدا کیا کہ وہ صرف زندگی کا سامان حاصل کرے اور زندہ رہے۔ بلکہ انسان ایک غلام کی حیثیت سے مالک کی مرضی پر چلنے کیلئے صرف ایک خصوصی مقصد کیلئے پیدا کیا گیا وہ مقصد کیا ہے؟ کہ وہ امر ربی کے اسرار سے آگاہ ہو کر اُس منبع حقیقی یعنی اللہ تک تمام مراحل و حقائق کا مطالعہ کرتے ہوئے اللہ تک پہنچے یہ حقیقت عبادت غلامی کا اقرار کرنے سے یعنی طریق غلامی عبادت اختیار کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ جہاں تک مادی دنیا کا تعلق ہے اسکے لئے ہمارے پاس مادی ذرائع موجود ہیں مگر اس دنیا سے باہر کی فضا ہمارے احساسات میں نہیں کیونکہ وہ ماحول لطیف اور قوی ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسکے ادراک کا بھی حکم دیا ہے۔سوچنے کا مقام ہے کہ اگر ایک مالک وہ کام ہمیں دیتا ہے جسکے کرنے کی ہم میں قوت نہ ہو تو یہ امر سراسر ناانصافی ہوگی۔مگر اس مالک حقیقی نے ہمیں اپنے عرفان کیلئے وہ قوت بھی عطا کی ہے۔جسکے ذریعہ ہم اسکے عظیم الشان تابانی اور تیزی رکھنے والے ماحول و مراحل کو عبور کرسکتے ہیں۔وہ وہی روح ازلی ہے جو امر ثانی میں نور محمدی سے پیدا کی گئی اس میں اسقدر وسعت ہے کہ وہ اپنے مقام تک پہنچ کر انسان کے دماغ کو ہر ماحول و کیفیات سے آگاہ کراسکتی ہے اور ان مراحل اور اس روح کی کیفیت بھی اسی طرح ہے جس طرح کائنات میں ہر شے کے سمجھنے کا انتظام ہے۔اسلئے وہ روح جو ازل سے ہر انسان کیلئے وقف کی گئی ہے انسان کیلئے ازل سے ہی وقف کی گئی ہے۔جیسی اسکی ابتدأ ہے اسی طرح اسکا انجام بھی لازوال ہے یہ روح ازل سے ہے اور قیام قیامت تک بدستور اپنی ہیئت کے اعتبار سے قائم رہے گی۔چونکہ اسکا تعلق انسان کے مادی جسم سے ہے اسلئے اسکی کیفیت انسان کی موت کے بعد اسکے اعمال کے مطابق ہوجائیگی۔اسکا تعلق انسان کی زندگی سے صرف اتنا ہے کہ اسکے ذریعہ تمام اسرار الٰہی اور افلاکی ماحول اور کیفیات کی آگاہی ہوسکے۔اور اس آگاہی سے مقصد یہ ہے کہ حضرت محمد الرّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خلیفۂ اعظم کی پہچان اور حمد ہوتا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شان ظاہر ہو۔

رہا یہ سوال کہ وہ کونسی روح ہے جس سے انسان زندہ ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائشی ترکیب پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ انسان کب مردہ تھا اور کب زندہ ہوتا ہے۔ اسکے لئے بھی ازل کے امر ربی پر تحقیق کی نظر ڈالو۔ کہ تمام زندگیوں کا منبع وہ حی وقیوم ہے۔ اگر ابد میں زندگی نہ ہوتی تو کسی شے میں نشو ارتقاً کا مادہ نہ ہوتا۔ اگر دانہ زندہ نہ ہوتو یہ ترقی کر کے درخت نہیں بن سکتا۔ اگر انسان ابد سے نور ازلی سے زندگی لے کر نہ آئے تو انسان کسی مرحلہ میں کسی مقام میں بھی نشو ارتقا حاصل نہیں کر سکتا۔

اس احکم الحاکمین کے ارادہ میں ازل سے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کا تصور تھا اسلئے اس اللہ نے ازل سے ہی اسکی زندگی کی ابتدا کی اول وہ حیات اعظم پیدا ہوئی جنکے نور حیاتی سے تمام افلاک وارض کی زندگی کا دارومدار ہے۔ یعنی نور محمدی سے روح اول جملہ روحیں پیدا کیں یہ روحیں ہر اول و آخر میں زندہ رہیں گی خواہ انسان کا وجود ہو یا اس سے باہر ہو۔ بلکہ یوں کہو کہ انہیں روحوں کے مطابق انسانی اجسام بنتے رہیں گے جب ان روحوں کی تعداد ختم ہوگی انسانی قالب بھی نہیں بنیں گے یہ موقع قیامت کا ہوگا۔ اسکے بعد وہ تمام کیفیات بنیں جن میں باری تعالیٰ کے ذات وصفات کے انوار ہیں جنہیں صاحب نظر اولیا عرفان کے اندر تمثیلی صورت میں دیکھتے ہیں۔ پھر تمام ملائکہ عرش وغیرہ بنے جب عرش کی تکمیل ہو چکی تو سات آسمان بنے ان آسمانوں کی ترکیب اکثر قرآن کریم میں جا بجا ذکر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اپنے اللہ ہونے کی استدلال میں پیش کرتا ہے۔ اللہ قرآن میں بیان کرتا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان اول ایک ہی تھے پھر ہم نے انہیں منتشر کر دیا اور آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت دی (۱) اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۳۰)

(۲) وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ۔ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۲،۳،۵)۔

گویا ہر شے ملکوتی ایک نوری ماحول ہے اور اس میں کی تمام مخلوق نوری ہے۔ یہ تمام ماحول و مخلوق مجسم زندگی ہیں اور وسعت میں کسی مشرق ومغرب اور تہ و بالا کی قید میں نہیں ہیں۔ انکے لئے دورو

نزدیک کی قید نہیں۔اور ہر ماحول ایک اعلیٰ نور کی معلول کی ترتیب میں پیدا کئے گئے یعنی اول ذات باری پھر اسکی ایک جز سے صفات پھر صفات کی ایک جز سے عرش وغیرہ پھر اسی نور کے ایک جز سے وہ نور جس میں آسمان و زمین کا مواد موجود تھا پھر منتشر ہونے پر سات آسمان بنے اور ایک وہ حصہ جس میں تمام کواکب شمس وقمر وغیرہ کا مواد موجود تھا۔سائنس بھی اس بات کا تجربہ کر چکی ہے۔کہ زمین پیشتر ایک کرۂ نار تھی یہ ان آسمانی انوار کی آخری تنزلی کیفیت تھی جو نار کی شکل میں آئی یہ لازمۂ فطرت ہے کہ خاک اور نور کے درمیانی کیفیت نار کی سی ہوتی ہے چونکہ قدرت نے زمین کو اپنے تماشا کیلئے مخصوص کرنا تھا اسلئے باقی سورج اور چاند ستارے بن کر ایک حصہ زمین کیلئے وقف ہو گیا یہ حصہ کائنات کے ایک ایسے مقام پر واقع ہوا جہاں اسکا ٹھنڈا ہونا فطری طور ضروری تھا۔کیونکہ تنزلی کیفیت میں ہر ستارہ سورج چاند اپنی گرمی کم کرتا جاتا ہے۔چنانچہ قرآن بھی اسکی تصدیق کرتا ہے۔وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۱۲) اور بنائی ہمنے رات اور دن کی دو نشانیاں یعنی سورج اور چاند اور ہمنے چاند کی روشنی محو کر دی۔حضرت ابن عباس نے فرمایا چاند میں بھی سورج کے مانند روشنی تھی بعد میں چاند کی روشنی محو ہوئی اسی طرح ہر ستارہ اور سیارہ کی روشنی اور طاقت کم ہوتی جا رہی ہے۔اسی انداز سے زمین کی روشنی بھی کم ہوئی تھی۔

زمین ابتداً میں کرۂ نار تھی اور اس میں تنزلی کیفیت طاری ہوئی ہوا پیدا ہوئی ہوا اور گرمی نے پانی اسقدر پیدا کیا کہ زمین تمام پانی سے سیراب ہوئی۔اور مدتوں اس زمین پر پانی میں تلاطم رہا اس تلاطم سے زمین کے تمام جواہراتی مواد پانی میں مل گئے آخر ایک زمانہ گزرنے کے بعد پانی زمین میں جذب ہوتے ساری زمین سے خشک ہوتا گیا۔اور اسکا رخ زمین کے نشیبی حصہ کی طرف ہوا۔جیسے کسی جوہڑ میں جب پانی بھر جاتا ہے۔تو مدت کے بعد پانی خشک ہوتے ہوتے آخر اسکے گہرے حصے میں پانی آخر تک رہ جاتا ہے۔اور یہ پانی اور اسکے اردگرد ماحول سڑے ہوئے بودار پانی اور دلدل کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔یہی کیفیت زمین کی رہی جب پانی زمین میں جذب ہوا اسکے ساتھ وہ تمام ذرات بھی زمین میں سما گئے جو پانی میں موجود تھے یہی ذرات زمین سے کیڑوں مکوڑوں۔پودوں کی شکلوں میں نمودار ہوئے یہی کیڑے بڑھتے گئے اور ماحول کی تبدیلی میں اور زمانہ کی طوالت کے بعد جانور پرندوں

کی شکل اختیار کر گئے ۔ یہ سب چیزیں زمین پر کسی بیرونی فضا سے نہیں ٹپک پڑیں بلکہ اسی خوبصورت نظام سے زمین سے ہی پیدا ہوئیں۔ چنانچہ قرآن اسکی شہادت بھی اسی طرح پیش کرتا ہے۔ کہ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور ہم نے ہر چیز نباتات ۔ جمادات ۔ وحوش ۔ طیور کو پانی سے زندہ کیا۔ سوچنے کا مقام ہے ۔ کہ زمین اپنے ساتھ نورانی ماحول سے زندگی لائی پہلے آسمان وزمین ایک تھے ۔ ان میں نور تھا یعنی زندگی تھی ۔ جب علیحدہ ہوئے تب بھی اس میں حرکت رہی گویا اس میں زندگی رہی اسی زندگی سے زمین کی مخلوق بنی اسی طرح انسان نے بھی اسی تنظیم وترتیب کے ساتھ زمین میں ایک وجود حاصل کیا ورنہ اسکا وجود نوری ازل سے منتخب ہو چکا تھا۔ اگر ازل سے منتخب نہ ہوتا تو زمین پر اسکا وجود ناممکن ہو جاتا اور انسان نے اسی زمین کے نشیبی مقام میں اپنے وجود کی ابتدا کی جو دنیا کے وسط میں تھا اور جہاں پانی اس زمین کے تمام جواہراتی اجزاء کو دلدل اور مہین گارے کی صورت میں خمیر کے مانند جمع کر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ بھی انسان کی تخلیق کے متعلق قرآن کریم میں مختلف مقام پر مختلف صورتیں بتاتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ج (پارہ ۱۸ سورۃ النور آیت ۴۵) اللہ تعالیٰ نے ہر جانور پانی سے بنایا۔ اسکی ترتیب یہی ہے۔ کہ انکی پیدائش زمین سے ہوئی مگر انکا مواد اسی پانی میں تھا جو مدتوں زمین پر رہ کر زمین میں جذب ہوا گویا پانی ہی ہر جانور کی وجہ زندگی ہے۔ اور آدمی کی بھی اسی طرح پانی سے ہی ابتدا ہونی چاہیے اگر وہ بھی اسی تنظیم کے ساتھ پیدا ہوا تو اسکے لئے بھی قرآن نے بتایا کہ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ط وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۵ آیت ۵۴)۔ وہی اللہ ہے جس نے بشر کو پانی سے بنایا پھر نسب خاندان اور رشتہ داریاں انکے لئے بنائیں اللہ کیلئے بشر کو کسی ترکیب سے بنانا بھی مشکل نہیں بلکہ وہ ہر تخلیق پر قادر ہے۔ وہ جسطرح چاہے بنا سکتا ہے۔ لیکن اسکی تخلیق میں اسکے نظام کائنات میں ایک خوبصورت اور مسلسل ترتیب ہے ایسی صورت میں آدم کیلئے ایک مٹی کا گڈا بنا کر اس میں شف کر کے روح ڈال کر زندگی دینا ایک مبالغہ ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی اس حی وقیوم سے شروع ہوئی اور ہر نورانی ماحول میں جراثیم کی تمثیلی صورت میں زندگیاں فرشتوں ۔ ملائکوں اور دیگر انواع کے نام سے قائم ہیں ۔ ناری ماحول میں ناری جراثیم کی صورت میں ناری مخلوق ''جن'' ہیں اور اسی طرح اسی تنظیم سے خاکی ماحول میں بھی خاکی جراثیم سے خاکی مخلوق ہوئی

چاہیے جب زندگی کا سلسلہ ازل سے مسلسل چلا آتا رہا تو آدم کے لئے ایک نئی طرزِ زندگی اختیار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔قرآن تخلیق آدم میں مختلف ترکیبیں بتاتا ہے۔اگران ترکیبوں کو اکٹھا کیا جائے تو خود بخود آدم کی تخلیق کی ترکیب واضح ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن میں بتاتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ کُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّ مُسۡتَوۡدَعٌ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ ○ (پارہ ۷ سورۃ الانعام آیت ۹۸) وہی ہے جس نے تمہاری نشأ پیدائش اول کی ابتدأ ایک خورد بینی لطیف نورانی ذرہٗ واحد ایک واحد جان سے کی اور اس نفس واحد جاندار لطیف جراثیم کو لیس دار کیچڑ دلدل میں سڑے ہوئے بودار پانی میں ٹھہرا کر صورت آدم کی ابتدأ کی جیسے حضرت عیسیٰ کی کی کیونکہ باری تعالیٰ قرآن میں بتاتا ہے ۔کہ عیسیٰ کی پیدائش اور آدم کی پیدائش ایک ہی طریقہ پر کی گئی ہے آدم بھی بغیر باپ کے پیدا ہوا اور عیسیٰ بھی عیسیٰ کے متعلق باری تعالیٰ نے بتایا کہ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۷) پس بھیجا ہم نے حضرت مریم کی طرف اپنا نور (روح)۔پس اس نور (روح) نے حضرت مریم کے پیٹ (رحم مادر) میں ایک تندرست آدمی کی صورت پکڑ لی۔

فمستقر حضرت آدم کیلئے جائے قرار سللٰۃ من طین ۔طین الازب تھا۔اور حضرت عیسیٰ کے لئے بھی وہی مقام تھا۔صرف فرق یہ تھا۔کہ آدم زمین پر ہوا۔اور عیسیٰ رحم میں۔ان دونوں مقامات پر ایک ہی اندازے کا نشو ارتقائی مواد حاصل ہوتا ہے۔اور دونوں وجودوں میں ایک ہی قسم کا منتخب نور (یعنی نفس واحد نورانی جرثومہ) اپنی نئی صورت کیلئے زمینی مواد حاصل کر کے خاکی صورت اختیار کرلیتا ہے اور یہی نفس واحد فطری طور پر جوڑا بن جاتا ہے جس سے نسل کا سلسلہ چلتا ہے۔هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ ۔۔ وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وہی ہے جس نے ایک جرثومۂ نورانی سے تمکو بنایا پھر اسی سے اسکا جوڑا بنایا۔اور اس جوڑے سے کثیر لوگوں کو پھیلایا۔ سائنس اس امر کو عینی مشاہدہ میں لاچکی ہے کہ فضأ میں ایسے ذرّاتِ لطیف موجود ہیں جو ایک خلیہ کی صورت میں پائے جاتے ہیں یہی ذرۂ لطیف مادی مواد حاصل کر کے جوڑے کی صورت میں بن کر کیڑوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور پھر انہی جوڑوں سے سلسلہ تناسل شروع ہوتا ہے۔قرآن کریم نے انسان کے جوڑے کی اسی نفس واحد میں مفصلاً تشریح کر کے خاموشی اختیار کی کیونکہ اس ترکیب کے بعد

اب یہ ضرورت نہیں رہتی کہ انسان کا جوڑا کس طرح بنا۔اور انسان کے جوڑے کی تکمیل کے بعد کہہ دیا۔ یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ جتنی تفصیل حضرت آدم کی قرآن میں بتائی حضرت حوا کے لئے کوئی دیگر ترکیب کہیں بھی بتائی نہیں گئی کیونکہ حضرت آدم کے نفس واحد کے ساتھ حضرت حوا کا فطری طور پر وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کی تفسیر میں حضرت حوا کا موجود ہونا طے ہو چکا تھا۔البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حوا حضرت آدم کی پسلی سے نکلی ہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے نظام میں ترتیب وخوبصورتی کا تقاضا ہے۔یہ امر مبالغہ سے کم نہ ہوگا کہ حضرت آدم کی پسلی کی ایک ہڈی اسکے وجود سے کاٹ کر حضرت حوا کو بنایا گیا۔مگر قرآن نے ہڈی سے انسان کا بننا کہیں بھی نہیں بتایا۔ بلکہ فطری نظام کے ماتحت پسلی سے ہونا ایک تشبیہ ہے اور اس تشبیہ میں وہی ترتیب کارفرما ہے جو نفس واحد کے جوڑے زوجها کی تفسیر میں واضح ہوتی ہے۔ورنہ جہاں تک انسان کے وجود کا معائنہ کیا جائے انسان کی پسلیوں میں کسی پسلی کا کم ہونا ثابت نہیں۔اگر حوا پسلی سے نکلی ہوتی تو حضرت آدم کی نسبت سے یا ترتیب نسل سے بھی ہر انسان کا جوڑا پسلی سے ہی نکالا جاتا۔حالانکہ انسان بنی آدم کی پیدائش میں اس قسم کا واقعہ کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ اور اسی جوڑے سے تمام انسانوں کا وجود بننا شروع ہوا اور اسوقت سے انسانی زندگی کا تسلسل برابر چلا آتا ہے۔اور کوئی آدمی جب رحم مادر میں بنتا ہے زندہ ہوتا ہے ایک روح لے کر آتا ہے جسکی ابتدا حضرت آدم سے ہوئی ہے یعنی حضرت آدم کے نطفہ سے انکے لڑکے انکے لڑکوں سے انکے لڑکے اور یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح چلا جائے گا۔اور ہر والد سے اپنے لڑکے کی زندگی کی ابتدا ہوتی رہے گی گویا یہ نطفہ ایک ہی حضرت آدم کا ہے جو بدستور بڑھتا چلا جارہا ہے۔ایک دانہ سے ہزار دانے اور ان سے پھر بے شمار دانے یہاں تک کہ یہ تسلسل ختم نہ ہوگا گویا ایک دانہ ہی تمام اشجار اثمار کی وجہ زندگی ہے۔تو ایسی صورت میں انسان کا رحم مادر میں زندہ ہونا مبالغہ ہے۔کیونکہ اگر نطفہ ابتداً سے زندگی لے کر نہ آئے تو اسکی نشو ونما نہیں ہوسکتی ہے۔البتہ گوشت کے لوتھڑے جمے ہوئے خون سے نکل کر ایک خوبصورت شکل وجود حاصل کرنے پر اسے ایک روح عطا ہوتی ہے وہ اسکی زندگی کیلئے نہیں بلکہ اسکی شرافت خلافت اور عرفان کیلئے ودیعت کی جاتی ہے۔انسان کی موت پر ایک روح یعنی خون اور اسکی قوت ختم ہوتی ہے جس سے موت واقع ہوتی ہے۔گویا انسان کے وجود کا اعلیٰ جوہر خون اور خون کا جوہر مادۂ منویہ ہوتا ہے۔یہی خون ایک

روح ہے جو موت کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔اور دوسری روح کے نکلنے کا موت کے وقت کسی دعوے سے ثابت نہیں۔البتہ یہ روح بدستور وجود میں اسی طرح وابستہ رہتی ہے جسطرح اسکا تعلق انسان سے داخل ہونے کے وقت رہتا ہے۔یعنی اسکا عکس انسان کے ساتھ منسلک رہتا ہے آنکھ سے آنکھ کان سے کان منہ سے منہ ہر جز سے جز مگر یہ عکس کی صورت میں ہوتا ہے۔روح چونکہ وسیع نور ہے اسلئے ظاہر میں انسان سے متعلق اور باطن میں اپنے قوت وسعت کے ساتھ وسیع۔نوری شکل میں۔صرف انسان جب کسی نوری وجود کا ادراک کرتا ہے۔اسوقت وہ وجود انسان کی وسعت قلب اور وسعت نظر کے مطابق تمثیلی شکل میں دیکھتا ہے اور ہر روح اپنے عامل کے عمل کے اعتبار سے درجہ حاصل کر لیتی ہے۔لیکن یہ روح انسان کی موت کے بعد بھی انسان سے متعلق رہتی ہے۔انسان کے ظاہری تعقل مادہ تک محدود ہیں۔یعنی جب آنکھ دیکھے تب اس سے کسی شے کا علم ہوگا جب کان سنیں تب انسان کو علم ہوگا۔مگر اسکے مقابل روح ظاہر و باطن میں سن سکتی ہے۔کیونکہ اسکا وجود نوری ہوتا ہے۔اس طرح انسان جب مر جاتا ہے۔مادی ادراک کے ختم ہونے پر وہ نہ سن سکتا ہے۔نہ کہہ سکتا ہے۔لیکن اپنی روح کے منسلک رہنے سے مردہ نہیں بلکہ وہی روح جو انسان کے وجود میں حکمران ہوتی ہے۔اپنے رشتہ داروں کا گریہ و بکا سب سن لیتی ہے۔چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث سے ثابت ہے۔کہ مردہ قبر میں اپنے رشتہ داروں کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔یہاں تک کہ جب اسکے رشتہ دار قبر سے واپس جاتے ہیں تو مردہ اُنکے قدموں کی چاپ تک سن لیتا ہے۔اس سے ثابت ہے۔کہ یہ روح انسان میں ایک وقت معین پر جب کہ انسان کے قویٰ یعنی ہاتھ پاؤں۔دل دماغ آنکھ کان وغیرہ مکمل ہوتے ہیں داخل ہوتی اور موت کے بعد جب قبر میں نکیرین کا سوال ہوتا ہے۔تو یہی روح جواب دہ ہوتی ہے۔کیونکہ یہ روح انسان کا ہی ایک جزوِ اعلےٰ ہوتی ہے۔جب فرشتے پوچھتے ہیں کہ مَن دِینُکَ تو اسکا مطلب یہ ہے۔کہ یہ روح ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اسرار سے واقف ہوتی ہے اسلئے اسی سے سوال کرنے کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔تو روح کہتی ہے میرا طریق اسلام فرمانبرداری اور اسکا عرفان تھا۔مَن رَّبُکَ تیرا پروردگار کون ہے تو باطن کے مقام پر اپنے اللہ کے عرفان سے روح ہی واقف ہو کر یہ جواب دے سکتی ہے کہ اَللّٰهُ رَبِی۔

پھر سوال ہوتا ہے کہ اس شخص کو پہچانتی ہے؟ اگر مومن ہو تو کہتی ہے هٰذا محمد رّسول

اللّٰہ ۔ یہاں ایک ضروری امر کی تشریح کی ضرورت ہے ۔ کہ یہ سوال ہر شخص سے کیا جاتا ہے ۔ بھلا آجکل کے زمانے کے مردہ سے یہ سوال کیا جائے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چودہ سوسال دور ہے اور اپنی نماز روزہ کرتا رہا نہ کسی کو دکھ دیا نہ کسی سے برا کہا ۔ ایک اچھے مسلمان کی سی زندگی گزار کر مرا ۔ اسنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تو یہ کیسے کہہ سکتا ہے ھٰذا محمد رّسول اللّٰہ اسلئے ہر شخص سے سوال کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کی اپنی روح نور ہے اور نور وسیع ہوتا ہے ۔ دوسری طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور سے ہی تمام موجودات کی زندگی قائم ہے ۔ اسلئے ہر شخص کے ذمہ یہ بات ہے کہ ہر شخص کی روح اس امر سے واقف ہو کہ محمد الرّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے تمام کائنات ہے گویا ہر شخص کے ذمہ ہے کہ اسکی روح حضرت محمد رسول اللہ کے دیدار سے مشرف ہو چکی ہو ۔ اگر دیدار کا شرف حاصل نہ ہوا ہو ۔ پھر بھی اسے باطن میں اتنا مقام حاصل ہو جہاں نور محمدی کی حقیقت سے اسکی روح آشنا ہو سکے ۔ اس واقفیت کی کیفیت دو طرح کی ہوتی ہے ۔ ایک ہوش وحواس میں ۔ یا خواب میں انسان کی روح اپنے اعمال سے یا کسی مرد کامل کی راہنمائی میں جنکا ذکر قرآن میں بھی ہے ۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ اے اللہ مجھے سیدھے راستہ پر پہنچا ۔ سیدھا راستہ کونسا ۔ وہی راستہ ان لوگوں کا راستہ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ جن کو تو نے اپنی ظاہری باطنی نعمتیں عطا کیں یعنی اپنا عرفان عطا کیا ۔ یہی لوگ صالح مرد کامل ہوتے ہیں جو عرفان الٰہی اور اسکے راستوں سے واقف ہوتے ہیں انکے مشاہدے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مقدس ہوتا ہے ۔ یہی واقفیت کراتے ہیں یہ ایک طریقہ واقفیت کا ہے ۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عمومی حیثیت سے مختصر فرائض نماز روزہ حلال کھانا سچ بولنا وغیرہ کی انجام دہی سے انسان کی روح پاک رہتی ہے ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کا بھی مشاہدہ ہوتا ہے البتہ فرق یہ ہوتا ہے ۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کا ادنیٰ جز دیکھتی ہے مگر بوجہ تزکیہ نہ ہونے کے انسان کا دل ودماغ ان حالات سے واقف نہیں ہو سکتا ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص کیلئے شان محمدی کا اظہار ۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد کرنی لازمی ہے ۔ اس لئے ہی سوال کیا جاتا ہے ۔ کہ تو نے اپنی ذمہ داری اور مقصد زندگی پورا کر کے اس شخص کو پہچانا ۔ اگر مومن ہو گا تو کہے گا ہاں ۔ اور اگر مرد کامل ہو گا تو اسکے متعلق کہا نہیں جا سکتا کہ موت کے بعد اس کی کیفیت اسکا برزخ کیا ہو گا ۔ اسکے متعلق ایک فقیر ایک فقیر کو ہی بتا سکتا ہے ۔ اور

ہم اس چیز سے بے خبر ہیں وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔نہیں دیا گیا تم کو اسکا علم مگر تھوڑا۔

اسکے بعد یہ روح ہی ہے جو باطن کے تمام آرام وعذاب سے متاثر ہوتی ہے۔اور جب سوال جواب ختم ہوتا ہے۔تو پھر اسکا مقام اسکے عامل کے عمل کے مطابق ہی برزخ میں رہتا ہے۔پھر انسان کے جسم سے علیٰحدہ ہونا۔یا مردے کا زندہ ہوکر جواب دینا اسکے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔موت کے بعد یعنی ظاہری زندگی کے بعد باطنی زندگی شروع ہوتی ہے ظاہری زندگی میں قید ہے۔باطنی زندگی میں کوئی قید نہیں اسلئے موت کے بعد روح کیلئے مقام برزخ کو کسی خاص جگہ یعنی قبر کے بیچ یا آسمان کے بیچ میں معین کرنا بے معنی ہے۔اس کے لئے صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے۔کہ انسان کی موت پر اسکی ابتدائی زندگی جس سے اسکے وجود کی صورت خاکی پیدا ہوئی نکل جاتی ہے۔یا ختم ہو جاتی ہے اور دوسری موت کے بعد قبر میں داخل ہونے کے بعد ہی کسی وقت علیٰحدہ ہوتی ہے۔اور یہ کیفیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث سے ہی ثابت ہے۔اسکے بعد اہل علم صاحب کمال لوگوں کے مشاہدہ سے اسکا علم ہوتا ہے۔مگر وہ علم صاحب حال ولی تک ہی محدود رہتا ہے۔

الغرض انسانی تخلیق میں روح کا تعلق اسی صورت میں ثابت ہے۔یہ چیز پیدائش انسانی کی ترکیب پر ٹھنڈے دل سے غور و تفکر کرنے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر بتایا۔دوسری ترکیب وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۷) انسان کے وجود مادی کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے ہوئی پھر دوسری جگہ ہے۔من صلصالٍ کالفخار ۔ من مارجٍ من نار ۔انسان کو کہیں ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے بنایا۔کہیں لیس دار کیچڑ سے بنایا۔کہیں بدبودار پانی سے بنایا۔یہ متضاد ترکیبیں بیک وقت نہیں ہوسکتیں البتہ زمین کی تخلیق کی مختلف صورتیں ہیں۔جب زمین کرۂ نار کی صورت میں تھی تو یہ بجتی ہوئی مٹی کی طرح تھی یہی مٹی پانی کی کثرت سے لیس دار کیچڑ دلدل کی صورت میں آئی۔اور اسی نشیبی مقام پر لیس دار کیچڑ میں وہ پانی اپنی تمام جواہراتی اجزا میں قائم ہوا جہاں ۔فمستقرٌ و مستودعٌ کا مقام تھا۔اسی دلدل میں وہ منتخب لطیف ذرہ جو تمام جواہرات سے اعلیٰ و افضل زندگی تھی۔اپنی نشونما کرتی تھی پھر ومستودع کے ماتحت ہر دور میں ہیئتیں تبدیل کرتا گیا مثال کے طور پر اگر ہم ہاتھی یا کسی جسیم جانور یا کسی جسیم درخت کا تصور کریں تو یہ اشیاء بھی پے در پے ہیئتیں بدل

کراس عظیم ہیئت پر آ گئیں اسی طرح حضرت آدم بھی ایک لطیف جرثومہ سے جب ارتقا کی طرف آئے تو لازمی ہے کہ انکا وجود ایک طرف انسانی عظمت لے کر آیا تھا دوسری طرف نشو ارتقا کیلئے مکمل آدمی کی صورت پر آنے کیلئے مرغ جتنا۔ چار پائے جتنا یا اس سے بڑی ہیئت میں آنے کیلئے مختلف ہیئتوں میں آتا رہا یہاں تک کہ آدم کی صورت و قامت پر پہنچا۔ اور ہر ہیئت پر ایک علیحدہ ماحول میں رہا دلدل سے نکل کر جب چلنے کیلئے اعضا مکمل ہو گئے تو اس ماحول سے نکل کر دوسرے ماحول میں آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ انسان کے لئے لباس یا گرمی سردی کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا تو تمام سامان اسکے وجود سے ہی پیدا ہونا تھا۔ جہاں سرد اور مضر ماحول تھا وہاں اسکی پوشش کیلئے اسکے وجود پر بالوں کا ہونا ضروری تھا اور جب آدم اپنے ارتقائی مقام پر پہنچا تو بالوں کی بھی ضرورت نہیں رہی اسی مقام کیلئے اللہ تعالیٰ کا یہ بیان تصدیق کرتا ہے۔ وصور کم پھر ہم نے اِسے خوبصورت اعضے میں تشکیل دیا پھر اسکے بعد وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ پھر آدم اسوقت تک حیوان ناطق نہ تھا۔ مگر اسکے ذمہ خصوصی طور پر عرفان اور عرفان میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کا اظہار کر کے نور محمدی کی پہچان کرنی ضروری تھی اسلئے اسے وہ قوت نورانی عطا کی گئی جس سے وہ ماوراء ادراک نورانی ماحول کا ادراک کر سکتا اسی فعل وحمد کیلئے اسے روح عطا کی گئی۔ جسکا تعلق عرفان سے تھا نہ کہ یہ روح اسے زندہ کرنے والی تھی گویا انسان ایک منظم نظام ترتیب کے ساتھ ازل سے زندگی لے کر آیا اور اسکی تکمیل آدمیت پر اسے باعتبار اسکی ذمہ داری کے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اس میں وہ روح ودیعت کی گئی جس سے انسان کو اشرف المخلوقات یعنی تمام جن ملائک اور مادی مخلوق غرض تمام کائنات پر شرف حاصل ہوا۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

انسان کائنات کا مرکز

انسان کا ایک تصور مادی ہے۔ جسے بشر کہا گیا۔ دوسرا تصور نوری (روحانی) جسے خلیفہ کہا گیا ــــ بشری تصور میں انسان سفلی (خاکی) زمین کی جوہری خاصیات کا حامل ہے ــــ جو ادنیٰ حیثیت ہے۔ خلیفہ کے تصور میں انسان تمام کائنات کے جوہر کا مرکب ہے (فَهُوَ اَعْلٰى مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ) ــــ یہ جوہر اسکا حقیقی مرکب ہے۔ انہیں دو جواہرات کے مرکب کا نام انسان ہے۔ جسے خلیفہ فی الارض کہا گیا ــــ اس میں شک نہیں کہ قرآن نے انسانی تخلیق کے متعلق ایک بیان میں بتایا۔ کہ کائنات کی تخلیق کے مقابلہ میں انسانی تخلیق آسان ہے۔ یہ اشارہ اسکی بشری تخلیق کی طرف ہے ــــ لیکن خلیفہ کی حیثیت میں وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۰) کی خصوصیت میں حقیقی انسان کائنات میں سب سے اعلیٰ مقام رکھتا ہے ــــ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ــــ تخلیقی نظام میں بشر موت وفنا میں پابند ہے۔ لیکن حقیقتاً خلیفہ کی حیثیت میں وہ دائمی زندگی کا حامل ہے۔ جس میں عدم نہیں۔ بلکہ اسے ازلی ابدی زندگی حاصل ہے۔ جوہری اعتبار سے موت کے بعد بھی اسکا وجود باقی رہتا ہے۔ کائنات اگر تمام معدوم ہو جائے۔ اسکے بعد بھی انسان بحیثیت خلیفہ باقی رہتا ہے ــــ قرآن نے اس کیفیت کو بل احیاءٌ کے تصور میں پیش کیا ــــ دوسرا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے تصور میں پیش کیا کہ انسان کائنات کا وجود ختم ہونے کے بعد بھی باقی رہے گا ــــ اور حقیقت تو یہ ہے۔ کہ قرآن نے کائنات کی تخلیق میں صرف انسان کی تخلیق کو ہی اصل مقصد قرار دیا ــــ کہ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ــــ جیسے درخت کی تخلیق میں پھل اسکا مقصد ہے۔ سو پھل کے مقابلہ میں درخت کی حقیقت کچھ نہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انسانی تخلیق میں ایک تخلیق وہ ذاتِ اقدس ہے۔ جنکے لئے کہا گیا کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔؟ یہ ذاتِ اقدس انسان اکمل ہے۔ اس ذات اقدس نے انسان کو ہی کائنات کا مرکز بنا دیا ــــ

وجود مرکز پر کارِ عالم کے شدے ثابت

احد خود قاب قوسین ار نبودے میم احمد را

____ یورپین مفکرین کا فلسفہ وتصور مادی حدود میں مقید ہے ____ یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ انکی رسائی صرف زمین کی حدوں تک محصور ہے ____ اور بحثیت خلیفہ انسان سلٰلۃ من طین سے ماسوئ بھی کائنات کا مرکز ہوسکتا ہے ____ کیونکہ یہ کائنات بھی انسانی قبضہ واقتدار میں آسکتی ہیں ____ اور اسکی اصل بقولِ اقبال۔ تو شاہیں ____ تو ملکوتی ہے.......____

چھوتی نہیں مجھے پرِ جبرئیل کی ہوا　　یہ کن بلندیوں پہ اڑا جارہا ہوں میں

محققین یورپ پھر بھی انسانی تخلیق سے بے خبر ہے۔ کیونکہ وہ ابھی تک مادی حدوں کو عبور نہ کرسکے۔ وہ ابھی تک قرآنی روحانیت کے تصورات تک نہیں پہنچ سکے۔ جہاں فلسفہ کی انتہا ہے۔ اسکے بعد ہی دین اسلام (قرآن) کی روحانیت کی ابتدا ہوتی ہے۔ پھر بھی انکی تحقیق انسان کو ہی مرکزِ کائنات سمجھنے میں غالباً صحیح ہو سکتے ہیں ____ ایسی صورت میں کیا یہ تصور حقیقی نہیں۔ کہ وجہ تخلیق کائنات صرف انسان کی ہی ذات ہے ____ جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک بین ثبوت پیش کیا۔ کہ وہ وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کہ ارادہ ازلی کا ابتدائی تصور کائنات بنانے کا نہیں۔ بلکہ انسان بنانے کا ہے ____ اور جب کائنات معدوم ہوجائے۔ تو یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ ج (پارہ ۳۰ سورۃ ۸۴ آیت ۶) ____ کہ کائنات کے بعد جو شے باقی رہنے والی ہے وہ انسان ہے ____ انسان نہ رہے تو کائنات کی تخلیق بے مقصد۔ اور کائنات نہ رہے تو انسان کا وجود اپنی بقا کیلئے کائنات کے وجود کا محتاج نہیں ____

انسانی مقصدِ زندگی

یہ ایک فطری اصول ہے۔کہ کسی ماورائے عقل علم کو سمجھنے کیلئے اور تسلیم کرنے کیلئے۔انسان کے پاس دو ذریعہ مقرر ہیں ـــــ ایک جسمانی۔دوسرا روحانی۔جسمانی ذریعہ۔حواس و عقل کے ذریعہ احاطہ میں لایا جاسکتا ہے۔جو انسانی عقلی تحقیق میں آتے ہیں۔اور انہیں عینی مشاہدہ (آنکھ و عقل) کے ساتھ سمجھا جاتا ہے اور یہی ذریعہ کیفیات کے علم کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

دوسرا روحانی ـــــ مادی کیفیات سے ماسوئی روحانی کیفیات بھی موجود ہیں۔جو اگرچہ حواس و عقل کے احاطہ میں نہیں آتیں۔یہ کیفیات غیر محسوس ہیں۔لیکن انکا وجود مسلم ہے۔ان کیفیات کے ادراک کیلئے قلب و شعور کو استعمال کیا جاتا ہے۔

انسانی پیدائش پر تجزیہ کیا جائے۔تو معلوم ہوگا۔کہ انسان تین کیفیتوں سے مرکب ہے۔ ایک جسمِ خاکی ـــــ دوسرا روحِ ناری۔تیسرا روح نوری ـــــ اسی طرح کائنات بھی تین کیفیتوں سے مرکب ہے ـــــ ایک عالمِ خاکی (دنیا) زمین اور زمین کی تمام مخلوق۔دوسرا عالمِ ناری۔فضائے آسمانی کے تمام سیارے جو حواس کے احاطہ میں آتے ہیں اور کچھ حواس کے احاطہ میں نہیں آتے۔اور وہ لطیف ذرات ناری جو گیس کی شکل میں غیر محسوس ہیئت میں پائے جاتے ہیں۔اور تیسرا عالمِ نوری۔جس میں ناری سیاروں سے ماورا ناری قوتوں سے انتہائی قوی قوتیں پائی جاتی ہیں۔جنکی ہیئت نوری کہلاتی ہے ـــــ یہ کیفیتیں ماورائے ادراک ہیئتیں انسانی حواس و عقل کے احاطہ میں نہیں آسکتیں۔جن میں آسمان اور آسمانوں سے ماورئ عالمِ نوری شامل ہے ـــــ

اسلئے۔عالم خاکی کی کیفیات کا ادراک انسانی حواس و عقل سے کیا جاتا ہے۔قوت ناری کا ادراک۔انسانی قوت ناری (روح ناری) سے کیا جاتا ہے اور قوت نوری کا ادراک انسانی قوتِ نوری سے کیا جاتا ہے۔

قوتِ نوری ۔یا عالمِ نوری ۔ایسی ہیئتیں ہیں ۔جنہیں ماورائے ادراک کہا جاتا ہے ــــــ
چونکہ یہ عالم انسانی ادراک سے باہر ہے ۔انکے اقرار و تسلیم کیلئے ایک الٰہی اصول مقرر ہے ۔جسکے ذریعہ بغیر عینی مشاہدہ کے انکا تسلیم ضروری ہے ــــ ایسی کیفیتوں کا علم تب تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ انسانی قلب و شعور کو استعمال نہ کیا جائے ــــ بغیر مشاہدہ ایسی کیفیات کے تسلیم و اقرار کا واحد ذریعہ علمِ الٰہی یا کتاب الٰہی ہی ہوسکتا ہے ۔جس میں ان تمام نوری کیفیات کی ہیئتوں کی نشاندہی اور انکے علم کا ایک مستقل ذریعہ مہیا کیا جاتا ہے ــــ اسلئے ضروری ہے ۔کہ ان ماورائے ادراک کیفیات کے علم کیلئے کتابِ الٰہی سے رجوع کیا جائے ــــ ۔

کتاب الٰہی سے مراد ۔وہ صحیفے جو مختلف زمانوں میں منتخب رسولوں ۔نبیوں کے ذریعہ پیش کئے گئے ۔ان صحیفوں میں کائنات سے متعلق تمام نوری کیفیات کے وجودی تصورات ۔اور انکے تسلیم کیلئے اصول و ذرائع مکمل طور پیش کرنے والی الٰہی کتاب قرآن ہے ۔چنانچہ قرآن کی طرف رجوع کرنے کیلئے بھی ایک اصول مرتب کیا گیا ہے ۔وہ یہ کہ ۔

آلمّٓ ج ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ج فِیْہِ ج ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ O یہ وہ کتاب ہے ۔جو اس میں شک نہیں پہنچانے والی ہے ۔راہنمائی کرنے والی ہے ۔ایک حقیقی مقصد کی طرف ــــ جو ڈرنے والے ہوں ۔اور بغیر دیکھے ایک ماورائے ادراک عالم کا یقین رکھتے ہوں ۔

قرآن کی اس آیت میں حصولِ علم سے قبل ۔انسانی مقصدِ زندگی کا تعین کیا گیا ہے ۔کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے ۔اور اس مقصد کے لئے اس نے کیا راہ اختیار کرنی ہے ــــ اور حصولِ مقصد میں اسے کس شے کا علم حاصل کرنا ہے ــــ اسلئے ضروری ہے کہ پہلے مقصدِ زندگی کا تعین کیا جائے ۔

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔ــ سے مراد ۔یہ کتاب راہ دکھاتی ہے ۔ڈرنے والوں کو ۔ڈرنے والوں سے مراد یہ ہے ۔کہ ۔انسان اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا ۔بلکہ ایک تخلیقی تنظیم کے تحت پیدا ہوتا ہے ۔اس اعتبار سے دو کیفیتیں سامنے آتیں ہیں ۔اول یہ کہ وہ خود بخود پیدا ہوتا ہے ۔ایک مقررہ وقت تک زندہ رہتا ہے ۔اور مر کر فنا ہو جاتا ہے ۔اس دور میں اسکا عمل اپنی زندگی کی بقا کیلئے سامانِ زندگی فراہم کرنا ۔اس صورت میں کہ انسان غذا حاصل کرکے اپنی زندگی کو قائم رکھے ۔ایسی صورت میں چاہیے تو یہ تھا ۔کہ

انسان خوراک سے اپنی زندگی کو قائم رکھنے پر ہمیشہ قادر رہتا۔ لیکن انسان اپنی زندگی کی بقا کو قائم رکھنے پر قادر نہیں بلکہ ایک وقت موت کا شکار ہو جاتا ہے ـــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنی پیدائش میں خود نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ نہ موت پر اختیار رکھتا ہے۔ بلکہ کسی غالب قوت کے ارادہ سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی غالب قوت کی مرضی پر اسے موت آ جاتی ہے ـــــ یہ غالب قوت کائنات کی خالق اللہ ہے۔ جس کی مرضی و ارادہ کے ساتھ کائنات اور انسان کی پیدائش ہوئی۔ لہٰذا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش کو ایک مقصد کے تحت لازم کیا ـــــ وہ یہ کہ انسان پیدا ہوگا۔ اور ایک وقت تک زمین پر رہے گا اسکے بعد اس پر موت واقع ہوگی۔ زندگی اور موت کے درمیان اسکے لئے خیر و شر کا ایک عمل مقرر کیا گیا اور اس خیر و شر کے عمل کے دو پہلو ہیں۔ ایک مادی پہلو۔ دوسرا روحانی پہلو ـــــ

مادی پہلو یہ ہے۔ کہ انسان عمل سے اپنی زندگی کی بقا کو قائم رکھ سکتا ہے۔ خیر کا پہلو یہ ہے۔ بہتر عمل سے بہتر زندگی حاصل کریگا جس میں راحت ہوگی ـــــ شر کا پہلو یہ ہے۔ کہ برے اعمال سے بری زندگی حاصل کریگا۔ جس میں عذاب اور تکلیف ہوگی۔

انسانی عمل کا دوسرا پہلو روحانی ہے۔ کہ انسان اپنی زندگی میں بہتر عمل سے موت کے بعد کی زندگی میں۔ راحت پائیگا۔ اور برے اعمال سے موت کے بعد شدید عذاب سے دوچار ہوگا۔

انسانی زندگی میں اسی موت کے بعد آخرت کی زندگی کو اہمیت دی گئی۔ کہ انسان آئندہ آنے والی آخرت کی زندگی میں بہتر عمل سے راحت حاصل کرے۔ بجز اسکے انسان اپنی بد اعمالی کی وجہ سے آخرت کی زندگی میں عذاب و خسران کا شکار ہو جائے گا۔ اسی تصور پر قرآن انسانی خیر و شر کے عمل میں عذاب آخرت کے خوف سے نجات پانے کیلئے ایک ضابطہ پیش کرتا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ اس کتاب میں عملِ خیر کے طریق۔ اور عذاب آخرت سے نجات کا ضابطہ پیش کیا گیا۔ جسکے لئے ایک شرط یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کے لئے۔ جو عذاب آخرت سے خوفزدہ ہوں۔ اور عالم غیب پر بغیر دیکھے یقین رکھتے ہوں۔

للمتقین: سے مراد عذابِ آخرت سے ڈرنے والے۔ کہ انسانی پیدائش کا مقصد یہی ہے۔

کہ انسان پیدا ہو کر ایک فطری اخلاقی ضابطہ کے تحت آرام دہ صحت مند زندگی گزارے۔اس آرام دہ زندگی کا انحصار نیک اعمال پر ہے۔

دوسرے۔زندگی کے دور میں ایسے اعمال سرزد ہوں۔جن سے آخرت کی زندگی بھی آرام دہ ہو۔کیونکہ آخرت کی زندگی کا دارومدار۔دنیا کی زندگی میں بہتر عمل پر ہی ہے۔اسکے ساتھ ہی یہ احساس کرنا بھی ضروری ہے۔کہ بداعمالی میں آخرت کی زندگی میں شدید عذاب لازم ہوگا۔اسلئے۔آخرت کی زندگی میں شدید عذاب کا خوف دل میں رکھنا ضروری ہے۔اسی خوف کے زیر اثر بہتر عمل کرنا تقویٰ سے تعبیر ہے۔لہٰذا انسانی ذہن میں ان دو کیفیتوں کا قائم ہونا لازمی ہے۔

ایک عذابِ آخرت کا خوف۔دوسرا۔خوف کے زیر اثر بداعمال سے پرہیز اور نیک اعمال کا سرزد ہونا۔نیک اعمال کے نتائج میں راحت پانا۔قرآنی اصطلاح میں۔جنت کے تصور میں پیش کیا گیا۔جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ط۔وَهُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۞ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۲۵) یعنی دنیوی زندگی میں نیک اعمال کا نتیجہ۔باغوں میں شیریں پانی اور دودھ کی نہروں۔اور پاکیزہ عورتوں اور لذتوں کی شکل میں میسر ہوگا۔جس میں دائمی راحت وسرور حاصل ہوگا۔اور بداعمال کے نتیجہ میں عذاب پانا۔قرآنی اصطلاح میں جہنم کے تصور میں دکھایا گیا۔کہ وہ دہکتی آگ۔پیپ۔سانپ ڈسنے والے اور دردناک تکلیف کی شکل میں ظاہر ہوگا۔سو انسان کیلئے لازم ہے۔کہ جہنم کے خوف سے متاثر ہو کر نیک اعمال کو اپنایا جائے۔اسکے علاوہ لـلـمتقین میں ایک خصوصی تصور بھی شامل ہے۔جسکا تصور ھـدًی میں پایا جاتا ہے۔ھـدًی کے معنی طالب کو اسکے مطلوب تک پہنچانے کا ایک خصوصی ذریعہ (عمل) اس مقام پر انسانی مقصد کو جنت تک محدود نہیں رکھا گیا۔بلکہ اس میں وسعت پائی جاتی ہے۔کہ اسکے علاوہ ایک مقصدِ خاص انسانی مقصد میں شامل ہے۔

اس مقصد کو سمجھنے کیلئے۔کائنات اور انسان کی پیدائش پر غور وفکر کرنا ضروری ہے۔کہ کائنات کیسے بنی۔کیوں بنی۔اور کائنات میں انسان کو کیوں مخلوق میں افضل مقام حاصل ہے۔اسکے لئے کائنات کی پیدائش کا تجزیہ ضروری ہے۔

اصولِ طب کے تحت۔کائنات تین قوتوں سے مرکب ہے۔جو قوتیں انسانی۔غور وفکر اور

تحقیق میں آتی ہیں۔

اول۔خاک۔ جوانسان کے قریب واقع عینی مشاہدہ میں آتی ہے۔جس میں زمین اورزمین کی مخلوق پائی جاتی ہے ــــ

دوم نار۔جو زمین سے قریب فضائے آسمانی میں واقع سیارے۔اور زمین کے جواہراتی اجزأمیں گیس کی شکل میں موجودغیرمحسوس حالت میں واقع ہیں۔

سوم۔نور ــــ فضائے آسمانی ــــ اور فضائے ناری سے ماورائی کیفیتیں۔لامحدود حدتک طویل اوردور ہیئتیں پائی جاتی ہیں۔

خاک کی تعریف: زمین اورزمین کی وہ اشیأ جوٹھوس مادی ہیئت میں محسوس ہوتی ہیں ــــ اسکے ساتھ ہی زمین کی جوہری قوتیں۔ جوگیس کی شکل میں پائی جاتی ہیں۔اورکسی حدتک ظاہرحالت میں محسوس نہیں کی جاتیں۔

نارکی تعریف: فضائے آسمانی میں ناری سیارے۔ جومحسوس ہوتے ہیں لیکن انکی ہیئتیں یکسر ناری ہیں۔ناری ہیئت میں۔وہ گیس۔جس میں شدت کی تپش اورروشنی پائی جاتی ہے۔اوروسعت کے لحاظ سے ان میں حجم بھی پایا جاتا ہے ــــ اسکے علاوہ مثل زمین اس ناری فضامیں ایسی ہیئتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جومثل زمین کی جوہری غیرمحسوس قوتوں کے۔یکسرگیس کی شکل میں واقع ہیں۔اوردیکھنے میں نہیں آتیں۔

نورکی تعریف: ناری کروں (سیاروں) سے ماورائی۔ جوطویل مسافت کے باعث ادراک میں نہیں آتیں۔اس مقام پرواقع ہیں جہاں ناری ماحول میں شدید تپش اورقوی روشنی پیداہوتی ہے۔اسی تپش اورروشنی کی قوت کے اعتبار سے یہ ہیئت یکسرغیرمحسوس ہے۔ماوراادراک تصورہوتی ہیں ــــ

ان تینوں قوتوں کی تخلیقی ترکیب کا تجزیہ دوطرح سے ہوسکتا ہے۔ایک زمین کی قریبی اشیأ پر تحقیق کے ذریعہ ــــ دوسرے۔ان تینوں قوتوں کے بنیادی وجود کے تصور پر تحقیق وفکر کے ذریعہ۔ زمین کی قریبی اشیأ پر تحقیق میں زمین کی ترکیب پیدائش پر تحقیق کی جائے ــــ تو یہ امرثابت ہے۔کہ ابتدأ میں زمین کا وجودموجودنہ تھا ــــ اسکے مقابل فضائے آسمانی میں ناری سیاروں میں سورج کا وجودموجودتھا

___ اسی سورج کی ایک جز زمین ہے۔ جسکا وجود سورج سے علیحدہ ہوا ___ سورج ناری ہیئت ہے۔ اسلئے ابتدا میں زمین بھی جزوی حیثیت میں ناری ہیئت میں تھی۔ اور ہزاروں سال کے مسلسل عمل میں۔ زمین سے۔ گیس ___ ہوا۔ پانی خارج ہوکر زمین کی تپش اور روشنی کم ہوکر ٹھوس مادی ہیئت اختیار کرگئی۔ اس سے ظاہر ہوا۔ کہ زمین کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں۔ بلکہ یہ ناری ہیئت کی منقسم (Analysed) ہیئت ہے۔ جسکا بنیادی وجود ناری وجود ہی ہے ___ اس عمل سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ٹھوس مادی اشیائ اپنے ابتدائی وجود میں ناری ہیئت ہوتا ہے۔ یا ٹھوس مادی اشیائ اپنے بنیادی وجود کی طرف منتقل ہو تو انکی ہیئت ناری ہو جاتی ہے۔ ناری وجودوں میں فضائے آسمانی کے ماحول میں واقع تمام سیارے ایک ناری فضا ___ اور ناری ہیئت رکھتے ہیں۔ انکا بھی کوئی اپنا مستقل وجود نہیں ___ یہ ثابت ہے۔ کہ نار ___ خاک سے۔ روشنی اور تپش میں قوی قوت اختیار کرتی ہے ___ اسلئے لازم ہے۔ کہ نار کا بنیادی وجود ایک قوت ہے ___ جو نار سے قوی ہوگی۔ اسی قوی قوت کی منقسم (Analysed) ہیئت نار سے مشابہ ہے۔ لہٰذا۔ نار کا بنیادی وجود قوت کے اعتبار سے نار سے قوی ہیئت ہونا یقینی ہے۔ اسی قوت کو نور سے تعبیر دیا جاتا ہے ___ نوری اعتبار سے۔ نور ایک مستقل وجود کہلایا جاتا ہے۔ اسلئے نور کیلئے کوئی بنیادی وجود نہیں ہوسکتا ___ سوائے اسکے۔ نور بذات خود اپنی ابتدا کی طرف تپش اور روشنی میں قوی سے قوی تر ہوتا جائے ___

اس ترکیب سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ خاک سے لے کر نور تک کیفیتیں سلسلہ وار ہیئتیں بدل کر نور سے نار ___ اور نار سے خاک میں تبدیل ہوتی ہیں ___ دوسرے یہ کہ خاک و نار مستقل وجود نہیں بلکہ یہ کیفیتیں نور ہی کی تقسیم شدہ ہیئتیں ہیں ___ تیسرے۔ ان تینوں ہیئتوں میں ایک پیدائشی ترکیب پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ خاک میں۔ حجم۔ (وسعت) تپش۔ اور روشنی پائی جاتی ہے۔ لیکن خاکی ہیئت میں آنے کی وجہ سے تپش اور روشنی زمینی اجزائ میں تقسیم ہوکر اپنی ہیئت کھو بیٹھی۔ ناری ہیئت چونکہ قوی ہے۔ اسلئے انکی تپش اور روشنی اور حجم ابھی موجود ہے ___ اسی طرح نور میں بھی۔ جبکہ یہ ہیئت نار و خاک کا بنیادی وجود ہے۔ اس میں تپش۔ روشنی اور حجم (وسعت) قائم ہے۔ اور جوں۔ جوں ابتدائ (بنیادی وجود Subject) کی طرف تصور کیا جائے۔ اس نار میں۔ تپش۔ روشنی اور وسعت میں لا انتہا تپش۔ روشنی۔ اور وسعت پائی جائیگی ___ اور یہ سلسلہ۔ مراحل در مراحل ابتدائ کی طرف جاتے ہوئے۔ ہر

مرحلہ میں قوی تپش۔قوی روشنی۔اور وسیع وسعت کا حامل ہوگا۔یہاں تک کہ یہ سلسلہ ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔جہاں۔نور کی ہیئت میں نا قابل فہم۔لامحدود تپش۔لامحدود روشنی۔اور لامحدود وسعت اسقدر ہوگی۔جسکی حد کو انسانی فہم احاطہ نہیں کرسکے گی یہی وہ مقام ہے۔جہاں ایک نور لامحدود ہیئت میں تصور کیا جاتا ہے کہ اسکی حد کا تصور قائم نہیں ہوسکتا۔اسی نور کو۔ہر نوری مرحلہ۔ہر ناری ہیئت۔ہر خاکی ہیئت کا بنیادی وجود قرار دیا جاتا ہے۔اسکے بعد سوائے نور کے اور کوئی تصور قائم نہیں ہوسکتا ــــــ

اشیائے زمینی پر تجزیہ کرنے سے یہ ثابت ہے۔کہ زمین کی ہر شے زمین کے وجود سے نکلتی ہے ــــ اور ہر شے کا وجود اسوقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس جز کا وجود زمین میں موجود نہ ہو ــــ مثلاً درخت اور پھل۔درخت اور پھل کا وجود اس وقت تک ممکن نہیں۔جب تک کہ درخت اور پھل کا وجود زمین میں موجود نہ ہو۔اصولِ طب کے تحت۔درخت کا وجود زمین کے ذرات میں ایک ذرہ ہے۔جو پودے کی شکل اختیار کر کے درخت بن جاتا ہے۔درخت۔میں پودا۔تنا۔شاخیں۔پتے۔پھول اور میوہ پیدا ہوتا ہے۔درخت خود ایک زمینی ذرہ ہے۔جو بیج کی شکل اختیار کرتا ہے۔لہٰذا۔بیج میں پودے۔تنے۔شاخوں۔پتوں۔پھول اور میوے کا وجود ہونا لازمی ہے۔اگر یہ ہیئتیں بیج میں موجود نہ ہوں۔تو پھر درخت میں اسکا وجود ظاہر نہیں ہوسکتا۔اگر بیج میں پتے کا مادہ نہ ہوتو درخت میں پتا بن نہیں سکتا۔اگر بیج میں پھول کا مادہ نہ ہوتو پھول بن نہیں سکتا ــــ گویا جو شے بیج میں ہوگی درخت میں اسی شے کا ظہور ہو سکے گا ــــ اسی طرح انسان بھی۔زمین سے پیدا ہوتا ہے۔انسان کی شکل وصورت۔اعضے۔کان۔ناک۔آنکھ۔دماغ۔اعضئے رئیسہ یہ سب ہیئتیں زمین سے نکلیں۔انسان بھی زمین کے ایک ذرہ سے بنا ــــ جس میں آنکھ۔کان۔ناک۔دماغ۔اعضئ کی شکلیں پائی جاتی ہیں۔لہٰذا۔انسانی (زمینی) ذرہ میں جو شکل وصورت ہوگی۔اسی شکل وصورت پر انسان ظاہر ہوتا ہے ــــ انسان میں دیکھنے کی قوت۔سننے کی قوت۔فہم کی قوت۔ارادہ کی قوت۔عمل کی قوت۔یہ سب زمین کی بنیادی قوت ــــ اور زمین کی جز ہے ــــ ایسی صورت میں زمین کیلئے وہ تمام صفات پایا جانا لازمی ہیں کل کی صورت میں ــــ جو انسان میں صفات پائی جاتی ہیں۔کہ زمین میں بھی۔دیکھنے۔سننے۔فہم وارادہ واختیار کی قوت کل کی حیثیت میں ہونا ضروری ہے ــــ زمین نار کی جز ہے۔اسلئے ناری ہیئت میں بنیادی وجود کے اعتبار سے کل کی

حیثیت میں۔ دیکھنا۔ سننا۔ محسوس کرنا۔ سمجھنا۔ ارادہ وعمل ناری قوی تر ہیئت میں ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح۔ نار کے بنیادی وجود نور میں۔ خاک و نار کے مقابلہ میں۔ دیکھنا۔ سننا۔ محسوس۔ فہم وارادہ قوی تر نوری ہیئت میں پایا جانا ضروری ہے۔ جبکہ ہر۔Object معلول کی ذات وصفت کا انحصار اسکی Subject (علت بنیاد) پر ہی منحصر ہے۔ اسی تصور کے ساتھ جب اس نورِ لامحدود کا تصور کریں۔ تو بنیادی وجود کے اعتبار سے اس نورِ لامحدود میں۔ جبکہ اس میں لامحدود تپش۔ لامحدود روشنی۔ لامحدود وسعت ہو۔ خاک و نار کی تمام صفات کا بدرجہ اتم پایا جانا ضروری ہے جس میں قوتِ سمع۔ قوت بصر۔ قوت فہم۔ اختیار وارادہ۔ حرکت وعمل بدرجہ اولیٰ پایا جانا فطری تصور ہے۔ ان صفات کے تابع۔ یہ باور کیا جاتا ہے کہ یہ نورِ لامحدود۔ خود دیکھنے کی قدرت رکھتی ہے۔ سننے کی قدرت رکھتی ہے۔ فہم رکھتی ہے۔ ارادہ و اختیار کی مالک ہے۔ ان صفات کے مدنظر یہ نور لامحدود صاحب اختیار ذات ہے۔ جسنے ارادہ کو استعمال کیا۔ کہ وہ خود کائنات بنائے۔ تو اسکے بعد کسی اور وجود کا احساس یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ یہی صاحب بصیرت۔ صاحب سمع۔ صاحب فہم وارادہ۔ کائنات کا بنیادی وجود ہے۔ اور اسی کے ارادہ سے یہ کائنات ایک منظم نظام کے تحت پیدا ہوئی۔ اسی نور کو اللہ اور کائنات کا خالق قرار دیا جاتا ہے۔ اسی خالق کے ارادے سے انسان پیدا کیا گیا۔ انہی خالق کے ارادہ سے انسان موت پاتا ہے۔ اسی خالق نے انسانی مقصد زندگی کا تعین کیا۔ کہ انسان اپنی ابتدأ میں غیر محسوس روح تھا (ناری ذرہ غیر محسوس) اسی ذرہ نے مٹی سے وجود خاکی کا لباس پایا ــــ یہ خاکی وجود دوبارہ فنا ہو کر مٹی میں جذب ہو گا۔ اسکی ابتدا کی روح باقی رہے گی۔ اور اس کائنات کا ماضی غیر محسوس اور غیر وجودی تھا۔ اللہ نے اسے وجود دیا۔ پیدا کیا ــــ یہ سلسلہ طویل مدت تک جاری رہے گا۔ اور یہ سلسلہ پیدائش وموت ختم ہو کر ایک نیا عالم روحانی پھر ظہور پذیر ہوگا۔ اسے یوم حشر کہا جائے گا۔

ارادہ الٰہی میں یہی ہے۔ کہ انسان کو تمام مخلوق ارضی وسماوی میں شرف دیکر اسے صاحب عمل بنایا جائے ــــ یہ اسکی آزمائش ہے۔ کہ اپنے عمل خیر سے آئندہ آنے والی زندگی میں بہتر مقام حاصل کرے ــــ اور ایک خصوصی امر یہ کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے ــــ اپنے آپ کو پہچانے۔ اپنی عظمت ومرتبہ کو پہچانے۔ اس پہچان میں انسان کو معلوم ہوگا۔ کہ اس خالق نے صرف میری ذات کیلئے ہی یہ تمام

نظام بنایا۔اوراس کائنات میں میری ذات کوایک خصوصی اہمیت ایک خصوصی عزت ومرتبہ حاصل ہے۔ جسکے لئے انسان کے ذمہ جذبۂ تشکر۔اوراس ذات سے وابستگی۔اوراس ذات کی عزت ومحبت میں مستقل توجہ اورتصور قائم رکھنا ہے۔اوراسی طرح جسطرح نور سے نار ـــــ نار سے خاک ـــــ بنے۔ اسی طرح خاک سے نار ـــــ نار سے نور بنکر اپنے منبع حقیقی سے جاملنا ہے۔یہی خصوصیت انسان کا مقصد اصل ہے۔کہ اپنے خالق کے تصور میں غرق ہوکر اپنی نوری روح کوواصل اللہ کردے۔

اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ

اسلام سے مراد۔دینِ الٰہی ۔جس میں ایک ہستی کوخوداللہ تعالیٰ مامور کرتا ہے۔اپنی کلام کی وحی کیلئے۔تاکہ یہ ہدایت لوگوں تک پہنچائی جائے۔جس کا مقصدصرف اورصرف مخلوقِ انسانی کو یوم حشر کے عذاب سے نجات دلانا ہے اسکے سوا ــــ اللہ ورسول کے نزدیک زمین پر کسی حکمرانی۔یا انتظامِ ملکی میں پیغمبر کا حکمران ہونا۔یا سلطنت بنا کر امورِ دنیوی چلانا نہیں۔یہ ایک واضح تصور ہے۔اسلام کا ــــ ایسی صورت میں اسلام کے ابتدائی قدم پر جب اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔اَطِیْعُو االلّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِـی الْاَمْـرِ مِنْکُمْ ج۔(پارہ ۵سورۃ ۴ آیت ۵۹)۔تمام مخلوق انسانی کوحکم دیا جاتا ہے۔کہ اللہ کی اطاعت کی جائے۔اوراسکے منتخب کردہ رسول کی اطاعت کی جائے۔باقی رہا اولی الامر تو ازروئے قرآن اولی الامر کا انتخاب حکم الٰہی کے تابع۔چند شرائط پر ہے ــــ اول۔اللہ ورسول کی کامل اطاعت۔قرآن و حدیث پر کامل درک وعبور۔اوررسول کی اطاعت میں کامل عمل۔انہیں لوگوں میں عوام الناس انکا انتخاب نہیں کرسکتے۔سوائے رسول کے۔کہ رسول انکے علم وعمل کے مطابق اہلیت دیکھ کرانہیں۔قرآن وحدیث کے اجراً کی ذمہ داری سونپے۔ظاہر ہے اس عمل میں کوئی بھی شخص خودکواپنی ذات سے پیش نہیں کرسکتا ہے۔جب تک کہ اسے رسول سے سند ملے۔ایسی صورت میں بھی کسی کو نہ عوام منتخب کرسکتے ہیں۔نہ کوئی خودکوانتخاب کیلئے پیش کرسکتا ہے۔یہی تین ــــ تین (اللہ۔رسول ــــ اولی الامر) میں دومنتخب ہستیاں ــــ رسول۔اورعالم امت ہیں۔جنکی اسلام نے اتباع لازم قراردی اسکے سواکسی دوسرے کے لئے اتباع لازم ہی نہیں ــــ لہٰذا۔قرآن پرعمل کیلئے رسول منتخب من جانب اللہ ہوتا ہے ــــ اورقرآن وحدیث پرعمل کیلئے۔اولی الامر من جانب رسول اللہؐ مامور ہوتا ہے ــــ اور اسلام کیا ہے۔قرآن وحدیث اوراولی الامر کی فقہ پر ــــ علم وعمل۔اسکے سوائے باقی امور ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔اسلام کی اصل یہی ہے۔یہی علم وعمل اسلام سے تعبیر ہے۔

حضورؐ کی بعثت کے زمانہ پر غور کیا جائے۔تو ظاہر ہے۔کہ آپ نے سوائے اجرائے قرآن ـــ قرآنی احکام پر عمل ـــ احکام میں ـــ عبادات۔نماز۔روزہ۔زکوٰۃ۔احسان کے کسی مملکت یا نظام مملکت۔یا کسی اور منصوبہ بندی کا اجرأ نہ فرمایا ـــ جس میں کسی عہدے کا تصور پایا جاتا ہو سوائے اسکے۔کہ صحابہ میں۔قرآن وحدیث پر کامل عبور رکھنے والے ـــ اور کامل عمل کرنے والے متقی۔منتخب ہو کر قرآن وسنت کی پیروی کیلئے مامور کیئے جاتے۔لہٰذا یہ ضروری ہے۔کہ اسلام کے تصور میں تخصیص کرنا کہ اسلام یا نظام اسلامی کا اصل تصور صرف۔قرآن وحدیث پر عمل کرنا اور آخرت کے عذاب سے نجات حاصل کرنا۔اسلام کی اصل ہے ـــ یہی نزولِ قرآن کا اصل مقصد ہے۔یہی رسول کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔یہی اولی الامر کے ذمہ قرآنی ہدایت کا اصل مقصد ہے۔لہٰذا۔جب نظامِ اسلامی کا تصور کیا جائے۔تو اسی اصول کے تابع تصور کو خالص کیا جائے ـــ کیونکہ حضورؐ کے زمانہ میں اس عمل کے سوا۔کسی منصوبہ بندی کا تاریخی ثبوت موجود نہیں ـــ البتہ۔حضورؐ کے زمانہ میں آپ کے تبلیغ اسلام پر آپ کا بحثیت رسول۔اجرائے قرآن میں چند واقعات کا ظہور یہ تصور دیتا ہے۔کہ اسلام میں بھی اجرائے قرآن سے سوا۔اقتدارِ اعلیٰ کا تصور پایا گیا۔لیکن یہ تصور فروعی یا ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔جیسا کہ اسلامی تاریخ سے ظاہر ہے۔

قرآن نے اپنے ابتدائی حکم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا قُمْ فَاَنْذِرْ۔اٹھیں اور لوگوں کو عذاب آخرت سے ڈرائیں۔قرآنی حکم کے اجرأ کا یہ ابتدائی اقدام ـــ اور ابتدائی تصور ہے ـــ اس حکم کی تعمیل میں حضورؐ نے اس حکم کی تعمیل میں۔جو ابتدائی اقدام فرمایا۔وہ اسلامی تاریخ سے واضح ہے۔کہ آپؐ نے مکہ کے لوگوں کو (لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا) کوہِ صفا کے مقام پر اکٹھا کر کے۔جو پہلا خطبہ دیا اس میں اولاً۔اپنی شخصیت کا تسلیم واعتماد تھا۔کہ تم مجھے صادق وامین مانتے ہو۔دوسرا۔اعلان یہ تھا کہ (دو انگشت مبارک ملا کر) قیامت اٹل ہے۔جسکا وارد ہونا اٹل ہے ـــ اس امر سے واضح ہے قُمْ فَاَنْذِرْ ۔اسلام اور قرآن کا اصل نصب العین ہے۔کہ قیامت کا عذاب اٹل ہے۔اس دن سے ڈرو اور عذاب سے نجات کا واحد ذریعہ۔عبادات ـــ اور جیسا قرآن نے اسلام وایمان کی تعریف میں واضح کر دیا کہ عبادات۔نماز۔روزہ۔زکوٰۃ اور احسان سے تعبیر ہے ـــ اسکے ساتھ ہی وحی کے نزول

کے مطابق حضور قرآنی احکام لوگوں کو سناتے رہے ــــ مگر اس ابتدائی اعلان پر ہی کفارِ مکہ نے۔حضورؐ کے اجرائے قرآن پر شدید مزاحمت کی۔یہاں تک کہ بدر کا واقعہ رونما ہوا ــــ اس موقع پر حضورؐ نے دعا فرمائی۔کہ اے اللہ۔اس مختصر سی جماعت کو فتح عطا کر ــــ اگر آج یہ جماعت کفار کے ہاتھوں مغلوب ہو گئی۔تو میرے دین کا اجرا نہ ہو سکے گا۔اس دعا میں ایک واضح تصور پایا جاتا ہے۔کہ اسلام ــــ اجرائے قرآن ــــ عبادات ــــ قرآن سے علم حاصل کرنا۔اور اس پر عمل کرنا ــــ اور تابعین کی ایک جماعتِ اسلامی تشکیل دینے سے تعبیر ہے۔یہی جماعتِ اسلامی اسلام سے تعبیر ہے۔اگر جماعتِ اسلامی کا وجود نہ رہا تو اسلام کے دین کا نہ مظاہرہ ہو سکے گا۔نہ اسلام کا وجود محسوس ہوگا ــــ ظاہر ہوا۔قُمْ فَاَنْذِرْ کے نتیجہ میں اگر کفار مزاحمت نہ کرتے۔اور اجرائے دین میں رکاوٹ پیدا نہ کرتے۔تو بدر کا واقعہ (یا اسکے بعد باقی غزوات) پیش نہ آتا ــــ مزاحمت نہ ہوتی۔تو کفار کے حملوں میں دفاع کی ضرورت پیدا نہ ہوتی ــــ دفاع کی ضرورت پیدا نہ ہوتی تو جنگ کی نوبت نہ آتی۔جنگ کی نوبت نہ آتی تو ظاہر ہے۔جہاد کی فرضیت لازم نہ آتی ــــ ایسا ہونا ضروری تھا۔کہ ہر اعلانِ حق پر باطل قوتیں اپنی پوری قوت سے برسرِ پیکار ہو کر۔حق کو مٹانے پر اتر آتی ہیں ــــ حق کو مٹانے کی صورت یہ ہے۔کہ رسول اور آپ کی جماعت کو ختم کیا جائے ــــ لہٰذا اس مقام پر جماعتِ اسلامی کے تحفظ کی شدید ضرورت پڑتی ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے ــــ جیسا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا سے میثاق لیا ــــ کہ جب میرے برگزیدہ نبی کا ظہور ہو۔تو تم سب انہیں تسلیم کرنا ــــ اور اسکی مدد کرنا ــــ چنانچہ اسی میثاق پر گزشتہ انبیا حضورؐ کے ظہور کے متعلق پیشگوئیاں کرتے آئے اور ہر قوم نے اس نبی کے ظہور کو جانا ــــ تو اگر اسی پیشگوئی کے مطابق۔تمام قومیں حضورؐ کی رسالت کو تسلیم کرتیں۔خصوصاً بنی اسماعیل ذریت۔مکہ کے تمام قبائل۔یہ فخر محسوس کرتے کہ موعود رسول انکی قوم سے ان میں مبعوث ہوئے۔آپ کی رسالت کو تسلیم کرتے۔اور آپ کے اجرائے دین میں مزاحمت نہ کرتے۔تو اجرائے دین کا ایک خالص طریق مقرر ہوتا۔کہ لوگوں تک قرآنی علم پہنچایا جائے۔یَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ۔اور لوگ حضورؐ کی اتباع میں عمل کر کے آپ کی اطاعت میں آتے۔تو نہ جنگ ہوتی۔نہ دفاع کی ضرورت پڑتی۔نہ جہاد کی فرضیت لازم آتی ــــ مگر حق کے اعلان پر باطل نے مزاحمت کی ــــ مزاحمت کس کی کی؟ ــــ رسول اور جماعت اسلامی

کو مٹانے کی ـــــ ایسی صورت میں جماعت اسلامی کو اجرائے دین میں راہ ہموار کرنے کیلئے۔ نیز اپنا تحفظ کرنے کیلئے ـــــ جہاد کی ضرورت پڑی ـــــ جہاد کیلئے۔ باطل قوتوں کا زور توڑنے کیلئے لازم تھا۔ کہ مادی وسائل و ذرائع اختیار کرنا لازمی تھا ـــــ مادی ذرائع اختیار کرنے سے جماعتِ اسلامی کو اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کی ضرورت پڑی۔ ایسی صورت میں اقتدارِ اعلیٰ کا حصول۔ قُمْ فَاَنْذِرْ کے حقیقی مقصد میں شامل ہو کر ـــــ حقیقی اسلام میں شامل ہو گیا۔ لیکن یہ حصول یہ تصور اصل نہیں۔ بلکہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے ـــــ کہ حادثہ کی بناٗ پر اسکی ضرورت پڑی۔ ورنہ اگر حادثہ رونما نہ ہوتا۔ تو اسکی ضرورت نہ رہتی ـــــ اسی اقتدار اعلیٰ کی ضرورت نے ایک فروعی نظام کی ضرورت پیدا کی۔ جسے نظامِ اسلامی سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ البتہ حضورؐ کے زمانہ میں یہ اقتدارِ اسلامی محض جہاد کی حد تک محدود تھا۔ کہ اقتدارِ اسلامی صرف جہاد کیلئے۔ باطل قوتوں کی مزاحمت ختم کرنے کیلئے تھا۔ اس اقتدارِ اسلامی میں کسی مملکت یا سلطنت کا تصور نہ تھا۔ کہ لوگوں کی ضروریات یا دنیوی امارت کیلئے۔ دین اسلام کا اجرأ ہو ـــــ اس اقتدارِ اسلامی کی حیثیت صرف کفار سے مقابلہ کرنے کیلئے۔ جنگی ضروریات کی فراہمی تک محدود تھی ـــــ تاریخ اسلامی شاہد ہے۔ کہ حضورؐ کے زمانہ میں۔ آپ نے ایک طرف باطل قوتوں سے جنگ میں۔ انکی قوتوں کو کمزور کیا ـــــ اور دوسری طرف يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ۔ قرآنی احکام کا اجرأ کیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے گرد ایک لاکھ سے زائد اسلامی جماعت وجود میں آئی ـــــ جنہوں نے مکہ کے کفار کا تمام زور ختم کر ڈالا ـــــ کہ فتح مکہ ہوا ـــــ مگر اس موقع پر بھی۔ نہ زمین کو اپنے قبضہ میں لیا گیا۔ نہ زمین پر کسی سلطنت یا مملکت کا وجود پایا گیا۔ نہ کسی شخص کو اقتدار اسلامی کا محکوم بنایا گیا۔ نہ کسی شخص کو بہ جبر اسلام میں داخل کیا گیا۔ کیونکہ قُمْ فَاَنْذِرْ کے الٰہی قانون میں۔ رسول نے الٰہی حکم کے مطابق صرف یہ اعلان کرنا تھا ـــــ صرف ڈرانا تھا۔ کہ قیامت اٹل ہے۔ عذاب الٰہی اٹل ہے۔ لوگو رسول تمہیں عذاب الٰہی سے بچانے کیلئے مبعوث ہوئے ـــــ سوائے اسکے کچھ نہ تھا ـــــ

تاریخ سے ظاہر ہے۔ کہ مکہ و مدینہ کے چاروں اطراف۔ زمین پر جابر و قاہر سلطنتوں کا قبضہ تھا۔ اور انہوں نے زمین کی مخلوقِ انسانی کو غلام بنا رکھا تھا۔ اور پھر قرآن و رسول کا عالمگیر حیثیت میں تمام مخلوق ارضی کی نجاتِ آخرت کیلئے ظہور ہوا تھا۔ تو ضروری تھا کہ ان مظلوم و محکوم انسانوں تک قرآنی علم اور

عمل پہنچایا جاتا۔ایسی صورت میں رسول اللہؐ نے تمام جابر قوتوں کو اللہ کا پیغام دیا۔کہ خود اللہ کے دین میں شامل ہو جاؤ اور محکوم انسانوں کو بھی اللہ کے دین میں شامل ہونے کی راہ دو۔مگر حق و باطل کا ٹکراؤ ضروری تھا اسلئے۔اسلامی اقتدارِ اعلیٰ پر واجب تھا۔کہ مخلوقِ خدا کو جابر طاقتوں سے نجات دلا کر انہیں فلاحی دین میں داخل ہونے کیلئے راہ ہموار کی جائے۔چنانچہ حضورؐ کے زمانہ میں اسلامی اقتدار اعلیٰ نے باطل قوتوں سے جہاد کر کے مخلوق خدا کو دین میں داخل ہونے کی راہ ہموار کر دی ـــــ ایسے موقع پر بھی دیکھا جائے۔تو حضورؐ کے زمانہ میں باوجود زمین پر تسلط قائم کرنے کے۔اسلامی اقتدارِ اعلیٰ کی ہیئت نہ سلطنت کی تھی نہ حصول دنیا میں۔دنیوی امارت و ترقی کا کوئی تصور پایا جاتا تھا۔جبکہ زمین پر تسلط محض مخلوق خدا تک قرآنی علم اور عمل پہنچانے کا ایک ذریعہ تھا ـــــ

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی نے طویل وسعت پائی اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اقتدار اسلامی کے قبضہ میں آئیں ـــــ چاہیے تو یہ تھا۔کہ ان سلطنتوں کے فنا ہونے پر اقتدار اسلامی کی بھی ایسی ہی حیثیت ہوتی۔مگر ایسا نہ ہوا۔مدینہ اقتدارِ اسلامی کا مرکز بنا ـــــ جہاں خلیفۃ المومنین پھٹے کپڑوں میں۔ایک ویران جگہ بے خوف خطر سوئے ہوئے پڑے ہیں۔نہ محل شاہی ہے۔نہ دارالخلافہ ہے۔نہ نوکر شاہی سکرٹریٹ ہے ـــ کوئی پوچھنے والا دریافت کرتا ہے۔تو اسے پتہ بھی نہ ملتا۔کہ اتنی عظیم سلطنتوں کو تباہ کرنے والے شہنشاہ کا مسکن کہاں ہے ـــــ البتہ۔ان عظیم سلطنتوں کے خاتمہ پر۔اقتدارِ اسلامی کیلئے لازم ہوا۔کہ وہ مخلوقِ انسانی کو باطل قوتوں سے تحفظ دینے میں انہیں اپنی تحویل اور دین اسلام کی اطاعت میں محصور رکھیں۔یہ حصار غلامی کا نہ تھا۔نہ محکومی کا تھا۔کہ انکے انسانی اختیارات چھینے جاتے۔نہیں۔بلکہ ہر انسان اپنے ہر فعل میں آزاد تھا۔چاہے اسلام قبول کرے۔یا کسی دین پر قائم رہے۔یا انحراف پر قائم رہے۔اقتدار اسلامی میں جماعتِ اسلامی کے فرائض یہی تھے۔کہ وہ لوگوں تک قرآنی تعلیم پہنچائیں۔اور اپنی شخصیت استعمال کر کے انہیں دین سے لگاؤ اور رجوع پیدا کرنے کی خو پیدا کریں۔اس عمل میں۔نہ کسی فرد کا جبر شامل تھا۔نہ تلوار شامل تھی۔نہ کوئی فروعی منصوبہ بندی شامل تھی۔البتہ اقتدار اعلیٰ کی حیثیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقتدارِ اعلیٰ کو مضبوط اور مستحکم۔اور مستقل ہیئت دینے کیلئے ـــ اجتہادی اصلاحیں کیں۔کیونکہ زمین کا وسیع علاقہ

اقتدارِ اعلیٰ کے زیرِ نگیں ہو چکا تھا جسکے لئے منصوبہ بندی کی ضرورت پڑی۔ لیکن یہ منصوبہ بندی۔ اسلام کی اصل نہ تھی۔ بلکہ جیسے اسلام کو اقتدارِ اعلیٰ کی ضرورت پڑی اسی طرح اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام میں منصوبہ بندی کی ضرورت پیش آئی جو اصلاً دین اسلام کی جز نہ تھی۔ بلکہ ضرورت نے اسے جز بنا دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور اسلامی عروج کا انتہائی دور تھا۔ جس میں اقتدار اسلامی نے ایک سلطنت کی حیثیت پائی۔ مگر یہ سلطنت دنیا کی سلطنتوں کے مقابلہ میں اپنا ایک خالص اور منفرد تصور رکھتی ہے۔ جس سلطنت میں سوائے دین الٰہی۔ عبادات۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ احسان کے نصب العین کے سوا اور کوئی تصور پایا نہیں جاتا۔

اب پھر ابتدائی۔ اسلامی دور پر غور کیا جائے۔ کہ حضورؐ کے زمانہ میں۔ سوائے۔ نبی و رسول کے۔ دینِ اسلام یا اقتدارِ اعلیٰ میں۔ کسی خلیفہ ـــ کسی سلطنت۔ یا نظام ملکی کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ یعنی حضورؐ نے سوائے اجرائے قرآن ـــ عبادات۔ اور اخلاقِ حسنہ کے کسی نظامِ ملکی میں کسی منصوبہ بندی کو تشکیل دیا۔ اور نہ قرآن نے کسی مملکت کے نظام کا کوئی خاص منصوبہ پیش کیا ـــ سوائے اسکے کہ چند جرائم کی روک تھام کیلئے۔ چند تعزیروں کا نفاذ کیا۔ اسکے علاوہ۔ قبائل کے درمیان چند مروجہ اصولوں کے مطابق ترکہ کی تقسیم۔ یا نکاح کے متعلق ضابطے پیش کئے۔ جرائم۔ بمنزلہ گناہ تھے۔ جن کے اجر میں عذاب قیامت مقرر تھا۔ یا جن کی سزا قیامت پر موقوف تھی۔ لیکن چند ایسے گناہ جن سے ایک معاشرہ پر اخلاقی اثر پڑتا تھا۔ اسکی روک تھام کیلئے۔ ظاہر طور سزا مقرر کی گئی جیسے زنا۔ زنا ایک گناہ ہے جسکی سزا۔ عذاب جہنم ہے۔ لیکن اس فعل سے معاشرہ متاثر ہوتا ہے اسلئے ایسے گناہ سے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کیلئے اسکی بدنی سزا مقرر کی گئی۔ اس بدنی سزا میں عذاب جسمانی کا تصور ہے۔ جس میں انسان میں خوف پیدا کرنا ہے۔ اسی طرح چوری کے فعل سے معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ یا قتل سے معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ اسلئے ایسے گناہوں کی جزا ـــ عذاب جہنم ہی ہے۔ لیکن معاشرہ کے ان گناہوں کے برے اثرات پیدا ہونے کی وجہ سے ایسے گناہوں کیلئے بدنی سزا مقرر کی گئی۔ جسکا مطلب یہ تھا۔ کہ عوام الناس میں ایسے جرائم زیادہ نہ پھیلنے پائیں ـــ یہ گناہ ـــ اور انکی سزائیں کس صورت میں وقوع پذیر ہوئے ـــ اسکا خاص مقام ہے۔ اول یہ کہ۔ اسلام مکہ و مدینہ سے باہر۔ وسیع علاقہ تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے اسلامی

اقتدارِ اعلیٰ بہت وسیع علاقہ تک پھیلا تھا۔ تیسرے۔ قرآن وحدیث کی تعلیم عام ہو چکی تھی۔ اور اس تعلیم کیلئے کثرت سے علمأ موجود تھے اور عوام الناس صحیح معنوں میں قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہو کر۔ عذاب قیامت کا خوف قلب پر لئے ہوئے تھے۔ رسول اللہؐ کے تابعین میں ہر شخص کو مومن کا مقام حاصل تھا۔ اسی ایمان پر جماعت اسلامی کے کردار وعمل کی بنیاد تھی۔ اقتدارِ اعلیٰ میں مومن صبر وقناعت۔ اخلاق حسنہ۔ ایثار ورواداری۔ احسان وقربانی کا پیکر تھا۔ ایسی صورت میں۔ کسی فرد کا ایسے ماحول میں گناہ کا مرتکب ہونا۔ اسکے نفسانی (شیطانی) غلبہ کے تحت تھا کہ ایسے شخص کیلئے۔ چوری۔ زنا۔ قتل۔ شراب نوشی۔ جو ایسے افعال کے ارتکاب کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کو جسمانی عذاب سے متاثر کر کے اسکی نفسانی خواہشات کو حدود کے دائرہ میں لا کر اسے جرائم سے باز رکھا جائے۔ یہ سب عمل دین میں شامل تھا جس میں نہ کسی قانون کا تصور ہے۔ نہ نظام ملکی کا تصور ہے اور تمام جماعت اسلامی کیلئے مومن ہونا خصوصی شرط تھی۔ ایسے موقعوں پر حضورؐ نے مفتوحہ علاقوں میں جو عامل بھیجے انکے ذمہ۔ قرآنی تعلیم دینا۔ قول رسولؐ۔ حدیث لوگوں تک پہنچانا۔ اور لوگوں کی اخلاقی تربیت کرنا۔ تاکہ ہر شخص اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہو کر۔ عبادت کرے۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ ادا کرے۔ اور اس عمل سے اخلاقِ حسنہ حاصل کرے۔ ایسے موقعوں پر اس کے سوا۔ عاملین کے ذمہ کوئی دنیاوی معاملہ سے متعلق منصوبہ بندی نہ ہوتی تھی۔ سوائے عوام الناس میں۔ قرآنی تعلیم کے ساتھ۔ قرآنی احکام کے نفاذ میں۔ انہیں چند تعزیروں کا اجرأ تھا۔ چونکہ حضورؐ کے زمانہ میں ہی جماعت اسلامی کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو چکا تھا۔ لہٰذا۔ عوام الناس کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہوا۔ اسکا فیصلہ امیر سے حاصل کیا جاتا۔ جو اقتدارِ اعلیٰ میں ایک قانون کا علیحدہ تصور پیش کرتا ہے۔

حقیقتاً۔ اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ دین اسلام کی اصل نہیں۔ جس میں قرآنی احکام کو قانونی شکل دی جاتی ہے۔ قرآن تمام کا تمام۔ ھدیٰ۔ ہدایت کے احکام پر مشتمل ہے جو عبادات سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن نے عمل کا ایک میزان مقرر کیا۔ کہ نیک اعمال کی جزا۔ جنت ہے۔ بداعمال کی جزا۔ جہنم ہے۔ اسکے سوا۔ جزا وسزا کا کوئی فروعی تصور موجود نہیں ــــ قرآن کا قانون۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر ہے۔ یعنی الٰہی احکام کی عبادت کی صورت میں اتباع۔ اور بداعمال سے پرہیز۔ قرآن نے اس سلسلہ

میں جو بھی احکام پیش کیے وہ سب عبادات میں شامل ہیں۔ جسکا نتیجہ عمل۔ یوم حشر کے راحت و عذاب کی صورت میں ملنا مقرر ہے ـــــ اور رسول کی بعثت اسکے سوا کچھ اور نہیں کہ مخلوقِ انسانی کو قرآنی احکام پر عامل بنا کر۔ یوم حشر کے عذاب سے محفوظ کر دے۔ باقی رہا امور دنیوی میں ان جرائم کا سدباب قرآنی احکام کے ذریعہ۔ جو دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ساتھ معاشرتی زندگی پر اسکا برا اثر پڑتا ہے۔ ایسے جرائم سے باز رکھنے کیلئے جو سزائیں قرآن نے مقرر کیں۔ انکا مقصد بھی انسان کو بدی کے نتائج سے محفوظ کر کے۔ احکاماتِ الٰہی کا پابند کرنا ہے ـــــ جس میں حکومتِ الٰہیہ کا تصور پایا نہیں جاتا۔ کیونکہ قرآن نے یہ امر واضح کر دیا۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" ۔فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ جب انسان۔ گمراہی۔ ضلالت اور فساد و خونریزی میں مبتلا ہوگا۔ تو خود اسکی فلاح و نجات کیلئے میں ایک ضابطۂ ہدایت پیش کرونگا۔ پس جس نے میری ہدایت پر عمل کیا اسے عذاب جہنم کا نہ خوف ہوگا نہ غم۔ یہ ایسے احکام ہدایت ہیں۔ جس میں اللہ کی حاکمیت کا تسلیم و اقرار مقصد نہیں۔ بلکہ فلاح انسانی کیلئے۔ خود اپنی ذات کیلئے عمل کرنا ہے ـــــ ورنہ اللہ خود قوی" عزیز ہے۔ اسکے غلبۂ اختیار اور حاکمیت میں ہر انسان ہر شے چار و نا چار پابند ہے۔

✡✡✡✡✡

کائنات

کائنات پر بحث کرنے سے قبل یہ تعین کرنا ضروری ہے۔کہ ''کائنات کا حقیقی تصور کیا ہے؟ کائنات کسے کہتے ہیں؟ کائنات کی حقیقت سمجھنے کیلئے دو ہی طریقے استعمال ہو سکتے ہیں۔اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ـــ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۙ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝

انسانی ادراک میں آنے والی کیفیت۔صرف زمین (اور جو کچھ اس میں موجود ہے) اور حدِ نظر میں آنے والے سیارے ایسی کیفیتیں ہیں۔جن پر تحقیق ہو سکتی ہے ـــ کیا انہیں کیفیتوں کو ''کائنات'' تصور کیا جاتا ہے؟۔یا اس سے ماورئی کیفیتوں کو بھی۔جنکا کوئی مثالی تصور انسانی ذہن میں موجود نہیں؟ کائنات کے تصور میں لایا جاتا ہے۔

کائنات کے لفظ کو دیکھا جائے۔یا کائنات کے لفظ پر کیفیت کا تصور کیا جائے۔تو یہ لفظ عربی سے ماخوذ ہے۔جسکے معنی ''کن'' کے ہیں۔یعنی ''بنی ہوئی کیفیت'' ـــ یا تخلیق ہوئی کیفیت ـــ یا پیدا ہوئی کیفیت ـــ

محقق کی نظر میں صرف حدِ نظر میں محسوس ہونے والی کیفیت صرف ستارے ہی ہیں ـــ جنہیں ناری کروں کے تصور میں لایا جاتا ہے۔ان کیفیتوں کی ہیئتوں کے مطابق۔انکے تصور کیلئے۔عربی میں ''اَلـدُّ نیـا'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔دنیا کے معنی ''قریب کی کیفیت'' ـــ جیسے قرآنِ عربی سے اس کیفیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔وَلَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۵)۔البتہ قریبی آسمان میں ستارے واقع ہیں لہٰذا۔محقق کی تحقیق میں یہ تعین کرنا ہے۔کہ کیا اسکی نظر میں ۔دنیا ہی کائنات سمجھی جاتی ہے۔یا کائنات کی وسعت ماورائے ادراک۔مقام (مکان) وزماں تک وسیع ہے ـــ جبکہ انسانی ذہن میں ایک موہوم ''آسمان'' کے ''لفظ'' کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔یعنی یہ کہ انسانی ذہن ''لفظِ آسمان'' سے بھی آشنا ہے۔مگر آسمان کی حقیقی کیفیت کا اسکے ذہن میں کوئی تصور آ نہیں سکتا۔

بوجہ اسکے کہ یہ کیفیت انسانی تحقیق وادراک سے باہر ـــــ یا ماورئی ہے ـــــ ایسی صورت میں کیا۔ زمین۔ سیاروں ـــــ اور سیاروں کی فضا پر تحقیق سے کائنات کے وجود کی حقیقت کا علم مکمل ہوسکتا ہے؟۔

یہ سوال اس محقق سے کیا جاتا ہے۔ جو۔ خواہ یونانی محقق ہو۔ یا عربی محقق ہو۔ یا یورپی محقق ـــــ سوال یہی ہے۔ کہ ان محققین کی تحقیقی اساس ـــــ ''کائنات'' کے حقیقی تصور کی تحقیق پر ہے۔ یا ''دنیا'' کی تحقیق ومشاہدہ پر قائم ہوتی ہے؟ ـــــ اور یہ کہ کیا انہیں ''آسمان'' کی ہیئت کا حقیقی تصور حاصل ہوسکتا ہے؟ یا ''دنیا'' کی تحقیق پر ہی ''کائنات'' کی ہیئت کا تصور قائم کرنا کافی سمجھا جاتا ہے ـــــ

اصولی طور۔ کسی محقق کی تحقیق کا انحصار ـــــ قوتِ اجتہاد ـــــ قوتِ عقلی ـــــ اور شخصیت پر ہوتا ہے۔ قوتِ اجتہاد سے مراد عقلِ سلیم ـــــ یا پاکیزگی جسم وروح ـــــ جسمانی صحت ولطافت۔ عربی اصطلاح میں جسمانی لطافت کو اِلقا سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ کہ ایک محقق کی تحقیق میں۔ اسکی تخیلات کی جولانی صحیح اور حقیقی سمت پا سکے۔ جس سے کسی کیفیت کی حقیقی ہیئت کا تصور پانے میں راہنمائی حاصل ہو ـــــ

قوتِ عقلی سے مراد۔ بغیر تزکیہ جسمانی ـــــ حافظہ میں جمع شدہ علم پر۔ خیالی تجزیہ سے۔ مختلف منفرد اجزاُ کے مرکب۔ یا تقسیم سے۔ کسی ہیئت وکیفیت کا ترتیب دینا ـــــ اس ترتیب میں ''وہم'' وقیاس کا دخل ضرور ہوتا ہے۔ اسلئے کہ اسلامی علم نفسیات کی رو سے انسانی ذہن میں کسی کیفیت کی ہیئت کی (کیف ورنگ میں) نشاندہی اسی Organ سے ہوتی ہے۔ واہمہ صحت مند حالت میں ہو۔ تو صحیح ہیئت کی نشاندہی کرتا ہے۔ کمزور حالت میں ہو۔ تو ناقص ہیئت کا تصور دیتا ہے (اسی ناقص حالت کو وہم کی بیماری سے تعبیر دیا جاتا ہے) ایسی صورت میں کسی کیفیت کے تحقیق وتجزیہ میں۔ صحت مند حالت میں۔ حافظہ سے صحیح تصور حاصل ہوسکتا ہے۔ ورنہ جسمانی لطافت وتزکیہ نہ ہونے کے سبب ایک کیفیت کی تحقیق میں ـــــ ''وہمی''۔ ''قیاسی'' تصور ناقص ہوتا ہے ـــــ اس وجہ سے کسی محقق کی تحقیق میں اسکے نظریہ کی رد کی جاتی ہے ـــــ کہ اس تحقیق میں کیفیت کا حقیقی مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا۔

تیسرے شخصیت۔ کہ ایک محقق بزعم خود اپنی تحقیق کو مبنی بر حقیقت سمجھ کر ایک نظریہ پیش کرتا ہے۔ جو اسی محقق کی شخصیت کی بناُ پر عوام الناس۔ بلا دلیل قبول کر لیتے ہیں ـــــ اسکے بعد آئندہ آنے والے زمانہ میں۔ کوئی محقق نظریہ صحیح ہونے کی صورت میں تائید کرتا ہے۔ یا ناقص ہونے کی صورت میں

رد کرتا ہے____

جیسے کہ گزشتہ محققین کے تحقیقی نظریات۔ارسطو۔افلاطون۔لقمان۔ارشمیدس۔آئن سٹائن۔ نیوٹن۔سگمنڈ فرائیڈ۔کارل مارکس۔ڈارون وغیرہ کے نظریات۔آئندہ آنے والے محققین میں۔انکے نظریات کے ردّ وقبول کا سلسلہ چلا آتا ہے۔

اب میں اپنے مضمون کی طرف آتا ہوں۔کہ ہر محقق کی تحقیق کی ابتدأ___ زمین۔اورزمین کی اشیأ پر تجزیہ سے ہوتی ہے یعنی اشیائے زمینی کے تجزیہ میں۔انکے وجودوں میں۔منفرد و مرکب ہیئتوں میں۔انکے بنیادی وجود کا تصور پانا جویا تو قوتِ عقلی سے ہوتا ہے___یا فی زمانہ محققین مغرب کی سائنسی ایجاد (خوردبین) کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔اس تحقیق و تجزیہ میں۔ایک کیفیت کے بنیادی وجود Subject اور اسکی تخلیقی (پیدائشی) ترکیب وترتیب کا علم حاصل کیا جاتا ہے___ان محققین کی تحقیق کا اصلی مقصد یہ کہ اشیائے ''کائنات'' ___یا اشیاءِ ''دنیا'' کے بنیادی وجود کی ہیئت وتصور کیا ہے؟___چونکہ انسانی ذہن میں ماورائے۔عقل و بصر۔ہیئت کا کوئی تصور نہ قبل از وقت حافظہ میں موجود ہے۔نہ ہی کوئی تصور قائم ہوسکتا ہے۔اسلئے ایسے ماورائے ادراک کیفیات کی حقیقی ہیئت کا تصور حاصل کرنے کا کیا ''طریق'' ___اور کیا ''ذریعہ'' ہوسکتا ہے؟

گزشتہ محققین نے ماورائے ادراک کیفیات کے تصور میں اشیائے کائنات کی تحقیق (وہ اجتہادی ہو یا عقلی) میں تین ہیئتوں کو الفاظ کی شکل میں تصور پیش کیا___وہ ہیں۔خاک۔نار___نور (Body.Spirt.Soul) جسم خاکی میں مادی زمین کے اجزأ___ناری وجود میں ستاروں کی برقی (یا ایتھری) قوت___اور نوری قوت کی ہیئت کا ابھی تک کوئی تصور محققین زمانہ حال تک قائم کرسکے نہ اس تحقیق کو تجزیہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے___اور اس سلسلہ میں ہر زمانہ میں نور پر بحث کا نامکمل سلسلہ چلا آ رہا ہے۔اس سلسلہ میں ہر محقق اپنی تحقیق میں کسی ایک منزل پر تصور (قیاسی) میں آنے والی کیفیت کے مختلف نام (الفاظ) الیکٹران۔نیوٹران۔پروٹان۔مالیکیول۔ایٹم۔ایمیبا وغیرہ کا اعلان کرتا چلا آیا ہے ___لیکن ابھی تک یہ تحقیق۔مسلمہ اور محقق ہونا باقی ہے___

خاکی وجود___زمین اور اسکے اجزأ۔جمادات۔نباتات۔حیوانات۔انسانی روزمرہ مشاہدے

میں آنے والی کیفیتیں ٹھوس مادی ہیئت میں موجود ہیں۔ جنکا تصور عام حیثیت میں پایا جا سکتا ہے ــــ اسکے علاوہ زمین کی لطیف ہیئتوں میں۔ غیر محسوس وجودوں کی ہیئتیں۔ ہوا۔ آکسیجن۔ نائٹروجن ــــ اور برقی قوت بھی موجود ہیں۔ جنکا تصور محققین۔ خوردبینوں کے ذریعہ حاصل کر لیتے ہیں ــــ ان وجودوں میں برقی قوت سب سے قوی قوت ہے۔ جو زمین کی مادی اشیاً میں۔ بنیادی وجود کی حیثیت رکھتی ہے ــــ اور باقی لطیف قوتیں اسی برقی قوت کے اجزاً میں شامل سمجھی جاتی ہیں ــــ برقی قوت کے تجزیہ میں دو کیفیتیں واضح ہیں۔ ایک روشنی دوسرے کشش ــــ یہ دونوں کیفیتیں عام مشاہدہ میں بھی آ چکی ہیں۔ کہ برقی قوت میں ''روشنی'' اور ''کشش'' پائی جاتی ہے ــــ انہیں دو کیفیتوں پر تجزیہ سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ برقی قوت زمین کی جز اور پیداوار ہے ــــ لہٰذا کل کی حیثیت میں زمین میں۔ یہ برقی قوت غالب حیثیت میں پائی جانا یقینی ہے ــــ کہ زمین کی اپنی ہیئت میں برقی قوت کے اعتبار سے۔ روشنی۔ تپش اور کشش بدرجہ اولیٰ ہونا یقینی ہے ــــ اور اس حال میں۔ جب زمین کی ابتدائی ہیئت کا تصور کیا جائے۔ جب زمین سے اسکے اجزاً کا ظہور نہیں ہوا۔ تو ان تمام قوتوں کے جامع تصور میں۔ زمین کی اپنی ہیئت۔ اسی روشنی۔ تپش ــــ اور کشش کے تصور میں محسوس ہونا یقینی ہو گا ــــ لہٰذا زمین کی ابتدائی پیدائش میں۔ زمین ــــ روشنی۔ تپش۔ اور کشش کا ایک وجود تصور میں قائم ہو جاتا ہے ــــ اور یہ بھی محقق ہے۔ کہ زمین پر دن اور رات۔ روشنی اور اندھیرے کا وجود زمین کی حرکت اور سورج کی روشنی سے ہوتا ہے تو ظاہر ہوا ــــ کہ زمین کا سورج سے۔ روشنی۔ تپش۔ اور کشش کا ایک اہم رابطہ ہے۔ روشنی تو ظاہر اُواضح ہے۔ تپش بھی محسوس کی جاتی ہے۔ اور کشش کا خاصہ حرکت اور حصار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ امر واضح ہوتا ہے ــــ کہ زمین بوجہ مادۂ کشش ہونے کے فطری طور متحرک ہو گی ــــ ایک اسکی اپنی کشش کے اثر سے ــــ دوسرے۔ سورج کی روشنی۔ اور تپش کے اثر سے۔ زمین میں گردش و حرکت کا پایا جانا۔ ایک فطری عمل اور اثر ثابت ہوتا ہے ــــ زمین اور سورج کے رابطہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ زمین خود۔ سورج کی برقی۔ روشنی۔ تپش میں محصور ہے۔ اس عمل سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ زمین کی تمام قوت روشنی۔ تپش اور کشش۔ سورج کے اجزاً میں سے ایک ہے۔ سورج زمین کی علت (Subject) ہے۔

اس تحقیق و تجزیہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے ۔۔۔ کہ زمین کی روشنی ۔تپش اور کشش ۔۔۔ سورج کے وجود کے اجزا ہی سے ہیں ۔۔۔ اور زمین کی قوتوں کی تحقیق پر ہی ۔سورج کی حقیقی ہیئت کا تصور قائم کیا جا سکتا ہے ۔۔۔ زمین Object جز کی حیثیت میں روشنی ۔تپش ۔کشش رکھتی ہے ۔۔۔ لہٰذا ۔کل Subject کی حیثیت میں سورج میں بھی ۔روشنی ۔تپش ۔کشش ۔کی کیفیت و ہیئت کا وہی تصور ہوگا ۔جو زمین کی روشنی ۔تپش ۔کشش کا ہوگا ۔۔۔ البتہ کل کی حیثیت میں سورج کی روشنی ۔تپش ۔کشش ۔۔۔ زمین کے مقابلہ میں قوی و غالب اثر رکھتی ہے ۔۔۔ سورج ۔چونکہ انسانی عقل و بصر کے احاطہ میں آنے والی ہیئت ہے ۔جس پر محققین کی تحقیق احاطہ کر سکتی ہے ۔اس تحقیق و تجزیہ میں ۔سورج کی روشنی ۔تپش ۔کشش کی ہیئتوں کا علم حاصل ہونا ممکن اور آسان ہو سکتا ہے ۔اس حال میں کہ محققین مغرب کو وہ ذرائع دور بینی ۔خورد بینی حاصل ہیں ۔جن سے سورج کی ہیئت و کیفیت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے ۔۔۔ کہ سورج ۔روشنی ۔تپش ۔اور برقی قوت کشش کا مرکب ہے ۔

اب ضروری ہے ۔کہ روشنی ۔تپش ۔۔۔ اور کشش کی حقیقی کیفیتوں کا علم حاصل کیا جائے ۔کہ روشنی کیا کیفیت ہے ۔اسکے اجزائے ترکیبی کیا ہیں ،اسکا بنیادی وجود کس قوت سے پیدا ہوتا ہے ۔۔۔ اسی طرح ۔سورج کی تپش ۔۔۔ کیا کیفیت ہے ۔۔۔ اسکے اجزائے ترکیبی کیا ہیں اور اسکا بنیادی وجود کس قوت سے پیدا ہوتا ہے ۔یہی کیفیت برقی کشش کی ہوگی ۔۔۔ ان کیفیتوں کا تجزیہ ۔زمین کی کیفیتوں کے تصور پر ہی حاصل ہو سکتا ہے ۔کہ زمین کی روشنی میں کون کون سے عنصر پائے جاتے ہیں ۔تپش میں کون کون سے عنصر پائے جاتے ہیں ۔ر کشش میں کون کون سے عنصر پائے جاتے ہیں ۔

روشنی :روشنی سے مراد ۔۔۔ زمین کی ٹھوس مادی اشیأ ۔نباتات ۔جمادات ۔حیوانات کی ہیئتوں میں ۔تین کیفیتوں کا پایا جانا ۔۔۔ ایک وجود کی شکل و صورت سے اسکی انفرادی ہیئت کی شناخت ۔''کیف و رنگ'' :احساسِ وجود ۔۔۔ یہ کیفیت ایک وجود کی روشنی کی علامت سے تعبیر ہے ۔۔۔ اسکی دلیل خود زمین کی ناری (کرۂ نار) ہیئت ہو سکتی ہے ۔کہ ابتدأ اسکے وجود کی شناخت ناری شکل و صورت سے ہوتی ہے ۔دوسرے ۔تپش ۔تپش سے مراد ۔۔۔ ایک وجود کے ۔کیف و رنگ ۔وجودی ساخت کا تحفظ ۔یا دوام ۔۔۔ کہ ایک وقتِ معین تک اس وجود کی ساخت برقرار رہتی ہے ۔اسے حرارت سے بھی موسوم کیا

جاتا ہے۔اسکی دلیل خود زمین کے وجود کا استحکام وقرار۔اور زمین کی ہر کیفیت کا قرار زمین کی حرارت پر منحصر ہے۔تیسرے کشش۔کشش سے مراد۔ایک وجود اسکے پیدائشی ماحول (مکان) میں محصور و پابند رہنا ــــ اسکی دلیل۔کشش کے ذریعہ ہی زمین کا۔فضا میں معلق حالت میں قیام وقرار۔اور زمین میں اسکے اجزا ٔ کا زمین کی کشش کے مطابق قیام وقرار سے ہے۔مثال کے طور۔زمین اپنی ابتدائی پیدائش میں ایک کرۂ نار تصور کی جاتی ہے۔کرۂ نار کی وجودی شناخت میں۔روشنی۔تپش۔اور کشش واضح کیفیتیں مشاہدہ میں آتی ہیں ــــ زمین سے ٹھوس مادی ہیئت اختیار کرنے پر۔اس سے نباتات۔جمادات۔حیوانات ٹھوس مادی ہیئت میں تقسیم Analyse ہوتی ہیں۔لازی طور جبکہ یہ ہیئتیں زمین کی اجزا ٔ ہیں۔ان میں جزوی اعتبار سے۔روشنی۔تپش۔کشش ہونا۔ایک فطری تخلیق کے تابع یقینی ہوگا ــــ اس امر سے ثابت ہوتا ہے۔کہ روشنی۔تپش۔کشش Analyse تنزل پذیر ہوکر ٹھوس مادی ہیئت میں تبدیل ہوکر اپنی ساخت۔شکل وصورت تبدیل کر دیتی ہیں ــــ لہٰذا۔زمین سے نکلی ہوئی ہیئتیں۔نباتات۔جمادات۔حیوانات میں یہ قوتیں ٹھوس مادی ہیئت میں پایا جانا ضروری ہیں ــــ جبکہ کل کی حیثیت میں زمین بھی اپنی روشنی تپش۔کشش کو تبدیل کر کے ٹھوس مادی ہیئت میں محسوس ہوتی ہے ــــ یہ کائنات کے فطری تخلیقی عمل کے مطابق ہوتا ہے۔کہ ہر کیفیت و ہیئت تقسیم Analysation کی صورت میں ایک نئی صورت اختیار کر جاتی ہے ــــ اس حال میں کہ اسکی ابتدائی قوتیں معدوم نہیں ہوتیں۔بلکہ تقسیم ہوکر نئی شکل وصورت اختیار کرتی ہیں۔اسی فطری عمل کے بنیادی اصول کی بنیاد پر محققین مغرب (سائنسدان) نے زمین اور زمین کی ہر جز (نباتات۔جمادات۔حیوانات) پر تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کیا۔کہ ہر وجود میں۔روشنی۔تپش۔اور کشش پائی جاتی ہے ــــ اور آج اسی بنیادی اصول کی روشنی میں ــــ وہ روشنی۔تپش۔کشش کے اجزائے ترکیبی کا ایک حقیقی تصور حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔کہ روشنی کا مرکب کیا ہے ــــ تپش۔کشش پر انہیں ادراک ہو چکا ہے۔لیکن روشنی کے بنیادی وجود کی تحقیق میں انکا علم ابھی تشنۂ تکمیل محسوس ہو رہا ہے۔اس امر کا فیصلہ اسی سوال پر ہوسکتا ہے۔کہ محققین کی نظر میں کیا الدّنیا۔کی وسعت کو کائنات سمجھا جاتا ہے ــــ یا ماورائے عالم سیارگان ــــ آسمان ــــ اور ماورائے آسمان کو بغیر تحقیق ومشاہدہ ــــ کائنات سمجھا جاتا ہے۔؟ ــــ اس سلسلہ میں یہ تصور حاصل کرنا

مشکل ہے۔ کہ ماورائے آسمان۔ عالم کو کائنات کا تصور قائم کیا جائے۔ وہ اسلئے کہ انکے لطیف سے لطیف ذرائع تحقیق و مشاہدہ۔ ایک محدود وسعت تک احاطہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جبکہ علت و معلول Subject & Object کے فطری نظام تخلیق سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اگر زمین۔ اور زمین کی مخلوق سے تحقیق کی ابتدأ کی جائے۔ تو یہ تصور کسی مقام پر۔ کسی مستقل وجود کے قرار کا تصور قائم نہیں کرتا۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ـــ اس حال میں کہ محققین مغرب (سائنسدان) اپنے مشاہداتی ذرائع سے قریب کی ہیئتوں (سیاروں) میں چند سیاروں کے وجود کا تصور پا سکے ہیں۔ جبکہ ابھی فضائے کائناتِ دنیا ابھی بے شمار سیاروں سے بھری پڑی ہے ـــ اور انکی وسعت و مسافت ان گنت میلوں کا فاصلہ رکھتی ہے ـــ جہاں تک مغربی ذرائعِ مشاہدہ ادراک کرنے سے قاصر ہیں ـــ یا وہ اس امید پر ہیں کہ مستقبل میں وہ ایسے ذرائع حاصل کر سکیں گے جن سے مزید کچھ اور فاصلہ پر ناری سیاروں کے وجودوں کا احاطہ کر سکیں گے۔ لیکن علت و معلول Subject - Object کے فطری نظام تخلیق میں ان ہیئتوں کے ادراک میں قطعی فیصلہ کرنا خلافِ اصول ہوگا کہ ان ہیئتوں سے آگے ''کائناتِ دنیا'' کا وجود نہیں ہو سکتا ـــ حالانکہ آج تک محققین مغرب زمینی سورج سے آگے چند ہی ایک سیاروں کے وجودوں کا غیر مشاہداتی علم حاصل کر چکے ہیں۔ جبکہ ان وجودوں کی اصل ہیئت کا انکے پاس۔ قیاسی ـــ وہمی تصور ہو سکتا ہے جو ناقص تصور پر محمول کیا جا سکتا ہے ـــ سوائے اسکے کہ وہ زمین اور سورج کی وجودی قوتوں اور خاصیتوں کی بنیاد سے ہی ایسے ماورائے ادراک وجودوں کا تصور (غیر مشاہداتی) حاصل کر سکیں گے۔

البتہ اس تحقیق میں ایک خاص نکتہ سامنے آتا ہے۔ جسکی بنیاد پر ماورائے ادراک قوتوں کا ایک غیر مختتم (لامحدود) تسلسل لامحدود۔ سانت (فاصلہ) کے تصور میں لاتعداد وجودوں کو تسلیم کیا جانا ممکن ہوتا ہے ـــ لیکن ان ہیئتوں کی وجودی ہیئتوں ـــ کیفیتوں کے اجزائے ترکیبی میں۔ کسی خاصیت کا حقیقی تصور کسی صورت ممکن نہیں ہو سکتا ـــ

وہ یہ کہ۔ کائناتِ دنیا۔ محض انسانی عقل و بصر کے احاطہ میں آنے والی کیفیت ہے ـــ جو غیر مستقل ہے۔ جبکہ علت و معلول کے فطری نظام کے تحت کائناتِ دنیا سے ماوریٰ ایک وسیع و لامحدود عالم

بھی یقینی ہے ___ جسکا تصور۔ زمین کی اسی برقی قوت کے تصور پر قائم ہوسکتا ہے۔ جس میں۔ روشنی۔ تپش۔ کشش اور جسامت محقق و مسلمہ قوتیں ہونا فطری اصول کے تابع قابلِ یقین وتسلیم ہوسکتا ہے ___

یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ محققین مادہ کو کل کائنات کا احاطہ کرنے کیلئے کوئی ذریعہ میسر نہیں ___ سوائے محققین اسلام کے جنکی تحقیقی بنیاد روحانیت پر ہے۔ قرآن اس سلسلہ میں تحقیق کی راہنمائی کرتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ___ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ تحقیق آسمانوں اور زمین کی تخلیق (بناوٹ) میں بہت سے آثار موجود ہیں۔ کہ ان کے بنیادی وجودوں اور اجزائے ترکیبی کا علم حاصل ہو ___ اور تمہارے وجودوں میں بھی ایسی کیفیتیں ہیں۔ جن کے ذریعہ ___ اور جن مرکبات کے ذریعہ تمہیں ہر وجودی ہیئت کا علم اور تصور مل سکتا ہے۔ تم ان کیفیتوں کو عقل وبصر کی مدد سے پہچان سکتے ہو کہ۔ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲۰)۔ زمین کی اشیأ کے اجزائے ترکیبی ___ اور انکی خاصیتوں کی پہچان کی بنیاد پر کائناتِ عالم کے بنیادی وجود کی ہر کیفیت کا سراغ مل سکتا ہے۔ قرآن کا یہ خطاب صرف اہلِ قرآن (مسلمان) تک محدود نہیں۔ بلکہ بحیثیت انسان۔ بلاتمیز مذہب وملت ہر انسان کیلئے ہے ___ اور محققین مغرب اسی انسانی خطاب کے زمرہ میں آتے ہیں۔ کہ انہوں نے قرآنی آیات سے استفادہ کرکے۔ کائنات کی تحقیق میں۔ قرآن ہی کی آیات کو اپنی تحقیق کا مبدأ یا محرک بنایا۔ انہوں نے زمین اور زمین کے اجزأ نباتات۔ جمادات۔ حیوانات اور انسان کی تحقیق (وفی انفسکم کی ہدایت کے مطابق) سے ہی ابتدأ کرکے کائناتِ ارضی (زمین) کی تحقیق میں۔ برقی قوت (روشنی۔ تپش۔ کشش اور جسامت) کا تصور پایا ___ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ آئندہ خلق السمٰوات و الارض کی تحقیق میں زمین کی جملہ اجزأ و خاصیات کا ایک ساتھ تصور رکھ کر کائنات کی تحقیق و تصور میں آگے قدم بڑھایا جائے۔ قرآن کے نزدیک محققین مغرب کی وہ تحقیق جو انسانی ادراک کی حد میں اپنی اصلی صورت میں آتی ہیں ان سے انکار نہیں۔ سوائے اسکے کہ بعض کیفیات کا بغیر مشاہدہ صرف قیاس وہم پر ایک تصور قائم کرنا بوجہ نقص کے قابلِ تسلیم نہیں ہوسکتا۔ اس حال میں۔ کہ محققین اسلام کے نظریات کی ایسے نظریات سے رد ہوتی ہو۔ مثال کے طور کارل مارکس۔ سگمنڈ فرائڈ۔ یا ڈارون کے نظریات۔ جنکا تعلق

قیاس سے ہے۔ جن سے اسلامی نظریہ کی رد ہوتی ہو۔ قابل تسلیم ویقین نہیں ـــــ جبکہ قرآن خود (سائنسی انداز تحقیق سے) ایسے نظریات کا ایک علیٰحدہ تصور پیش کرتا ہے۔ یہ نظریات چونکہ خالص مادی تحقیق سے متعلق ہیں۔ اسلئے ایسے نظریات قرآنی نظریات کے مقابلہ میں ناقص اور ناقابل تسلیم ثابت ہوتے ہیں۔

محققین مغرب مادی حیثیت میں کائنات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ مگر محققین اسلام قوت عقلی سے سوا۔ قوتِ اجتہاد کو تحقیق میں لازم سمجھتے ہیں۔ اسکی دو صورتیں ہیں۔ ایک مادی۔ دوسری روحانی ـــــ قطع نظر روحانی ذریعہ تحقیق، کے محققینِ اسلام قوتِ اجتہاد سے بغیر روحانی ذریعہ کے بھی کائنات کی تحقیق میں ایک حقیقی تصور پیش کرتے ہیں۔ اسکی دو صورتیں ہیں۔ ایک سیرو فی الارض۔ یعنی زمین کی ہیئت پر ہی تحقیق کی ابتدا ہوتی ہے۔ دوسری اسلامی نقطہ نظر سے کہ اولاً کائنات عالم کے بنیادی وجود کا بغیر مشاہدہ۔ بغیر دلیل تسلیم کرنا۔ اس تسلیم میں کائنات کے بنیادی وجود کو ایک مستقل وجود قرار دے کر Subject & Object علت ومعلول کے تصور کو آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ جسے نورِ مستقل تعبیر دیا جاتا ہے۔

دوسری صورت زمین سے ابتدا کر کے بَدَاَ کے وجود کو ثابت کرنا ـــــ یہ کیفیت بغیر اسلامی طریقِ فکر مادی تحقیق کے حاملین کو میسر نہیں آسکتی ـــــ

قرآن نے خلق السمٰوات وَالْاَرض میں۔ انہیں کیفیتوں کی طرف اشارہ دیا جو محققین مغرب نے سائنس کے ذریعہ حاصل کئے۔ کہ زمین ـــــ روشنی۔ تپش۔ کشش اور جسامت کا مرقع ہے ـــــ اور انسان میں بھی یہی تین قوتیں پائی جاتی ہیں ـــــ خاکی جسم۔ ناری روح ـــــ اور نوری روح۔ یہاں قرآن ہر کیفیت کا اسکی ہیئت کے مطابق۔ خاک۔ نار۔ نور میں تصور دیتا ہے۔ اور انسان میں تحقیق ومشاہدہ کیلئے ماسوائے قوت عقلی روحانی مشاہدہ کے ذریعہ کائنات کے آثار کا مشاہدہ کی تحریک بھی دیتا ہے ـــــ لیکن یہاں روحانی مشاہدہ کے بیان کا مقام نہیں۔ صرف اسلامی۔ قرآنی نقطہ نظر سے کائنات کی تحقیق میں ایک حقیقی تصور حاصل کرنا ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے۔ سائنس کی تحقیق سے بھی ثابت ہے۔ کہ زمین مادی ہیئت میں۔ روشنی۔ تپش۔ کشش۔ اور جسامت رکھتی ہے۔ اب ان اشیاءِ زمینی کی بازگشت میں۔ زمین کی اشیاء کو زمین میں اعادہ

کیا جائے۔ کہ تمام اشیائے ارضی زمین میں ضم (یا جذب) کی جائیں۔ تو زمین کی ابتدائی ہیئت کا تصور قائم ہوگا۔ کہ زمین یکسر (غیر مادی) روشنی۔ تپش۔ کشش۔ جسامت کا مرقع تھی۔ جسے سائنسدان کرۂ نار کے تصور میں پیش کرتے ہیں ـــــ اس روشنی۔ تپش۔ کشش۔ جسامت کے اجزائے ترکیبی کچھ بھی ہوں۔ اس مقام پر اس کیفیت پر بحث قبل از وقت ہوگی جب تک کہ ہمیں کائنات کے بنیادی وجود کی ہیئت و ماہیت کا علم نہ ہو۔ لہٰذا۔ اس بنیادی تصور پر پہلے کائنات کی بَـدْاَ کی طرف تحقیق کا تصور حاصل کرنا ضروری ہے ـــــ

اس تحقیق کی ابتدأ زمین کے وجود سے ہی شروع ہوگی۔ زمین کے اجزأ میں نباتات۔ جمادات۔ حیوانات۔ اور ایٹمی قوتیں مشاہدہ میں آچکی ہیں۔ اور زمین کی سب سے اہم قوت انسان ہے۔ اس مقام پر قرآن کَیْفَ بَدَاَالْخَلْقَ ۔ کیسے ابتدأ ہوئی کائناتِ عالم کی۔ کیلئے ایک واضح اشارہ دیتا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰)۔ ابتدائی پیدائش کا طریق ایسا ہی ہے۔ جیسا لوگوں کی پیدائش کا کہ (انسان) باپ لاتعداد ذرات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اسی وجود سے ایک ذرہ الگ ہوکر دوسرے انسان (بیٹے) کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ حقیقتاً بیٹا اپنی کوئی علیحدہ یا خارجی حیثیت نہیں رکھتا۔ سوائے اسکے کہ یہ وجود باپ ہی کا وجود ہے۔ لیکن دوسرے وجود کو باپ کے تصور میں نہیں دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ بیٹے کے تصور میں اسے دیکھا جاتا ہے۔ یہی ترکیب کائنات کی پیدائش کی ہے۔ البتہ یہ تصور اس صورت میں ہوگا جب تحقیق کی ابتدأ نورِ مطلق۔ نورِ مستقل سے ہوگی۔ لیکن مادئین کے نزدیک جب تک کسی وجود کے موجود ہونے کے شواہد ذہن قبول نہ کرے۔ اس وجود کا تسلیم کرنا صحیح نہیں۔ لہٰذا۔ اس وجود کو ثابت کرنے کیلئے۔ زمین کی تحقیق سے ہی ابتدأ کی جاتی ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ Subject (علت) کے وجود کی صفات پر ہی اسکے معلول Object کی تمام صفات و خاصیات کا ظہور ہوتا ہے۔ مثال ایک پھل ـــــ ایک میوہ۔ (سیب) ـــــ ایک پھل کا بنیادی وجود۔ اسکا ''بیج'' ہوتا ہے ـــــ حقیقتاً۔ سائنسی تحقیق کے مطابق بیج زمین کا ایک ناری ذرہ ہے۔ جو پانی کے ذریعہ (بیج کی حیثیت میں) ایک پودے کی شکل میں زمین سے ابھرتا ہے ـــــ تنا بنتا ہے ـــــ تنے کی شاخیں نکلتی ہیں ـــــ پتے نکلتے ہیں۔ پھول نکلتے ہیں۔ اور پھول سے پھل نکلتا ہے۔ یہ ایک

''پھل'' کی فطری پیدائشی ترتیب ہے۔اس ترتیب سے یہ کیفیت سامنے آتی ہے۔کہ جو ہیئتیں درخت سے نمودار ہوتی ہیں۔وہ سب بیج میں موجود ہوتی ہیں ــــــ یا۔حقیقتاً بیج ہی اپنا وجود منتشر (Expand) کر کے ان ہیئتوں میں نمودار ہوتا ہے ــــ بہ الفاظِ دگر۔درخت کی تمام کیفیتوں کا مجموعہ بیج کا واحد تصور پیدا کرتا ہے ــــ کہ جو صفات ان منتشر اجزأ کی ہیں۔انہیں صفات کا مجموعہ بیج کہلاتا ہے ــــ اور بیج کی ہیئت وقوت کا تصور اسکے اجزأ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔کہ بیج میں۔میوہ کی صفت۔خوشبو۔رنگ۔گودا۔چھلکا اور میوے کے سینہ میں پھر وہی بیج ــــ اسکے علاوہ پھول۔پتے۔شاخیں۔تنا۔انہیں صفات پر میوے کا تصور کیا جاتا ہے ــــ

اسی تصور پر کائناتِ دنیا کے تصور میں۔زمین کی جملہ صفات پر اسے روشنی۔تپش۔کشش اور جسامت کا ایک مرقع۔یعنی ناری کرہ تصور کیا جانا یقینی ہوگا۔کائنات دنیا میں زمین (سیارے) کی مثل۔سورج سے اور بھی سیارے (ناری کرے) علیحدہ ہوتے رہے۔جن میں روشنی۔تپش۔کشش۔جسامت پائی جاتی ہے۔اور جب ہم ماضی کے ایک زمانہ کا تصور کرتے ہیں۔جب یہ سیارے سورج کے وجود میں شامل تھے ــــ تو اس مقام پر دو کیفیتیں سامنے آتی ہیں۔ایک ان سیاروں کے وجود کی ''نفی'' میں انکا ''عدم'' اور غیر مستقل ہونا۔کہ ماضی میں انکا وجود ظاہراً موجود نہ تھا ــــــ دوسرے ''عدم'' اور ''نفی'' کی صورت میں انکے ظہور سے پہلے انکا وجود۔سورج میں موجود تھا۔تیسری بات جس پر سورج کا حقیقی تصور قائم ہوتا ہے۔یہ ہے کہ یہ تمام ستارے سورج کی جز کہلاتے ہیں اور ان ستاروں کی بازگشت میں۔یعنی انکے عدم ہونے کے تصور میں۔ایک یہ کہ ان ستاروں کے علیحدہ ہونے پر سورج کا اپنا وجود باقی رہتا ہے۔دوسرے سورج کے ابتدائی تصور میں ــــ سورج کو ان ستاروں کی ــــ روشنی۔تپش۔کشش اور جسامت (طول وعرض) کے مجموعہ میں تصور کیا جائے گا۔اس حیثیت میں سورج کی (زمانۂ) حال کی ہیئت کے مقابل (زمانۂ) ماضی کی ہیئت میں ــــ سورج کی روشنی۔تپش۔کشش۔اور جسامت وسیع تر تصور میں آئے گی ــــ اسی ترتیب پر ــــ سورج خود مستقل وجود نہیں رکھتا۔بلکہ اسکا کسی سیارے کا معلول Object ہونا لازمی ہے ــــــ اور وہ سیارہ جس سے سورج کا وجود نکلا۔اس سیارے سے بھی فطری پیدائشی ترکیب کے تحت کئی اور سیارے (سورج) علیحدہ ہوئے ــــ تو اس سیارے (بڑے سورج) کا

تصور۔سورج جیسے سیاروں کے مجموعے پر۔وسیع روشنی۔وسیع تپش ـــ وسیع کشش ـــ اور وسیع جسامت (طول وعرض) کی ہیئت میں تصور قائم ہوگا ـــ اس طرح ہر علت Subject سیارے کے ابتدائی تصور (اس حال میں کہ ہر سیارے سے نکلے ہوئے معلول سیارے ماضی کے زمانہ میں اپنی بازگشت میں اپنی علت میں جمع سمجھے جائیں) میں۔ہر سیارے کی ہیئت میں وسیع روشنی ـــ وسیع تپش ـــ وسیع کشش ـــ وسیع جسامت کا تصور قائم ہوتا جائے گا ـــ

اور اب ماضی کے اس زمانہ کا تصور کیا جائے۔جب ان تمام سیاروں کا وجود ظہور پذیر نہ ہوا تھا ـــ تو یہ تمام سیارے۔ایک ایسے وجود میں موجود تھے۔جو ان تمام سیاروں کے مجموعے کا مرکب تھا ـــ تو اس وجود میں۔تمام سیاروں کی روشنی۔تپش۔کشش۔جسامت ایسی محسوس ہوگی۔جس میں سوائے وسیع روشنی ـــ وسیع تپش۔وسیع کشش۔اور وسیع جسامت کے اور کسی وجود کا تصور باقی نہ رہے گا ـــ کیونکہ ہر وجود اپنی ابتدائی ہیئت میں۔اپنی قوت میں لطیف۔غیر مجسم۔اور غیر محسوس تصور کیا جانا یقینی ہے ـــ ایسی صورت میں ان تمام سیاروں کی علت Subject۔انتہائی قوی۔غیر مجسم۔لطیف اور غیر محسوس تصور کی جائیگی۔اور جیسا کہ قرآنی بیان سے واضح ہے۔کہ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ یعنی تمام سیارے آسمانِ دنیا میں واقع ہیں ـــ جو فطری تخلیق کے تابع آسمان دنیا سے ہی پیدا ہوئے۔انکی بازگشت میں زمانۂ ماضی کا تصور کیا جائے۔تو ان تمام سیاروں کی نفی یا عدم ـــ یا كُلُّ شَىْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ ہر شے اپنی علت میں ہی اپنی جنس میں واپس سما جاتی ہے۔اور سما کر "فنا" ہو جاتی ہے ـــ فنا سے مراد اپنی ثانوی ہیئت۔اپنی جزوی ہیئت جس ہیئت پر اسکا ظہور ہوا۔معدوم کر کے اپنی علت میں سما کر کل (علت Subject) کی حیثیت حاصل کرتی ہے۔لہٰذا۔ان تمام سیاروں کی روشنی۔تپش۔کشش۔جسامت اکٹھے ہونے پر ایک وسیع روشنی ـــ وسیع تپش ـــ وسیع کشش ـــ وسیع جسامت کا تصور قائم ہو جاتا۔یہ ہیئت غیر مجسم۔اور غیر محسوس ہوگی۔جسکا قوتِ عقلی میں کوئی تصور قائم ہونا فطری طور ممکن نہیں کہ اس ہیئت کی روشنی کس قدر تیز ـــ اس ہیئت کی تپش کس قدر تیز ـــ اور اس ہیئت کی کشش کس قدر قوی اور اس ہیئت کی جسامت (طول وعرض) کس قدر وسیع ہوگی۔جو عقلی اعتبار سے لامحدود ـــ یا لا انتہا کا درجہ رکھتی ہے ـــ اس ہیئت کو قرآن آسمان کے نام (لفظ) سے موسوم کرتا ہے

ـــــ اس ہیئت کے تصور میں ایک اور کیفیت ذہن میں آتی ہے ـــ جیسا کہ بیان ہوا ـــ کہ ''روشنی'' شکل وصورت سے تعبیر ہوتی ہے ـــ ''تپش'' شکل وصورت کی بقا۔یعنی حرارت سے تعبیر ہے۔اور ''کشش'' پر شکل وصورت کے قیام ومکان کا انحصار ہے ـــ ان تین کیفیتوں میں تنزل واقع ہوتا ہے۔ یعنی اپنے اپنے مقام پر ان کی ہیئتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں ـــ جیسے ہر مادی۔کیفیت نباتات۔جمادات ۔حیوانات ـــ ٹھوس مادی ہیئت میں محسوس ہوتے ہیں۔انکی بنیادی ہیئت ۔اور انکی ظاہری ہیئت بھی انہیں تین قوتوں کا مرکب ہے۔مادی ہیئت محسوس ہیئت ہے۔اسکی شکل وصورت روشنی سے وجود پاتی ہے۔یا روشنی ہی مادی شکل وصورت اختیار کرتی ہے۔اس مادی ہیئت میں بھی روشنی کا تصور پایا جاتا ہے۔ اسی طرح تپش اس وجود کی حرارت ہے۔مادی وجود میں حرارت کو بھی ناپا (تولا) جا سکتا ہے۔اور مادی وجود میں کشش کے ذریعہ زمین پر قیام یا مکان متعلق ہے ـــ یہ تینوں قوتیں زمین کی پیداوار ہیں ـــ اور زمین میں مختلف قسم کی اشیا پائی جاتی ہیں۔ہر شے کی اپنی علیٰحدہ ہیئت وقوت ہے۔جیسے ایٹم۔ہائیڈروجن ۔آکسیجن۔اور مجسم برقی قوت۔ان اشیأ میں اپنی ہیئتوں کے مطابق کم زیادہ برقی قوت (روشنی۔تپش۔ کشش) پائی جاتی ہے۔یہی قوتیں کمتر ہیئتوں میں تنزل پذیر ہوکر مادی شکل اختیار کرتی ہیں جہاں یہ قوتیں کمتر حیثیت میں پائی جاتی ہیں ـــ اور جوں جوں ہر کیفیت کی ابتدائی علت کی طرف بڑھتے جاؤ یہ قوتیں اپنی طاقت میں تیز تر ہوتی جاتی ہیں ـــ یہی قوتیں جو زمین کی اشیأ میں منتشر کمتر حالت میں محسوس ہوتی ہیں۔انکے بنیادی وجودوں (علتوں) میں قوی ولطیف محسوس ہوتی ہیں۔اسی ترتیب پر زمین یکسر ناری ہیئت میں محسوس ہوتی ہے۔یہ ناری ہیئت سورج کی جنس سے ہے۔اور جب زمین کو اسکی علت میں ضم کیا جائے تو یہی برقی قوت (روشنی۔تپش۔کشش) سورج میں غیر مجسم اور قوی ناری ہیئت میں محسوس ہوتی ہے۔اسی طرح سورج کی علت اس سے زیادہ۔غیر مجسم۔لطیف اور طاقت میں قوی محسوس ہوگی۔لہٰذا ہر وجود کی علت اپنے مقام پر روشنی۔تپش۔کشش میں۔غالب طاقت کی حامل۔روشنی۔تپش ۔کشش میں غالب طاقت کی حامل ہوگی ـــ

زمین کی تحقیق سے یہ ثابت ہے۔کہ مادی اشیأ بھی روشنی۔تپش۔کشش سے مرکب ہیں۔ کمتر حیثیت ہونے کے باعث یہ قوتیں محسوس کی جاتی ہیں۔اور جوں جوں انکی بنیادی وجودوں کا تصور کیا

جائے تو یہ قوتیں۔قوی۔غیر مجسم۔لطیف غیر محسوس ہیئت اختیار کرتی ہیں ـــ لہٰذا ان قوتوں کے تصور بھی۔اسی حیثیت میں قائم ہونگے۔مادی عالم (زمین) میں مادی برقی قوت ـــ ناری عالم میں۔ناری برقی قوت کے مثالی ناموں سے ان قوتوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔اور یہ نام انکی ہیئتوں کے مطابق خاکی۔ناری دیئے جاتے ہیں۔اس امر سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔کہ زمین کی مادی ہیئتوں میں۔برقی قوت میں۔روشنی مادی روشنی سے موسوم ہوگی۔اور ناری وجودوں کی روشنی ناری روشنی سے موسوم ہوگی ـــ اور اس روشنی کا تصور اپنی ہیئت کے مطابق کم۔زیادہ ہوگا۔

محققین نے برقی قوت کے اجزاٴ کو مشاہدہ کر کے ان تین قوتوں کو روشی۔Light۔تپش Heat۔اور کشش Gravity نام دیا ـــ اور روشنی کو ''نور'' کے لفظ سے بھی پکارا گیا ـــ مگر اس نور کی ہر ہیئت کے مطابق کم زیادہ شکل پائی جاتی ہے۔لہٰذا یہ خیال رکھنا ضروری ہے۔کہ ہر کیفیت کی روشنی کو ایک ہی ''روشنی'' کی صفت میں دیکھنا نہیں۔بلکہ ہر مقام پر روشنی کی الگ الگ صفت اور ہیئت تصور میں لانی چاہیے ـــ

اور یہ امر واضح ہے۔کہ مادی روشنی کے مقابلہ میں ناری روشنی قوی حالت میں پائی جاتی ہے۔اس لئے اسے ناری ہیئت کے تصور میں لایا جاتا ہے۔ناری ہیئت خود مستقل نہیں ـــ ناری ہیئت کا وجود ستاروں تک محدود ہے ـــ ستارے ایک ایسے وجود کے اجزاٴ ہیں۔جو روشنی ـــ تپش ـــ کشش میں تمام ناری قوتوں کا مجموعہ (یا منبع) ہے۔اسی اعتبار سے یہ وجود ـــ یہ ہیئت۔روشنی۔تپش۔کشش میں تمام ناری قوتوں سے وسیع تر طاقت کی حامل ہے ـــ جو یکسر غیر مجسم۔لطیف ـــ اور غیر محسوس ہے کیونکہ جوں جوں۔یہ قوتیں اپنی اصل کی طرف جاتی ہیں۔انکی قوتیں یکسر لطیف اور غیر محسوس ہونا یقینی ہو گا ـــ یہ وجود ایک واحد وجود تصور کیا جاتا ہے۔اس وجود کو سیاروں کی ہیئت میں تصور میں نہیں لایا جاسکتا۔کیونکہ یہ وجود سیاروں کے مقابلہ میں۔لا انتہا روشنی۔تپش سے علاوہ لا انتہا جسامت طول و عرض میں محسوس ہوتا ہے۔اس کیفیت کا تصور اس تجزیہ پر قائم کیا جاسکتا ہے ـــ کہ تمام سیارے اسی وجود کے اندر سمائے ہوئے ہیں۔جیسا کہ فطری تخلیق کے تابع۔ایک وجود سے کئی وجود علیٰحدہ ہونے پر اسکا اپنا وجود یکسر منتشر نہیں ہوتا۔بلکہ اسکا اپنا وجود بھی باقی رہتا ہے۔جیسے زمین ـــ اور سورج کہ ان سے وجود نکلتے

ہیں اور انکا اپنا وجود بھی باقی رہتا ہے ـــــ اسی طرح تمام سیاروں کے پیدا ہونے کے ساتھ انکی علت کا باقی رہنا یقینی ہے اس حال میں کہ یہ تمام سیارے اس وجود کے اندر واقع ہیں ـــ اب اس کیفیت کا تجزیہ کیا جائے کہ زمین سے سورج کا فاصلہ تقریباً 93000000 نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ یہ تو صرف دو وجودوں کا فاصلہ ہے۔ اور اس ہیئت میں ان گنت سیارے واقع ہیں جن کے درمیانی فاصلہ کا میلوں میں کوئی تعین نہیں ہوسکتا۔ نہ اسکا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اس حال میں کہ دنیا کے کسی محقق سے ان فاصلوں کا نہ تعین ہوسکتا ہے۔ نہ اتنی دور کیفیات کا ادراک وتصور حاصل ہوسکتا ہے۔ اس فاصلہ کی صورت میں یہ تصور ضرور قائم ہوسکتا ہے۔ کہ ایک وجود ضرور موجود ہے۔ جسکا ان تمام سیاروں کی علت Subject ہونا یقینی ہے۔ مگر اس وجود کی جسامت طول وعرض میں وسیع ہونے کے اعتبار سے یہ ایک واحد ہیئت تصور کی جاسکتی ہے۔ اور لا انتہا روشنی۔ تپش کیلئے۔ نار کے مقابلہ میں قوی قوت تصور کی جاتی ہے۔ اسی قوی قوت کے اعتبار سے اس برقی ہیئت کو ''نور'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا۔ یہ ضروری ہے۔ کہ مادی۔ یا ناری روشنی کو نہ نور کے نام (لفظ) سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ نہ مادی۔ ناری۔ روشنی کو ''نور'' کے تصور میں لایا جاسکتا ہے ـــــ یہی کیفیت آسمان کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ جو ان گنت میلوں کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسی آسمان کو قرآن نے السَّماء الدُّنیا سے موسوم کیا ہے کہ قریبی آسمان ـــــ ظاہر ہے۔ جس آسمان کی مسافت زمین سے ان گنت Countless میلوں کی مسافت درمیان میں ہو وہ سماءِ دنیا (قریبی) کیسے ہوسکتا ہے؟ ـــ اسکے لئے آسمانِ دنیا کے (ماضی کے) ابتدائی وجود کا تصور کرنا ضروری ہے۔ اس حال میں۔ کہ جب اس وجود سے سیاروں کا وجود ظاہر نہیں ہوا تھا ـــــ تو یہ ایک مجسم نوری وجود تھا۔ تو ابتدائی تخلیقی (پیدائشی) ترتیب کے مطابق اس مجسم نوری وجود میں (پہلے اسکے قریب) ستارے پیدا ہونے لگے ـــ اور پھر ہر سیارے سے انکے اجزا سیارے نکل کر اسی فضائے آسمانی میں پھیلنے لگے۔ یہاں تک کہ اسی ترتیب سے یہ مجسم آسمانی فضا بھر گئی۔ لیکن یہ خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ ہر سیارے سے نکلے ہوئے سیارے (معلول) اپنی اصل (علت) سے کمتر طاقت میں پیدا ہونگے۔ اور جتنے بھی سیارے آسمان کے قریبی سیاروں سے نکلیں گے۔ وہ اصل آسمان سے دور ہوتے جائیں گے۔ یہ ترتیب ایسی ہوگی جیسے۔ انار کے چھلکے میں دانے ـــ مثالی تصور میں ـــ چھلکا اصل آسمان تصور ہوگا۔

اور جو سیارے درمیان میں پیدا ہونگے۔ انکا ایک مرکز قائم ہوگا ــــ اور آسمان دائرے کی شکل اختیار کریگا۔ظاہر ہے۔درمیان میں آسمان کی قوت تقسیم ہوکر کمتر کیفیت میں آئے گی ــــ ایسی ہی ــــ جیسے ناری کرۂ زمینی سیارہ۔ میں اس سے اجزا پیدا ہونے سے اسکی ناری ہیئت میں فرق پیدا ہوکر یہ وجود کمتر مادی ہیئت اختیار کر جاتا ہے۔ یہی کیفیت آسمان دنیا کی ہے۔ کہ انتہائی دوری پر اسکا اپنا وجود باقی رہتا ہے۔اور درمیانی وجود ستاروں کے پیدا ہونے سے کمتر قوت اختیار کر جاتا ہے۔لیکن کمتر قوت میں بھی۔ یہ قوت آسمان کی صفت میں شامل ہے۔گویا۔تمام سیارے۔سورج۔ چاند۔ مشتری۔ زحل۔ مریخ وغیرہ اور زمین خود ہر سیارہ آسمان دنیا کے پیٹ میں واقع ہے۔سورج۔اور زمین اصل آسمان سے ان گنت میلوں کے فاصلہ پر آسمان کے مرکز میں واقع ہے۔اسی طرح جوں جوں مرکز کی طرف آیا جائے۔ آسمان ہی تصور ہوگا۔مگر ہر مقام پر اسکی ہیئت کمتر محسوس ہوگی۔ بہ الفاظِ دگر اپنے نوری مقام پر ''نوری آسمان'' کہلائیگا ــــ ناری سیاروں کے مقام پر ناری آسمان کہلائیگا ــــ اور مادی زمین کے قریب۔ زمین بھی اسی آسمان میں واقع ہے۔مگر اسکی فضا مادی ہیئت کے قریب کمتر قوت کی حامل ہوگی ــــ اسی آسمان میں ہر سیارہ معلق تصور کیا جاتا ہے۔اس تصور میں دو کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ایک سیاروں کا وجود۔دوسرا فضائے آسمانی جس میں سیارے قرار کئے ہیں ــــ

اسی تصور پر تحقیق کو آگے بڑھایا جائے۔تو علت و معلول Subject & Object کی فطری تخلیق کے مطابق آسمانِ دنیا ایک نوری وجود (نوری فضا یا نوری عالم) تصور میں آتا ہے۔لیکن یہ وجود خود مستقل نہیں ہوسکتا ــــ جبکہ یہ وجود بھی کسی علت کا محتاج ہے ــــ جو کہ ضروری ہے ــــ چونکہ یہ وجود لامحدود تصور ہوتا ہے۔جس میں لا انتہا روشنی ــــ لا انتہا تپش۔لا انتہا کشش اور لا انتہا وسیع جسامت طول و عرض پایا جانا یقینی ہوگا۔لہٰذا اس فضا میں مثل سیاروں کے وجود پیدا ہونا ممکن نہیں۔سوائے اسکے کہ ایک واحد وجود کسی واحد وجود سے اسکے مرکز میں پیدا ہو ــــ یہاں آسمان دنیا میں یہ تصور قائم کرنا ضروری ہے۔کہ حقیقی آسمان سے لے کر۔زمین کے مقام تک آسمان ایک جسم کی ہیئت میں قائم ہے۔ ناری ستاروں میں بھی آسمان ہی ہے۔زمین کے مقام پر بھی آسمان ہی ہے۔یہ آسمان میں کمتر ہیئت کے لحاظ سے طبقات میں الگ الگ تقسیم نہیں ہوتا۔بلکہ زمین سے لے کر حقیقی آسمان تک آسمانی ہیئت ــــ

مادی مقام سے لے کر حقیقی آسمان تک اسکی ہیئت (طاقت) حقیقی آسمان کی طرف مادی ناری ہیئت میں Vanish ہوتی جاتی ہے ـــــ جس میں درمیان میں کسی مقام پر حد نہیں آتی ـــــ یہی صورت آسمان دنیا کی ہے۔ کہ یہ اپنی علت کی طرف روشنی۔ تپش۔ کشش ـــــ جسامت میں قوی و غالب صورت میں تیز تر روشنی۔ تیز تر تپش۔ قوی تر کشش اور وسیع تر جسامت میں وسیع تر ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ وسعت اب مرکز اور دائرے کی شکل میں آگے بڑھتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ وسعت ایک مقام پر آسمان دنیا کے مقابلہ میں انتہائی قوی روشنی۔ تپش۔ کشش۔ اور جسامت میں محسوس ہوتی ہے اور اس قوی ہیئت اور آسمان دنیا کا اتنا وسیع فاصلہ قائم ہو جاتا ہے۔ کہ آسمان دنیا۔ اس قوی نوری ہیئت میں مرکز کی حیثیت میں محسوس ہوتا ہے ـــــ لہٰذا۔ اس مرکز اور دائرے کے تصور میں یہ دوسری ہیئت۔ آسمانِ دنیا کی علت تصور کی جاتی ہے ـــــ اس مقام پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ دوسری نوری ہیئت آسمان دنیا پر احاطہ کئے ہے۔ اور یہ ہیئت دائرے کی شکل میں آسمانِ دنیا پر محیط ہے ـــــ اور جیسے آسمان دنیا ناری سیاروں میں بھی آسمان ہی تصور ہوتا ہے۔ مگر ناری ماحول میں ایک ناری طبقہ کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اسی طرح آسمانِ دنیا کے مقابلہ میں اس پر محیط نوری ہیئت آسمان دنیا اور اپنی ہیئت کے درمیان ایک طبقہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اس ہیئت کو دوسرا آسمان کہا جاتا ہے۔ یہی تخلیقی ترتیب آگے بڑھ کر۔ قوی سے قوی تر قوت خود علت کی شکل اختیار کر کے۔ آسمان سوئم۔ چہارم۔ پنجم۔ ششم۔ ہفتم کے مثالی تصور میں محسوس کئے جاتے ہیں۔ اسی ترتیب سے ایک ہیئت نوری علت قرار دی جاتی ہے۔ اور اس سے کمتر آسمان کی ہیئت معلول قرار دی جاتی ہے۔ اسی کیفیت کو قرآن نے **سبع سمٰوٰت طباقاً** کے تصور میں پیش کیا ہے۔ اسکے بعد تخلیقی ترتیب کی یہی صورت قائم ہوتی ہے۔ کہ ہر ہیئت آگے بڑھ کر قوی وسیع ہیئت روشنی۔ تپش۔ کشش۔ جسامت میں لا انتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اسی انداز پر یہ علت و معلول Subject & Object کا سلسلہ نہ ختم ہونے والے زمانہ تک برابر جاری رہنا یقینی ہے۔ کہ ہر معلول کیلئے ایک علت کا ہونا ضروری ہے۔ اور ہر علت سے ہی ایک معلول کے وجود کی بنیاد ہونا یقینی ہے ـــــ اور یہ نظریہ بظاہر درست ہوگا کہ یہ تخلیقی ترتیب ہر زمانہ میں خود بخود عمل میں آتی ہے ـــــ

یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ محققین مغرب۔ محققین مادہ اسی نظریہ پر اس کائناتِ عالم۔ اور کائناتِ

دنیا کی تحقیق میں ایک Subject & Object علت و معلول کے منظم نظام کا تصور قائم کرتے ہیں لیکن اس تحقیق میں قرآن اپنا ایک منفرد نظریہ پیش کرتا ہے ـــــ

قرآن اول کائناتِ عالم ـــــ کائنات دنیا کے دو تصورات پیش کرتا ہے۔

اول۔ السماء الدنیا۔ کائنات دنیا ـــــ یہ آسمان اول ـــــ آسمان دنیا کا تصور ہے۔ جس میں سیارے واقع ہیں۔ اسکا تصور آسمان دنیا کے تصور میں اس لئے دیا گیا۔ کہ انسانی قوتِ عقلی اس سے آگے کا نہ احساس کرسکتی ہے۔ نہ ادراک کرسکتی ہے۔ نہ انسانی ذہن میں اسکا کوئی تصور قائم ہوسکتا ہے۔ البتہ آسمانِ دنیا کے اجزا پر تحقیق سے ایک ابتدائی وجود کا تصور (علت و معلول کی شکل میں) موہوم تصور کے ساتھ قائم ہوسکتا ہے۔ جو تحقیق[1] کی بنیاد بنتی ہے ـــــ جسکے لئے قرآن سبع سمٰوٰت طباقا کی ترتیب کا تصور دیتا ہے۔ کہ آسمان دنیا سے ماورئی اور بھی نوری ہیئتیں موجود پائی جاتی ہیں ـــــ سبع سمٰوات کا تصور اسلئے۔ کہ اس نوری وجود کو نوری اعتبار سے مستقل وجود قرار نہ دیا جائے۔ بلکہ اپنی تحقیق کو علت و معلول کی وسعت کے ساتھ لامحدود زمانہ تک آگے بڑھایا جائے ـــــ اسکے ساتھ ہی قرآن اس تحقیق کو وسیع تر مقام تک پہنچانے کی تحریک دیتا ہے ـــــ

سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ۔ پھرو زمین پر اور ان اشیاء پر فکر کرو کہ ہر شے کی ابتداء کیسے ہوتی ہے۔ ایک علت سے دوسرا وجود کیسے بنتا ہے۔ اور پھر دیکھو اس کائنات کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ علت و معلول کی ترتیب کے باوجود کسی مقام پر کائنات کی ابتداء یقینی ہوتی ہے ـــــ قرآن نے اس حقیقی تصور کو حاصل کرنے کیلئے ایک خصوصی تصور دیا فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا ط ـــــ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ ط "اللّٰہ" کی ذات خالق اور مخلوق کا تصور اسی تصور پر قائم ہوسکتا ہے۔ کہ جس ترتیب پر تمہاری قریبی اشیاء نباتات۔ جمادات۔ حیوانات اور خود تمہارے وجود سے بحیثیت انسان ایک تخلیقی ترتیب سامنے آتی ہے ـــــ اس آیت میں

---

[1] اسکے لئے قرآن طریق تحقیق کی راہنمائی میں ایک سمت متعین کرتا ہے۔ جس میں خود انسانی ہیئت پر تحقیق کی ابتداء ہوتی ہے اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ـــــ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۙ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ط اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝

قرآن اولاً ایک علت، لامحدود کا تصور دیتا ہے۔ جس پر علت و معلول کا سلسلہ آ کر رک جاتا ہے۔ اس اختتام کی دلیل یہ پیش کرتا ہے۔ کہ تم اس خالق کو اپنی ہیئت کی صفات پر تصور کرو۔

اول۔ اَللّٰہُ۔ کے تصور میں اس لفظ سے اللہ کی صفت بیان کرتا ہے۔ کہ ''عِلّتِ لَا محدود''۔ کہ وہ نورِ مطلق ہے۔ کائنات کی تمام علتوں کی علت اولیٰ ــــ کہ جسکی حد کو عبور کرنے میں تم لاتعداد زمانہ تک پرواز کرو۔ کہ اسکی روشنی کا اندازہ کیا ہے ــــ اسکی تپش کا اندازہ کیا ہے ــــ اسکی کشش کی قوت کیا ہے۔ اسکی جسامت کتنی وسیع ہے۔ تو تم کسی طرح بھی اسکی حد کو نہ پا سکو گے۔ اور انسان پائے بھی کیسے۔ جبکہ مریخ اور زمین کے درمیان کروڑوں میل کی حیرت انگیز مسافت پائی جاتی ہے۔ اور محققین نے ایک سیارہ دریافت کیا ہے۔ جو اس زمینی سورج سے کئی ارب گنا۔ روشنی۔ تپش۔ کشش۔ جسامت میں بڑا ہے۔ اور اتنی دور مسافت میں واقع ہے۔ کہ یہ سیارہ زمین کی پیدائش سے قبل (غالباً کروڑوں سال) وجود میں آیا ہے۔ ابھی تک اسکی روشنی اپنے اور زمین کے درمیان فاصلہ طے نہیں کر سکی۔ یہ تو کائنات کے ذرّہ کے اربوں حصہ قلیل ہیئت کی وسعت ہے۔ تو کجا آسمان۔ سبع سمٰوات۔ ماورائے آسمان عالمِ نوری۔ اور آخر میں علت اولیٰ۔!!۔ اسکی وسعتوں کی حد انسانی تصور سے باہر ہے۔ اسی لئے اس علتِ لامحدود کو ہر محقق نے اللّٰہ کے نام سے پکارا۔ کہ جس کی روشنی کا کوئی تصور نہیں۔ جسکی تپش کا کوئی اندازہ نہیں ــــ جسکی کشش (قدرت کاملہ) کا کوئی اندازہ نہیں۔ جسکی جسامت کی کوئی حد قائم نہیں ہو سکتی۔ اسے اللّٰہ کہا جاتا ہے۔ اسکے بعد کوئی علت موجود نہیں۔ کہ وہ 'اَحَدٌ' ہے۔ ایک ہی تھا ایک ہی ہے ــــ ایک ہی ہوگا ــــ اور اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے۔ مادی طرزِ فکر بے بس و عاجز ہے۔ نہ قوتِ عقلی سے اسکا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ سوائے۔ قوتِ اجتہاد۔ قوت القا سے ــــ پاکیزگی جسم و روح۔ لطافتِ جسمانی سے۔ جو نیم روحانی کہلاتی ہے۔ وہ اس لئے کہ اس قوت سے مادی حیثیت میں ہی تحقیق کرنی ہے۔ اس حال میں کہ اسکے ذہن کو حقیقت کی صحیح سمت حاصل ہو ــــ یہ حقیقت ہے۔ کہ جب تک مبدءِ کائنات۔ نورِ مطلق کو تسلیم نہ کیا جائے ــــ بلا دلیل۔ تب تک انسان اپنی تحقیق میں حقیقت کی سمت اور حقیقی تصور نہیں پا سکتا ــــ اسلئے قرآن نے بتایا ــــ وَفِیٓ اَنۡفُسِکُمۡ ــــ اور فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡھَا یعنی تم اپنے جسم کی پیدائش پر غور کرو ــــ اور جو صفات تمہارے وجود میں ہیں۔ وہ صفات تمہیں ذاتی نہیں

۔۔۔ خارجی نہیں بلکہ اپنی علت سے ورثہ میں ملتی ہیں ۔۔۔ اس پر غور کرو۔اور دیانتداری سے حق کو قبول کرنے میں۔ حجت وجہل سے کام نہ لو۔۔۔

فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا میں۔ایک انسان کی ایک علت اسکا باپ ہے۔دوسری علت زمین ہے۔اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔انسان بشری شکل وصورت میں زمین سے معلول ہے ۔۔۔ باپ سے معلول ہونا مراد ۔۔۔ باپ کا وجود۔لاتعداد ذرات سے مرکب ہے ۔۔۔ یہ ایک مکمل وجود ہے۔بیٹے کا وجود نہ ذاتی ہے۔نہ خارج سے پیدا ہوتا ہے ۔۔۔ بلکہ اسی وجود کا ایک ذرہ۔جو ایک وقت باپ کی شکل میں موجود ہے۔مخصوص ہو کر (ماں کے رحم میں) بیٹے کی شکل اختیار کرتا ہے۔اس حیثیت میں۔ بیٹے کے وجود کی کوئی خارجی حیثیت نہیں۔بلکہ یہ بھی باپ ہی کا وجود ہے ۔۔۔ البتہ ایک ہیئت حاصل کرنے کے بعد یہ ''بیٹا'' بنتا ہے۔بیٹا جز کی حیثیت رکھتا ہے ۔۔۔ باپ نہیں کہلا سکتا ۔۔۔ تاوقتیکہ کہ جب یہ خود معلول کی حیثیت سے بڑھ کر خود علت کی حیثیت اختیار کرے۔یہ ایک ترتیب ہے۔مخلوق۔معلول کے پیدا ہونے کی۔کہ اگر باپ نہ ہو۔تو بیٹا پیدا نہیں ہو سکتا ۔۔۔ بیٹے کی صفات وہی ہیں۔جو باپ کی صفات ہیں۔باپ میں۔آنکھ۔کان۔ناک۔زبان۔جسم ہے۔اسکے ذرہ میں بھی وہی اعضٔے ہیں۔جو بیٹے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے ۔۔۔ پھر اس میں دماغ۔عقل وشعور۔فہم وحواس ۔۔۔ ارادہ واختیار موجود ہے ۔۔۔

زمین ۔۔۔ انسان زمین کی مٹی سے (یا زمین کے ناری ذرہ سے) پیدا ہوتا ہے ۔۔۔ مثل باپ۔انسانی ذرہ میں۔ناک۔کان۔زبان۔عقل وشعور۔فہم وادراک۔ارادہ واختیار ہو تو۔انسان انہیں خواص پر پیدا ہوتا ہے۔مثل بیج۔اگر ذرہ میں۔یہ قوتیں نہ ہوں۔تو انسان میں بھی نہ ہو سکیں گی۔ اور پھر معلول کی صفات پر ہی اسکی علت کا تصور قائم ہوتا ہے۔کہ معلول میں۔سمع وبصر۔عقل وفہم۔ارادہ وحرکت ہو تو علت میں کل کی حیثیت میں ان صفات کا پایا جانا یقینی ہوگا ۔۔۔ لہٰذا ثابت ہوگا کہ زمین میں علت کے اعتبار سے جز (انسان) کے مقابلہ میں ان صفات کا قوی حیثیت میں پایا جانا لازمی ہوگا ۔۔۔ یعنی زمین میں بھی قوت سمع۔قوتِ بصر۔قوت عقل۔ارادہ واختیار فطری طور ہونا ثابت ہے ۔۔۔ یقیناً ہے۔صرف ایک محقق کے پاس وہ ذریعہ موجود ہو۔جو زمین کی خاصیت کا احاطہ کر سکے۔اگر احاطہ کر نہیں

سکتا۔تو اسکے لئے اسکی لاعلمی کے باعث اس صفت کی نفی نہیں ہوسکتی۔اب اس حیثیت میں فطر الناس علیھا کی خصوصیت کے ساتھ قوتِ سمع۔قوت بصر۔عقل وفہم۔ارادہ واختیار کوزمین سے متعلق کیا جائے۔توزمین کی اصل صفت (مادی) روشنی ـــ (مادی) تپش ـــ (مادی) کشش ـــ (مادی) جسامت ـــ اور قوت سمع۔قوتِ بصر۔فہم وارادہ شامل رکھا جائے گا ـــ زمین سورج کی معلول ہے۔لہٰذا سورج میں ان خصوصیات کا بدرجہ اولیٰ پایا جانا فطری تخلیق کے عین مطابق ہوگا ـــ سورج اور تمام سیارے آسمان دنیا کے معلول ہیں۔لہٰذا آسمان دنیا میں قوتِ سمع۔قوت بصر۔قوت فہم۔ارادہ واختیار پایا جانا بھی فطری تخلیق کے عین مطابق ہوگا ـــ آسمان دنیا سبع سمٰوات اور ماورائے آسمان جتنے بھی نوری عالم ہیں۔ان میں بھی علت ومعلول کا ایک نظام قائم ہے لہٰذا ہر علت میں قوتِ سمع وبصر۔فہم وادراک۔ارادہ واختیار پایا جانا لازمی ہوگا۔جیسے آسمانی مخلوق ملائکہ (نوری پیکر) میں۔قوت سمع۔بصر۔فہم۔ارادہ واختیار پایا جاتا ہے۔اور یہ تخلیقی سلسلہ اپنی بَـدَاَ (ابتدا) کی طرف ایک ایسے وجود پر پہنچتا ہے۔جو اس کائنات کی علت قرار دی جاتی ہے ـــ جو ہیئت۔بیج کی حیثیت میں کائنات کے تمام وجودوں کا منبع کہلاتی ہے ـــ اسی وجود پر کائنات کی ابتدا ختم ہو جاتی ہے ـــ اور یہ وجود (جو مخلوق اور کائنات میں ہی شامل ہے) ایک ایسی علت سے معلول ہے۔جسکی روشنی لا انتہا۔لامحدود ـــ جسکی تپش لا انتہا لا احساس ـــ جسکی کشش تمام کائنات کو حصار میں لئے ہے جسکی جسامت لا انتہا۔زمان ومکان تک وسیع کہ اسکی حد کا تعین نہیں ہوسکتا۔اس علتِ لامحدود میں قوتِ سمع۔قوتِ بصر۔فہم۔ارادہ واختیار کائنات کی تمام قوتوں کے مقابلہ میں بدرجہ اتم قوی ہے۔ایسی صورت میں۔جہاں تک معلول حیثیت میں کائنات بنی۔انکے خصوصیات کا احاطہ انسانی عقل وخرد سے باہر ہے۔اسلئے انکے قوت سمع وبصر۔ارادہ کا علم ہو نہیں سکتا۔نہ انکا مظاہر عقلی حیثیت میں ادراک میں آسکتا ہے اگر چہ انسانی عقل ان خاصیتوں پر بوجہ بے بسی۔کم مائیگی احاطہ نہیں کر سکتی۔تاہم ان قوتوں سے کسی محقق کے پاس انکار کی دلیل نہیں ہوسکتی ـــ اور جہاں تک علتِ لامحدود کی ذات وصفات کا تعلق ہے اسکی دلیل کیلئے۔اتنا سمجھنا کافی ہے۔کہ ہر علت بحثیت معلول پیدا ہونے پر مجبور ہے۔اپنے ارادے سے پیدا ہونے پر قادر نہیں (بلکہ یوں سمجھا جائے خود بخود پیدا ہوتی ہے) یہ اسکی مجبوری کی علامت ہے۔پھر انسان باوجود ان صفات کے اظہار کے اپنی موت وحیات پر قادر نہیں۔

ایک پابند نظام میں مقید ہے۔ یہ جبر ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ جبر و عجز اور بے بسی۔ بغیر کسی جابر قوت کے خود بخود نہیں ہوسکتی۔ اور جب علتِ لامحدود اپنی غلبہ قوت کے اعتبار سے غالب قوت کی حامل ہو۔ تو وہ اپنے ارادے کو استعمال کرنے پر قادر ہوسکتی ہے اس حال میں۔ کہ اسکی علت کا ماضی میں کوئی تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وہ علت اس کائنات کی خالق و مالک ہوسکتی ہے ــــ کہ اسکے ارادے سے کائنات عالم کا ابتدائی وجود ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جس میں تمام کائنات کی علتوں کا مادّہ ــــ روشنی۔ تپش۔ کشش۔ جسامت۔ قوت سمع و بصر۔ فہم ارادۂ اختیار (بیج کی حیثیت میں) سمایا ہے اور زمانہ کے ساتھ ساتھ حال و مستقبل میں ہر وجود۔ علت۔ کا ظہور (خود بخود) ہوتا رہا اور یہ امر محقق ہے۔ کہ ہر معلول اپنی ہیئت میں۔ اپنی کل کے مقابلہ میں جز کی حیثیت میں روشنی۔ تپش۔ کشش۔ جسامت۔ قوت سمع۔ قوت بصر۔ قوت فہم۔ ارادۂ اختیار میں کمتر قوت کی حامل ہوتی ہے۔ یہ حقیقت بھی واضح ہے۔ کہ علتِ لامحدود ہیئت۔ کا بنیادی وجود۔ لاانتہا روشنی کی صورت میں۔ ازلی اور مستقل وجود ہوگا۔ جسے ''نـــور'' کے نام (لفظ) سے موسوم کیا گیا ــــ یہی نور ہر علت میں تقسیم ہوکر کمتر حیثیت میں ظاہر ہوتا ہے ــــ یہاں تک کہ آسمان دنیا تک یہ نوری وجود منقسم ہوکر نور سے نور پیدا کرتا رہا۔ آسمانِ دنیا نور کی نوری ہیئت کی آخری ہیئت ہے۔ اسکے بعد اس نور آسمان دنیا میں۔ دوسرا نور پیدا ہونے کی قوت نہیں۔ لہٰذا آسمان دنیا سے پیدا ہوئی علتوں کی خاصیت نار میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ کیفیت بھی نور ہی سے تعلق رکھتی ہے (یعنی یہ کیفیت بھی نور سے تعبیر ہے۔) مگر مقام و ہیئت کے اعتبار سے یہ نور نار سے موسوم ہوتا ہے۔ اس آسمان دنیا کی آخری معلولی ہیئت زمین قرار دی جاتی ہے۔ جو آسمانِ دنیا کے مرکز میں قرار کرتی ہے۔ جب تک اس میں ناری خاصیت پائی جاتی ہے۔ اس سے ستارے پیدا ہوتے ہیں۔ جب اسکی قوت منتشر ہوئی تو اس سے سیارے معلول نہیں ہوسکتے۔ تو زمین خاکی ہیئت اختیار کرتی ہے۔ تو زمین سے خاکی معلول۔ نباتات۔ جمادات۔ حیوانات پیدا ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ سب نور کی ہی منقسم کیفیتیں ہیں۔ جو ماحول کے مطابق ہیئت تبدیل کرتے ہیں۔ تو انہیں (مادی نور) مادہ یا خاک سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ یہ ایک وہمی تصور ہے۔ کہ انسان روشن کیفیت کو نور سے تعبیر دیتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نور۔ نار۔ اور خاک میں بھی پایا جاتا ہے۔ صرف اسکی ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے۔ جو اسکی شکل و صورت سے نمایاں ہوتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا ــــ روشنی سے شکل وصورت بنتی ہے۔اسی نور سے ناری شکل وصورت بنتی ہے۔اور زمین میں مادی ٹھوس شکل وصورت بنتی ہے۔اس مقام پر اسکی روشن صورت تنزل پذیر ہو کر ٹھوس مادی ہیئت اختیار کر کے اپنی روشن ہیئت کمتر صورت اختیار کر جاتی ہے ــــ بس ٹھوس مادی کیفیت پر نور کی آخری حد قائم ہو جاتی ہے۔اسکے بعد کوئی کیفیت وجود پذیر نہیں ہوتی۔ظاہر ہے محققین نے زمین میں۔روشنی کا مشاہدہ کیا۔جو برقی قوت کی جز ہے۔دوسرے سورج کی روشنی سے روشنی کا احساس پایا۔اسکے مقابل۔ظلمت (اندھیرے) کی کیفیت کا مشاہدہ کیا۔درحقیقت۔اندھیری ہیئت کا کوئی خارجی وجود نہیں۔درحقیقت یہ محققین کی بھول ہے۔جو وہ اندھیرے کو ایک کیفیت سمجھتے ہیں۔اندھیرے کی کوئی حیثیت نہیں۔بلکہ یہ بھی نور کی ارذل ترین کیفیت ہے۔جو نور کے مادی ہیئت میں وجود پانے سے پیدا ہوتی ہے۔ورنہ اسکی ذاتی کوئی حیثیت نہیں۔

اس تفصیل کے بعد اب محققین کے نور کی تحقیق میں کچھ تفصیل پیش کی جائے۔

گزشتہ محققین نے بھی مادی حیثیت میں کائنات دنیا میں قریبی کیفیاتَ کے مشاہدہ پر تجزیہ کیا۔یہ تحقیق بھی قوتِ عقلی کے تابع تھی ــــ جبکہ ان قریبی کیفیتوں کے بنیادی وجود پر انکا احاطہ نہ ہوسکتا تھا۔کہ نور کی اصل کیا ہے؟۔اسلئے قدیم محققین کے عقلی فیصلے جدید محققین نے رد کر دیئے۔یہ رد محققین کے وہمی اور قیاسی فیصلے کی وجہ سے ہوتے رہے۔کہ وہ لوگ ایک کیفیت کی اصل پانے میں صحیح سمت پا نہ سکے۔نہ انکے پاس جدید محققین کے سائنسی ایجادات کے ذرائع مہیا تھے۔کسی محقق کا اپنی شخصیت کے زعم میں فیصلہ کرنا۔عقلی تحقیق کی بناء پر۔وہم وقیاس کے تصورات پر مبنی ناقص نتیجہ یا نظریہ پر منتج ہوتے ہیں ــــ اور ایسی شخصیتوں کا مشہور ہونا ہی۔آئندہ آنے والے لوگوں کیلئے انکے نظریات قبول کرنے کی دلیل بنتی ہے ــــ لیکن یہ فیصلے بغیر مشاہداتی ذرائع کے محض وہم وقیاس پر مبنی قرار دیئے جاتے ہیں۔جبکہ انہیں ان کیفیات کی اصل کا کوئی واضح تصور حاصل نہیں۔لہٰذا ایسے نظریات پر کسی کیفیت کی اصل کا تجزیہ نامکمل تصور کیا جانا یقینی ہوگا۔اسی ضمن میں ''نور'' کی اصل کا کوئی کامل تصور ملنا محال ہوگا۔جب تک کہ نور کی بنیادی ہیئت کا حقیقی تصور حاصل نہیں ہوسکتا ــــ پیشتر بیان ہوا۔کہ زمین کی کیفیات میں نور۔یا روشنی میں۔نور کا نہ اصل تصور ہوسکتا ہے نہ اس کیفیت سے نور کی اصل حقیقت کی آگاہی مل سکتی ہے۔

قرآنی نظریہ کے مطابق۔ نور کی ابتدا نورِ مطلق۔ علتِ لا محدود سے ہوتی ہے۔ نور کا حقیقی تصور اسی وجود سے قائم ہوسکتا ہے ــــ اور تخلیقی ترکیب میں۔ علت و معلول کی ترتیب میں۔ نور (معلول کی صورت میں) تقسیم Analyse ہوتا ہے۔ ہر مقام پر ایک نوری علت سے ایک نور معلول ہوتا ہے۔ ہر معلول اپنی علت کے مقابلہ میں کمتر جزوی ہیئت اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح ہر مقام پر ہر معلول اپنی علت کے مقابلہ میں کمتر ہیئت میں پیدا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قرآنی بیان کے مطابق سبع سمٰوات کا تصور پیش کیا گیا۔ سبع سمٰوات میں ہر آسمان معلول سے علت کی حیثیت اختیار کر کے ایک معلول پیدا کرتا ہے۔ جیسے ابتدائی عالمِ نوری سے۔ سبع سمٰوات کا وجود پیدا ہوا۔ جو سبع سمٰوات کا مجموعہ و مرکب تھا۔ یہ سات آسمان میں تقسیم ہوتا ہے۔ یعنی سات آسمان میں ساتویں آسمان سے ششم آسمان اسکے مرکز میں معلول ہوتا ہے۔ آسمان ششم خود نوری وجود رکھتا ہے۔ آسمان ششم سے علت کی حیثیت میں اسکے مرکز میں آسمان پنجم معلول ہوتا ہے۔ یہ وجود بھی نوری ہیئت رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر آسمان پنجم۔ چہارم۔ سوئم۔ دوئم۔ میں معلول و علت کی حیثیت میں ایک نوری وجود پیدا ہوتا ہے۔ آسمان دوئم سے بھی آسمان یکم یا آسمان دنیا نوری ہیئت میں پیدا ہوتا ہے۔ آسمان دنیا نوری وجود کا آخری معلول ثابت ہوتا ہے۔ کہ آئندہ اس میں نوری معلول پیدا ہونے کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ آسمان اول کے معلول کی خاصیت کمتر حالت میں ظاہر ہوگی۔ وہ کمتر حالت یا ہیئت ناری ہیئت سے تعبیر دی جاتی ہے۔ یہ امر اس کیفیت سے واضح ہے۔ کہ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ۔ آسمان دنیا سے سیارے معلول ہوتے ہیں۔ اور ہر سیارہ اگرچہ قوی روشنی۔ تپش۔ کشش کا حامل ہے۔ لیکن نوری خاصیت کے مقابلہ میں۔ اسکی قوت ناری کہلاتی ہے۔ اسلئے آئندہ آسمان دنیا کی ناری ہیئتوں سے ناری معلول پیدا ہونا یقینی ہے۔ تاوقتیکہ ناری وجود کی آخری حد پر اس سے ناری وجود پیدا ہونے کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ایسے وجود کی ہیئت۔ ناری صورت میں۔ روشنی۔ تپش۔ کشش۔ ناری خاصیت میں غیر مجسم۔ لطیف اور غیر محسوس قرار دی جاتی ہے۔ اور جب ناری خاصیت تنزل پذیر Analyse ہو۔ تو ایسے ناری وجود کا معلول خاکی ہیئت قرار دیا جاتا ہے۔ خاکی ہیئت کی خاصیت۔ مجسم کثیف اور محسوس کی ہوتی ہے۔ فضائے آسمانی (آسمان دنیا) کے تمام سیارے ناری حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تمام سیاروں میں۔ زمین

آسمان دنیا کے مرکز میں تصور کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان تمام سیاروں میں۔ زمین ہی ایک وجود ہے۔ جو۔ مجسم۔ کثیف۔ محسوس ہیئت میں محسوس ہوتی ہے۔ زمین چونکہ ناری سورج کی معلول ہے۔ جسکا وجود ابتدائی مقام پر ناری تھا۔ ناری اعتبار سے جب تک اسکی ناری ہیئت غالب رہی اس سے فطری تخلیق کے تابع ناری سیارے معلول ہوتے رہے۔ جن میں ایک سیارہ قمر (چاند) کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن یہ سیارہ ناری قوت کی آخری معلول ہے۔ اسلئے اس زمین میں مزید ناری وجودوں کی گنجائش نہ تھی۔ اسلئے زمین سے ابتدائی زمانہ میں۔ اسکے اجزا کمتر ناری ہیئتوں میں معلول ہوئے۔ جن میں تمام وہ قوتیں شامل ہیں جو محققین مغرب نے۔ ایٹم۔ ہائیڈروجن۔ آکسیجن۔ وغیرہ کی صورت میں دریافت کئے۔ اسی طرح زمین کی ہیئت جوں جوں مادی ہیئت میں منتقل ہوتی رہی۔ اسی قوت کے مطابق ہر موقع پر اسکی قوتیں اجزاُ کی صورت میں نکلتی رہیں۔ جن میں۔ نباتات۔ جمادات۔ حیوانات شامل ہیں۔ یہ سب ہیئتیں اپنی خاصیت کے مطابق ناری ہیئت کی تنزلی کیفیت مادی/خاکی ہیئت اختیار کر گئیں ـــــ یہی کائنات عالم کی فطری تخلیقی ترتیب قرار دی جاتی ہے۔

اب ان کیفیتوں کی وجودی خاصیت کا تجزیہ کرنا ہے۔ کہ ان کیفیتوں کا مرکب کیا ہے؟۔ اور ان مرکبات کا بنیادی وجود کیا ہے۔؟

جہاں تک تحقیق وفکر کا تعلق ہے۔ قرآن ایک واضح سمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ اِنَّ فِــیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ـــ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ تحقیق تخلیق کائنات کی تحقیق وفکر میں حقیقی کیفیات وتصور حاصل کرنے میں۔ آسمان (آسمانِ دنیا) اور زمین کی اشیاُ کی تحقیق سے ابتدا کی جائے اور کائنات کے بنیادی وجود کا حقیقی تصور حاصل کرنے کیلئے خود انسانی وجود کی کیفیتوں کے تصور پر ہی۔ کائنات کے بنیادی وجود کا حقیقی تصور حاصل ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ ۔ یہ ضروری ہے کہ قبل از تحقیق تم بغیر دلیل وشہادت ایک علتِ لامحدود ـــ نورِ مطلق کے وجود کو تسلیم کرو ـــ للموقنین کا اشارہ اسی طرف ہے۔ کہ اس بنیادی وجود کو اللّٰہ کی حیثیت میں یقین کرلو۔ تو پھر اس یقین کو مستحکم کرنے کی دلیل انسانی وجود سے حاصل کر سکتے ہو۔ کہ انسانی وجود۔ زمین کی پیداوار ہے۔ اسکے ساتھ ہی اس انسانی معلول Object میں چند اہم کیفیتیں۔ قوت سمع۔ قوت بصر۔ فہم۔ ارادہ و

اختیار بھی۔زمین کی قوت کے اجزا میں شامل ہیں ـــــ یہ امر مسلمہ ہے۔کہ معلول کی ہر صفت اسکی علت سے ورثہ میں آتی ہیں۔اگر یہ صفتیں علت میں نہ ہوں۔تو معلول میں بھی ان صفات کا پایا جانا ممکن نہیں۔لہٰذا یہ ثابت ہے۔کہ معلول کی ہر صفت۔اسکی علت کی ہی صفات ہیں ـــــ زمین کائنات کی آخری معلول ہے۔اور کائنات علت لامحدود کی معلول ہے۔لہٰذا کائنات کی جملہ صفات۔جس میں زمین کی قوتوں کی صفات اور خاص کر انسانی صفات کا۔اَفلا تبصرون۔آنکھوں سے عینی مشاہدہ کے ساتھ یقین کیا جاتا ہے۔انہیں صفات پر علت لامحدود کا تصور قائم ہونا یقینی ہوگا ـــ اس تحقیق کی بنیاد پر یہ واضح ہو جاتا ہے۔کہ خاک کی علت۔قوی نار سے تشبیہ ہوتی ہے۔اور نار کی علت۔قوی نور سے تشبیہ ہوتی ہے۔نور اپنی ابتدا میں۔ازلی۔اور مستقل وجود ہے۔جسکی کوئی علت تصور میں آنا ممکن نہیں۔اس فکر سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔کہ نورِ مطلق۔ایک مستقل وجود ہے۔جو خود منتشر نہیں ہوسکتا۔سوائے اسکے اسکی جز کائنات کے وجود کا سبب بن سکتی ہے۔اور جب تک نور میں وسعت ہے۔اس سے نور ہی پیدا ہوتا ہے اور جہاں نور تقسیم ہوکر آخری حد پر پہنچتا ہے۔تو یہ نور ناری ہیئت میں ''تبدیل'' ہوتا ہے۔اسی طرح نار سے ناری وجود پیدا ہوتے ہیں۔جہاں نار تقسیم ہوکر آخری حد پر پہنچتا ہے۔تو یہ نار خاکی ہیئت میں ''تبدیل'' ہوتا ہے۔اس طرح نور اصل وجود ہے۔جو تقسیم ہوکر تین ہیئتوں۔نور ـــ نار۔خاک میں ہیئت تبدیل کرتا ہے۔ہیئت تبدیل کرنے میں۔اگرچہ۔نار اور خاک کی ہیئتوں کا مختلف تصور پایا جاتا ہے۔لیکن اسکے باوجود یہ مختلف ہیئتیں ''نور'' ہی کی تبدیل شدہ ہیئتیں ہیں ـــ یعنی۔''نور'' کی اصل شکل ـــ نوری ہے۔ناری/خاکی شکل اسکی تنزلی شکل ہوتی ہے ـــ

اسکے ساتھ ہی اب زمین کی غالب قوتوں پر تجزیہ کیا جائے۔تو زمین کی ابتدائی قوت کا تصور و مشاہدہ تین کیفیتوں پر ہوتا ہے ـــــ ''ناری وجود''۔اس وجود میں تین کیفیتیں محسوس ہوتی ہیں۔ایک روشنی۔دوسری تپش ـــ تیسری کشش ـــ ان تین کیفیتوں کو''برق'' کے مثالی نام (لفظ) سے موسوم کیا جاتا ہے۔بہ الفاظ دگر۔ناری زمین۔اور برق کا ایک ہی تصور پایا جاتا ہے ـــ اسکے علاوہ ایک کیفیت اور بھی مشاہدے میں آتی ہے ـــ وہ ہے۔فضائے آسمانی۔جس میں زمین معلق ہے ـــــ یہ کیفیت فضائے آسمانی کی ہیئت ہے ـــ فضائے آسمانی کی ہیئت ہونے کے اعتبار سے۔اس ہیئت کی جز کا ناری

سیاروں۔اورزمین میں۔اپنی ہیئت کے مطابق پایا جانا ضروری ہوگا ــــ فرق یہ ہے۔کہ ناری زمین کی ہیئت وخاصیت روشنی۔تپش۔کشش۔خاکی ہیئت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اسلئے یہ فضائے آسمانی کی یہ زائد جز بھی زمین میں خاکی ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔یہ ''فضائے آسمانی''۔علتِ لامحدود کی جز قرار دی جاتی ہے لہٰذا۔علت لامحدود میں اس جز کا نورِ مطلق کی حیثیت میں پایا جانا ضروری ہے ــــ نورِ مطلق کا تصور بھی زمینی ہیئت کے مطابق ــــ اسکی اصل میں۔بدرجہ اتم روشنی۔بدرجہ اتم تپش۔بدرجہ اتم کشش کی شکل میں متصور ہوتا ہے ــــ چونکہ یہ نور مستقل ہے۔اسلئے اس وجود کو واحــد تشبیہ دیا جاتا ہے۔عربی اصطلاح میں اس وجود کو اَحد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔علتِ لامحدود تصور میں اسے اللّٰہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ گزشتہ محققین نے اسی تصور پر اس نورِ مطلق کو عبرانی۔سریانی۔کلدانی۔زبان میں۔الہٰ۔ولہ۔الہیات کے نام سے تصور میں لایا۔ان سب اسماء کے معنی اللّٰہ۔حیرت ودر ماندگی میں ڈالنے والا ــــ یعنی جسکی لامحدودیت پر فکر کی جائے۔تو اسکی نہ ختم ہونے والے۔زمان ومکان کی پرواز میں عقل حیرت درماندگی میں پڑ جاتی ہے ــــ اور ہندو فلسفہ تحقیق کائنات میں۔اس نورِ مطلق کو ایشور کے نام سے پکارا گیا۔

اب اس نورِ مطلق کی معلول قوتوں میں۔یہی ایک نور تقسیم Analyse ہوتا ہوا۔آسمانِ دنیا تک اسی تصور میں قائم ہوتا ہے ــــ آسمان دنیا میں ــــ ایک طرف اسکا وجود قائم رہتا ہے اور دوسری طرف اس وجود (آسمان دنیا) کی فضاً میں ناری سیارے ''معلق'' ہوتے ہیں۔لہٰذا۔اسی تصور پر ناری وجودوں کی اپنی منفرد ہیئت ــــ روشنی۔تپش۔کشش (یعنی برق) ایک وجود مشاہدے میں آتا ہے۔دوسرا فضائے آسمانی کا نوری وجود ــــ یا فضائے آسمانی۔جس میں یہ سیارے قرار کرتے ہیں۔ظاہر ہے۔زمین بھی اسی فضا میں معلق ہے۔اس حال میں۔کہ یہ کیفیت آسمانی مثل سمندر میں ایک دانہ کے محسوس ہوتی ہے۔کہ زمین کے وجود سے سوا۔ہر مقام پر اس فضائے آسمانی کا ایثر موجود ہے۔اگر ہم ہندو فلسفۂ حیات کے نظریہ کو سامنے رکھیں۔تو یہ فضا ایشور کی جز قرار دیکر۔اس آسمان دنیا کی فضا کو ایشور کے متبدل نام پر ایثر کے نام پر تعبیر دیتے ہیں۔محققین زمین پر جس ''ایثر'' کی فضا کا تصور قائم کرتے ہیں۔درحقیقت یہ آسمانِ نوری کی ہی فضا ہے۔جس میں زمین معلق ہے۔اور اس فضا کا ایثر زمین پر ہر

جہت سے احاطہ کئے ہے ـــــ یہاں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ قوت ''برق''۔ تپش۔ روشنی۔ کشش سے علاوہ ایک کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ یہ کیفیت بھی آسمان نوری ـــــ یا علتِ لامحدود کی جز ہے۔ اس اعتبار سے اس وجود میں بھی۔ روشنی۔ تپش۔ کشش کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن یہ قوت نوری ہیئت سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اسکی۔ روشنی۔ تپش۔ کشش غیر مجسم۔ لطیف۔ اور غیر محسوس اس حال میں کہ یہ قوتیں کسی ذریعہ سے مشاہدہ میں نہیں آسکتیں۔ لہٰذا۔ اس ایثر کا تصور۔ نوری ہیئت میں لایا جاسکتا ہے۔ جو محسوس نہیں کی جاسکتی۔ البتہ۔ چونکہ یہ ہیئت زمین کے مقام پر واقع زمین پر محیط ہے۔ اس اعتبار سے یہ ہیئت کمتر۔ تنزلی۔ کیفیت میں تصور میں لائی جاسکتی ہے۔ جسے محققین ایثری لہروں میں محسوس کرتے ہیں ـــــ اسی ایثری قوت پر انسانی مشاہدہ (دور و نزدیک) کا دارومدار ہے۔ کہ یہ قوت انسانی مشاہدہ میں معاون بنتی ہے ـــــ اس ترتیب میں۔ یہ ایثری قوت۔ زمین سے لے کر آسمان تک ـــــ زمین کے قریب ''خاکی ایثر'' ـــــ ناری سیاروں میں ''ناری ایثر'' ـــــ اور آسمان ـــــ آسمانوں ـــــ اور ماورائے آسمان عالمِ نوری میں ''نوری ایثر'' سے تشبیہ دی جاتی ہے اور زمین سے لے کر آسمان تک مسلسل Vanish ہوتی ہوئی۔ خاکی ایثر سے نوری ایثر تک وسیع ہوتی ہوئی۔ علتِ لامحدود ذات میں ایشور کے نام سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اور جہاں تک زمین میں یہ قوت۔ مشاہدہ میں استعمال ہوتی ہے ـــــ زمین پر محیط ہونے کے اعتبار سے اسی قوت سے مشرق و مغرب ہر کیفیت کا قوتِ عقل و بصر سے احساس و مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ناری ایثر کے ذریعہ ہی۔ حدِ نظر میں آنے والے سیاروں کی ہیئت جو زمین سے اربوں میل کی مسافت پر واقع ہیں عقل و بصر سے محسوس کئے جاتے ہیں۔ اور جو سیارے حدِ نظر سے ماورئی ہیں۔ انکا مشاہدہ بھی اسی ایثری قوت کے توسط سے کیا جاتا ہے ـــــ لیکن یہ مشاہدہ عقل و بصر سے نہیں۔ بلکہ انسانی ناری روح سے کیا جاتا ہے ـــــ

انسانی ناری روح کیا کیفیت ہے؟ تخلیقی اعتبار سے یہ قوت انسان کے مرکبِ جسمانی کی ایک قوت ہے جس پر انسانی بقا کا انحصار ہے ـــــ علاوہ ازیں۔ یہ قوت انسانی علم و مشاہدہ۔ اور تحقیق میں استعمال ہوتی ہے ـــــ انسان۔ زمین۔ کائناتِ دنیا ـــــ کائناتِ عالم کی ایک مخصوص پیدائش ہے جو تخلیقی (پیدائشی) اعتبار سے۔ کائناتِ نوری ـــــ کائنات ناری ـــــ کائناتِ خاکی میں افضل ترین

پیدائش تصور کی جاتی ہے ـــــ پیدائشی ترتیب میں۔ اگر چہ یہ مخلوق زمین کی معلول ہے۔ لیکن خصوصیت کے اعتبار سے۔ یہ وجود تینوں قوتوں۔ نور ـ نار ـــ خاک کی جوہری خاصیتوں سے مرکب ہے۔ یہ وجود۔ زمین کی جوہری قوتوں سے مرکب ہے۔ یہ وجود جسم (ٹھوس مادی محسوس وجود) سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔ زمین کی معلول حیثیت میں اس میں ناری ہیئت "برق" روشنی ـــ تپش ـــ کشش پایا جانا فطری تخلیقی عمل کے تابع یقینی ہے ـــــ روشنی سے شکل وصورت جو زمین کی شکل وصورت میں اجزا پائے جاتے ہیں۔ انسانی جسم تشکیل پاتا ہے ـــــ تپش سے انسانی جسم کی حرارت تشبیہ ہے ـــــ کشش سے اس وجود کا زمین پر قیام کرنا متعلق ہے ـــــ ان تینوں مرکبات کے یک جا ہونے سے۔ ایثر کا وجود ترتیب پاتا ہے ـــــ یہ انسان کی مکمل ہیئت کہلاتی ہے۔ ناری ہیئت۔ ناری وجودوں کی مثل۔ ناری قوت کی حامل ہے۔ اسی ناری قوت سے ماورائے حدِ نظر۔ ناری وجودوں (سیاروں) کا مشاہدہ ـــــ ناری ایثر سے رابطہ قائم کر کے حاصل کیا جاتا ہے ـــــ گو نوری عالم (آسمان یا ماورائے آسمان) کی نوری قوت۔ انسانی تخلیق سے نہ تعلق رکھتی ہے۔ نہ تخلیقی ترکیب میں اس نوری کیفیت کا انسانی وجود میں پایا جانا ـــــ اسکے تخلیقی عمل میں شامل ہے۔ لیکن۔ انسانی پیدائش کی خصوصیت کے اعتبار سے۔ کہ انسان ہی اس کائنات کی ہر قوت سے استفادہ کرنے کا اقدام کرتا ہے۔ اسکے سوا کوئی وجود اس کائنات کی قوت سے استفادہ کرنے کا نہ عزم رکھتا ہے۔ نہ اس حصول میں کوئی عمل کرتا ہے۔ لہٰذا یہ امر محقق ہے۔ کہ اس کائناتِ نوری۔ ناری۔ خاکی کی تسخیر واستفادہ۔ صرف انسان کیلئے وقف ہے ـــــ ایسی صورت میں انسان میں کائناتِ ناری سے سوا۔ کائناتِ نوری کی تسخیر واستفادہ کیلئے۔ ایک نوری غالب قوت کا پایا جانا ضرور ہے ـــــ قرآن نے اس کیفیت کو وضاحت سے بیان کیا ہے ـــــ

اس حال میں۔ جبکہ تحقیق وفکر سے کائناتِ عالم کی تحقیق میں ایک علتِ اولیٰ ـــــ علت لامحدود کا تصور ـــــ نورِ مطلق ـــــ قوت سمع وبصر۔ فہم وارادہ واختیار ـــــ اور حکم (غلبہ) کے تصور کے ساتھ کیا جائے۔ تو نتیجتاً یہ نظریہ قائم ہو جاتا ہے۔ کہ اسکے فہم وارادہ کے اعتبار سے کائنات کی تخلیق اسی نورِ مطلق کے ارادہ سے ہونا۔ فطری تخلیقی عمل کے تابع ہونا یقینی ہے۔ تو وہ نورِ مطلق جسے۔ ایشور یا اللہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ خود بیان کرتا ہے۔ کہ

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ، بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ یعنی اللہ کے ارادے میں۔ کائناتِ عالم بنانے کا اصل مقصدِ واحد یہ تھا۔ کہ میں زمین پر انسانی شکل وصورت کا ایک بشر بناؤں۔ جو مٹی کے جوہری ذرات کا مرکب ہوگا ـــــ مٹی کے جوہری ذرات میں۔ ناری قوت (کرۂ ناری کی ہیئت میں) اور خاکی قوت۔ مجسم اور محسوس۔ مٹی کی جوہری قوت جس میں زمین کی تمام معلول قوتوں نباتات۔ جمادات۔ حیوانات کے وجود کے جوہری (لطیف اور قوی برقی) اجزا موجود ہوں۔ قرآن نے اس وجود میں دو قوتوں کی نشاندہی کی۔ ایک خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ○ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۱۴، ۱۵)۔ بنایا انسان کو زمین کی ناری ہیئت (صلصالی قوت) سے۔ اس ناری وجود کی مخلوق ناری ہیئت میں معلول ہوئی انہیں ''جن'' کے نام سے پکارا گیا۔ ظاہر ہوا۔ ناری جن۔ اور انسان کی ناری قوت ایک ہی ناری جنس سے تشبیہ ہے ـــــ دوسری من طین من حماءٍ مسنون۔ یعنی ناری ہیئت کی منقسم Analysed ہیئت۔ جب یہ ناری ہیئت (روشنی۔ تپش۔ کشش) تقسیم ہو کر ٹھوس مادی ہیئت ـــــ شکل وصورت اختیار کرتی ہے۔ اس کیفیت سے انسانی جسم تشکیل پاتا ہے۔ جو زمین کے مادی ہیئت (نباتات۔ جمادات۔ حیوانات) کے جوہر سے مرکب ہوتا ہے ـــــ اس ترتیب میں انسان۔ ناری۔ مادی۔ جوہری قوت کا مرکب تیار ہوتا ہے۔ زمین ناری میں نوری قوت کا پایا جانا ممکن نہیں۔ اسلئے انسانی وجود کو زمین سے نوری قوت میسر نہیں آسکتی۔ تحقیقی اعتبار سے یہ فیصلہ قطعی تصور ہوگا۔ کہ انسان۔ نار وخاک کا ہی مرکب ہوسکتا ہے۔ نوری خاصیت اسکی تخلیق میں پایا جانا ممکن نہیں ـــــ لیکن کائنات کی تخلیق میں اسکی پیدائشی خصوصیت تقاضا کرتی ہے۔ کہ انسان میں نوری کائنات کی تسخیر اور حصول علم ـــــ اور تحقیق کیلئے۔ اس میں ایک نوری قوت کا ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت انسانی روزمرہ زندگی میں مشاہدہ میں آتی ہے۔ کہ کائنات میں ایک انسان ہی۔ جو ابتدا سے۔ تحقیق وفکر کا عادی ـــــ کائنات کی تحقیق وعلم ـــــ اور تسخیر میں ہر لمحہ مصروف چلا آرہا ہے۔ اور یہ بات لازم ہے۔ کہ کائنات کی تحقیق وتسخیر میں۔ جب تک اسکی جدوجہد کائنات کی جملہ حدود تک عبور نہ کرے۔ اسکی تحقیق۔ اسکی تسخیر کامل نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا انسان کیلئے تسخیر کائناتِ عالم میں کائنات عالم کی تحقیق بھی ضروری ہے۔ جسکے لئے اس میں ایک نوری قوت کا ہونا

ضروری ہے۔اس قوت کی نشاندہی خود قرآن سے ہوتی ہے ___ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ۔اور انسانی۔خاکی۔ناری۔تکمیل کے بعد ___ جبکہ نوری قوت زمین سے میسر آنا ممکن نہیں۔تو ہم نے اپنے ارادہ سے اس وجود میں ایک اضافی ___ نوری روح اس کے مرکب میں شامل کردی۔اس نوری روح کا مادی محققین کو نہ القائی (اجتہادی) تصور اور نہ مشاہداتی تصور حاصل ہوسکتا ہے۔کیونکہ انکے پاس سوائے ___ زمین سے قریب۔چند سیاروں کی تحقیق و مشاہدہ حاصل کرنے کے محدود (دور بینی۔یا خورد بینی) ذرائع کے ___ آسمان دنیا میں۔ان گنت میلوں کی مسافت میں پھیلے ہوئے ناری ہیئتوں کی تحقیق وادراک کا کوئی ذریعہ میسر نہیں۔لیکن علت ومعلول Subject & Object کی فطری تخلیق کے تابع ان قوتوں سے انکار وعدم تسلیم کی بھی گنجائش نہیں۔لہٰذا مادی محققین کیلئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں۔کہ وہ علت ومعلول کی ترتیب کے اعتبار سے ان کیفیتوں کو تسلیم کریں۔لیکن مقصد۔تحقیق وتسخیر کا ہے ___ جو کہ مادی محققین کیلئے قطعی ناممکن ہے۔لہٰذا یہ تصور قطعی لغو اور غلط ہے۔کہ مادی محققین اپنی تحقیق میں ___ نوری عالم سے قطع نظر۔(سوائے چند ستاروں کے) آسمان دنیا میں پھیلے ہوئے کروں کی تسخیر میں۔ذرائع حاصل کرنے میں کامیاب ہونگے ___ یا انکی تسخیر میں کامیاب ہونگے۔یہ امر قطعی ناممکن اور لاحاصل ہے۔کیونکہ زمین ٹھوس مادی ہیئت کی حامل ہے۔اسکے اجزائمیں۔برق سب سے قوی قوت ہے۔اور ایٹم بھی اسکی مادی ہیئت کی جز ہے۔ان قوتوں میں آسمانِ دنیا میں پھیلے ہوئے کروں پر احاطہ کرنے کی فطری صلاحیت پائی نہیں جاتی۔ایسے ذرائع سے تسخیر کائناتِ دنیا۔یا تحقیق فطری طور ناممکن ہے۔سوائے اسکے کہ انسانی تخلیقی ترتیب کے اعتبار سے۔مادی ذرائع سے ماسوٰی ___ انسانی ناری قوت کو استعمال کیا جاسکے ___ یہی ایک ذریعہ ہوسکتا ہے۔جسے آسمانِ دنیا کی تحقیق میں استعمال کرکے ان قوتوں سے علم حاصل کیا جاسکتا ہے ___ کائنات نوری کی تسخیر مادی ذرائع سے پانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ___ تاوقتیکہ مادی محققین۔اول اپنی ناری قوت کو استعمال کرنے کا طریقہ نہ حاصل کریں اور اسکے بعد قرآنی نظریہ حیات پر یقین وتسلیم سے انسان میں نوری قوت کا ہونا تسلیم نہ کریں اور انکے طریقِ تحقیق۔آدابِ تحقیق مانع ہیں۔کہ یہ مادی محققین قرآنی روحانی نظریہ کو قبول کریں تاوقتیکہ یہ قرآنی ہدایات کو تسلیم نہ کریں۔اسکا مطلب یہ ہوا۔کہ قرآنی تعلیم (شریعت) کو تسلیم ویقین کریں۔یا اس پر عمل

کریں۔لہٰذا ایسی صورت میں محققین مادہ کا تحقیق کائناتِ عالم (ناری۔نوری) پر عبور نہ ہونے کے باعث انکی تحقیق کامل نہیں ہوسکتی۔نہ انکی جدو جہد میں انہیں کامل نتیجہ حاصل ہوسکتا ہے۔انکی جہد وسعی قطعی لاحاصل!____

اب حاملین قرآن کی تحقیق کی بنیاد پر کائنات۔خاکی___ناری___نوری کا تجزیہ لازم ہے جسکی بنیاد قرآنی نظریہ پر قائم ہوتی ہے___قرآن بتاتا ہے۔اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اسکا لفظی ترجمہ یہ ہے۔کہ اللہ کیا ہے؟۔اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے____مگر اسکی تحقیق کی ابتدا٫ کیلئے قوت استعمال کرنے کیلئے اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔قوتِ عقل وبصر کو استعمال کرنے کی ہدایت کرتا ہے____اسلامی محقق بھی اَفَلا تبصرون کی ترکیب میں۔عقل وبصر کو استعمال کر کے تحقیق کرتا ہے۔اسکے نتیجہ میں بھی اسے زمین۔آسمان دنیا کی وہی کیفیت ملتی ہے۔جو مادی محقق کو حاصل ہوتی ہے۔یعنی۔"برق"۔زمین کے وجود میں۔روشنی۔حرارت اور کشش کا علم ہوتا ہے____یعنی مٹی کا جسم (روشنی) مٹی کے اجزا٫ کی بقا (حرارت) اور زمین کا قیام وقرار (کشش) کے تابع عمل میں آتا ہے___مگر مادی محققین کی تحقیق کے دو اصول ہیں۔ایک اسلامی (روحانی) یعنی قرآنی نظریہ کی بنیاد پر۔کہ بغیر دلیل اَللّٰه۔نورِ مطلق کا یقین و تسلیم (للموقنین) اللہ پر یقین رکھنے والوں کیلئے____کہ نور مطلق سے تحقیق کی ابتدا٫ کی جائے____ اور زمین کی تحقیق تک پہنچا جائے____دوسرے (مادی طریق تحقیق میں) اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ__ اٰیٰت" لِلْمُوْقِنِیْنَ ۝ ___ کہ زمین کے اجزا٫ کی تحقیق میں۔قوت اجتہاد___اور قوت عقل وبصر سے ایک صحیح اور حقیقی سمت کا رخ پانا جس میں قوت اجتہاد کی مدد سے۔دور بینی۔خورد بینی ذرائع کی ضرورت نہیں رہتی____علت ومعلول Subject & Object اور Mater۔اگرچہ مادئین کا نظریہ ہے۔لیکن اسلامی محقق بھی اسکی تائید کرتا ہے۔کیونکہ کائنات کی تخلیق میں یہ ترتیب۔فطری اور واضح ہے۔اس سے انکار نہیں۔اسکا مطلب یہ ہوا۔کہ یہ نظریہ مادی محققین کا خود ساختہ نظریہ نہیں۔بلکہ ایک حقیقت ہے____اسی ترتیب پر جیسا کہ تحقیق کائنات میں بیان ہوا____اسلامی محقق۔ہر مقام پر۔خاکی ہیئت سے ماوری٫۔ناری ہیئت____اور نوری ہیئت کا تصور پا کر ان کا ایک تخیلاتی (روحانی) تصور قائم کر کے۔ہر ہیئت کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔اور اسکے وجود کو حقیقت سمجھنے کیلئے۔وہ

مادی ذرائع سے سوا۔خاکی وجود کو عقل وبصر سے تحقیق کرتا ہے۔ناری وجود پر اپنی ناری قوت سے احاطہ رکھتا ہے۔اورنوری قوت پر اپنی نوری قوت سے احاطہ کرتا ہے۔اسی عمل سے انسانی مقصد زندگی میں تکمیل ہوکر اسلامی محقق کی حیثیت میں۔وہ کائناتِ عالم۔اوراسکی علتِ اولیٰ ___ نور مطلق۔اللّٰہ کا تصور حاصل کرکے کائنات نوری۔ناری۔خاکی کی تسخیر پر قادر ہوتا ہے ___

الختصراب گزشتہ بیان ___ ''محققین مادہ کے نزدیک ''نور'' کا تصوراوراس کیفیت کے تجزیہ میں آثار کاعلم حاصل کرنا'' ___ اسلامی نقطۂ نظر ___ اور مادی محققین کی تحقیق کو شامل رکھ کر ''نور'' کا تصور قائم کیا جائے ___ گزشتہ بیان سے یہ امر مسلمہ ہے۔کہ ''نور'' ___ کائنات عالم کی تمام قوتوں کا بنیادی وجود ہے۔جسکا موہوم تصور۔''برق'' ___ روشنی تپش۔کشش کے تصور پر ہی قائم ہوسکتا ہے۔علت و معلول کی ترتیب کے نتیجہ میں۔یہ تحقیق ایک ایسی ہیئت پر ختم ہوتی ہے۔جہاں علتِ لامحدود۔نور مطلق پر تصور ٹھہر جاتا ہے۔اس نورِ مطلق کی ہیئت کا انسانی ذہن کوئی تصور قائم نہیں کرسکتا۔سوائے۔روشنی۔تپش۔کشش اور جسامت کے (جسامت بھی دراصل روشنی ہی کی شکل ہے) اسے نور سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔یا مثالی تصور میں اللّٰــــہ یا ایشور (ایشور کالفظ اسلیئے استعمال کیا جاتا ہے۔کہ فی زمانہ محققین مادہ۔زمین اورزمین سے ملحق قوت کو ایشور کے مشابہ ''ایتھر'' کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔یا بعض تسلیم نہیں کرتے) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ابتدائی حیثیت میں۔''نور'' ___ نور مطلق ___ ایک مستقل وجود قرار دیا جاتا ہے۔یہی نور کائنات کا بنیادی وجود قرار دیا جاسکتا ہے۔اس مقام پر کائناتِ عالم کے نور کی حیثیت میں فرق یا تبدیلی آجاتی ہے یعنی۔نور مطلق کل کی حیثیت میں اپنا ایک مستقل اور کامل تصور رکھتا ہے۔اسکے بعد معلول کائنات نوری تصور میں آتی ہے۔مگر جزوی حیثیت میں کل کے مقابلہ میں اسکی خاصیت تنزلی محسوس ہوگی یعنی کمتر ہیئت ___ اوراس کائناتِ عالم کے نور سے ہی ایک دوسراوجود معلول ہوتا ہے۔جواس کائناتِ عالم کے نور کے وجود کے مقابلہ میں جز اور کمتر ہیئت میں محسوس ہوگی ___ اسی طرح جب تک نور سے نور معلول ہو۔ہر معلول کی ہیئت اسکی علت کے مقابلہ میں۔ہیئت وکیف میں۔جز۔اور کمتر محسوس ہوگی۔اس حیثیت میں اگرچہ ہر وجود نوری ہیئت میں محسوس ہوگا۔مگر ہر نور کی معلولی حیثیت میں۔جز۔اور

تنزل Analysation کی صورت میں فرق ضرور ہوگا۔ یہاں تک کہ آسمانِ دنیا (کائناتِ دنیا) کے آسمان کا تصور ایک نوری وجود میں محسوس ہوتا ہے۔اسکا مثالی تصور ایسے ہے۔ جیسے ایک گول (دائرے کی شکل میں) فضا کا مجسمہ ــــ یا جیسے سورج کے بالکل قریب جا کر سورج ایک گول روشن مجسمہ (مثل گیند) نظر آئے ــــ جسکی وسعت لا انتہا مسافت کا درجہ رکھتی ہے۔اس نور کے مقابل۔کسی اور وجود کا وجود محسوس نہیں ہوتا۔نہ روشنی کی ضد ظلمت (اندھیرے) کا وجود موجود ہوتا ہے ــــ آسمان دنیا کے پیٹ میں۔ستاروں کے وجود پر بھی۔جبکہ ہر ستارہ پر آسمان کی نوری روشنی محیط ہو ــــ تو اندھیرے کا وجود محسوس نہیں ہوتا ہے۔دوسری کیفیت تنزلی ترتیب کے تابع ہر سیارے کی شکل وصورت میں فرق محسوس ہوتا ہے۔مثال کے طور اگر نور کو "سفید" رنگ میں محسوس کیا جائے۔تو ناری ہیئت میں۔نور تقسیم ہونے پر "سرخ" رنگ میں محسوس ہوگا۔سرخ رنگ اسکی ہیئت ہے۔بنیادی حیثیت میں یہ کیفیت بھی نور ہی قرار دیا جاتا ہے ــــ اسی طرح سورج بھی (اگرچہ اسکی اصل ہیئت نار کی انتہائی تمازت کے اعتبار سے "نیلی" یا "سیاہ" محسوس ہوتی ہے) اسے سرخ رنگ کے تصور میں لایا جائے گا۔اس وجود میں ناری ہیئت کی روشنی کے تصور میں اندھیرے کا وجود محسوس نہیں ہوتا ــــ زمین سورج سے نکلی ــــ تو ابتدائی ہیئت میں۔ناری (روشن) ہیئت میں بھی۔اندھیرے کا تصور محسوس نہیں ہوتا ــــ زمین Analyse ہوتی ہے۔تو یہ ٹھوس مادی ہیئت اختیار کرتی ہے۔جسکے نتیجہ میں۔اسکی برقی قوت تقسیم ہوکر۔مختلف ٹھوس مادی ہیئتوں میں محسوس ہوتی ہے۔اس تقسیم سے۔روشنی جامد۔ٹھوس ہیئت اختیار کر کے ناری (روشن) قوت محسوس میں نہ آتی۔اور جب زمینی اجزا میں سے روشنی تقسیم ہوکر جامد ہیئت اختیار کرے۔تو اس عمل کا خاصہ ہے۔کہ نہ ایک وجود میں روشنی محسوس ہوتی ہے۔نہ روشنی اس وجود سے گزر سکتی ہے ــــ اور جب زمین نے ٹھوس مادی ہیئت اختیار کی تو اسکی روشنی تقسیم ہوکر اپنی روشن ہیئت کھو بیٹھی۔تو نہ زمین روشن محسوس ہوگی۔اور جامد ہیئت میں۔روشنی اس وجود سے گزر نہیں سکتی ــــ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے۔کہ زمین کی روشنی میں تقسیم ہوکر اتنی قوت باقی نہیں رہتی کہ وہ کسی ٹھوس وجود سے گزر سکے۔دوسری وجہ یہ ہے۔کہ ناری روشنی ــــ تنزل پذیر ہوکر۔تنزل ہیئت اختیار کر کے سیاہ رنگ میں محسوس ہوتی ہے۔جس میں روشنی جیسے آثار محسوس نہیں ہوتے۔اس تجزیہ سے ثابت ہوتا ہے۔کہ اندھیرا۔کوئی خارجی قوت وہیئت نہیں۔

جو روشنی کے مقابلہ میں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ نور ــــ نار کی آخری تنزلی ہیئت ہے۔ جیسے زمین ٹھوس مادی ہیئت ۔نور ــــ نار کی آخری ہیئت ہوتی ہے ــــ اب یہ تحقیق کرنا غالباً آسان ہوگا۔ کہ نور کی بنیادی ہیئت وحیثیت ازلی ہے۔ مستقل ہے ــــ صرف معلول ہیئت میں خود اپنی ذات میں مستقل نہیں۔ بلکہ اپنی علت ہی کی ایک منقسم ہیئت ہے ــــ جو ازل سے ابد تک برابر وسیع حیثیت میں قائم ہے۔ لیکن نوری۔ ناری حیثیت میں جبکہ محقق کے پاس (سوائے اپنی ناری نوری قوتِ مشاہدہ کے) کوئی ذریعہ تحقیق حاصل نہیں۔ ایسی کیفیتوں کی تحقیق ممکن ہے۔ نہ انکے تجزیہ میں کوئی کامل تصور قائم ہوسکتا ہے۔ نہ ان کیفیتوں پر علمی اعتبار سے عبور حاصل ہوسکتا ہے۔ سوائے اسکے کہ ان کیفیتوں کا ایک موہوم تصور حاصل ہو ــــ

یہ بات واضح ہے۔ کہ نور۔ نار کے وجود میں اندھیرا کوئی خارجی کیفیت نہیں۔ بلکہ نار ہی کی تنزلی ہیئت متصور ہوتی ہے۔ لہٰذا ٹھوس مادی اشیأ پر ہی اسکا وجود محسوس ہوتا ہے ــــ اور جہاں اندھیرا ہو۔ وہاں نور۔ نار۔ قائم نہیں رہ سکتا ــــ سوائے اسکے کہ خارج سے۔ نور کا عکس ٹھوس مادی اشیأ پر وارد ہو۔ تو چونکہ ٹھوس مادی ہیئتوں میں سے روشنی گزر نہیں سکتی۔ تو اندھیرے کا اپنا وجود محسوس ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ ٹھوس مادی اشیأ سے نور نہ گزرنے کے باعث اندھیرا پیدا ہوتا ہے ــــ زمین کی اپنی ناری ہیئت تقسیم ہوکر۔ ٹھوس مادی کیفیت۔ اور اندھیرے میں تبدیل ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ ابتدائے زمین ناری سے خارج ہوئی قوتیں چونکہ ناری ہیئت کی معلول ہیں۔ اسلئے زمین پر ان ہیئتوں کا وجود باقی رہتا ہے ــــ جن میں ''برق'' زمین کی معلول کا وجود زمین پر موجود محسوس ہے جسے الیکٹرک سٹی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ قوت زمین کی ابتدائی ناری ہیئت سے معلول ہے۔ اس میں۔ روشنی۔ تپش۔ کشش علےٰ حالہٖ باقی ہے۔ جو اپنا اثر رکھتی ہے۔ اسکے علاوہ زمین کی ابتدائی ہیئت سے نکلی ہوئی کیفیتیں گیسوں کی شکل میں غیر محسوس حالت میں زمین پر موجود ہیں۔ لیکن لطیف ہیئت کے اعتبار سے غیر محسوس۔ اسکے علاوہ محققین مغرب نے جس ایتھر کا تصور دیا ہے۔ کہ اگرچہ زمین میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن۔ یا تو تنزلی ہیئت میں۔ یا غیر محسوس ہیئت میں ــــ اور یہ جو حقیقی ایتھر کا تصور قائم کیا جاتا ہے۔ یہ آسمان نوری کی اپنی ہیئت ہے۔ جو زمین پر محیط ہے ــــ ستاروں پر محیط ہے۔ کیونکہ تمام سیارے اسی ایتھر (نوری قوت) میں معلق ہیں۔ سائنسی نقطہ نظر سے۔ ایتھر ہی کیفیات کے مشاہدہ کا خاص ذریعہ ہے۔ بغیر ایتھر کے کوئی شے انسانی حس

میں نہیں آسکتی ـــــ تو فضائے آسمانی میں اربوں میل دور سیارے بھی حد نظر میں آتے ہیں جو انسانی حس میں آتے ہیں۔ان ہیئتوں کا محسوس میں آنا بھی۔ایثر کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔لہٰذا ایثر فضائے آسمانی میں وسیع ہے۔یا فضائے آسمانی (آسمان دنیا) ایثر ہی کے نام سے متصور ہوتی ہے ـــــ یہ امر بھی واضح ہے۔ کہ برقی قوت مرکب ہے۔روشنی۔تپش۔اور کشش کے۔برقی قوت ایثر کی معلول ہے۔برقی قوت کی کشش کا خاصہ۔کیفیت کو اپنی طرف کھینچنا۔یا اپنے حصار میں لینا ـــــ یا خود کسی شے کی طرف کھینچا جانا ـــــ اور اس تخلیق میں ایک خاص تخلیقی نکتہ یہ ہے۔کہ ہر شے ذرات کے مجموعہ سے مرکب ہے۔یہ تخلیقی ترکیب ہر ہیئت۔خاک۔نار ـــــ نور میں لازمی طور پائی جاتی ہے۔کیونکہ۔روشنی۔تپش۔کشش۔نور ہی کی ابتدائی خاصیت ہے۔اسلئے ہر کیفیت میں کشش کے لحاظ سے۔حرکت کا پایا جانا یقینی ہے ـــــ زمین کی برقی قوت (بلکہ زمین کی ہر ٹھوس مادی ہیئت میں) میں حرکت کا پایا جانا فطری تخلیقی عمل کے تابع ہوسکتا ہے۔لہٰذا ایثر میں بھی حرکت (رفتار) کا پایا جانا لازمی ہے۔یہی حرکت ہے۔جو ستاروں کی ہیئت (اپنی ایثری ذروں میں جذب کرکے) انسانی حس (آنکھ) تک پہنچا کر ادراک کراتی ہے ـــــ یہی کیفیت ہے۔جو ناری ماورائے ادراک کیفیتوں کی ہیئتوں کو جذب کرکے انسانی ناری روح کو کیفیت کی ہیئتوں کا تصور فراہم کرتی ہے۔یہی ایثر ہے۔جو نوری وجودوں کی ہیئتوں کو جذب کرکے انسانی نوری ہیئت کو نوری ہیئتوں کا تصور فراہم کرتی ہے۔جسکے لئے۔انسانی وجود میں۔ناری۔نوری قوت کی پاکیزگی۔قوت کا قوی ہونا ضروری ہے ـــــ تو انسان کی ناری۔نوری روحیں۔ایثر سے رابطہ کرکے ہر ناری۔نوری قوت کا تصور حاصل کرکے۔انکے حقیقی وجودوں کا اور انکے بنیادی وجود کا حقیقی تصور و علم حاصل کرتا ہے ـــــ

تخلیقِ کائنات

یہ انسانی ذہن کا فطری خاصا ہے ـــــ یہ انسانی ذہن کی فطری عادت ہے۔ اسکی بناوٹ تقاضا کرتی ہے۔ کہ وہ ہر لمحہ۔ انسانی حصولِ سامانِ زندگی میں حواس کے ذریعہ علم حاصل کرے۔ اور انسانی بقا کیلئے۔ ذرائع مہیا کرنے میں منصوبے تیار کرے ـــــ انسان کے جسم کا تحفظ کرنے میں ہر لمحہ باخبر اور مستعد رہے ـــــ اسکے علاوہ جب حواس کے ذریعہ ''کائنات کی ہیئت و مناظر'' اس (ذہن) تک پہنچتے ہیں ـــــ تو اس میں ''سوچ'' (فکر) کی ایک تحریک ابھرتی ہے ـــــ کہ یہ کائنات کیا ہے؟۔ کیسے بنی؟ کس نے بنائی ـــــ اور اس کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ ـــــ اسی جستجو میں انسان کائنات کی تخلیق میں۔ اسکے مقصدِ تخلیق کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے ـــــ اور جب انسان کائنات کی تخلیق کا راز پالیتا ہے تو خود بخود اسکا مقصدِ تخلیق بھی واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن نے کائنات کی تحقیق و فکر میں جو اشارہ دیا۔ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۔ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۙ۝ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝ اسی اشارہ میں مقصدِ تخلیق کائنات کا ایک اشارہ بھی سامنے آجاتا ہے ـــــ ''خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ '''' آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں'' ـــــ جبکہ کائنات تعبیر ہے۔ نورِ مستقل سے پیدا ہوئے نوری عظیم عالم۔ عرش ـــ کرسی ـــ سبع سمٰوات ـــــ آسمانِ اول کے لاتعداد عظیم ناری وجود سے۔ جو عظیم قوتوں کے حامل ہیں۔ انکے مقابلہ میں سمٰوٰتِ وَالۡاَرض کو مخصوص حیثیت دینا ـــــ اس حال میں کہ باقی ناری ہیئتوں کے مقابلہ میں۔ زمین کمتر حیثیت کی مالک۔ ستاروں میں ایک ستارہ ہے۔ اسکی اپنی کوئی علیحدہ حیثیت نہیں۔ لیکن سمٰوات وَالۡاَرض میں زمین کو ایک علیحدہ حیثیت کے تصور میں پیش کیا گیا ـــــ ظاہر ہوتا ہے۔ اس تمام کائناتِ نوری۔ ناری۔ خاکی کی تخلیق میں مقصد کی تکمیل صرف آسمانوں اور زمین سے ہی ہونا قرار دیا گیا۔ اسکے متعلق قرآن خود اس مقصد کا تعین کرنے کیلئے ایک خاص تصور پیش کرتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ــ جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے ـــــ میں زمین پر (تمہارے بعد) ایک مخلوق بنانے والا ہوں ــ جو خَلِیْفَة کی صفت سے متصف ہوگی ـــــ جہاں تک تخلیقِ کائنات کے متعلق قرآنی ترتیبِ تخلیق کا تعلق ہے ـــــ اگرچہ نورِ مستقل ۔اللّٰہ وخالق نے ابتدأ عظیم نوری عالم پیدا کئے ۔لیکن ان وجودوں کا تفصیلی ذکر قرآن میں پیش نہیں کیا گیا ـــــ سوائے اسکے کائنات کی تخلیقی ترتیب کا اشارہ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ میں دیا ـــــ اسکے بعد اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے بیان میں ۔آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا خصوصی ذکر کیا اور اب زمین کی خصوصی پیدائش میں اول آسمانوں کی مخلوق کا تصور دیا ـــــ کہ آسمانوں میں مخلوق ہے ـــــ اور اس مخلوق کے بعد دوسری مخلوق ۔کسی اور سیارے میں نہیں ۔بلکہ زمین پر ہی پیدا ہوگی ۔اس بیان میں قرآن نے کائنات کی تخلیق کا اصل مقصد ۔یہ پیش کیا ـــــ کہ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً زمین پر ایک مخلوق بنانے کا ازلی منصوبہ ہے ـــــ یعنی ایک مخلوق کو خصوصی اہمیت دینا مقصود ہے جو زمین کی پیداوار ہے ـــــ اس خصوصی اہمیت کا تصور خَلِیْفَة کے لفظ میں موجود ہے ـــــ اسکے ساتھ ہی ۔خلیفه کے بیان سے اصل مقصد کا واضح تصور پیش کر دیا ۔قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ـــــ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ۔کہا ملائکہ نے ۔زمین ایک ادنیٰ ۔کمتر ۔سفلی قوت کی حامل ہیئت ہے ۔فطری تخلیق کے تابع ۔زمین کی مخلوق میں مادی ۔سفلی خاصیت پائی جاتی ہے ـــــ مگر تو اس مخلوق کو تسبیح وتقدیس وحمد ومعرفت کا حامل قرار دیتا ہے ۔جبکہ اس تسبیح وحمد کیلئے ۔نوری مخلوق کو بنایا گیا ۔کہ نوری مخلوق ہی تسبیح وحمد کی اہل ہوسکتی ہے ۔ہمارے بعد پیدا ہونے والی زمین کی مخلوق میں سفلی خاصیت کے تابع فساد وخونریزی ہی ہوسکتی ہے ۔اس بیان سے ۔نوری ـــــ ناری ـــــ خاکی مخلوق کی اہمیت وخاصیت اور انکے مقصدِ حیات کا تعین ہوتا ہے ـــــ کہ آسمانوں کے خصوصی ذکر میں ۔ملائکہ کی صفاتِ نوری میں ۔ملائکہ کی تسبیح کا ہونا اصل کیفیت ہے ۔کہ زمین کی پیدائش سے قبل ملائکہ تسبیح وحمد کے حامل رہے ـــــ لیکن یہ تسبیح بھی اصل مقصد نہیں ۔سوائے اسکے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔کائنات کی آخری تخلیق اور آخری تخلیق کا مقصد ـــــ ملائکہ کے عمل سے تسبیح وحمد وتقدیس کا ایک نمونۂ عمل کا حقیقی تصور پیش کرنا ہے ۔کہ تسبیح وحمد ۔وتقدیس کا

اصل تصور کیا ہے ___ اس حال میں کہ یہ عمل نوری وجود ہی سے پورا ہوسکتا ہے۔ خاکی وجود سے اس عمل کی تکمیل تخلیقی اعتبار سے ممکن نہیں ___ لیکن اللہ خالق خود اس امر کی صراحت کرتا ہے۔ کہ یہ نوری عمل زمین کی سفلی پیداوار سے ہی کرانا مقصود ہے۔ جسکے لئے اللہ خالق نے اعلاناً یہ بات کہی۔ کہ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰)۔ اس بارے میں جو کچھ میرے منصوبہ میں ترتیب مقرر ہے۔ اسکا ابھی تمہیں علم نہیں۔ کہ زمین کی سفلی پیداوار کیسے ملکوتی عمل ___ تسبیح وحمد وتقدیس کی حامل ہوسکتی ہے ___ ظاہر ہوا ___ خَلِیۡفَه کے بیان سے۔ ملائکہ کا تسبیح وحمد کا ذکر کرنا ___ اور ملائکہ کے بعد زمین کی سفلی مخلوق سے نوری عمل کرانا۔ ''خلیفه'' کے معنی ہیں ___ جسکا ابھی ملائکہ کو بھی علم نہیں ___ اس بیان سے خود بخود۔ یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی سنت کے خلاف۔ زمین کی ایک ادنیٰ اور سفلی مخلوق کو۔ نوری مخلوق کے مقابلہ میں اعلےٰ صفات کا حامل بنا کر اسے نوری ملائکہ پر فضیلت دینے کا ازلی منصوبہ ہی کائنات کی تخلیق کا اصل مقصد ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن بہت وضاحت سے۔ مخلوقِ ارضی کی تخلیق اور اسکی اہمیت وخصوصیت کا ذکر کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ○ ۔مِنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ○ ___ (مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ) فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ○ جب کہا آپ کے رب نے میں زمین پر۔ زمین کی مٹی سے ___ جو زمین کی تمام جوہری توانائی کا مرکب ومجموعہ ہے ایک انسانی شکل وصورت کا مجسمہ بناؤں گا ___ یہ روح وجسم کا ایک وجود ہوگا۔ اس میں سوّی کی یہ خصوصیت ہوگی۔ کہ یہ بہترین اعلےٰ عقل وشعور۔ خرد کا حامل ہوگا ___ اسے اختیار وارادہ حاصل ہوگا۔ کہ ہر فعل کے کرنے۔ نہ کرنے پر اسکا اپنا اختیار ہوگا ___ اسکے بعد اس میں ''نوری''۔ ایک عظیم نوری روح اسکے مرکب میں شامل کرونگا ___ یہی وہ منصوبہ ہے۔ اے ملائکہ۔ جسکا تمہیں علم نہیں۔ بیشک زمین کی پیداوار سے یہ وجود۔ ناری روح ___ اور زمینی جوہر کے جسم کا حامل ہوگا۔ جس کا خاصا فساد وخونریزی ہے لیکن۔ اسکی سوئی اسے۔ حیوانی مخلوق سے ممتاز کرتی ہے۔ کہ یہ خیر وشر پر کرنے نہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پھر یہ وجود۔ فساد وخونریزی کرنے سے باز رہ سکتا ہے۔ لیکن یہ کیفیت تمہارے مقابلہ میں وجہِ فضیلت نہیں۔ وجہ فضیلت۔ میرے منصوبہ میں آئی ہوئی کیفیت۔ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ ۔ وہ نوری روح ہے۔ جو زمین کی

پیداوارنہیں۔ بلکہ میری اپنی مخصوص کی ہوئی روح ہے۔ جو تمہارے وجودوں سے افضل واعلےٰ قوت کی حامل ہے۔ اسی قوت سے یہ وجودِ ارضی تم سے افضل۔ تسبیح وعبادت۔ تقدیس وحمد کا حامل ہوگا۔ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ۝ پس ملائکہ اس حقیقت کو پہچان گئے انہوں نے اس وجود کو تخلیقی اعتبار سے ہی اپنے سے افضل تسلیم کیا ـــــ لیکن یہ فضیلت صرف تخلیقی اعتبار سے جسمانی فضیلت ہے۔ ابھی اسکی تسبیح وحمد کی خصوصیت کا اظہار ہونا باقی ہے ـــــ یہ وجود ادمؑ کے نام سے موسوم ہے۔ اب قرآن اس مخلوقِ ارضی کی خصوصی صفت کو واضح طور پیش کرتا ہے ـــــ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا۔ ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۝ نفخِ روح کے بعد آدم صرف زمین کی سفلی مخلوق تک محدود نہیں۔ بلکہ نوری مرکب کے اعتبار سے ملائکہ سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔ جس کے لئے دانستہ طور قرآن ذکر کرتا ہے ـــــ کہ اور علم دیا آدم کو تمام کیفیاتِ نوری۔ ناری۔ اور خاکی کا۔ یعنی زمین سے لے کر۔ آسمان اور آسمانوں کی مخلوق اور نوری کیفیات۔ کرسی۔ عرش۔ عرش سے ماورئی۔ تمام عالمِ نوری۔ تانورِ اول ـــــ تانور مستقل۔ نورِ احد۔ ذات اللّٰہ تک کا علم ومشاہدہ ـــــ یہ اس سبب سے۔ کہ اللہ کے ازلی منصوبہ میں یہی ایک خاص تصور تھا۔ کہ کائنات کی ارذل ترین مخلوق کو کائنات کا افضل ترین مقام عطا کیا جائے۔ یہ ایک انوکھا تصور ہے۔ اسی حیثیت سے یہ تصور کائنات کی تخلیق کا اصل مقصد قرار دیا جاتا ہے ـــــ کہ آدم ناری۔ خاکی وجود سے عالمِ نوری کا نہ ادراک ومشاہدہ کرسکتا ہے۔ نہ ان عالموں تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا۔ کہ اس وجود کو ایک نوری روح ودیعت کی جائے۔ جس سے اسے عالمِ نوری کا علم ومشاہدہ حاصل ہو اور دوسرے ملائکہ کی نشاندہی کہ خاکی وجود۔ نوری تسبیح کا حامل نہیں۔ اس وجود کو ملائکہ سے افضل تسبیح وحمد کا حامل بنادیا گیا ـــــ پھر اس کا امتحان لیا گیا ـــــ ملائکہ سے سوال ہوا۔ تم نوری حیثیت میں نوری ہیئتوں کے متعلق خبر دو۔ کہ عالمِ بالا میں کیا کیا نوری کیفیتیں پائی جاتی ہیں۔ اگر تم اپنے قول میں درست ہو۔ تو تمہیں۔ نوری عالم کا علم ہونا چاہیے۔ مگر ملائکہ تو صرف سبع سمٰوٰت کی مخلوق ہے۔ انکا وجود انہیں آسمانوں سے مخلوق ہے۔ ان میں کوئی روحـــــی (روح) پھونکی نہیں گئی لہٰذا یہ عالمِ نوری کا نہ احاطہ کرسکتے ہیں۔ نہ علم پاسکتے ہیں۔ تو ملائکہ عجز کا اظہار کرتے ہیں۔ سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ

اَلْحَکِیْمُ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۲)۔ پاک ہے تو غلط کہنے سے۔غلط کرنے سے۔ ہماری جسمانی ہیئت و حیثیت اس قابل نہیں کہ وہ تمام کائناتِ نوری کا احاطہ کرسکے۔ ہمیں اپنے مقام کی کیفیت سے زیادہ علم ہو نہیں سکتا۔ قَالَ یٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۔پس ہم نے زمین میں مقیم آدم سے کہا کہ تم ان ملائکہ کو تمام کائنات کے آثارِ نوری کی خبر دو ـــــ چونکہ آدم کو روحی۔نوری روح۔ودیعت کی گئی۔اس روح سے آدم نے زمین سے لے کر۔تا نورِ اول۔تا نور مستقل تمام کائنات کا مشاہدہ کیا۔لہٰذا آدم نے تمام کائنات کی تخلیق اور اُسکے خالق کی خالقیت اور جملہ صفاتِ الٰہی کی خبر دی ـــــ

بات یہاں تک پہنچی۔کہ اس نورِ مستقل خالق نے۔نورِ اول سے تخلیق کی ابتدا کی ـــــ اور اَلْاَرض پر اس تخلیق کا اختتام کیا ـــــ اور اسکے منصوبہ میں اَلْاَرض بنانا تھا ـــــ اَلْاَرض میں۔نباتات ۔جمادات۔حیوانات بنانا تھا ـــــ (یا خود بخود بنتے تھے) اور آخری پیدائش بشر بنا کر اسے خلیفہ کا مقام دینا تھا ـــــ خلیفہ کا مقام کیا تھا؟ ـــــ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (نوری روح) زمینی سفلی وجود میں شامل کرنا ـــــ اس روح سے آدم کو تمام اسرارِ کائنات کا مشاہدہ کرانا تھا ـــــ ہاں! تمام اسرارِ کائنات کا مشاہدہ! ـــــ اس کا ایک طریق۔اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اٰیٰتٍ" لِلْمُوْقِنِیْنَ ۔تخلیقِ کائنات کے آثار کا علم حاصل کرنا! ایک لِلْمُوْقِنِیْنَ۔یعنی بغیر مشاہدہ۔بغیر دلیل۔نورِ مستقل کو کائنات کی علت و خالق تسلیم کرنا۔اسکے تسلیم کیلئے۔بغیر دلیل و ثبوت طلب کرنے کے۔ایک شخصیت کا تسلیم کرنا۔جو اسکی شہادت دے ـــــ اَشْهَدُاَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کائنات کا خالق و علت۔علتِ لامحدود۔نور مستقل اللّٰہ ہے۔لیکن اس شخصیت سے دلیل نہیں حاصل کرنی۔بلکہ اس شخصیت کے ذاتی کردار و عمل کو دلیل لیتا ہے ـــــ اس شخصیت کا اخلاق۔آدابِ انسانیت۔سچائی۔امانت ہر انسان کے آگے مسلّم ہو۔تو اس کے لئے اول "خبر دینے والا"۔نبی کا دعوٰے ہونا چاہیے کہ مجھے علم اَلْاَسْمَاء میں یہ علم و مشاہدہ عطا ہوا ہے۔اور میں مامور من جانب اللّٰہ۔رسول کی حیثیت سے تمہاری اصلاحِ نفس کیلئے بھیجا گیا ہوں۔لہٰذا۔اس شخصیت کی امانت و صداقت ہی دلیل بنتی ہے۔نور مستقل۔کائنات کے خالق تسلیم ہونے کیلئے ـــــ اسکے بعد۔عقلی طور تحقیق کرو۔تو اللہ کے تسلیم کے ساتھ تمہاری تحقیق میں حقیقی آثار مشاہدہ ہونگے ـــــ روحانی طور تحقیق کرو۔تو اپنی ذات کی پہچان میں تمہیں ہر

ظاہری باطنی ہیئت۔خاک۔نار۔نور کا مشاہدہ ہوگا۔آسمانوں کا مشاہدہ ہوگا۔کرسی کے نور کا مشاہدہ ہو گا۔تمام عالمِ نوری کی ہیئت وکیفیت کا مشاہدہ ہوگا۔نورِ اول کا مشاہدہ ہوگا۔نور مستقل۔نور احد اللّٰہ کا مشاہدہ ہوگا۔اسی مشاہدہ سے ہر انسان مقامِ خلافت (خلیفہ) حاصل کرتا ہے ــــ مادی طور تحقیق کرو۔ تو وَ فِی انفسکم ۔عقلی طور۔سائنسی طور۔اپنے وجود کی بناوٹ۔اسکے مرکبات کا حقیقی تصور حاصل کرو ۔پھر علت ومعلول کی ترتیب کے ساتھ ہر علت کا تصور پانے کی کوشش کروتو یہ تمہیں۔علت لامحدود کا ایک موہوم تصور عطا کرسکتا ہے ــــ آخر الامر نتیجہ کہاں پہنچا؟ وہ یہ کہ اس کائنات کا مقصد صرف زمین کا وجود پیدا کرنا ــــ اور اس میں۔انسان۔صرف انسان پیدا کرنا ــــ اور انسان کا تسبیح وحمد سے کائنات کے تمام ناری۔نوری۔خاکی اسرار کی آگاہی حاصل کرکے ــــ اپنے خالق کی پہچان کرنا ہے ــــ چونکہ اللہ تعالیٰ کا مقصدِ اولیٰ انسان ــــ اور زمین میں انسان پیدا کرنا تھا۔اور اس کے ذمہ تسبیح وحمد۔اور مشاہدۂ کائنات تھا ــــ اور تسبیح کا نمونہ۔نوری مخلوق۔ملائکہ کے ذریعہ پیش کرنا تھا۔اس لئے قرآن نے ــــ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے بیان میں۔آسمانوں اور زمین کو خصوصی اہمیت دی۔

اس تمام تفصیل سے اب حقیقی مقصد واضح ہو جاتا ہے۔کہ فطری تخلیق کے تابع۔ایک نورِ مستقل کے وجود میں۔زمین (اَلْاَرض) کا پیدا ہونا ممکن نہ تھا۔جب تک کہ نور تقسیم ہوکر نار کی ہیئت اختیار نہ کرے۔اور نار تقسیم ہوکر۔خاکی ہیئت اختیار نہ کرے۔اور زمین میں ایک انسان کو پیدا کیا جائے جو مقصد کے اعتبار سے اس تمام کائنات کا نچوڑ ــــ اور مقصدِ اعلیٰ ہے ــــ یہ ایک انسان (آدم) نہیں۔بلکہ ہر وہ وجود۔جو شکلِ بشری میں پیدا ہوتا ہے۔جو ایک جسم خاکی ــــ روحِ ناری اور روح نوری کا مرکب ہو ــــ لہٰذا۔نسلِ آدم سے ہر وجود (آدم سے لے کر۔زمین پر پیدائش کے آخری وجود تک) ۔جسم خاکی۔روح ناری ــــ اور روح نوری کا مرکب پیدا ہوتا ہے ــــ بشر اور انسان کہلاتا ہے۔اس حیثیت میں زمین پر پیدا ہونے والا انسان خلیفہ کی خصوصیت میں شامل ہے ــــ لہٰذا۔ہر زمانہ میں ــــ ہر قوم میں۔ہر فرقہ میں۔ہر نسل میں ــــ خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔خواہ بادشاہ ہو یا رعیت۔ہر فرد۔شکل بشری اور انسانی میں۔اپنی خصوصیتِ خلافت حاصل کئے ہوگا۔اور تخلیقی مقصد کے تابع ہر انسان نے اپنی خصوصیتِ خلافت پر ہر لحظہ قائم رہنا ہے۔یہی اللہ کا مقصدِ واحد ہے۔یہی انسانی فریضہ ہے۔کہ وہ

خصوصیت خلافت کے ساتھ۔کائنات کے آثار ــــ نوری۔ناری۔خاکی کے علم ومشاہدہ کا حامل ہو اور اسکے حصول کیلئے اپنی تمام خواہشات اور ضرورتوں کو پس پشت ڈالے ــــ

تاریخ انسانی کے مطالعہ سے معلوم ہوگا ــــ تاریخ سے مراد۔انسانی خود ساختہ تاریخ نہیں بلکہ ''الٰہی تاریخ'' ــــ الٰہی تاریخ سے مراد ــــ الٰہی کلام ــــ جو ہر زمانہ میں۔ایک منتخب رسول کے ذریعہ پیش ہوتی رہی ــــ حقیقت سے انکار کرنے والے مادئین (مادہ پرست)۔اللہ۔رسول۔کلام الٰہی سے انکار کریں ــــ اسکی نفی کریں ــــ لیکن سورج انگلی کے پیچھے چھپ نہیں سکتا ــــ لیکن یہ امر واقع ہے کہ ہر زمانہ میں۔ہر قوم میں۔اللہ۔رسول اور کتاب کا تصور پایا گیا ــــ ان رسولوں نے صرف۔ایک اللہ۔ایک کتاب کا تصور پیش کیا۔اسی کتاب کے ذریعہ۔افراد۔اور قوموں کو انسانی تاریخ میسر آسکی ــــ ورنہ۔ابتدائے زمانہ۔انسان میں تاریخ مرتب کرنے کا کوئی ذریعہ مہیا نہ تھا۔اسی تاریخ الٰہی کے ذریعہ انسان کو ــــ انسانی کردار وعمل کا سراغ ملا۔اسی تاریخ کے ذریعہ انسان کو ماقبل کے زمانہ کے حالات وواقعات کا پتہ ملا ــــ علاوہ ازیں ماقبل کی پیدائش انسانی پر جو حادثات گزرے انکا سراغ کچھ تاریخ الٰہی۔اور کچھ نسل درنسل ذہنوں میں منتقل واقعات سے علم ہوا۔کہ فی الواقع زمانہ میں رسولوں کا ظہور ہوا۔جنہوں نے مخلوقِ انسانی کو۔نورِ مستقل۔اللہ کا تصور دیا۔اور رسولوں کی کتابوں سے ہی۔ابتدائے پیدائش انسانی میں۔آدم کے وجود کا علم ہوا ــــ چنانچہ ان کتابوں میں کائنات کے تمام آثار کا حقیقی تصور قرآن ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے ــــ قرآن ہی نورِ مستقل۔اللہ۔خالقِ کائنات کا تصور پیش کرتا ہے۔اور کائنات کی تخلیق کے تمام آثار واضح طور بیان کرتا ہے۔جسکے حق ہونے میں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں ــــ حقیقت سے انکار کرنے والے مادئین۔اللہ۔رسول۔کتاب کے وجود سے انکار کے باعث یہ تاویل پیش کرنے کی کوشش کریں۔کہ انسان میں اللہ کا تصور اسکے ''خوف'' کی وجہ سے پیدا ہوا۔جہاں کسی کیفیت میں دہشت کا مظاہرہ ہوا۔انسان نے اسی دہشت کے اثر سے۔ایک غالب طاقت کے روپ میں اسے خدا (اللہ) تصور کیا۔اس کی دلیل نسل آدم کا۔خوفناک بجلی کی کڑک۔سانپوں۔شیروں۔دریاؤں کی طغیانی۔سورج کی دہشتناک صورتوں کے خوف سے انہیں خدا سمجھ کر انکی پرستش کی ــــ لہٰذا انسان میں غالب قوتوں کی دہشت کی وجہ سے ایک اللہ کا تصور قائم ہوا ــــ بلاشبہ۔اللہ کی

ذات ان تمام قوتوں سے قوی وغالب ہے ___ جس ذات کو اسکے غلبہ واقتدار کے باعث عظیم قوت سمجھ کر اللہ کے تصور میں لایا جاتا ہے۔یہی صفت اللہ کی ہے۔کہ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ (پارہ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۱)۔اللہ کی ذات خالق کی حیثیت میں کائنات کی ہر شے پر غلبہ حاصل کئے ہے۔سوال یہ ہے۔ کہ انسان کو اشیائے کائنات میں قہر کی قوت سے مرعوب ہوکر اسکی پرستش اور الوہیت کا کیوں تصور پیدا ہوتا ہے؟۔کہ وہ ایسی کیفیتوں کو ''خدا ہی'' تصور کرتا ہے؟ جبکہ اللہ کا تصور ہی انسانی ذہن میں موجود نہیں (یا بقول مادئین) کائنات میں اللہ کا وجود موجود ہی نہیں۔تو پھر اللہ کا تصور۔اور اسکی پرستش کا احساس کیسے پیدا ہوتا ہے؟ ___ اس سوال کا جواب یقیناً کسی محقق۔کسی منکر کے پاس نہیں! ___ انسانی فطرت۔اور ذہنی بناوٹ کا تقاضا ہے۔کہ جب تک اسکے ذہن میں کسی کیفیت کا تصور موجود نہ ہو۔وہ اس کیفیت کا تصور خود پیدا نہیں کرسکتا اور جب انسانی ذہن میں۔اللہ کا تصور موجود نہیں۔تو وہ کیوں ہر غالب قوت کے خوف سے اللہ ہی کا تصور قائم کرکے اسکی پرستش کرتا ہے۔اور یہ بات انسان کو کس نے بتائی۔کہ غالب قوت کیلئے پرستش کرنا ہی اسے خوش کرنے کا ذریعہ بنتا ہے ___ تو صاف ظاہر ہے۔کہ انسان کا خوفزدہ ہوکر۔کسی غالب قوت کو خدا سمجھ کر پرستش کرنا۔ایک مسلسل انتقالی جذبہ ہے جو اسے اس عمل پر تحریک دیتا ہے۔اسکی مثال ایسی ہے۔جیسے ایک بلی۔جو ابتدائی دور میں بچہ سے ماں بنتی ہے ___ اسے معلوم نہیں۔کہ اسی کی ایک جنس۔(نر بلا) اسکے بچوں کو ہلاک کرتا ہے ___ ایک فطری خوف کے تحت وہ اپنے بچوں کو بلّے کی ہلاکت سے بچانے کیلئے جگہ جگہ چھپاتی ہے۔یا بلّے کو دیکھ کر شدتِ غضب سے غُرّاتی ہے۔حالانکہ اسکی زندگی میں ابھی اِسے اسکا حادثہ پیش ہی نہیں آیا۔یہ ایک فطری وجدان ہے۔جو اسکی ماں سے اسے ورثہ میں ذہنی طور منتقل ہوتا ہے۔یا ایک بچہ جو اپنی پیدائش کے ساتھ ہی ماں کے پستان سے دودھ حاصل کرنے کیلئے۔غیر ارادی طور پر پستان چوسنا شروع کردیتا ہے۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ وہ کیا حرکت کرتا ہے ___ عقل کا تقاضا ہے۔کہ ناپختگی کی حالت میں۔بچہ کے منہ میں پستان دیا جائے۔جب تک کہ اسے اس کا تجربہ نہ ہو۔وہ چوسنے کا عمل نہیں کرسکتا ___ حقیقتاً یہ اسکا فطری وجدان ہے۔جو اسکے وجود میں ماں یا باپ سے ذہنی طور منتقل ہوتا ہے۔جس اثر کے تابع۔بچہ بغیر کسی تجربہ کے۔بغیر کسی علم کے خودبخود ماں کے پستان سے دودھ حاصل کرنے میں۔چوسنے کا غیر

ارادی طور عمل کرتا ہے۔ یہی فطری وجدان ہے۔ جو ہر انسان میں ذہنی طور منتقل ہوتا ہے۔ اسی جذبہ کی تحریک پر ہر انسان کو اسکے ماں باپ سے۔ خوف کے وقت ایک غالب قوت کے آگے جھکنے پر عامل ہونا نسلی طور ورثہ میں منتقل ہوتا ہے ـــــ ورنہ بذات خود انسان میں غالب قوت کے آگے جھکنے کیلئے۔ نہ علم ہے۔ نہ تجربہ ـــــ ظاہر ہوا۔ کہ اس انتقالِ تصور میں۔ انسانی ذہن میں کسی مقام پر ایک اللہ کا تصور قائم ہوا ہے۔ یہی غالب قوت کا خوف۔ اور خوف کے اثر سے انسان کا غالب قوت کے آگے (بغیر علم۔ بغیر تجربہ) جھکنا خود اللہ کی ذات کا وجود تسلیم کرنے کی بین دلیل ہوسکتی ہے۔ یہ تو رہی مادئین کے نظریہ کی رد ـــــ ورنہ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ کائنات کی ابتداً ایک نور مستقل سے ہوتی ہے۔ وہی نورِ مستقل اس کائنات کا خالق ہے۔ اسی خالق کے منصوبہ کے مطابق کائنات میں السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی پیدائش ہوئی ـــــ اسی خالق کے منصوبہ کے مطابق زمین میں انسان بنا ـــــ اسی خالق کے منصوبہ کے مطابق۔ انسان ـــــ بشر ـــــ تین قوتوں نور ـــــ نار۔ خاک کا مرکب بنا ـــــ نور سے نوری روح ـــــ نار سے حیوانی روح۔ جس روح سے انسان میں زندگی پائی جاتی ہے۔ خاک سے جسمانی ساخت۔ شکل و صورت ـــــ اور جیسا قرآن سے بیان ہوا۔ کہ اس انسان کا مقصدِ زندگی صرف اسماءِ کُلَّھا کا علم حاصل کرنا۔ اسماء کلھا میں۔ تمام کائنات۔ زمین سے لے کر سبع السمٰوات۔ کرسی۔ عرش۔ ماورائے عالمِ نورانی۔ تا ذاتِ الٰہی (نور مستقل) شامل ہیں۔ جن کی حقیقت پہچان کر اس کائنات کے خالق کی پہچان کرنا ہے ـــــ ہاں۔ الٰہی تاریخ ہمیں ابتدائی انسان کی تفصیل بتاتی ہے۔ کہ آدم کو ہم نے۔ روحِ نوری (یا روح رحمانی) کے ذریعہ تمام کائنات کا مشاہدہ دیا ـــــ اسکے ذمہ ملائکہ سے افضل تسبیح وحمد مقرر کی۔ اور اسے ہر لمحہ مشاہدۂ کائنات اور مشاہدۂ۔ نورِ احد میں رہنے کا حکم دیا ـــــ یہ عمل انسان اول۔ آدم کی عبادت سے تعبیر ہے۔ کہ جب انسان کائنات کی تخلیق میں اِسکے خالق کے امر (حکم) کو غالب دیکھتا ہے۔ تو اسے اللہ اور انسان کے درمیان۔ آقا و غلام کا ایک تصور ملتا ہے۔ تو انسان خود کو اللّٰہ کا غلام تصور کرتا ہے۔ اسی جذبۂ غلامی میں۔ جب انسان اپنی ذات کو پہچانتا ہے۔ تو وہ اپنے آقا کے آگے ـــــ ایک جذبۂ احسانمندی کے ساتھ جھکتا ہے۔ کہ اس خالق نے انسان کو ملائکہ اور مخلوق ارضی پر فضیلت دیکر سب سے اونچا مقام دیا۔ تو اس جذبۂ احسان مندی کا تقاضا جھکنا ـــــ سجدۂ شکر بجالانا ہے۔

اس جھکنے میں خوف کا تاثر نہیں۔ بلکہ عزت واحترام اور محبت کا جذبہ ہے ــــ دوسرے جب انسان اللہ کی ذات کا حقیقی تصور پاتا ہے۔تو خود کو اسکی مِلک دیکھ کر۔اسے آقا سمجھ کر۔غلام کی حیثیت سے اپنے آقا کے آگے جھک جاتا ہے۔سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔اس سجدہ میں۔اس ذات کی لامحدودیت وعظمت و کبریائی کا تصور پا کر انسان۔اللہ کی عظمت وکبریائی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔اس مقام پر انسان اپنی اور اللہ کی پہچان سے۔ایک جذبہ احترام پاتا ہے۔لہٰذا عقل کا تقاضا ہے۔کہ حق کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔اور حق کو سمجھ کر عقل کو استعمال کیا جائے۔تو یقیناً ''عقلِ سلیم'' انسان کو حق قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہے ــــ ورنہ حق سے بغیر دلیل انکار۔جہل ونادانی کے سوا کچھ نہیں۔خواہ اس جہل کا مرتکب ایک عظیم سائنسدان یا محقق ہی کیوں نہ ہو۔واضح نشانیاں ہوتے ہوئے کسی انسان کا ــــ اللہ سے انکار جہل اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔کہ انسان بغیر کسی واضح دلیل کے۔جبکہ ماضی کا زمانہ نہ اسکے ادراک میں ہے۔نہ اسکے علم میں۔بلا دلیل یہ تصور کرنا۔کہ حقیقتاً اللہ کا وجود موجود نہیں۔انسان نے خوف کی وجہ سے اللہ کا وہمی تصور قائم کیا ــــ لہٰذا۔انسان کیلئے ضروری ہے۔کہ وہ اللہ۔رسول۔کتاب کو بلا دلیل تسلیم کرے۔کیونکہ گزشتہ قوموں میں انکا تصور پایا جاتا رہا اور یہ امر محقق ہے۔کہ قرآن ایک عظیم کتاب ہے۔جو ایک رسول (محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ پیش کی جاتی ہے ــــ اس مقام پر۔اللہ وکتاب کے تسلیم کیلئے۔شخصیت کو پہلے تسلیم کیا جاتا ہے۔یہی شخصیت۔اللہ وکتاب کے حق ہونے کی دلیل بنتی ہے ــــ آج سے چودہ سو سال قبل کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہے۔کہ عرب کے لوگوں میں۔محقق بھی تھے۔مدبر بھی تھے۔ملک التجار بھی تھے۔شاعر وادیب بھی تھے۔یونان وروم کا تمام علم عرب تک پہنچ چکا تھا۔انہیں لوگوں میں ایک منتخب رسول امی حیثیت میں پیدا ہوا ــــ اس ہستی نے ہوش سنبھالتے ہی۔اپنے ذاتی جوہر استعمال کر کے ایک مثالی کردار کا مظاہرہ کیا ــــ یہ مظاہرہ عام حیثیت میں۔انہیں لوگوں میں سے اسی ماحول کا پروردہ۔جس میں کسی۔راہنمائی ــــ کسی وحی۔کسی الٰہی ضابطہ کی تربیت حاصل نہ تھی ــــ یہاں تک کہ چالیس سال۔اسی قوم۔اسی ماحول میں گزار کر۔صرف اپنے ذاتی اخلاق اور اعلےٰ فہم وتدبر۔اور پاکیزہ کردار سے۔قوم سے امین وصادق کا خطاب پایا۔اسی ہستی نے بغیر وحی کی مدد کے ہر انسان کو اپنے پیچھے چلنے۔اور اپنی بات منوانے پر آمادہ کیا ــــ یہی وہ

کردار ہے جس سے ایک شخصیت کو۔ اللہ۔ کتاب تسلیم کرنے کیلئے۔ دلیل بنایا جاتا ہے۔ اسکے بعد کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مادئین۔ اپنا یہ نظریہ قائم کریں۔ کہ گزشتہ زمانوں میں۔ انبیاؑ اور انکی تعلیم ــــ کا حق ہونا ــــ "ایک وہمی تصور ہے"۔ انکی تعلیمات۔ ان ہستیوں کی خود ساختہ تعلیم تھی۔ جسکا تسلیم لازم نہیں۔ لیکن قرآن خود چیلنج کرتا ہے ــــ اِنَّکَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ مخلوقِ انسانی کو اسکے مقصدِ زندگی کی نشاندہی کر کے اُسے حق کی راہ دکھانے والے ہیں۔ اور پھر اسلام خود چیلنج کرتا ہے۔ دنیا کے ہر محقق کو ــــ ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے ہر مفکر کو۔ کہ کوئی شخص بھی۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایسی کسی خامی کو ثابت کرے۔ جو اسلام دشمنی کے جذبہ سے خالی۔ ٹھوس دلائل پر مبنی ہو۔ ایسا ہرگز ہو نہیں سکتا۔ تاریخ اسلام شہادت دیتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال میں ایک ذرہ بھر خامی پائی نہیں جاسکتی ــــ جو دلائل سے ثابت ہو سکے ــــ یہی شخصیت ہے۔ جو قرآن کی حامل ہے۔ جو حقیقی راہ دکھانے والی کتاب ہے۔ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡهِ ۚۛ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۲)۔ یہ وہ کتاب ہے۔ جو ہر زمانۂ مستقبل میں صحیح حالت میں پائی جائیگی۔ اس کتاب میں مستقبل کے ہر زمانہ کے انسان کیلئے۔ جو ایک رسول کی شخصیت تسلیم کرنے کے بعد اس کتاب سے راہنمائی حاصل کرے۔ تو ہر شخص اسکی راہنمائی میں۔ اپنا مقصود پا سکے گا ــــ یہ مقصد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی میں ہی حاصل ہو سکتا ہے ــــ

اب پھر ماضی میں۔ ابتدائے پیدائش کی طرف لوٹیئے ــــ آدم پہلا انسان ہے۔ جس سے انسانیت کا مظاہرہ کیا گیا۔ کہ انسان کی پیدائش کا مقصد سوائے اسکے کچھ نہیں۔ کہ انسان مقامِ خلافت پر قائم رہ کر۔ کائنات کے آثار واسرار کا مشاہدہ وآگاہی حاصل کر کے اپنے خالق کی پہچان کرے۔ اور خود کو۔ اور اپنے خالق کو پہچان کر اسکے آگے سجدہ ریز ہو۔ ہاں! اگر انسان ایک لمحہ بھی۔ اپنی اس ذمہ داری سے غافل رہا۔ تو وہ اپنے منصبِ خلافت سے گر کر قابل احترام نہیں رہے گا۔ بلکہ حیوانوں سے بدتر خصلت کا حامل۔ شکل انسانی میں حیوان ہوگا ــــ آدم سے مقامِ خلافت کا مظاہرہ ہوا۔ اب ضروری تھا کہ بحیثیت ارضی پیدائش نسل آدم بھی انہیں خصوصیات کی حامل ہو۔ یہ ایک فطری عمل تھا۔ جس میں نسل

آدم بھی انہیں خصوصیات کی حامل پیدا ہوتی رہی ـــــ انہیں براہ راست۔ایک ہدایت ـــــ ایک تصور کائنات کا علم و مشاہدہ۔پیدائشی طور حاصل تھا ـــــ کیونکہ نسل آدم میں۔وہی جسمانی ہیئت نوری روح ـــــ ناری روح ـــــ خاکی جسم پایا جاتا ہے۔نوری روح ودیعت ہونے کے اعتبار سے ہر نسلِ انسانی کو علم الْاَسماء۔کائنات کا علم و مشاہدہ ہونا لازمی ہے۔لہٰذا اس انسانی مخلوق کو۔نہ مزید کسی ضابطہ کی ضرورت تھی۔نہ راہنمائی کیلئے کسی نبی ورسول کی ضرورت تھی۔

فطری پیدائش کے اعتبار سے انسان قوی وسالم قوتوں کا مالک پاکیزہ جسم وروح۔صاحب عقل وتدبر کامل انسان تھا۔کائنات کے فطری اصول کے تحت کائنات کی ابتدائی کیفیتیں۔قوت وجسم میں قوی ہوتی ہیں۔اسکے بعد ہر زمانہ میں نسلی تقسیم میں ہر شے کی صفات وذات میں تنزل (کمی) آجاتا ہے۔لہٰذا ماضی کا ہر وجود۔مستقبل کے وجود سے قوی وسالم ہوتا ہے۔اور مستقبل کے ہر وجود میں نسلی تقسیم میں کمی آجاتی ہے ـــــ یہی صورت انسان کی تھی۔ابتدائی انسان پاکیزہ جسم۔پاکیزہ روح۔قوی طاقت کا مالک تھا۔اسکے عقل وشعور وفہم قوی وسیع تھا۔اسکی جسمانی ہیئت کے اعتبار سے اسکی عمر ہزار سال تک تھی ـــــ اور آئندہ نسلی تقسیم میں انسان کا اپنی صفات میں کمزور ہونا ایک فطری تخلیقی عمل تھا۔اور آئندہ مستقبل میں انسان خواہ کتنا ہی عقل میں کامل ہو۔ماضی کے انسان کے برابر نہیں ہوسکتا ـــــ

انسان اول حضرت آدم ایک کامل واکمل وجود تھا۔جسے پاکیزگی روح وجسم سے مشاہدہ اسرار میسر تھا۔ابتدائی دور میں نسل آدم بھی کامل وجود۔پاکیزہ روح جسم۔اور قوی عقل وشعور کی مالک تھی۔ اسلئے نسل آدم مدتوں تک اپنی صفات میں کامل رہی۔یہاں تک کہ طویل زمانہ گزرنے کے ساتھ نسلِ آدم اپنی صفات میں کمزور پیدا ہوتی رہی۔کثرتِ انسانی کی وجہ سے نسلِ آدم زمین پر پھیلتی رہی۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا (پارہ۴ سورۃ۴ آیت۱) انسان نے نقلِ مکانی میں مختلف لذتوں کا احساس پایا ـــــ اس احساس نے حصول لذت اور حصول رزق میں جستجو کا مادہ پیدا کردیا ـــــ یہ زمانہ تھا جب انسان کے ذہن میں۔ایک تصورِ حقیقی کے ساتھ اشیائے رزق کا تصور بھی شامل ہوتا گیا ـــــ جوں جوں انسان نے لذتِ نفس کے زیر اثر لذت کے حصول میں جستجو پر زیادہ زور دینا شروع کیا۔تو اسکا ذہن بٹتا گیا۔مشاہدہ میں

یکسوئی کامل نہ رہی۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ کہ رفتہ رفتہ مشاہدات و یکسوئی میں فرق آتا گیا ــــ قاعدہ ہے۔ جب انسان طلبِ حقیقت میں تغافل برتے۔ تو اس میں روحانی پاکیزگی کم ہوتی جاتی ہے۔ روحانی پاکیزگی بھی جسم کی بقا میں معاون رہتی ہے۔ روح کا یہ تعاون بھی ختم ہو جاتا ہے۔ تو انسان مادی غذا پر ہی اپنی بقا کو قائم رکھتا ہے۔ اور جب حصولِ لذت میں جستجو تیز کر دی۔ تو انسان میں رزق ذخیرہ کرنے کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ہوس انسان کو ناجائز حصول کی حرص میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایسے موقع پر انسان اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل میں غلط اقدام پر آمادہ ہو کر۔ قانونِ فطرۃ کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کیا ہے؟ ــــ لذتِ نفس کے تابع ہو کر۔ تصور حقیقی سے تغافل۔ یعنی حصولِ لذت کو زیادہ پسند کر کے مشاہدۂ انوار الٰہی۔ اسرار کائنات کے مشاہدات۔ تسبیح و حمد سے اعراض۔ یا تغافل۔ برت کر حصولِ لذت کی مادی ضرورتوں کو ذہن و قلب میں جگہ دینا ــــ یہ بنیادی تصور ہے۔ قانون فطرت کی خلاف ورزی کا ــــ اسکے نتیجہ میں۔ انسان میں حرص و ہوس کا مادہ بڑھ جاتا ہے۔ تو وہ اپنی ذاتی منفعت (فائدہ) کیلئے۔ جبکہ وہ ضرورت سے زیادہ کی فراہمی میں اکیلا خزانہ (جمع) نہیں کر سکتا۔ تو دوسروں کو اپنی ضرورت کیلئے استعمال کرنے لگ جاتا ہے۔ چونکہ انسان میں حرص و طمع کا مادہ بڑھ جاتا ہے ــــ تو وہ دوسروں کی شمولیت سے اپنے نفع کا زیادہ خیال رکھ کر دوسروں کی محنت سے حاصل کیا ہوا رزق اپنے لئے وقف کرتا ہے۔ ایسے موقع پر جب انسان دوسروں کی محنت سے حاصل کئے ہوئے رزق پر اپنا تصرف چاہتا ہے۔ تو اسکے لئے۔ دو چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک دوسروں کے مقابلہ میں اپنی قوت کا غلبہ ــــ دوسرے ناجائز طریق۔ دغا۔ فریب۔ جھوٹ سے دوسروں کو دھوکہ میں رکھ کر ان سے رزق حاصل کرنا ــــ اس طرح انسان دوسروں کی محنت حاصل کرنے کیلئے۔ اپنی قوت بڑھا کر۔ دوسروں پر غالب آنا چاہتا ہے۔ اور ہر کمزور انسان کو اپنی محکومیت اور تصرف میں لا کر اس سے محنت کا کام لے کر اپنا خزانہ بھرتا ہے۔ یہ ہے۔ دوسری۔ قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ــــ البتہ اسکی بنیاد۔ اصل تصور حقیقی سے تغافل و کوتاہی پر ہے ــــ اگر انسان تصورِ حقیقی میں کامل رہے۔ تو وہ حصولِ رزق میں نہ لذتِ نفس کے تابع زیادہ حصول کی خواہش کرتا ہے۔ نہ حصولِ زائد میں دوسروں کو اپنا مغلوب و محکوم بنا کر انکی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی خواہش کرتا ہے۔ ایسا شخص اگر حصولِ زائد کی

جستجو کرے۔ تو اس کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو انکی محنت کا پورا پورا حق دیتا ہے۔ البتہ انسان اپنی عقلی کاوش سے جو ذرائع حصولِ رزق میں آسانی پیدا کر کے کم محنت میں زیادہ حاصل کرے۔ اس حاصل میں بھی وہ محنت کش کا حصہ قائم کرکے۔ ایک حصہ اپنے لئے وقف کرتا ہے۔ یہی حصہ ہے۔ جو اسے دوسروں کی محنت سے زائد رزق حاصل ہوتا ہے۔ قانونِ فطرۃ کے مطابق دوسروں کی محنت سے حاصل کیا ہوا رزق۔ ایسی صورت میں قطعی جائز ہوتا ہے۔ البتہ۔ دوسروں کی محنت صرف اپنے لئے وقف کرنے میں انسان۔ دوسروں کو محکوم بنانے کا جذبہ رکھتا ہے۔ اور اس محکومیت کیلئے وہ قوی اقتدارِ اعلیٰ پانے کا جذبہ رکھتا ہے۔ زمین پر قائم ہونے والی غالب حکومتیں اور انکے حکمران۔ نمرود۔ فرعون۔ شداد کے نام سے مشہور زمانہ ہیں۔ جنہیں جابر حکمران کہا جاتا ہے۔ انکا فعل قانونِ فطرت کے خلاف قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ انسان۔ جنہیں غلبہ و حکومت حاصل نہیں دغا۔ فریب۔ جھوٹ۔ جعلسازی سے انسان کی دولت سمیٹتے ہیں۔ ذخیرہ اندوز۔ ناجائز تجارت سے ضرورت سے زیادہ لوگوں سے حاصل کرنے والے بھی قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کرنے والوں میں شامل ہیں ـــــ ایسے لوگوں سے انسانی معاشرہ۔ پستی۔ اضطراب۔ بے چینی۔ فاقہ کشی۔ مفلسی کا شکار ہو کر۔ انسانی معاشرہ میں۔ اضطراب و بے چینی پیدا ہوتی ہے ـــــ یہ وہ قدیمی معاشرہ ہے۔ جس میں کسی حکومت کا وجود نہیں۔ ایسی حالت میں۔ ہر ذہن اپنی ضرورت۔ اور بقا کیلئے اپنی منفرد۔ ذاتی سوچ پر چلنا شروع کرتا ہے۔ اس طرح ہر ذہن اپنے لئے مختلف نظریہ حیات پیدا کرتے ہیں۔ جنکا آپس میں تصادم ہوتا رہتا ہے۔ اسکے نتیجہ میں انسان محض اپنی ضرورت کے حصول میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس چھینا جھپٹی کا نتیجہ آپس میں فساد و خونریزی میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب تمام معاشرہ۔ (مخلوقِ انسانی) اضطرابی حالت میں بے چینی۔ قتل و خونریزی میں مبتلا ہو جائے۔ تو اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ کہ اسکی زندگی ہر وقت خطرے میں۔ رہتی ہے۔ تو وہ کسی غالب قوت کی امداد و راہنمائی کا طلبگار رہتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں ہر شخص میں خوف کی وجہ سے۔ ایک مددگار راہنما کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ لازمی امر ہے۔ کہ ایسے زمانہ میں بھی لوگوں میں چند پاکیزہ نفس شخصیتیں پائی جاتی ہیں۔ جو مخلوقِ انسانی کی بے راہروی کے نتائج دیکھ کر تاسف کرتے ہیں۔ اور اصلاحِ انسانی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ایسی شخصیتیں۔ ایسے معاشرہ میں۔ اپنی پاکیزہ نفسی۔ پاکیزہ اخلاق کی

وجہ سے معزز ہوتی ہیں۔تو خود بخود لوگ ایسے لوگوں سے۔امداد و راہنمائی کے طلبگار ہو کر ایسی شخصیتوں کو اپنا راہنما بنا لیتے ہیں ــــ اس طرح ایک معاشرے میں ایک لیڈر یا مصلح کا وجود پیدا ہوتا ہے ــــ ایک لیڈر۔لوگوں میں سے۔مدبر۔معاملہ فہم۔اور نیک کردار لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک جماعت تشکیل دیتا ہے ــــ چونکہ عوام۔میں ہر فرد علیٰحدہ حیثیت میں۔اپنی ضرورت کے حصول کیلئے اپنا ذہن استعمال کرتا رہا ــــ جس وجہ سے ذہنی تصادم کی وجہ سے انتشار پیدا ہوتا رہا ــــ لیڈر کے انتخاب سے۔جبکہ عوام۔لیڈر سے راہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ہر شخص کی علیٰحدہ سوچ ختم ہو کر۔ہر سوچ لیڈر کی اقتدٰا میں عمل کرنے پر آمادہ رہتی ہے ــــ اسطرح ذہنی انتشار ختم ہو کر عوام ذہنی۔نظریاتی اختلافات سے علیٰحدہ ہو کر اتحاد کی ایک صورت پیدا کرتے ہیں۔ایسی صورت میں۔ایک لیڈر اور جماعت ہی کا ذہن کام کرتا ہے۔باقی عوام کے ذہن لیڈر کے ذہن میں مدغم ہو کر۔لیڈر کی اطاعت کی جاتی ہے۔عوام ایک لیڈر کے مطیع ہو جاتے ہیں۔اب معاشرہ کی اصلاح کیلئے۔تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔تجاویز کی بنیاد انہیں خرابیوں پر ہوتی ہے۔جن سے معاشرہ اپنے حقیقی منصب سے گر کر پستی میں آ چکا ہوتا ہے۔تو دیکھا جاتا ہے۔معاشرے میں پیدا ہونے والی برائیوں کی روک تھام کی جائے۔لیکن ایسے موقع پر معاملہ فہمی کی ضرورت ہوتی ہے۔یہاں اصلاح کی دو نوعتیں ہوتی ہیں ــــ اول یہ کہ معاشرہ میں افراد۔لذتِ نفس کے زیرِ اثر تصور حقیقی سے تغافل کرنے کی وجہ سے۔روحانی جسمانی پاکیزگی کھو بیٹھتے ہیں ــــ گویا۔انسان تصور حقیقی کی لذت سے محروم ہو کر۔مادی لذت کو پسند کر کے نفسانی خواہشات کا مطیع ہو کر برائی پر آمادہ ہوتا ہے۔اس برائی کا بنیادی سبب تصورِ حقیقی سے تغافل برتنا ہے ــــ تصور حقیقی کو قائم رکھا گیا۔تو انسان اخلاق کے دائرہ میں رہ کر برائی کا شکار نہیں ہوتا ــــ لہٰذا انسان کو اولین قدم پر تصورِ حقیقی پر آمادہ کرنے پر زور دینا چاہیے۔تاکہ تصور حقیقی سے روحانی جسمانی پاکیزگی حاصل کر کے نفسانی خواہشات پر قابو پا سکے ــــ دوسری نوعیت۔لذتِ نفس کی خواہش ترک کرائی جائے۔جو تصورِ حقیقی سے تغافل کا بنیادی سبب ہے۔ایسی صورت میں ایک غلط کار انسان کے وہ تمام ذرائع مسدود کر دیئے جائیں۔جن سے وہ لذتِ نفس کی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے۔یعنی۔خواہشاتِ نفسانی کو قابو میں کیا جائے۔تاکہ لذتِ نفس کی خواہشات سے علیٰحدہ ہو کر انسان تصورِ حقیقی کی طرف مائل ہو ــــ ایسی صورت میں۔ایک

لیڈر،اور اسکی جماعت ایک ضابطہ مرتب کرتے ہیں۔ جس میں برائیوں کے اصلاحی اصول وضع کئے جاتے ہیں۔ ان ضابطوں میں۔ وہ ترتیبیں وضع کی جاتی ہیں۔ جن میں معاشرہ کی ہر برائی کو روکنے کیلئے ایک قانون مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ قانون ہی۔ عوام۔ اور جماعت اور لیڈر کا وضع کردہ لائحہ عمل ہوتا ہے۔ جس پر معاشرہ کی اصلاح کا دارومدار ہوتا ہے۔ لیکن اس ضابطۂ عمل میں یہ بنیادی تصور قائم رکھنا ازحد ضروری ہے۔ کہ اس ضابطہ سے انسان کو صرف دنیاوی زندگی میں۔ حصول سامانِ زندگی میں آسانی۔ اور سکون حاصل کرنا اصل مقصد ہے۔ یا اس سے بڑھ کر انسان کو اس آسانی کے ذریعہ تصورِ حقیقی عطا کرنا ہے ــــــ تصور حقیقی سے مراد ــــــ انسانی پیدائش کا حقیقی مقصد۔ تسبیح وحمد (عبادات) اور مشاہدہ اسرار کائنات اور مشاہدۂ نور مستقل (اللہ) ہے ــــــ دوسرا۔ انسان کو اپنی مادی زندگی میں حصولِ سامانِ زندگی میں آسانی ہو۔ اور انسان فکر معاش کی مشکلات سے فارغ ہو کر پرسکون زندگی حاصل کر سکے۔ سوال یہ ہے۔ ان دونوں طریقوں میں۔ اولیت کس طریق کو دی جائے ــــــ یعنی اولاً۔ انسان کو تصور حقیقی تسبیح و عبادت کا حامل بنا کر صالح پرامن شہری بنایا جائے؟ ــــــ یا اسکے ناجائز حصول کے ذرائع مسدود کر کے۔ اسے قانون کے ذریعہ برائیوں سے الگ کر کے۔ صالح صاحب تسبیح بنایا جائے۔

اس کا ایک طریق وہ ہے۔ جو عوام کی پسند کے مطابق ایک لیڈر کا انتخاب ہوتا ہے۔ اور لیڈر قوم کے افراد میں سے۔ دیانتدار۔ مدبر۔ عقلمند افراد کو چن کر ایک جماعت تشکیل دیتا ہے۔ یہ جماعت جو آئین و قانون۔ اصلاحِ انسانی کیلئے وضع کرتی ہے۔ یہ قانون انسانی خود ساختہ ہوتا ہے۔ جو وقت کی ضرورتوں کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے۔ ایسے قانون میں آئندہ وقت کی ضرورتوں کے مطابق ترمیم و تبدیلی کی ضرورت پڑتی ہے اسلئے یہ مستقل قانون نہیں بن سکتا۔ دوسرے اس قانون سے صرف دنیوی حصول میں مدد لی جاسکتی ہے۔ کلیتاً اس قانون سے انسانی اخلاق کی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس قانون کے نفاذ سے۔ اصول کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بہ جبر۔ اور سزا کے خوف سے برائی سے باز رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن انکے دلوں کو بہ رضا و رغبت برائی سے باز رکھنے پر آمادہ کرنا۔ جبر و سزا کا خوف کارآمد نہیں ہوسکتا ــــــ اور جب ایک غلط کار انسان بہ رضا و رغبت برائی چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو۔ تو اس کا تصورِ حقیقی کی طرف مائل ہونا بھی ممکن نہیں۔ ایسی صورت میں وہ لوگ جو معاشرہ میں امن اور آسودگی حاصل

کریں۔ یہ خودساختہ قانون ایسے لوگوں کو بھی تصورِ حقیقی کی طرف مائل کرنے میں کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا۔ سوائے اسکے کہ عوام کو دنیوی زندگی میں آسانی میسر آسکتی ہے۔ لیکن یہ سہولت۔ انسانی زندگی کا اصل مقصد نہیں۔ جب تک کہ انسان۔ دنیوی آسائشوں کے مقابلہ میں۔ تصورِ حقیقی۔ تسبیح وعبادت۔ مشاہدۂ حقیقی کو اپنا مقصد سمجھ کر خود بخود اس عمل کی طرف رجوع نہ کرے۔ لہٰذا یہ واضح ہے۔ کہ ایک لیڈر یا جماعت کے ذریعہ۔ خودساختہ قانون کے جبر وسزا سے انسان اپنے حقیقی مقصد کو حاصل نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ اِسے تصورِ حقیقی کی طرف مائل ہونے کیلئے ایک روحانی ذریعہ استعمال نہ کیا جائے۔ وہ ذریعہ وہی ہے۔ جو الٰہی ضابطہ کے ذریعہ۔ ایک نبی۔ رسول کی راہنمائی میں پیش کیا جاتا ہے۔ جسے نظامِ الٰہی ۔ یا نظامِ اسلامی سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــــ چنانچہ گزشتہ قوموں میں اصلاحِ انسانی کیلئے۔ اکثر زمانوں میں۔ نبی۔ رسولوں کا ظہور ہوا۔ جنہوں نے بجائے خودساختہ قانون کے قانونِ الٰہی کا نفاذ کیا۔ اس قانون کو شریعت یا دین سے بھی تعبیر دیا گیا۔ جس میں الٰہی کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نبی کو مشاہدۂ روحانی کے ذریعہ۔ الٰہی کلام ملتی رہی۔ جسے کتاب کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ حقیقت ہے۔ اگر انسانی پیدائش کے بنیادی اصول کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ تو یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ انسان کی پیدائش کا اصل مقصد۔ تسبیح وحمد۔ مشاہدۂ اسرار کائنات اور نورِ مستقل اللہ کی ذات کو خالق ومعبود کی حیثیت میں پہچاننا ہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار۔ انسان کو آنے والے زمانہ کے حادثات وعذاب سے بے پرواہ نہیں کرسکتا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ جو ایک وقت (بعدموت) انسان پر بہرحال وارد ہونی ہے ــــــ

گزشتہ زمانوں میں اسی الٰہی منصوبہ کے متعلق فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم سے وعدہ کیا کہ جب تیری نسل میں لذتِ نفس کے زیرِ اثر حصولِ رزق پر فساد وخونریزی ہوگی۔ تو میں ایک اصلاحی ضابطہ رسول کے ذریعہ بھیجونگا۔ سو جس نے اسے تسلیم کیا۔ اور اس پر عمل کیا۔ وہ پاکیزہ روح۔ صاحبِ مشاہدہ۔ اور امن وسلامتی (مومن) کا حامل ہوگا ــــ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۸)۔ جس نے میری ہدایت کی تابعداری کی وہ کامیاب اور مامون ہوگا ــــ اور وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۹)۔ جنہوں نے میری ہدایت تسلیم کرنے اور عمل کرنے سے انکار

کیا۔اور میری کتاب کے حقیقی ضابطوں اور ہدایات پر نکتہ چینی کر کے انہیں غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔جانو! انکے جھٹلائے میری ہدایات غلط ثابت نہیں کی جاسکتیں۔اسکا نتیجہ یہی ہے۔کہ میں جو انسانی فلاح کیلئے طریق عمل پیش کرتا ہوں اس میں میرا ذاتی نفع کچھ نہیں۔صرف انسان کا اپنا فائدہ ہے۔اس حال میں اگر انسان فلاح کو قبول نہیں کرتا۔تو اسکی سفلی فطرت اُسے گمراہی۔تنزل اور ذلت کی طرف لے جائیگی۔اور اس انکار کا نتیجہ بالآخر انسان کو دوسری آنے والی زندگی میں عذاب ہوگا۔

یہی الٰہی ضابطہ ہر زمانہ میں رسولوں کے ذریعہ پیش کیا گیا۔جنہوں نے اسے تسلیم کیا وہ دنیا پر بھی غالب رہے۔اور آنے والی زندگی میں انہیں راحت وسکون حاصل ہوگا ـــــ جنہوں نے اس ضابطہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔تو قرآنی تنبیہ کے مطابق قرآن اور تاریخ انکے نتائج۔گزشتہ قوموں کی تباہی کے آثار کی شکل میں ہونے والے واقعات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔کہ الٰہی ضابطہ سے انکار کرنے والوں کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔اور جب انہیں دنیا میں حادثات کا شکار ہونا پڑا۔تو ضروری ہے۔کہ انہیں آئندہ آنے والے زمانہ میں بھی عذاب سے دوچار ہونا یقینی ہے۔

حضرت آدم سے لے کر اس زمانہ تک جب نسل آدم میں فساد خونریزی پیدا ہوئی۔تو ہر زمانہ میں ایک نبی ـــــ رسول کا ظہور ثابت ہے ـــــ اور یہ سلسلہ آخری نبی تک آ کر ختم ہوا ـــــ آپؐ کو قرآن کی شکل میں ہدایت وضابطہ دیا گیا۔اس ضابطہ میں اصلاحی احکام ہیں۔جنہیں قانونی حیثیت حاصل ہے۔یہ قانون خود ساختہ نہیں۔بلکہ اللہ کی طرف سے وضع کئے گئے ہیں۔لہٰذا۔ایسے قانون میں کسی زمانہ میں۔کسی موقع پر ترمیم وتبدیلی کی ضرورت نہ ہوگی۔یہ قانون اٹل اور مستقل ہے۔اور اس قانون کے بنیادی احکام وہ ہیں۔جو انسان کو براہ راست تصور حقیقی کی طرف مائل کرتے ہیں (چنانچہ قرآن نے اصلاحِ انسانی کیلئے جو پہلا حکم نافذ کیا وہ یہ ہے۔قُمْ فَاَنْذِرْ)۔دراصل یہ انسانی ہدایت پاکیزگی جسم وروح۔اور پاکیزگی اخلاق کیلئے۔اصلاحی عمل ہے۔جو محض انسان کی فلاح کیلئے مرتب کئے گئے ہیں۔ان کی حیثیت خود ساختہ قانون کی سی نہیں ہے۔نہ ان اصلاحی اصولوں میں۔کسی حاکم یا حکومت کا تصور ہے۔سوائے اسکے۔کہ انسان اللہ کو اپنا خالق ومعبود جان کر اسکی تسبیح کرے۔جانو۔قرآنی احکام۔اور حاکم کے احکام کے نفاذ میں نمایاں فرق ہے۔قرآنی احکام۔میں حکومت کا تصور نہیں۔صرف فلاحِ

انسانی کیلئے راہِ عمل اختیار کرنے کی تلقین ہے۔اور خود ساختہ قانون میں۔ایک جماعت کی حاکمیت اور اسکے قانون کی پابندی ـــــ محض جماعت کی حاکمیت تسلیم کرنے کیلئے بھی ہے۔کہ اگر کوئی شخص حکومت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرے ـــــ تو یہ حکومت سے بغاوت کے مترادف تصور کیا جائے گا۔خواہ یہ حکم فلاحِ انسانی کیلئے ہی وضع کیا گیا ہو۔اسکے مقابل قرآنی احکام میں جو تسبیح وعبادت کا تصور ہے۔اس میں۔حاکم اور حکومت کا غالب تصور نہیں۔البتہ ان احکام کے نفاذ کے سوا۔اللہ کو بحثیت خالق۔حاکم تصور کرنا ضروری ہے۔اس حال میں کہ حقیقتاً۔اللہ کائنات کا خود مالک ہے۔اور خود انسان بھی اسی کی ملک ہے۔یہ تصور انسان کو ابتدائی پیدائش کے ساتھ ہی ملتا ہے ـــــ جسے تسبیح وحمد سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسکے بعد احکامِ قرآنی کی پابندی۔یا ان احکام کی پیروی میں۔رسول کی تبلیغ میں جو طریق اختیار کیا جاتا ہے۔اس میں۔نہ خدا کی حاکمیت کا تصور ہے۔نہ رسول کی حاکمیت کا تصور۔نہ اسلامی نظام کا تصور پایا جاتا ہے ـــــ کیونکہ اس طریق میں۔نہ کسی قانون کا نفاذ۔انسان پر ہوتا ہے۔نہ کسی مملکت کے وجود کا تصور ہوتا ہے۔نہ کسی کو بہ جبر۔پابند کرنے کا تصور ہوتا ہے ـــــ چنانچہ اس امر کی وضاحت خود قرآنی حکم سے ہوتی ہے۔قرآن اپنے احکام میں پہلا حکم رسول کے ذریعہ پیش کرتا ہے۔یہ رسول کا ابتدائی اقدام ہے۔قُمْ فَاَنْذِرْ۔"اٹھیں اور لوگوں کو ڈرائیں"۔ظاہر ہے۔اس آیت میں۔انسان کو کسی ضابطہ میں پابند کرنے کا کوئی حکم نہیں۔سوائے اسکے کہ لوگوں کو انکے برے اعمال کے نتائج سے باخبر کرتے ہوئے۔انہیں ایک خوف کے ذریعہ برے اعمال سے باز رکھنے کا ایک طریق ہے ـــــ یہاں خود ساختہ قانون کے مانند۔قانون کے ذریعہ بہ جبر کسی کو برائی سے باز رکھنے کا طریق استعمال نہیں ہوتا ہے ـــــ اب قرآنی حکم میں دیکھنا ہے۔کہ فَاَنْذِرْ میں کیا تصور ہے؟ یعنی "خوف" ـــــ خوف کس کا؟ ـــــ اور کیوں؟ ـــــ اسکے متعلق قرآن واضح طور اعلان کرتا ہے ـــــ کہ انسان اپنی زندگی کے واقعات میں یہ دیکھتا ہے۔کہ انسان پیدا ہوتا ہے ـــــ زمین پر اپنی بقا کیلئے رزق اور دیگر سہولتیں حاصل کرکے ایک وقت تک زندہ رہتا ہے۔اپنی زندگی کی بقا کیلئے انسان مزدوری کرتا ہے۔تجارت کرتا ہے۔حکومت کرتا ہے ـــــ اسکے سوا۔انسان کو کسی اور ضرورت کا تصور نہیں ملتا ـــــ اور آخر مر جاتا ہے۔یہ اسکی دنیوی زندگی کی ابتدا و انتہا نظر آتی ہے ـــــ انسان کہتا ہے۔یہی کل زندگی انسان کی ہے۔مرنے کے بعد جب

انسانی وجود کی بقا ختم ہو جاتی ہے۔تو پھر کس کیلئے مزید جستجو کی جائے ـــــ قرآن کہتا ہے ایسا نہیں۔یہ قرآنی نظریہ ہے۔اور گزشتہ نبیوں کی کتابوں کا نظریہ ـــــ کہ انسان ایک جسم نہیں۔بلکہ اسکے تین مرکب ہیں۔ایک مادی جوہری جسم۔دوسرا ناری جوہری وجود ـــــ تیسرا نوری جوہری وجود ـــــ مادی جسم بلاشبہ زمین کے اجزا سے ہے۔لہٰذا یہ جسم زمین کے اجزا میں بکھر جاتا ہے۔لیکن اس جسم کی بقا (حیات) ایک ناری روح سے وابستہ ہے۔یہ بھی ایک مستقل وجود ہے۔جسم کا مقام زمین ہے۔تو ناری وجود کیلئے بھی ایک مقام کی ضرورت ہے؟ ـــــ کوئی محقق اس کیفیت کا تصور پیش نہیں کر سکتا۔کہ انسان کے ناری وجود کیلئے۔انکے پاس کسی مقام کا پتہ ہے۔کہ فلاں مقام پر داخل ہوتی ہے! لیکن اسلامی تحقیق روحانیت پر قائم ہے۔اسلامی نظریہ کے مطابق۔اس فضائے ارضی کے ساتھ ایک غیر محسوس فضا (عالم) بھی ہے۔جو دیکھنے میں نہیں آتی ـــــ یہ فضا۔ناری فضا سے تعبیر ہے جسکی وسعت زمین سے لے کر آسمان (آسمان اول) تک پھیلی ہے۔چونکہ مغربی محقق آسمان کی وسعتوں تک نہ علم پا سکا نہ احاطہ کر سکا۔اسلئے اس فضا سے انکار بغیر تحقیق درست نہیں جب تک کہ ایک محقق ان فضاؤں پر احاطہ و علم کی واضح دلیل پیش نہ کرے۔اس کیفیت کا انکار درست نہیں ـــــ البتہ قرآن یہ ظاہر کرتا ہے۔کہ اس عالم میں بہت سی روحانی کیفیتیں موجود ہیں۔جنکا تم عقلی حیثیت میں ادراک نہیں کر سکتے۔قرآن چونکہ اللہ کی کتاب ہے۔اور ایک نبی ـــــ اور رسول کے ذریعہ پیش کی گئی ہے۔اسلئے اسلام میں داخل ہونے والے ہر شخص پر یہ لازم ہے۔کہ کتاب۔رسول۔اور اللہ کے بیان کو انہیں شخصیتوں کی ذات پر اعتماد کر کے تسلیم کرے۔جس کی فی الحال کوئی دلیل نہیں ـــــ البتہ اسلام میں داخل ہو کر۔ارکانِ اسلام کی پیروی میں۔ایک ذریعہ ـــــ ایک صورت ہے۔جس سے اس فضائے غیر محسوس ماورائے ادراک کے وجود کے تسلیم کی دلیل مل سکتی ہے ـــــ تاہم کسی انسان کیلئے۔یہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔کہ انسان کی حیات صرف اسکی مادی زندگی تک محدود نہیں۔بلکہ انسان کی دونوں روحوں کیلئے بھی ایک مقام کا تعین ہے۔جہاں یہ روحیں۔انسانی جسم کی مشابہت کے ساتھ۔داخل ہوتی ہیں۔ان روحوں میں بھی۔قوتِ بصر۔قوتِ سمع۔قوتِ کلام۔فہم و ارادہ و اختیار علےٰ حالہٖ موجود ہیں ـــــ یہ اس عالم کی ہر کیفیت کو محسوس کرتی ہیں۔لہٰذا اسی عالم میں روح کو آرام و اذیت کا احساس ہوتا ہے۔جسے راحت و عذاب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔قرآن نے

اس فضائے غیر محسوس کو بَــــرُزخ کے نام سے موسوم کیا ــــ اور قرآنی عقیدہ کے مطابق ایک انسان (روحانی جسم کے ساتھ) برزخ میں داخل ہو کر اپنے وجود کو محسوس کریگا ــــ اور جو کچھ حال یہاں اس پر وارد ہوگا اسے بھی محسوس کریگا ــــ یہ ایک ابتدائی تصور ہے۔ جو مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی کے تعین کا یقین کرنے کیلیئے۔ پیش کیا گیا ــــ بہر حال کوئی مانے یا نہ مانے اللہ تعالیٰ قرآن میں۔ ایک آئندہ آنے والے زمانہ کا بار بار۔ یوم القیامۃ۔ یوم الحشر۔ یوم الدّین۔ یوم الحساب۔ یوم المیزان کے ناموں سے تصور پیش کرتا ہے۔ اور اسی لئے یوم الحشر میں انسان کے تمام اعمال کا حساب مقرر کیا گیا ہے۔ ان اعمال میں تسبیح وعبادت کے عمل کو اس یوم الحشر میں۔ وقف کیا جاتا ہے۔ جس عمل پر اس زندگی میں۔ انسان نے راحت وعذاب حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا۔ انسان نے اگر تسبیح وحمد سے تغافل برتا ــــ اور پھر الٰہی احکام پر عمل سے۔ اپنی جسمانی روحانی اصلاح کر کے اپنا مقام حاصل نہیں کیا۔ تو لازماًوہ اس انکار وعدم تعمیل کے نتیجہ میں یوم القیامہ۔ یوم الحشر میں۔ شدید عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور ضرور ہوگا۔ لہٰذا۔ اسی حادثہ کی طرف اشارہ کیا گیا۔ کہ قُـمْ فَـانْـذِر۔ لوگوں کو جو تسبیح وحمد سے غافل ہیں۔ اللہ سے تعلق منقطع کر بیٹھے ہیں۔ یہ اپنے انجام سے۔ بے خبر اور لاپراہ ہیں۔ انہیں بتا دیں کہ تسبیح وعبادت سے کوتاہی کے نتیجہ میں تمہیں شدید عذاب میں مبتلا ہونا ہوگا ــــ ظاہر ہے اس ارشاد میں کوئی حکم نہیں۔ کوئی قانون نہیں ــــ کسی قانون کا نفاذ نہیں ــــ مانو تمہارا اپنا بھلا۔ نہ مانو تو تمہارا اپنا نقصان۔ نبی تمہیں بہ جبر کسی قوت کے غلبہ سے یہ احکام نہیں منواتا۔ بلکہ یہ ایک روحانی عمل ہے۔ جس میں کسی حکم کا تصور نہیں ــــ اس طریق کو اسلامی اصطلاح میں تبلیغ دین سے موسوم کیا گیا ــــ یعنی لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاحی طریقِ عمل پہنچا کر انکی اصلاح کر کے انہیں اپنی خلافت کا مقام دینا ــــ بس۔ اس عمل میں۔ کوئی الٰہی نظام۔ کوئی جبر یہ حکم۔ کسی حکومت کا تصور موجود نہیں۔ صرف اللہ کی کلام سنو! وہ عبادت ــــ تسبیح وحمد سے سوا ــــ ایسے احکام ہیں۔ جن سے انسان۔ لذتِ نفس کے زیر اثر خواہشاتِ نفسانی سے مغلوب ہو کر۔ غلط اقدام کر کے اپنی جسمانی۔ روحانی پاکیزگی۔ کھو کر تصورِ حقیقی سے دور ہو جاتا ہے۔ وہ احکام۔ خود قرآن نے پیش کئے۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ احسان کرو۔ حج کرو ــــ قرآنی ضابطۂ اصلاح میں ان احکام کو ''اسلام'' سے تعبیر دیا گیا۔ اسکے ساتھ ہی۔ ان احکام پر عمل کرنے

کے ساتھ۔انسانی قلب وذہن میں ایک مستقل نظریہ قائم کرنا ضروری ہے۔وہ یہ کہ۔اللہ کو بغیر دلیل تسلیم کرنا۔اسکی خالقیت کو اسی اللہ کی طرف منسوب کرنا ــــ اس حال میں کہ جو کچھ اللہ نے انسانی فلاح کیلئے احکام بھیجے۔اس پر صدق دل سے عمل کرنا ــــ دوسرے۔یہ کہ اللہ نے جس رسول کے ذریعہ احکام بھیجے۔اسکی اطاعت کرنا ــــ اسکی پیروی وتقلید میں۔جیسے رسول بتائے ویسے ہی عمل کرنا ــــ اور پھر ماورائے ادراک عالمِ نورانی کے وجود کو بلا دلیل بلا تحقیق تسلیم کرنا ــــ یہ اس لئے کہ اسلام میں داخل ہونے کیلئے۔قرآن کے ہر علم کو جو ماورائے ادراک ہے۔اسے تسلیم کرنے سے۔اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل وتسلیم کا اپنی طرف سے ثبوت پیش کرنا ہے۔اس کیفیت کو ــــ ''عالمِ نورانی کی مخلوق'' ــــ ''ملائکہ کا تسلیم'' کہا گیا ــــ تیسرے جو اہم عقیدہ ہے۔وہ یہ کہ یہ احساس مستقل کرنا۔کہ اگر انسان نے احکام الٰہی کی پیروی میں ــــ جسم وروح کی پاکیزگی حاصل نہ کی۔اپنی جسمانی ساخت کو پاکیزہ نہ کیا۔اپنی روح کو پاک نہ کیا۔اس حال میں کہ اسے کائنات کے آثار اور اللہ کے انوار کا مشاہدہ حاصل نہ ہوا ــــ تو یہ وجود۔سفلی حالت میں انسان کیلئے شر وفساد کا سبب بنے گا۔ایسا انسان۔انکار کی صورت میں فطرت کے اصولوں کی خلاف ورزی پر آمادہ ہوگا ــــ اس میں خیر اور بھلائی کا مادہ نہ ہوگا ــــ یہ صورت خود انسان کیلئے باعثِ ذلت وپستی ہے ــــ اسی حالت میں جب انسان پر موت وارد ہوتی ہے۔تو انہیں خصائل پر اسکی موت واقع ہوگی۔اسکا جسم جذب زمین ہو جائے گا۔اسکی روح کثیف حالت میں ہوگی۔لہٰذا۔اسے موت کے بعد عالمِ برزخ میں کثیف مقام پر قیام ہوگا۔جو اندھیرا اور دہشتناک مقام انسان کیلئے شدید دہشت وعذاب میں محسوس ہوگا۔قرآنی بیان کے مطابق۔یہ امر واقع اٹل حقیقت ہے۔انسان خواہ کتنا ہی اس حقیقت سے انکار کرے۔حالانکہ انسان صرف عقلی استدلال سے اس کی نفی کرتا ہے۔لیکن اس مقام پر انسان کا احاطہ وادراک نہیں۔کہ انسان۔دیکھ کر ایسی نفی کرتا ہے۔لہٰذا۔یہ تسلیم کرنا اشد ضروری ہے۔کہ مابعدِ حیات انسان نے اس عالم میں داخل ہوکر۔راحت وعذاب سے ہر حال میں دوچار ہونا ہے ــــ اور یہ انسان کا وہمی تصور ہے۔کہ کسی انسان کے مدفن کو اسکی ''آخری آرامگاہ سمجھا جاتا ہے''۔اس کیفیت کا مشاہدہ کسی محقق سے نہیں ہوا ــــ نہ کسی انسان کے برزخی حالات کا ادراک کیا جا سکتا ہے ــــ اسکی کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔کہ دنیا کا کوئی سربراہ۔کوئی

مشہورِ زمانہ شخصیت ہو۔موت کے بعد قبر میں اس پر کیا گزرتی ہے ــــ یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی۔کہ روس کے عظیم راہنما۔خروشیف نے خلائی سفر سے ــــ خلا پیما واپس آنے پر یہ اعلان کیا تھا۔کہ ہم نے فضا میں بہت تلاش کی مگر وہاں خدا کا کوئی نام و نشان نہیں پایا۔تو مسٹر خروشیف کا یہ اعلان۔اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتی۔کہ بعد موت۔اللہ اور اسکے دین کے انکار کی صورت میں۔اسکی ذاتی شخصیت اسے عذاب سے بچاسکی ہوگی ــــ یا وہ بھی عذاب سے دو چار ہوا ہوگا۔ادھر کائنات کی تخلیق خود اس امر کی دلیل ہے۔کہ اس کائنات کی تخلیق میں نورِ مستقل کا وجود لازم ہے۔یہی نورِ مستقل اللّٰہ کے نام سے موسوم ہے اور اللہ نے اصلاحِ انسانی کا ایک اپنا ــــ مستقل ضابطہ پیش کیا۔اور اس پر عمل کی تلقین کرتا ہے۔اس ضابطہ پر عمل کے بغیر کوئی انسان شر اور برائی سے پاک نہیں رہ سکتا۔چنانچہ اس خیر و شر کے نتیجہ میں اللہ نے دانستہ طور ایک منصوبہ کے تحت۔عالمِ بَـرْزَخ کو قائم کیا جس میں بعد موت انسان کی روح داخل ہوگی۔انسان نے اگر الٰہی ضابطہ پر عمل نہ کیا۔خصوصی طور ــــ اللہ کو تسلیم نہ کیا ــــ نماز ادا نہ کی ــــ روزہ نہ رکھا ــــ زکوٰۃ نہ دی ــــ انسان پر احسان نہ کیا ــــ اور اس عقیدہ پر قائم نہ رہا۔کہ اللہ کو اپنا خالق و مالک تسلیم کرے ــــ رسول کو تسلیم کرے۔اسکی اطاعت کرے ــــ کتاب کو تسلیم کرے کتاب کے احکام پر عمل کرے۔یہ کتاب گزشتہ زمانوں میں رسولوں کو دی گئی کتاب ہے۔جس میں خاص کتابیں۔تورات۔زبور۔انجیل۔اور آخری کتاب قرآن ہے۔جسکے بعد اصلاحِ انسانی کیلئے۔نہ آئندہ رسول کا ظہور ہوگا۔اور قرآن کے جامع ہونے کی صورت میں۔جبکہ ہر زمانہ میں ہر انسان کیلئے۔اس میں ہدایت و راہنمائی۔اور اصلاح کیلئے علم میسر آسکے گا۔کسی اور کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔یہ منصوبہ اللہ کا خود مقرر کردہ ہے۔کہ دنیا کا کوئی محقق۔کوئی شہنشاہ۔کوئی سربراہ۔کوئی لیڈر قرآن کے ضابطہ کے مطابق اس کا عمل نہ ہو۔برزخ میں۔اسکی شخصیت یا خود ساختہ قانون کا اجرأ۔اسے اس ماحول کے عذاب سے بچا نہیں سکے گی۔اور یہ باور کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔کہ ہر صورت میں۔انسان کی موت کے بعد قبر میں اسے اسلامی ضابطہ پر عمل سے کوتاہی کے نتیجہ میں۔شدید عذاب ــــ دردناک عذاب سے دو چار ہونا ہوگا ــــ اور اس کائنات کے ٹھہراؤ تک انسان اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔اور فطری تخلیق کے تابع۔اس کائنات کے ٹھہراؤ پر۔پھر بھی تخلیقی عمل جاری رہنا ہے۔وہ یہ کہ جسطرح ہر ہیئت۔خاکی ــــ ناری

ــــ نوری۔ایک علت سے خارج ہوکر اپنا ایک علیحدہ وجود قائم کرتی رہی ــــ ٹھہراؤ کے بعد ــــ ہر وجود نے اپنی تپش۔کشش ختم ہوکر۔اپنی علت میں سما جانا ہے۔اسی طرح ہر معلول اپنی علت کی طرف رجوع کریگا ــــ فطری تخلیق کے تابع ایسا ہونا لازمی ہے ــــ لہٰذا ــــ زمین اور باقی سیارے اپنی کشش تپش ختم کر کے سورج میں ضم ہوکر سورج کی ابتدائی ہیئت قائم ہوگی۔اسی طرح ہر سیارہ اپنی علت میں ضم ہوکر اپنی بازگشت میں۔اپنی علت کی ابتدائی ہیئت میں مجسم ہونگے۔اور یہ سب سیارے۔آسمان اول میں ضم ہوکر اپنا وجود کھوکر "فنا" ہوجائیں گے۔آسمان بھی اسی طرح اپنی علتوں میں ضم ہوکر سَبْعَ السَّمٰوٰتِ کی ابتدائی ہیئت میں قائم ہونگے۔اس کے بعد۔چونکہ اس کائنات پر اللہ کا حکم غالب ہے۔اس نے اپنی مرضی وارادہ سے۔کائنات کا ٹھہراؤ۔ایک وقت معین پر مقرر کیا ہے۔یہی وجود ہے۔جسے الحشر (اکٹھا ہونے والی ہیئت) سے تعبیر دیا گیا ــــ اور اس ہیئت میں تمام وجود ــــ موجود ہیں ــــ کیونکہ فنا ــــ ضم۔ہونے کے ساتھ وجود معدوم نہیں ہوتے۔بلکہ ہر وجود باقی رہتا ہے ــــ یہی کیفیت الحشر سے تعبیر ہے۔کہ تمام انسانی روحیں۔ناری۔نوری اس نوری وجود میں۔حاضر کی جائیں گی۔اور ہر وجود۔جیسا کہ انسان نے اپنی زندگی کو دنیا میں رہ کر پاکیزہ رکھا۔اس عالمِ حشر میں ــــ جسکی روشنی ــــ اور تپش لاانتہا کا درجہ رکھتی ہے۔اپنی روحانی پاکیزگی کے مطابق اس تپش سے متاثر ہونگی۔اور جنکا تزکیہ انتہائی قوی ہوگا اسے اس مقامِ حشر میں تپش کی شدت محسوس نہ ہوگی۔اور جنہوں نے ضابطۂ الٰہی ــــ احکام الٰہی سے اپنے روح وجسم کا تزکیہ نہ کیا۔بلکہ تسبیح وحمد سے تغافل برت کر انکی روحیں کثیف حالت میں آگئیں۔ان پر اس حشر کی تپش کے اثر سے شدید عذاب ہوگا ــــ یہی کیفیت ضابطہ الٰہی میں۔ایک اسلامی عقیدہ کی صورت میں پیش کی گئی ــــ کہ انسان کے ذمہ سوائے اسکے نہیں۔کہ وہ تسبیح وحمد۔عبادت پر عامل رہے۔اور جب انسان نے اس عبادت سے کوتاہی برتی۔تو اسکے لئے ایک ضابطۂ الٰہی پیش کیا گیا۔تو اس پر ضابطۂ الٰہی پر عمل کرنا لازمی ہے۔ورنہ انسان کو اسکے اعمال کی کوتاہی میں۔اسی حشر کے عذاب کا خوف دیا جاتا ہے۔کہ تغافل کی صورت میں انسان نے ایسے عذاب سے دوچار ہوکر شدید کرب وبے چینی اور تکلیف میں مدتوں رہنا ہوگا ــــ اسی کیفیت کی طرف قرآن رسولؐ کو اشارہ دیتا ہے۔قُمْ فَاَنْذِرْ ــــ

اس بیان سے واضح ہے۔ کہ قرآن سوائے۔ اصلاحِ انسانی کی تلقین کے۔ اور اس تلقین سے فائدہ اٹھانے کیلئے ایک رسول کی اطاعت کے۔ نہ کسی الٰہی نظام کے نفاذ کا۔ نہ کسی حاکمیت کے نفاذ کا تصور رکھتا ہے ـــ اب آئندہ۔ ضابطہِ الٰہی کے۔ نفاذ میں۔ رسول کے۔ عمل ـــ تبلیغ۔ کا مطالعہ کرنا ہے۔ کہ رسول کس طرح ضابطہٗ الٰہی کا نفاذ کرتا ہے ـــ یہ ظاہر ہے۔ کہ قرآن کے احکام کا نفاذ ـــ حضور محمد رسول اللہ کی ذاتِ اقدس سے ہوا ـــ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اسی حکم کے تحت۔ قوم کو ایک پہاڑی کے دامن میں اکٹھا کیا ـــ ہاں یہ کٹھ (اجتماع) کیسے ہوا؟ ـــ اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے ـــ کیا اس وقت آپ نے رسول ہونے کا دعوے کیا؟ ـــ نہیں ـــ اس وقت آپ قوم کے معزز۔ امین و صادق۔ جوان ہیں۔ جن پر ابھی قوم کو آپ کے نبی ـــ رسول ہونے کا گمان نہیں۔ لیکن آپ کی آواز پر اجتماع صرف آپ کے تدبر۔ پاکیزگی اخلاق۔ اور بہتر ہدایت کے سبب تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم ہماری شخصیت کو تسلیم کرتے ہو۔ کہ ہم جو کچھ کہیں۔ وہ حق و صداقت پر مبنی ہوگا؟ ـــ تو قوم نے تسلیم کیا۔ تو آپ نے وہی مقصدِ انسانی دہرایا۔ جو کائنات کی تخلیق کا حقیقی مقصد تھا۔ کہ **الحشر** ۔**یوم القیامہ** ۔**یوم المیزان**۔ کا احساس کرو۔ یہ وقت تمہارے سروں پر ہر لحہ موجود ہے۔ ہاں! یہ قوم۔ ناشدنی۔ بے علم نہ تھی۔ یہ قوم الٰہی زبانِ عربی جاننے والی تھی۔ قوم نے ایک لفظ میں ایک عظیم انقلاب کو محسوس کیا ـــ کہ اقرار و تسلیم کا نفاذ۔ اور انکار۔ ضد کی تباہی ـــ دنیا میں ـــ عرب قبیلہ میں۔ لذتِ نفس کے زیر اثر۔ خواہشات نفسانی کی تکمیل اور حصول دیوانگی کی حد تک مادہ پیدا ہو چکا تھا۔ جس میں۔ تسبیح و حمد اور اخلاق کا تصور یکسر مٹ چکا تھا ـــ قوم اس معزز ہستی کی عزت و تکریم۔ کو بالائے طاق رکھ کر۔ مخالفت۔ دشمنی۔ ایذا رسانی اور قتل پر اتر آئی ـــ کہ ہم ضابطہٗ الٰہی پر تعمیل کرنے پر تیار نہیں۔ اس ضابطہ پر عمل کرنے سے ہماری ساکھ۔ مصنوعی عزت۔ امارت۔ لایعنی خواہشات کی کھلی تکمیل سب ختم ہو جائیں گی ـــ لہٰذا ہم اپنی عزت و امارت کو ترک کرنے پر تیار نہیں ـــ اس مقام پر قرآن کسی حاکم کی طرف سے جبر یہ حکم کا نفاذ نہیں کرتا۔ نہ رسول ہی انسان کو اپنا مطیع بنا کر اس پر احکام نافذ کرنے کا تصور رکھتا ہے۔ سوائے اسکے ہر انسان بہ رضا و رغبت الٰہی احکام پر عامل ہو کر فلاح دارین حاصل کرے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اگر رسول نے احکام کا نفاذ کسی قانونی حیثیت میں پیش کرنا ہوتا۔ تو

اسکے لئے اتنے مواقع میسر تھے۔کہ وہ قوم میں معزز حیثیت حاصل کر کے۔ایک قوی حیثیت حاصل کر کے احکام کا نفاذ کرتے۔مگر تاریخ شاہد ہے۔کہ رسولؐ پر مظالم ڈھانا۔اور رسولؐ کا برداشت کرنا۔ ظاہر کرتا ہے۔یہاں احکام کے نفاذ میں۔حاکمیت یا قانون کا تصورنہیں ــــ البتہ۔یہاں ایک نئی صورت پیش آتی ہے۔جو تبلیغ دین کی اصل نہیں۔بلکہ ثانوی حیثیت رکھتی ہے ــــ وہ ہے مخالفینِ اسلام کا رسول اور جماعت اسلامی کے خاتمہ کیلئے فوج کشی ــــ اور تبلیغ دین میں مزاحمت کرنا ــــ قرآن کا بنیادی نظریہ تبلیغ دین ہے ــــ اسکے لئے رسول کے کردار کو موثر حیثیت میں پیش کر کے۔ انسانوں کے قلوب کو متاثر کر کے بہ رضاؤ رغبت۔اسلام میں داخل کرنا ہے ــــ یہی ایک واحد ذریعہ ہے۔اجرائے دین ــــ تبلیغِ دین کا ــــ لٰہذا ضروری ہوا۔کہ رسول اور جماعتِ اسلامی کے تحفظ کیلئے۔بھی اقدام کیا جائے۔وہ ہے''دفاع'' وتحفظ ــــ ظاہر ہے۔اگر قوم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور جماعتِ اسلامی کی مخالفت میں فوج کشی نہ کرتی۔تو دفاع کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ہر شخص برضاؤ رغبت۔رسول اللہ کی ہدایت پر عمل کرنے پر آمادہ ہوتا اس حال میں کہ قوم پہلے ہی آپ کی شخصیت کو تسلیم کر چکی ہے۔تو پھر نزاع کی نوبت نہ آتی۔نزاع نہ ہوتا تو دفاع کی ضرورت نہ پڑتی۔دفاع اور مقابلہ نہ رہتا۔تو جہاد کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔اس واقعہ نے تبلیغ دین میں۔ایک نئی ضرورت کو پیدا کیا ــــ جس میں انسان کو مغلوب کر کے اسے۔مخالفت وفساد آرائی سے بے دست و پا کرنے کی ضرورت کو بھی اہمیت دینا پڑی۔لٰہذا تبلیغ دین کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کو لازم کیا جانا لازمی تھا ــــ صرف اس غرض سے کہ کسی کو رسول اور جماعتِ اسلامی۔(اسلام) کی قوت ختم کر کے تبلیغ دین کی راہیں مسدود کرنے کا موقع میسر نہ ہو ــــ تاریخ شاہد ہے۔محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس۔عالمِ انسانیت کیلئے (جس میں تمام عالم کے انسان بلاتمیز مذہب وملت شامل ہیں) رحمت بن کر آئے۔آپ نے اپنے دشمنوں۔ہلاک کرنے والوں پر بھی عفو وعنایت فرمائی ــــ یہ ممکن نہیں۔کہ ایسی ذاتِ عالی اور آپ کے تابعین دنیا پر حکمرانی۔حاکمیت کا جذبہ رکھ کر مخلوقِ انسانی کو۔محکوم وقتل کرتے۔یہ تصور ہی خلافِ فطرت ہے۔البتہ۔ یہ بھی ایک فطری اصول ہے۔کہ جس رسول کو صرف۔اور صرف۔فلاح انسانی۔اور عذاب آخرت کی نجات ہی کیلئے مامور کیا۔وہ ہستی۔فلاح انسانی کے مقابل انسانی محکومیت وقتل پر کیسے آمادہ ہوسکتی ہے؟

ایسے ذہن میں انسانی محکومیت یا ہلاکت کا تصور ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ البتہ فلاح انسانی کے جذبہ کے تحت ہر اس مزاحمت کا خاتمہ ضروری ہے۔ جو فلاحِ انسانی کے عمل میں رکاوٹ پیدا کر کے انسان کیلئے شر و عذاب کے راستے کھولنے میں۔ ایک پاکیزہ جماعت کو ہلاک کرنے پر تلی بیٹھی ہو۔ اگر ایسا نہ کیا۔ تو رسول اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں نامکمل تصور کیا جائے گا۔ اور اس پر باز پرس ہوگی۔ کہ اس نے اپنے تبلیغی مشن کو پورا کرنے کیلئے جہاد سے کوتاہی کی ـــــ کیونکہ یہ تمام عالمِ انسانیت کیلئے ایک۔ پرامن اور ہدایت کا ماحول قائم کرنا ہے تاکہ ہر انسان تک ضابطۂ الٰہی پہنچے اور اسکی اصلاح کا ذریعہ آسان ہو کر انسان فلاح حاصل کرے۔ یعنی۔ الٰہی احکام کی تعمیل سے روح و جسم پاکیزہ کر کے اپنے مقصد حقیقی۔ تصورِ حقیقی حاصل کرے ـــــ ایسی صورت میں جماعتِ اسلامی کیلئے۔ اقتدار اعلیٰ حاصل کرنا لازم ہو گیا ـــــ جس میں مخالفین اسلام سے جہاد ـــــ بالعلم۔ بالتبلیغ۔ اور بالسیف لازم ہوا۔ چنانچہ جماعت اسلامی نے صرف جہاد بالعلم۔ اور بالتبلیغ سے کام لیا۔ اور جب مخالفین اسلام رد و انکار پر بضد ہو کر جماعتِ اسلامی کو مٹانے کے درپے ہوئے۔ تو جہاد بالسیف پر مجبور ہونا پڑا۔ ہاں۔ اسلام میں جہاد بالسیف کو اسی حیثیت میں فرضیت حاصل ہے۔ کہ قانونِ فطرت کے تابع ہر ناقص وجود کا خاتمہ ضروری سمجھا گیا۔ تاکہ باقی وجود۔ شر سے محفوظ رہیں۔ اور پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تمام عالمِ انسانیت کی اصلاح کی ذمہ داری تھی ۔لہٰذا ہر اس قوت کو جس نے ـــــ مخلوقِ انسانی کو اپنی محکومیت میں محصور و مجبور بنا کر۔ انکی آزاد انسانی حیثیت کو ختم کر کے غلام بنا رکھا تھا۔ یہ ضروری تھا۔ کہ ایسی مخلوق کو انکے اختیار و فکر میں آزاد کرنے کیلئے۔ ان جابر قوتوں کو تبلیغ کے ذریعہ سمجھایا جائے ـــــ کہ عام حیثیت میں تم بھی انسان ہو۔ تم پر تسبیح و حمد و عبادت واجب ہے۔ تم دین اسلام کے احکام کی تعمیل سے اصلاحِ نفس کر کے مومن بن جاؤ فلاح پاؤ گے۔ ورنہ تمہیں یوم الحشر میں عذاب ہوگا۔ اسکے علاوہ تم نے ایک کثیر مخلوق کے ارادہ و اختیار کو سلب کر کے انہیں "فکری آزادی" سے محروم رکھا ہے۔ انہیں اپنی فکر اور اختیار میں آزادی دو تاکہ یہ اپنے ارادہ سے اسلام میں داخل ہو کر فلاح پائیں ـــــ اس مقام پر جسمانی آزادی کا تصور اصل نہیں۔ بلکہ فکری آزادی اصل کیفیت ہے۔ تاکہ انسان آزاد ہو کر صرف دنیوی حصول کیلئے آزاد نہ ہو۔ بلکہ اسلام میں داخل ہونے میں آزاد ہو۔ اس حال میں۔ کہ اسلام اسے اپنا محکوم نہیں بناتا۔ بلکہ اپنا ارادہ اختیار

کرنے میں بھی آزاد رکھتا ہے۔ کہ چاہے دین میں داخل ہو یا نہ ہو۔ لیکن ایک انسان کو ایک جابر قوت کی غلامی سے آزاد کر کے اسے فکری آزادی دینا شرط ہے ـــــ ایسی صورت میں اسلام انسانی آزادی کے جذبہ کے تحت جابر قوتوں سے نبرد آزما ہونے کا پورا حق رکھتا ہے ـــــ جو اقدام مبنی برحق ہے ـــ اس نبرد آزمائی کیلئے۔ اسلام کو اقتدار اعلیٰ کے استحکام کیلئے بھی ایک ضابطہ اور لائحہ عمل مرتب کرنا ہے۔ اسکے لئے۔ کچھ رسول اور آپ کی جماعت ایک قانون اور ضابطہ مقرر کرتی ہے۔ اور اس کی تائید وحمایت قرآن سے بھی کی جاتی ہے۔ لیکن اقتدارِ اعلیٰ کیلئے قرآنی احکام کا نفاذ لازم نہیں۔ جبکہ قرآنی احکام کا نفاذ خالص اجرائے دین۔ اور تسبیح وحمد کیلئے وقف ہے۔ البتہ چونکہ تسبیح وحمد سے تغافل۔ حصولِ دنیوی کی ناجائز خواہشات کی طرف مائل کرتا ہے۔ لہٰذا۔ بعض موقعوں پر قرآن بھی ان ناجائز ضرورتوں اور انکے حصول میں غلط طریق سے باز رکھنے کی تلقین کرتا ہے ـــــ اقتدار اعلیٰ میں جو ضابطہ مرتب کیا جاتا ہے۔ وہ دنیوی معاملات سے متعلق ہے۔ اسلئے ان معاملات میں لذتِ نفس کے تابع خواہشاتِ نفسانی کی ناجائز تکمیل کو بھی شامل کر کے زمین پر ایک پاکیزہ ماحول اور معاشرہ قائم کرنے کیلئے اسلامی ضابطۂ حیات مرتب کیا جاتا ہے ـــــ یہی اقتدارِ اسلام۔ اور اس کا ضابطہ ـــــ اصلاحی ضابطے۔ ایک قانون کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اسی اقتدار اعلیٰ۔ اور اسکے قانون اصلاحی ضابطہ میں۔ ایک نظامِ اسلامی۔ اور قانونِ اسلامی کا وجود محسوس ہوتا ہے۔ چونکہ یہ نظام بھی۔ اسلام کی ایک جز بنتی ہے۔ اسلئے اس نظام کو نظامِ الٰہی سے تعبیر دیا جاتا ہے اور رسول اور جماعتِ اسلامی سے ترتیب دیا ہوا اصلاحی ضابطہ قانونِ الٰہی تصور کیا جاتا ہے۔ اس حال میں کہ یہ۔ نظام اور قانون۔ صرف انسانی تسبیح وحمد۔ اور احکام کی تعمیل سے پاکیزگی روح جسم حاصل کر کے انسان کا حقیقی مقصد۔ تصور حقیقی ـــــ معرفت ذات الٰہی اور مشاہدہ نورِ الٰہی حاصل کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ بغیر اس تصور کے اگر نظامِ اسلامی اور قانون اسلامی کو صرف حصولِ دنیا میں آسائش و آسانی ـــــ اور انسان کی جسمانی آزادی تک محدود کیا گیا۔ تو نظامِ اسلامی کی افادیت ختم ہو کر اسلامی تصور مفقود ہو کر۔ یہ نظام مادی نظام سے متصور ہوتا ہے ـــــ لہٰذا ضروری ہے۔ اقتدار اعلیٰ میں قانون کے نفاذ کے ساتھ قرآنی ضابطۂ اصلاح ـــــ جو رسولی کردار۔ اور جماعت اسلامی کا کردار ہے۔ کہ انسان کو قرآنی احکامات سے تزکیہ کیا جائے ـــــ اسے نماز ـــــ روزہ۔ زکوٰۃ۔ احسان پر

عامل کیا جائے۔تا کہ انسان کو حقیقی مقصد حاصل ہو۔بغیر اس اصلاحی عمل کے اگر انسان کو کھانے پینے کی آزادی دی گئی۔اور اسکے تزکیہ نفس۔عبادات کو شامل نہ رکھا گیا۔تو یہ نظامِ اسلامی انسانی مقصد کی تکمیل میں ناکام ہوکر دوبارہ فساد وخونریزی کا شکار ہوگا ـــــ لہٰذا۔ضروری ہے۔کہ اقتدار اعلیٰ کے ساتھ ساتھ۔تبلیغ دین کو اولیت دی جائے۔اور جو طریق رسول نے تبلیغ دین میں اختیار کیا وہی امت کے عالم اور سربراہ کیلئے لازم ہے۔اپنی شخصیت کو سنت رسول کے مطابق مستحکم کرے۔اور اپنے اخلاق سے لوگوں کے دلوں کو متاثر کر کے برضا ورغبت۔قرآنی احکام پر عامل کرے۔اگر اس طریق کو بنیادی حیثیت دی گئی۔تو بغیر اقتدارِ اعلیٰ بھی۔فرد کی حیثیت سے انسان۔احکامِ الٰہی کی تعمیل پر آمادہ ہوکر تسبیح وحمد۔مقصد حقیقی حاصل کرسکتا ہے۔اگر اس طریق سے سوا فروعی ذرائع۔اور جبریہ قوانین سے انسان کو دین کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی گئی۔تو اسطرح غالب اقتدارِ اعلیٰ کے ہوتے بھی۔انسان جبر کی حالت میں احکام کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہوگا۔بلکہ اس میں جذبۂ نفرت اور بغاوت پیدا ہوکر۔ایک طرف اقتدار اعلیٰ کے قانون کی اطاعت سے انحراف کا جذبہ پیدا ہوگا۔دوسری طرف قرآنی احکامات کی اطاعت قبول کرنے میں دلی جذبہ ورغبت اور صدق پیدا نہیں ہوگا۔ایسی صورت میں ایسا اسلامی اقتدارِ اعلیٰ مادی نظام کے مثل اور تصور حقیقی کے حصول کی راہ میں رکاوٹ ہی کا سبب بنتا ہے۔ایسی صورت میں جبکہ رسول کی تبلیغ دین کا ایک خاص طریق قُمْ فَاَنْذِرْ ـــــ اور روحانی طور تزکیہ سے انسانی قلوب کو متاثر کرنا ہے ـــــ لازم ہے۔انسانی اصلاح کیلئے اسی اصول کو اپنا کر انسان کو دعوت حق دیکر۔تخلیق کائنات کے حقیقی مقصد۔تصور حقیقی کو پورا کرنے میں ہر انسان کے دل میں خوفِ الحشر کو جاگزیں کر کے اسے قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کیلئے قرآن کا صحیح علم پیش کیا جائے۔تا کہ انسان تک قرآن کی صحیح تعلیم پہنچ کر وہ اپنے فرائض کا احساس کرتے ہوئے قرآنی احکام پر برضا ورغبت اور خوش دلی سے۔اللہ کی عظمت کو تسلیم کرے۔رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت تسلیم کر کے۔انسان کے دل میں۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا احترام اس حد تک پیدا ہو۔کہ آپ کے ساتھ اپنے ماں باپ۔اولاد۔اور دنیا کی ہر لذت۔ہر خواہش کے مقابلہ میں۔محبت دل میں پیدا کی جائے۔کیونکہ اسلام۔اور مسلمان۔اور مومن اور مسلمان کی تعریف سوائے اسکے نہیں۔کہ از روئے قرآن۔قرآن کی ہر تعلیم وعلم کو صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ

وسلم کی شخصیت دلیل لے کر تسلیم کیا جائے۔اور یہ تسلیم بغیر محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کے جذبہ کے اظہار کے ممکن اور کامل نہیں۔ایسی صورت میں کوئی بھی مسلمان۔قرآنی آیات اور اسکی حکمت پر کسی قسم کی تنقید یا نکتہ چینی۔کی تائید کرسکتا ہے۔نہ قرآن کی حقانیت پر شبہ کرسکتا ہے نہ اس قرآن کو معمولی کتاب سمجھ کر اسکے احکام پر تعمیل کیلئے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرے گا۔بلکہ اس قرآن اور رسول کی عظمت تسلیم کرنا ہی مسلمان ہونا ہے۔بغیر اس جذبہ کے کسی شخص کا خود کو مسلمان سمجھنا خود کو دھوکہ دینا ہے۔

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

اور یہ حقیقت ہے۔کہ قرآن بلا تمیز مذہب وملت فی زمانہ دنیا کے ہر انسان کیلئے۔اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے اور دین اور دنیا کیلئے۔راہنمائی کا ذریعہ فراہم کرتا ہے ــــ اور یہ بھی حقیقت ہے۔کہ قرآن دنیا کے ہر انسان کی طرف خطاب کرتا ہے ــــ کہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔انسانی آبادی میں۔مخلوقِ انسانی کیلئے ایک آئندہ آنے والے شدید دہشت ناک اور تباہ کن زمانہ کا یقین کرنا ہر انسان کیلئے لازم ہے۔کہ سب سے پہلے انسان آخرت کا تصور کرے۔اسکے حشر (اکٹھے ہونے) کا یقین وتسلیم کرے۔پھر اس زندگی کے نتائج اور ہونے والے شدید عذاب کا احساس کرے۔پھر اپنی زندگی کا مقصد متعین کرے۔یہ سب کچھ انسان کو قرآن کی تعلیم سے حاصل ہوسکتا ہے۔کہ انسان حشر کے خوف کو دل میں پیدا کرنے سے ایک پرامن شہری بن سکتا ہے۔لوگوں کیلئے ایک پرامن ماحول پیدا کرکے۔فی زمانہ زمین پر انسانی۔جسمانی۔روحانی پستی اور جسمانی۔ذہنی انتشار و پریشانی سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔قرآن کی تعلیمات میں روحانی عقائد وتصورات تسلیم کرنے سے ہی۔انسان اپنی مادی زندگی میں۔اعتدال۔آسودگی۔آسانی۔اور سکونِ قلب اور ذہنی سکون ــــ اور آسان آسودہ بود و باش حاصل کرسکتا ہے۔ورنہ مادی ارتقا ایک سراب سے زیادہ کچھ نہیں۔

نظامِ کائنات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

کائناتِ خلقت کی ہر شے کیلئے ایک نظام کے ماتحت اپنی زندگی کی منزلیں طے کرنا ایک لازمی چیز ہے۔ایک ذرہ سے لے کر آفتاب تک ایک چیونٹی سے لے کر پہاڑ تک غرض ہر وہ شے جو کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اُسے اپنی فنا کی طرف جانے کیلئے ایک راستہ اختیار کرنا اور اسی راستہ پر چل کر اپنا مقصدِ زندگی مکمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کائنات میں کسی وجود کا ظاہر ہو کر اُس وجود کا مٹ کر کسی دوسری ہیئت میں تبدیل ہو جانے کا ایک قدرتی نظام پایا جاتا ہے۔

کیونکہ اس کائنات میں ایک وجود کا ظاہر ہو کر کسی دوسری ہیئت میں تبدیل ہو جانے کا ایک قدرتی نظام پایا جاتا ہے۔یعنی ہر وجود پہلے معدوم ہوتا ہے۔پھر ظاہر ہو جاتا ہے۔ایک وجود کے ظاہر ہونے کے بعد اس میں ٹھہراؤ نہیں۔ بلکہ اس وجود میں مختلف زمانوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ پیدا ہوتا ہے۔ بچہ ہوتا ہے۔ جوان ہوتا ہے۔ بوڑھا ہو جاتا ہے۔آخر مر کر پھر نابود ہو جاتا ہے۔ یہاں پر ایک وجود کی ہیئت تبدیل ہو کر دوسری ہیئت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ امر واقع ہے۔ کہ اس کائنات میں مخلوق کی پیدائش میں بناؤ اور بگاڑ کا یہ سلسلہ ازل سے ابد تک جاری رہتا ہے۔ایک وجود کی ابتدائی ہیئتِ غیر جسمانی کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ یہ وجود اپنی غیر جسمانی حالت میں کتنی ہیئتیں (شکلیں) تبدیل کر چکا ہے۔لیکن کائنات کے نظام پر تحقیق کرنے سے یہ اندازہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ کہ ہر شے مخلوق کا وجود کسی نہ کسی ابتدائی کیفیت سے بنا ہے۔اور یہ کائنات (زمین) بھی کسی ابتدائی کیفیت سے بنی ہے۔ اسلئے زمین اور کائنات کی بناوٹ اور ہیئت کی تبدیلی ہی ایک مخلوق کی تبدیلی تصور کی جائے گی۔مثال کے طور سورج خود مستقل نہیں یہ کسی ابتدائی کیفیت (Mater) سے بنا ہے۔اور سورج سے زمین بنی۔اور زمین سے زمین کی ہر چیز کا وجود بنا۔اسلئے ہر چیز کے وجود کی ابتدا بھی اسی طرح سورج۔اور سورج کے ابتدائی

وجود(Mater) کوتصور کیا جائے گا ــــ یعنی ایک وجود کی ابتدائی ہیئت زمین ۔کسی ابتدائی ہیئت ۔اور سورج کی ابتدائی ہیئت اور اُس ہیئت (سورج کا Mater) کی ابتدائی ہیئت میں پایا جاتا ہے۔جسکے لئے ان کیفیتوں کے وجود کی تحقیق سے معلوم ہو جائے گا کہ ایک وجود کی ابتدائی ہیئت کہاں سے آتی ہے۔اوراسکا مرکب (Material) کیا ہے۔اسی ہیئت کی تبدیلی کو فنا کہا جاتا ہے۔اور ظاہری زندگی ظاہری وجودان ابتدائی کیفیتوں کی تبدیلی کا ٹھہراؤ یا عروج کہلاتا ہے۔کیونکہ اس ظاہری وجود سے کوئی دوسری نئی ہیئت پیدانہیں ہوتی بلکہ یہ وجوداپنی ابتدائی ہیئت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔جس ہیئت سے یہ بنا تھا۔اس تبدیلی کو بقا کہا جاتا ہے۔بقا سے مراد اپنے ابتدائی وجود میں لوٹ کر پھر ابتدائی وجود بن جانا جو قائم رہتا ہے۔مثال کے طور زمین کی اشیاً (چیزیں) زمین سے بن کر ایک نئی شکل اختیار کرتی ہیں جیسے ایک جاندار جسم ــــ یہ جسم بڑھ کر ایک مقررہ حد تک بڑھتا ہے۔پھر یہ جسم مرجاتا ہےاور زمین میں (جس سے بنا تھا) واپس لوٹ کر انہیں اجزاً (Material) میں جذب ہو جاتا ہے جو اسکی ابتدائی کیفیت تھی۔اسلئے اس جسم کی ظاہری زندگی کو پیدائش یا ہیئت تبدیل کرنے کا ٹھہراؤ (یا آخری مقام) کہا جائے گا (اسکے بعد اس ظاہری وجود سے کوئی دوسری نئی ہیئت نہیں بنتی)۔اور اسکے ابتدائی مقام کو بقا اور اسکے آخری بار ہیئت تبدیل کرنے کو فنا کہا جائے گا۔یہی تین دور (وقت) ہر چیز کی پیدائش میں واقع ہوتے ہیں ــــ اور ان تین حالتوں میں گزرنے کیلئے کائنات میں ایک ترکیب ایک نظام پایا جاتا ہے۔کہ کس طرح ایک ہیئت اپنی بقا سے ظاہر کی طرف جاتی ہے۔اس ہیئت بدلنے کی ترکیب کو نظامِ کائنات یا نظامِ قدرت یا نظامِ فطرت کہا جاتا ہے۔اس نظامِ کائنات میں ایک ہیئت سے دوسری ہیئت تبدیل کرنے کیلئے ایک طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔جس طریقہ سے ایک وجود ایک منظم ترکیب کے ساتھ ہیئت تبدیل کرتا رہتا ہے۔جسے عربی میں دین کہا جاتا ہے۔

جہاں تک جسمانی ہیئتوں سے پہلی کیفیتوں کا تعلق ہے۔یہ کیفیتیں دیکھنے محسوس کرنے اور عقل کی حد میں نہیں آسکتیں۔لیکن ان کی تبدیلئے ہیئت میں بھی ایک ترکیب ہے۔کہ ایک غیر جسمانی یا روحانی یا نورانی وجود اپنی ہیئت کے اعتبار (لحاظ) سے مدتہامدت تک قائم رہتا ہے۔اور تبدیلی کا اثر اس پر بھی آتا ہے۔اس وجود کی انرجی تقسیم (Analyse) ہونی شروع ہو جاتی ہے اور اسی وجود سے اسی

وجود کے Material سے کئی مختلف ہیئتیں نمودار ہو جاتی ہیں۔ جب تک ان ہیئتوں میں روحانی قوت باقی رہتی ہے۔ یہ نئے وجود بھی روحانی (نوری) بنتے ہیں۔ اسی طرح ان نئے وجودوں میں بھی تبدیلی کا اثر پایا جاتا ہے۔ تو ان وجودوں کی قوت بھی Analyse ہو کر ان کی (انرجی) قوت گھٹتے گھٹتے کمزور ہو کر ایک نیا روپ نئی ہیئت اختیار کر جاتی ہیں۔ اور یہ نوری قوت اپنی آخری منزل میں ناری ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔ گویا نار نور کی سب سے کمتر درجہ کی قوت ہے جس میں نور ناری شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ نار بجائے خود ایک قوی طاقت ہے۔ یہ قوت کا ظاہری جسموں کا ابتدائی وجود ہے۔ جو دیکھنے۔ محسوس کرنے اور عقل کی حد میں نہیں آتی۔ اسی طرح اس ناری قوت میں بھی تبدیلی کا اثر پایا جاتا ہے۔ اور یہ ناری وجود بھی Analyse ہو کر اپنی انرجی تقسیم کرتا جاتا ہے۔ اس ناری قوت کے نئے وجود بھی اسوقت تک ناری حالت میں محسوس ہونگے جب تک ان میں ناری قوت باقی رہے گی اور آخری درجہ میں یہ ناری قوت خاکی (ٹھوس جسم کی) ہیئت میں ظاہر ہوگی۔ ٹھوس جسم چونکہ دیکھنے اور محسوس کرنے میں آتا ہے۔ اسلئے اس خاکی وجود کی تحقیق پر انسانی عقل عبور حاصل کر سکتی ہے۔ اور ہم اسکی ترکیب پیدائش کو سمجھ سکتے ہیں یا سکتے ہیں۔ کہ ایک وجود کی تبدیلی میں کیا ترکیب پائی جاتی ہے۔ اور کس نظام کے ماتحت اس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اسی تبدیلی کے قدرتی نظام کو پا کر ایک وجود کے زندگی کی منزلوں کو طے کر کے فنا تک پہنچنے کیلئے ہم ایک طریقِ زندگی ایک اصول ایک راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی راستہ کو دین سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

اسلئے دین سے مراد یہ ہے۔ کہ مخلوق کی پیدائش میں اسکے زندگی کے مراحل کو طے کرنے کیلئے جو نظام پایا جاتا ہے۔ اسی نظام کے ماتحت اپنی زندگی کے مراحل منزلیں طے کر کے اس مقام تک پہنچنا جہاں ایک وجود اپنی ہیئت تبدیل کر کے اپنی پہلی ابتدائی ہیئت میں واپس لوٹ جاتا ہے۔ یہی ہے ایک وجود کی زندگی میں فنا کی طرف قدم اٹھانے کیلئے ایک صحیح راستہ اختیار کرنے میں اسکی زندگی کا واحد عمل ایک نصب العین جو عمل ہر وجود نے لازماً اختیار کرنا ہے۔

اس کائنات کی تخلیق (پیدائش) اور اس کی تنظیم سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ کائنات کی ہر شے کو اس نظام کے ماتحت اپنا عمل جاری رکھنا ہے۔ جہاں تک ابتدائی نوری قوتوں کا تعلق ہے۔ یہ تمام قوتیں

اسی نظام کے تحت بنتی آئی ہیں اسلئے یہ تمام قوتیں خود بخود نظامِ فطرت کی پابند ہیں۔اور جہاں تک مادی غیر شعوری قوتوں کا تعلق ہے۔یہ چیزیں بھی خود بخود اس نظام کی پابند ہیں۔یا یوں سمجھا جائے کہ ان چیزوں (نوری۔ناری۔خاکی قوتوں) کے ایک منظم نظام کے ماتحت پیدا ہونے اور انکا وجود قائم رہنے۔ اور پھر مٹ جانے سے ایک ضابطہ قائم ہو جاتا ہے۔جس ضابطہ کے ماتحت انسان نے بھی اپنی زندگی گزارنی ہے۔چونکہ انسان کو باقی مخلوق کے مقابلہ میں عقل وشعور۔قوی حواس اور قوتِ خود اختیاری میں فعل خود مختار حاصل ہے۔اسلئے انسان اس قوت سے خلافِ قانونِ فطرت چلنے کی قدرت بھی رکھ سکتا ہے۔ایسی صورت میں انسان کو بھی کسی ضابطہ کا پابند کرنا ضروری ہے۔تا کہ انسان اس کائنات کے نظام میں خلل نہ پیدا کرے۔سو انسان کیلئے بھی اسی نظام کائنات کی پابندی لازم ہے۔

اس کائنات میں انسان ایک کامل۔عاقل واشرف پیدائش ہے۔اور انسان ہی اس کائنات کی تمام قوتوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔گویا یہ تمام چیزیں صرف انسان کیلئے ہی پیدا ہوتی ہیں۔اور ان چیزوں کی پیدائش کا مقصد انسان کے نظامِ زندگی کو برقرار رکھنے میں معاون ومددگار رہنا ہے۔اسلئے اس نظام کی پابندی میں انسان نے سب سے اہم کردار ادا کرنا ہے۔تا کہ انسان کے پابند ہونے سے انسانی معاشرہ خالص رہ سکے۔اور انسان اسی معاشرہ کی حدود میں رہ کر ایک خالص زندگی بسر کرے۔

انسانی زندگی کا تجزیہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہے۔کہ ہر انسان اپنی عقل وحواس سے اشیائے کائنات کو دیکھ کر اس کی پیدائش اور اسکی تنظیم پر سوچ کر اپنے لئے ایک صحیح راہ منتخب کر سکتا ہے۔یہ تصور قطعی غلط ہے۔کہ انسان اپنی ابتدائی زندگی کے ادوار (زمانوں) میں وحشی رہا ہے۔اور زمانہ کے ساتھ رفتہ رفتہ عقل مند ہوتا گیا____؟ نہیں ایسا نہیں۔انسانی زندگی پر غور کرنے سے ظاہر ہے کہ انسانی جسم۔ انسانی اعضاء۔انسانی دماغ ایک عظیم طاقت کے حامل ہیں۔وہی انسان ہے جس کو حال میں ایک طاقتور جسم اور دماغ حاصل ہے۔وہی انسان تھا جسے ماضی اور ابتداً میں ایسا ہی جسم ایسا ہی دماغ حاصل تھا۔ کیونکہ آج کے انسان کی تمام جسمانی اور ذہنی قوتوں کا انحصار ماضی کے انسان کی قوت پر ہی ہو سکتا ہے۔ اگر دانہ قوی ہو تو اسکے پھل بھی قوی ولذیذ ہوتے ہیں۔اگر دانہ کمزور ہو تو اس دانہ سے بہتر پھل اور لذت کی توقع رکھنا غلط تصور ہے۔اسلئے ابتدائی انسان آج کے انسان سے پیدائشی اعتبار سے زیادہ قوت زیادہ

عقل کا مالک تھا ــــــ کیونکہ ظاہر ہے کہ انسان باقی مخلوق میں سب سے افضل سب سے غالب قوت ہے۔اسلئے ابتدأ اسکا جسمانی۔ذہنی لحاظ سے قوی ہونا ضروری ہے۔لہٰذا پیدائشی اعتبار سے ہر انسان میں اتنی عقلی قوت ہے کہ وہ ہر زمانہ میں بغیر کسی راہنمائی کے عقل سے سوچ سکتا ہے۔اور اپنی زندگی کی ضروریات حاصل کرنے کیلئے آسان راہیں تلاش کرسکتا ہے ــــــ حیوان ایک کمتر مخلوق ہے۔جنکی عقلی قوت انسانی عقلی قوت سے ناقص ہے۔یہ مخلوق بھی بغیر کسی راہنمائی کے پہاڑوں۔جنگلوں۔بیابانوں میں اپنی ایک محفوظ زندگی گزار لیتے ہیں۔اسکے مقابلہ میں انسان حیوانوں کے مقابلہ میں ایک افضل قوت حواس وعقل رکھتا ہے۔اسلئے حیوانوں کے مقابلہ میں انسان اپنی زندگی کی صحیح راہ پانے پر یکسر قادر ہوسکتا ہے۔اور نظامِ فطرت کے مطابق انسان بھی خود بخود اس نظامِ کائنات کا پابند ہے۔یعنی جہاں تک دنیا میں سامان زندگی کی اشیأ انسان کیلئے وقف ہیں۔انکے حصول میں انسان اپنے ارادے کو داخل نہیں کر سکتا۔جو چیز فطری طور انسانی زندگی کے نفع کیلئے بنی ہے اس سے انسان نفع حاصل کرسکتا ہے۔اور جو چیز بنی نہ ہو انسان اُسے بنا نہیں سکتا۔اور ہر چیز جس مقدار میں انسان کیلئے مفید ہوسکتی ہے۔اس مقدار سے کم یا زیادہ انسان اپنے لئے فائدہ مند بنا نہیں سکتا۔اسی طرح جبکہ ہر چیز قانونِ فطرت کے ارادے کے مطابق پیدا ہو رہی ہے۔کہ گندم کیلئے اسکا دانہ مقرر ہے۔مکئی کیلئے دانہ مقرر ہے جو کیلئے بھی دانہ مقرر ہے۔اسلئے ہر جنس سے وہی جنس پیدا ہوگی جسکا دانہ ہو انسان جو سے گندم نہیں بنا سکتا۔مکئی سے جو نہیں بن سکتا۔پھر ہر جنس کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔گندم بہار میں پیدا ہوتی ہے۔مکئی ابتدائے سرما میں تیار ہوتی ہے انسان انکے نظامِ پیدائش میں فرق پیدا نہیں کرسکتا۔اور اگر کوئی فرق کسی حال میں پیدا ہو۔تو وہ بھی قانون فطرت میں شامل ہوگا جیسے ایک مرغی بائیس دنوں میں انڈے سے بچہ بناتی ہے اور انسان نے ایک مشین ایجاد کی جس سے چوبیس گھنٹوں میں انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔یہ کیفیت انسانی تخلیق نہیں بلکہ۔تخلیق پر تحقیق ہے۔کہ قانونِ فطرت میں یہ طریق بھی موجود ہے۔جو ایک محقق پالیتا ہے۔لیکن نظامِ قدرت میں فطرت نے جو عام طریق اختیار کیا ہے۔اس میں انسان کو زیادہ نفع حاصل ہے۔برعکس اسکے انسانی اختراع میں کسی وقت نقص واقع ہوسکتا ہے اور اتنا نفع بھی حاصل نہیں ہوسکتا جتنا فطری ترکیب سے حاصل ہوتا ہے۔اسی طرح انسانی زندگی کے ضروری لوازمات میں۔غذا۔پانی۔ہوا۔نباتات۔

جمادات شامل ہیں۔انسان انکے حصول میں پابند ہے۔کہ جسقدر انسانی صحت کیلئے ضروری ہے۔وہی مقدار کھاسکتا ہے۔یا حاصل کرسکتا ہے۔اس سے زائد حصول انسان کیلئے نقصان دہ ہوتا ہے۔اسی طرح کائنات میں انسان کو جن اشیأ سے تعلق ہے۔انکے حصول میں ایک صحیح نظام کے مطابق حاصل کرنا۔یعنی جتنا قانونِ فطرت نے اسکے لئے مقرر کیا ہے۔اتنا ہی حاصل کرکے اپنی سلامتی کو برقرار رکھنا ـــــ اور اگر قانونِ فطرت کی مقرر کردہ مقدار سے کم یا زائد حاصل کرنے کی کوشش (ارادۃً) کی تو یہ نظامِ فطرت کی خلاف ورزی ہوگی ـــــ اور انسان کا سمجھ سے کام لے کر اپنی ذات کیلئے اس چیز کو حاصل کرنا جو فطری طور اسکے لئے نفع بخش ہو تو اسے نظام فطرت یا قانونِ فطرت کی پابندی کہا جاتا ہے۔یہی نظام انسان کیلئے بھی مقرر ہے۔کہ وہ نظام کائنات میں اپنے حصول میں قانونِ فطرت کا پابند رہ کر ایک صالح معاشرہ۔ایک صالح جماعت۔ایک صالح نظام کو قائم رکھتے ہوئے اپنی زندگی گزارے۔تو انسان کسی طرح بھی۔اپنے قوی جسم۔قوی ذہنی قوت سے کمزور نہیں ہوسکتا۔اسطرح انسان کی پیدائشی قوتیں جسمانی ذہنی اپنی حالت میں اعلیٰ وافضل رہیں گی۔

جیسا کہ بیان ہوچکا ہے۔کہ انسانی بناوٹ پر تجزیہ کرنے سے ظاہر ہوگا۔کہ جبکہ فطری طور حیوانات میں (ناقص حالت میں) اتنی ذہنی صلاحیت ہے کہ وہ بلا کسی راہنمائی کے اس نظام کائنات کی پابند ہے۔اور پر امن طریقہ سے اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔اسی طرح کائنات کی ہر شے جمادات۔نباتات ایک تنظیم منظم نظام کے تحت پیدا ہوتی۔ارتقا کی طرف جاکر ختم ہوتی ہیں۔انسان کو ابتدائی اور فطری بناوٹ میں ایک قوی ذہن حاصل ہے۔یعنی انسانی ہیئت وشکل پانا ہی انسانی عقلی ذہنی برتری کی دلیل ہے۔کہ اس انسانی جسم کی آخری ہیئت درحقیقت انسانی جسمانی۔اور ذہنی ارتقأ اور برتری کی نشانی ہے ـــــ اسلئے ہر زمانہ میں انسان بغیر راہنمائی کے اپنے ارادے سے بھی قانونِ فطرت کی پابندی کرسکتا ہے۔ایسی صورت میں انسان اپنی پیدائش میں پابند۔اور مسلم ہے۔اور اسکی زندگی اسوقت تک کامل صحت منداور پرسکون نہیں گزرسکتی۔جب تک انسان اسلام یعنی قانونِ الٰہی۔یادین اسلام کی پابندی کرکے مسلم (مسلمان) نہ بنے۔اسلئے یہ بھی تقاضائے قانونِ فطرت ہے۔کہ ابتدأ انسان باقی مخلوق کے ساتھ قانونِ فطرت کا پابند مسلم رہا۔مسلم پیدا ہوتا رہا ـــــ اور اپنی زندگی گزارنے کیلئے اِسنے دین

اسلام کا ضابطہ اختیار کر رکھا تھا ـــــ! اب دیکھنا ہے کہ اس کائنات کی پیدائش اور اسکے نظام میں پابندی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کائنات کی پیدائش کسی خاص نتیجہ۔ کسی خاص مقصد کے تحت ہو رہی ہے ـــــ؟ یا بلا مقصد۔ بلا نتیجہ یہ کائنات چلتی جائیگی ـــــ! اگر با مقصد ہے تو اسکے لئے ایک انجام ایک نتیجہ لازمی ہونا چاہیے۔ اور اگر بے مقصد ہے تو پھر۔ اس منظم نظام کا ہونا ضروری نہیں۔ اور کائنات کے کسی عمل میں۔ کسی نتیجہ کا تصور پایا نہیں جانا چاہیے ـــــ تیسری بات بلا مقصد کیفیت میں کسی انجام کا تصور بھی نہیں پایا جاتا ـــــ!

درحقیقت ـــــ! انسان کی زندگی کا تجزیہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ انسانی زندگی بلا مقصد نہیں۔ جبکہ اسکی بناوٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسکے ذمہ ایک کام ضروری ہے ـــــ انسان باقی مخلوق کے مقابلہ میں اپنی جسمانی ہیئت وشکل میں کامل ہے۔ اسکا ہر عضو کوئی نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ اسکا دماغ سوچنے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اس بناوٹ کے اعتبار (لحاظ) سے انسان خود بخود کسی عمل کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔

انسان کے ہاتھ۔ بازو بھی کسی عمل پر خود بخود تیار ہو جاتے ہیں۔ انسان کی ـــــ لاتیں پاؤں کسی عمل پر خود بخود تیار ہو جاتی ہیں ـــــ انسان کے حواس خود بخود کسی عمل پر تیار ہو جاتے ہیں ـــــ اور انسانی دماغ میں سوچنے سمجھنے۔ کی فطری قوت پائی جاتی ہے۔ اسلئے دماغ بھی خود بخود سوچنے سمجھنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ انسان کی ان صفات وخصوصیات کو یکجا کیا جائے۔ تو ان اعمال سے انسان خود ایک مجسمہ عمل بن جاتا ہے۔ اور اسکا عمل کیا ہے؟ ـــــ وہی جو کچھ یہ خود بخود کئے جا رہا ہے ـــــ!

انسان ایک پوست گوشت کا مجسمہ ہے۔ یہ مجسمہ متحرک ہے۔ اور حرکت کیلئے اس میں روح (جوہر) پائی جاتی ہے۔ یہ جوہر ایک ابتدائی ناری ذرہ ہے۔ جو لیس دار کیچڑ میں پلا۔ اور اسی کیچڑ کے جوہر سے اسکا جسم بنا۔ اب آئندہ اس جسم کو قائم رکھنا ہے ـــــ اسکے لئے زمینی جواہرات فراہم کرنا ہے ـــــ یہ جواہرات ہم۔ ہر قسم کی غذا سے حاصل کرتے ہیں۔ غذا ہم کھاتے ہیں ـــــ اسکا خون بنتا ہے ـــــ خون خود جسم ہی بناتا ہے۔ خون سے جوہر (مادۂ منویہ) بنتا ہے۔ اور جوہر گوشت پوست۔ ہڈی وغیرہ کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے ـــــ یہ ایک باقاعدہ نظام ہے۔ کہ ایک ذرۂ ناری لیس دار کیچڑ

میں انسانی جسم حاصل کرتا ہے۔اور آئندہ جسم کا کام صرف غذا کھانا اور اس غذا سے اپنا وجود قائم رکھنا ہے ــــــ یہی اسکا عمل ہے۔اور یہ عمل عام مخلوق کے ساتھ مشترک (مساوی) ہے۔کہ ہر مخلوق ایک ذرہ سے ابتدا کرتی ہے۔اور اپنے ماحول سے غذا حاصل کر کے جمادات۔نباتات۔حیوانات۔انسان کی ایک ہیئت اختیار کرتی ہے۔اور آئندہ ہر مخلوق کو اپنا وجود قائم رکھنا ہوتا ہے۔نباتات۔جمادات نظامِ فطرت کے مطابق بنتے اور مٹتے جاتے ہیں ــــ ان میں باقاعدگی نہیں۔یعنی یہ خود اپنے لئے زندگی کا سامان حاصل نہیں کر سکتے۔برعکس اسکے حیوان متحرک ہیئت میں ہیں اور خود بھی اپنے لئے سامان زندگی حاصل کرتے ہیں۔لیکن عام حیوان اپنے لئے ایک معین اور مختصر سامان پاتے ہیں اور اس سے زیادہ حاصل کرنے میں وہ مجبور ہیں۔یہ اسلئے کہ حیوانوں میں نباتات جمادات کے مقابلہ میں دماغی قوت حاصل ہے۔جس سے وہ سمجھ کر اپنا سامان زندگی حاصل کرتے ہیں لیکن ایسے دماغ حصولِ سامان زندگی میں۔آسانی یا زیادہ حصول۔یا اپنی پسند یا اپنی مرضی سے حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔اور انسان بھی مثل حیوان پیدا ہوتا ہے اور اپنی زندگی کا سامان خود۔اپنی مرضی اور اپنی پسند سے حاصل کرتا ہے۔یہ انسان کی زندگی کا فطری عمل ہے۔کہ اسکا جسم بنتا اور خود اپنی زندگی کو قائم رکھنے کی سعی کرتا ہے۔انسانی زندگی کے اس عمل سے اسکی زندگی کا ایک مقصد قائم ہو جاتا ہے۔کہ انسان نے پیدا ہونا ہے ــــ زندہ رہنا ہے ــــ اور زندہ رہنے کیلئے سامانِ زندگی حاصل کرنا ہے۔اسلئے انسانی پیدائش کا مقصد ایک صحت مند حالت میں پیدا ہونا ــــ اور اپنے جسم کی صحت مند حالت کو قوی و قائم رکھنے کیلئے اس جسم کی وہ قوتیں مہیا کرنا۔جن سے یہ جسم صحت مند حالت میں قائم رہے۔یہ ''حصولِ سامانِ زندگی کا مقصد کہلاتا ہے۔'' اسی مقصد کی تکمیل کیلئے انسانی بناوٹ میں اسکے موزوں ہاتھ انگلیاں۔بازو۔لاتیں۔پیر۔سر وغیرہ خوبصورت انداز میں پائے جاتے ہیں ــــ اسکے ساتھ ہی جبکہ انسان اپنی پسند اور اپنی مرضی سے ہر چیز حاصل کرتا ہے۔تو اس حصول میں انسانی دماغ کو بھی دخل ہے۔کہ انسان اپنے حصولِ سامانِ زندگی میں۔اپنے اعضے سے حصول کا کام لیتا ہے۔لیکن ان اعضے کی حرکت دماغ کی سوچ کے تابع ہو جاتی ہے۔جیسے دماغ حصولِ سامانِ زندگی کا ذریعہ یا ترکیب بتائے اسی طرح جسم کے اعضے اسکے حصول میں کام کرتے ہیں۔گویا حصولِ سامانِ زندگی میں دماغ ہی حکم دیتا ہے۔جسکی تعمیل و تکمیل جسم کے اعضے سے

ہوتی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔دماغ ہی سے انسانی حصول کی تکمیل ہوتی ہے ــــ اسی طرح انسانی مقصد کی تکمیل ہوکر انسان کیلئے ایک عمل مقرر ہو جاتا ہے ــــ

کائناتِ ارضی اور اسکی مخلوق پر تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔کہ ہر پیدائش ایک ماحول میں پیدا ہوکر اسی زمین کی اشیأ سے اپنا سامانِ زندگی حاصل کرتی ہے۔اور انسان کیلئے بھی اسی زمین سے اسکی غذا حاصل ہوتی ہے۔گویا یہ بھی ایک نظامِ فطرت ہے۔کہ انسان عام مخلوق کی طرح زمین کی اشیأ سے غذا حاصل کرتا ہے۔اور یہ نظام انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی جاری ہوتا ہے۔

ابتدائی انسان کی حیثیت کا اندازہ کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے۔کہ انسان عام حیوانوں کی مانند زمین پر پیدا ہوا ــــ اسکے لئے۔نہ کسی دایہ کا وجود تھا۔نہ کسی دوائی کا وجود تھا۔نہ کسی کپڑے کا وجود تھا۔نہ سردی گرمی سے حفاظت کا کوئی سامان مہیا تھا۔نہ اسے مشینی غذا میسر تھی۔نہ اسکی غذا کیلئے کسی مشین۔کسی چولھے کا وجود تھا۔سو ظاہر ہے کہ انسان بھی عام حیوانوں کی طرح۔زمین کے گھاس۔پتے۔یا پھل کھا کر زندگی کو قائم رکھتا۔سوائے اسکے انسانی حصول اور سامانِ زندگی میں کوئی ایسی شے محسوس نہیں کی جاتی جو انسان کیلئے مخصوص ہو ــــ لہٰذا ابتدائی انسان کی حیثیت و ہیئت سمجھ میں آسکتی ہے۔کہ یہ انسان عام حیوانوں کے مقابلہ میں جسمانی حیثیت میں کامل ــــ اور دماغی حیثیت میں بھی کامل تھا ــــ جسمانی حیثیت میں انسانی بود و باش مثل عام حیوانوں کے تھی لیکن ذہنی اعتبار سے انسان حیوانوں سے افضل حیثیت میں بہتر فہم (سمجھ) کا مالک تھا۔کیونکہ نظامِ فطرت کے مطابق انسانی پیدائش کی خصوصیت ہی یہ ظاہر ہوتی ہے۔کہ عام مخلوق نباتات۔جمادات۔حیوانات میں عقلی اعتبار سے انسان باقی مخلوق سے بہتر حیثیت رکھتا ہے۔اسلئے ضروری ہے۔کہ ابتدائی انسان جبکہ وہ جسمانی لحاظ سے کامل تھا۔عقلی طور بھی کامل ہو اور انسان ابتدأ سے ہی ایک کامل عقل کا مالک چلا آتا ہے۔البتہ انسان اپنی ضرورتوں کے مطابق عقل کو اپنے حصول میں استعمال کرتا رہا ہے۔

ابتدائی زمانہ میں انسان کو صرف قوی حالت میں اپنی زندگی کو قائم رکھنا تھا۔سو نظامِ فطرت کے مطابق جسطرح عام مخلوق خود بخود اپنی غذا حاصل کرتی رہی اسی طرح حیوان بھی خود بخود غذا حاصل کرنے لگا۔اسی طرح انسان نے بھی خود بخود اپنی غذا کو پسند کر کے اسے حاصل کیا۔اور غذا حاصل کرنے

کا مقصد تو صرف جسمانی ہیئت کو صحت مند حالت میں قائم رکھنا ہے۔جسکے لئے انسان کو فطری غذا (گھاس۔پتے۔پھل۔صاف شفاف پانی) میسر تھی۔اس قسم کی غذا جو قدرتی طور پیدا ہوئی۔اوران غذاؤں میں خالص جو ہر موجود ہوں۔انسان کی صحت مندی اور جسمانی حالت قائم رکھنے میں زیادہ فائدہ مند ہوسکتی ہیں۔اسلیئے اس قسم کی غذائیں انسان کیلیئے مفید اور پسندیدہ تھیں۔جسکے لئے کسی اختراع یا ایجاد کیلیئے کسی سوچ کی ضرورت نہ تھی۔یہ ابتدائی زمانہ تھا جبکہ انسان کی پیدائش ایک فطری نظام کے ماتحت ہورہی تھی۔انسانی جسمانی ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ جس غذا کی اِسے ضرورت رہی وہ بھی فطری طور اِسے ملتی رہی اور انسانی جسمانی ذہنی تکمیل پر جب انسان نے اپنے ارادہ وفہم (عقل) کو استعمال کیا تو اس وقت انسان نے وہی غذا استعمال رکھی جسے وہ پیشتر استعمال کرتا رہا۔اسکی غذا میں وہی چیزیں شامل تھیں جو انسان کے ماحول میں انسان سے پہلے زمین پر۔نباتات کی صورت میں گھاس۔پتے۔پھل پیدا ہوچکی تھی ___ اور فطری طور انسان کی زبان اسی غذا کی لذت سے واقف تھی۔جسے انسان آسانی سے حاصل کرسکتا تھا۔غذا کے حصول میں لذت کا پایا جانا صرف پہچان کیلیئے ہے۔تاکہ انسان اپنی غذا کو حاصل کرسکے۔لذت کا حاصل کرنا۔حصول سامانِ زندگی کا اصل مقصد نہیں۔صرف حصول کی ایک جز ہے۔غذا کا حاصل کرنا صرف زندگی کو صحت مند حالت میں قائم رکھنے کیلیئے ہے۔جب تک انسان کسی دوسری لذت کا آشنا (واقف) نہ ہوا انسان گھاس (کڑوی گھاس) کا بھی عادی ہوسکتا ہے اور متواتر استعمال سے کڑوی گھاس بھی مرغوب غذا میں شامل ہوسکتی ہے۔اسلیئے انسان کو ابتدائی زندگی (دور) میں نہ سامان زندگی کے حصول میں دقت پیش آئی۔اور نہ ہی ایسے موقع پر عقل کو زیادہ استعمال کرنے کی ضرورت رہی جبکہ انسان کیلیئے زمین کی اشیأ بلا معاوضہ اور ہر مقام پر آسانی سے مہیا ہوجاتی تھیں ___ لہٰذا انسان اپنی عقل کو اپنی ضرورت کے مطابق محدود طریقہ پر استعمال کرتا رہا یہاں تک کہ انسانی آبادی میں وسعت ہونی شروع ہوئی ___ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے شروع ہوگئے تو ایک جگہ کی غذا کے مقابلہ میں دوسری جگہ کی غذا میں نئی لذت محسوس کی تو انسان کو لذت کا احساس ہوا۔اسطرح انسان نے نئی لذت حاصل کرنے میں عقل سے کام لینا شروع کیا۔یہ عمل (سوچ) بھی فطری طور جاری ہوا۔کہ انسان کے ذہن میں ایک نئی لذت کا اضافہ ہوا اور جب بھوک لگی تو اس نے نئی لذت کو تلاش کرنا شروع

کیا۔ یہاں سے انسانی فطری پیدائش کی ابتدا ہوتی ہے۔ کہ انسانی ذہن میں ایک نئی کیفیت (نئی لذت) کا وجود سمایا اور اسی لذت کے حصول میں انسان نے ارادہ کو کام میں لا کر۔ عقل و جسم کو حصول کیلئے استعمال کرنا شروع کیا۔ اسی طرح جوں جوں آبادی میں وسعت ہوتی گئی انسانی لذت میں اضافہ ہوتا رہا۔ لذت کے ساتھ اسکے حصول (حاصل کرنے) میں انسان نے جسمانی جدوجہد اور عقلی سوچ سے کام لینا شروع کیا۔ ضرورتوں میں بھی وسعت ہونی شروع ہوگئی۔ عقل کو بھی وسیع طریقہ پر استعمال کرنے کی ضرورت پڑی تو عقل نے خود بخود سوچنا شروع کر دیا۔ اور یہی طریق ہر زمانہ کا رہا۔ کہ جوں جوں ضرورتیں وسیع ہونے لگیں۔ عقل نے بھی زیادہ سوچنا شروع کیا۔ اور جسم نے بھی عمل میں وسعت دی ـــــ یہاں تک کہ انسانی آبادی نے اپنی ضرورتوں کی وسعت میں انتہائی کمال اور عروج حاصل کر کے کائنات کو زیادہ سے زیادہ اپنے تصرف میں لے لیا۔ اور یہ سب کچھ صرف ایک مقصد کیلئے ہوا۔ وہ مقصد خود بخود بنا ـــــ وہ مقصد ـــــ پیدا ہونے کے بعد جسم کو اپنی صحت مند حالت میں قائم رکھنا ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل میں انسان نے ضرورتوں کو وسعت دی ـــــ اور اپنی ضرورتوں کے حصول میں دماغ سے کام لے کر۔ ایجادات سے آسانی ـــــ اور زیادہ حصول کا ذریعہ نکالا ـــــ

انسانی پیدائش اور اسکی فطری (Natural) زندگی کا لازمہ تو ایک پرامن ماحول میں انسان کا صحت مند حالت میں زندگی گزارنا ہے۔ جسکے لئے انسانی فطری زندگی کا لازمہ یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کو صحت مند رکھنے کیلئے قدرتی غذا گھاس۔ پات۔ پھل وغیرہ۔ استعمال کرے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر انسان اپنے ابتدائی دور کی طرف واپس جا کر گھاس۔ پات۔ پھل وغیرہ اپنی غذا بنالے۔ نہروں کا صاف و شفاف پانی پیئے۔ کھلی فضاؤں میں پھرے۔ یہ چیزیں ہر انسان کو بلا معاوضہ۔ بلا محنت حاصل ہو سکتی ہیں۔ تو انسان ان اشیأ کو استعمال کرے تو اسکی صحت برقرار رہ سکتی ہے۔ اسکا جسم طویل مدت صحت مند رہ سکتا ہے۔ کیونکہ یہی انسان کی فطری (Natural) زندگی ہے۔ اور یہ چیز انسانی کمزوری میں شامل ہے۔ کہ انسان صرف لذت کے حصول کیلئے اپنا حقیقی مقصد (صحت مند غذا۔ صحت مند جسم) چھوڑ کر غیر فطری اور مصنوعی ضرر رساں چیزوں کا دلدادہ ہو کر جسم کو کمزور کر دے ـــــ!

درحقیقت انسانی صحت مند جسم کی نشو نما کا انحصار صرف قدرتی غذا پر ہی ہے۔ وہ قدرتی غذا۔

زمین کی وسعت میں پیدا شدہ قدرتی اشیأ ہیں۔جن میں نباتات کی پیدائش ابتدأ سے ہوئی۔اور یہی نباتات انسانی (یا حیوانی) زندگی میں استعمال ہوتی رہیں۔اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔کہ ابتدائی انسانی زندگی اسی نباتاتی ماحول میں پیدا ہوئی اور اسکی زندگی کی نشونما میں یہی نباتاتی اشیأ استعمال رہیں۔اور یہ اندازہ آسانی سے ہوسکتا ہے۔کہ یہ نباتاتی اشیأ گھاس۔پتے۔پھل۔صاف شفاف پانی اپنی تاثیر میں۔بے ضرر طاقتور اور خالص ہوتی ہیں۔اسلئے انکے استعمال سے۔جسمانی قوت وصحت بھی قوی ہوسکتی ہے۔اور جب انسان متواتر انہیں اشیأ کا استعمال رکھتا ہے۔تو اسوقت تک انسانی جسمانی صحت ہر حال میں قوی رہ سکتی ہے۔جب تک ان اشیأ کو اپنی اصلی ہیئت و حالت میں استعمال کیا جائے۔ اسطرح انکے استعمال سے انسان کسی عارضہ یا کمزوری کا شکار نہیں ہوسکتا۔تو ضروری ہے۔کہ جب تک انسان ان نباتاتی اشیأ کو اپنی اصلی ہیئت و حالت میں استعمال کرتا رہا۔یہ اپنی پیدائشی جسمانی حالت میں کامل صحت مند رہا۔اور جب انسان نے ان اشیأ کی اصلی ہیئت کو کسی دوسری ہیئت میں تبدیل کر کے استعمال کرنا شروع کیا تو ضروری ہوا۔کہ ان نباتاتی اشیأ کے جواہراتی اجزأ ضائع ہو کر غذا میں نقص واقع ہوا۔جسکا اثر انسانی جسمانی ہیئت پر ہونا ضروری تھا۔غذا کو کمزور حالت میں استعمال کرنے سے انسانی جسم بھی صحیح قوت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کمزور ہونے لگا۔

جیسا پیشتر بیان کیا گیا۔کہ قدرتی نباتاتی اشیأ کو انسان نے کیوں غیر فطری طریقہ سے استعمال کرنا شروع کیا۔؟ اسکا سبب بھی انسانی جسمانی ترکیب میں ایسی قوتوں کا پایا جانا ہے۔جن کے استعمال سے انسان کو خود بخود غیر فطری طریقہ غذا کی تحریک ہوئی۔یعنی عام حیوانوں کے مقابلہ میں انسان کو قوتِ عقلی قوی حاصل ہے اور یہ قوتِ عقلی خود بخود عمل جاری رکھتی ہے۔اسی عمل کے نتیجہ میں انسان ہر وقت حصولِ زندگی میں عقل کو استعمال کرتا رہا۔اور یہ عمل اسکا فطری اور غیر ارادی بھی تھا کہ عقل کا کام ہی ہر وقت سوچنا اور کسی کیفیت کی تحقیق کرنا ہے۔

ابتدائی دور میں انسان ایک مکمل وجود تھا۔اسکا مطلب یہ۔کہ انسان جسمانی حالت میں قوی تھا۔صحت مند تھا۔اسی طرح اسکی عقلی قوت بھی۔صحت منداور قوی تھی۔یعنی اس عقل سے انسان نے جو کچھ بھی کارنمایاں کیئے یہ تمام صلاحیتیں ابتدائی دور میں انسانی صحتمند جسم کے اعتبار سے انسانی عقل میں

موجود تھیں۔ کیونکہ ماہرین طبقات الارض نے یہ بات پایۂ تحقیق تک پہنچائی ہے۔ کہ ابتدائی دور میں زمین ایک کرۂ نار تھی۔ کرۂ نار سے مراد ایک قوی جوہر ــــ جو مادہ سے قوی قوت تھی اِسی قوی جوہر کے ذرات نے مادی ہیئت اختیار کر کے۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات کی ہیئت اختیار کی۔ ظاہر ہے ابتدائی قوی ذرات کا وجود مادی ہیئت میں بھی قوی ہونا ضروری ہے۔ اسلئے ہر وہ شے جو ابتدأ زمین سے پیدا ہوئی اپنی پیدائش میں قوی تھے اور ان قوتوں سے جو افعال سرزد ہوں۔ وہ بھی قوی ہونے ضروری ہیں۔ اسی طرح حیوانی اجسام میں ایسے قوی وجودوں کو محسوس کیا گیا ہے۔ جو آئندہ پیدا ہونے والے اجسام سے حد درجہ قوی و عظیم تھے۔ اسی طرح انسانی ابتدائی جسم کے تمام قویٰ اور اُنکے افعال بھی قوی ہونے ضروری ہیں۔ یہی حالت انسان کی رہی کہ ایک طرف اسے قدرتی نباتاتی غذا حاصل تھی جس سے اسکی جسمانی۔ عقلی قوت کی کامل نشونما ہوتی رہی۔ عقل کا کام سوچنا تحقیق کرنا تھا۔ اسلئے عقل کے افعال میں سوچنا۔ تحقیق کرنا بھی کامل تھا۔ وقتی طور یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ اگر ابتدائی دور میں عقل کا فعل قوی تھا۔ تو اس سے نئی ایجادات کا ظہور کیوں نہ ہوا ــــ ؟

اسکے لئے ابتدائی دور اور ماحول کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ کہ انسان کو ایک صحت مند جسم اور قوی سامانِ زندگی کی ضرورت تھی۔ اور اسکے ساتھ ہی اسے حصولِ سامانِ زندگی میں آسانی کی بھی ضرورت تھی۔ یہی انسانی عقل کا مقصد تھا۔ سو ابتدأ میں انسان خود صحت مند تھا۔ اور اسکی نباتاتی اشیأ اسے بلا معاوضہ وافر مقدار میں آسانی سے مہیا ہوتی تھیں۔ چونکہ انسان لذتوں سے واقف نہ تھا۔ اس وقت انسے اسکی طبیعت کی پسند کے مطابق اشیأ (گھاس۔ پتے۔ پھل) وافر مقدار میں میسر تھے۔ اِسے حصول سامانِ زندگی میں کسی قسم کی دقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ یہ اپنی پسند کی اشیأ پر اکتفا کئے ہوئے تھا۔ ابھی تک اسکے دل میں زائد حصول کی تمنا پیدا نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ اپنی جسمانی حالت میں قوی اور پاکیزہ تھا۔ اسلئے اسکے دل میں۔ لالچ۔ حرص کا مادہ ابھرا نہ تھا۔ جس سے یہ اپنی ضرورت سے زیادہ حصول اور ذخیرہ اندوزی کا احساس کرتا ــــ

دراصل ایجادات کی ضرورت اسوقت پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کو حصولِ سامان زندگی میں دشواری اور تکلیف محسوس ہو ــــ یا اسکے دل میں زائد حصول کا جذبہ پیدا ہو ــــ یا انسان اپنے حصول کو

زیادہ آسان بنانے کا خیال کرے ـــــ ابتدائی انسان ان خاصیتوں سے پاک تھا۔اُسے اپنی پسند کے مطابق اشیأ آسانی سے فراہم ہوتی تھیں ـــــ جب اشیأ وافر مقدار میں میسر ہوں اوراس کے حصول میں اسکا کوئی شریک یا حصہ دار نہ ہوتو انسان میں ذخیرہ اندوزی کا جذبہ پیدانہیں ہوتا۔اسلئے انسان زائد حصول کا بھی خواہشمند نہیں رہتا۔زائد حصول کی خواہش سے ہی انسان میں لالچ اور حرص کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔یعنی وہ اپنی ضرورتوں کو پانے کے باوجود ذخیرہ اندوزی کرنے لگ جاتا ہےاوراس ذخیرہ اندوزی میں اسقدر جذباتی ہو جاتا ہے۔کہ اس کی جدوجہد شدت اختیار کر جاتی ہے۔اسی جذبہ کے تحت جب ذخیرہ اندوزی کی جائے ضرورت کی اشیأ میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔کمی پیدا ہونے کی وجہ سے انسان پھر لالچ اور حرص سے جذبہ کے تحت دوسروں کے حقوق کو اپنے تصرف میں لاکر ذخیرہ کرنے لگ جاتا ہے۔ جب ایسا ماحول پیدا ہو۔تو اس وقت زائد حصول کیلئے ایجادات کی طرف انسانی ذہن مائل ہو جاتا ہے۔ ورنہ خالص ماحول اور وافر غذا۔اور پاکیزہ جسمانی حالت میں ایجاد کی ضرورت نہیں پڑتی۔اسکے علاوہ ایجاد ابتدأ حادثاتی طور پر بھی واقع ہوتی ہے۔جسکے لئے انسان خود کوشش نہیں کرتا۔نہ اسکے ذہن میں ایجاد کا خیال ہوتا ہے۔لیکن اس اچانک ایجاد کی محرک بھی شدید حصولِ سامان زندگی ہے ـــــ

ابتدأ میں انسان کو لذت کا احساس نہ تھا۔نہ اسے حصولِ سامان زندگی میں دشواری تھی۔اسلئے اسے ایجاد کی ضرورت نہ رہی ـــــ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے ایجادات کی طرف خود بخود مائل ہونا پڑا ـــــ اور انسان نے ماحول کے مطابق ایجاد اور نئے طریقِ حصول کی طرف قدم بڑھایا ـــــ یہ ایجاد بھی بعض حالتوں میں حادثاتی ہوئی۔اور بعض حالتوں میں زمانہ کے حالات اور انسانی لذت نے اسے ایجاد کی تحریک دی۔اور یہ ایجادیں بھی زمانہ کے ماحول کے مطابق محدود اور حسب ضرورت پیدا ہوئیں۔یعنی ابتدأ میں انسانی آبادی چند نفوس پر مشتمل تھی۔کیونکہ انسانی پیدائش کی ابتدا ایک انسانی فرد سے ظہور میں آئی ہے۔جسے آدم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہےاور رفتہ رفتہ انسانی آبادی بڑھتی گئی۔اس نظریہ میں بعض محققین کا اختلاف ہے۔کہ انسان حیوانات کی ترقی یافتہ ہیئت ہے۔اس نظریہ کے مطابق یہ ثابت ہوتا ہے۔کہ ایک کثیر تعداد حیوانی اجسام نے رفتہ رفتہ انسانی ہیئت اختیار کی۔اس نظریہ کے تصور میں انسان کو ابتدائی دور میں حیوانی تصور میں دیکھا جاتا ہے۔کہ انسان جب حیوانی عقل سے ترقی کرتا

ہے۔تو ابتداًاسکی عقل قوی نہیں ہوسکتی بلکہ جوں جوں زمانہ بڑھتا گیا انسان کی عقل پختہ ہوتی رہی۔اور آخرزمانہ میں جبکہ حیرت انگیز ایجادات کا ظہور ہوا۔اسی دور میں انسانی عقل کو پختہ و کامل تصور کیا گیا۔ اسی وجہ سے انسانی زندگی کو قدیم و جدید دور میں تقسیم کیا گیا۔اورانسانی بودوباش اور حصول سامان زندگی میں کسی ایجادات کو نہ پاکر یہ ثبوت فراہم کیا گیا۔کہ انسان حیوانات کی ترقی یافتہ ہیئت ہے۔اورانسانی عقل ابتدائی دور میں نامکمل تھی ــــ انسانی زندگی کی تحقیق میں ایک ایسا منظر بھی محسوس ہوتا ہے۔لیکن کائناتِ ارضی کی دیگراشیأ کا تجزیہ کرنے سے یہ نظریہ کامل نہیں ہوسکتا۔وہ تجزیہ یہی ہے۔جیسا کہ بیان ہو چکا۔کہ زمین ابتدأ میں قوی قوت کی حامل تھی۔اسکی ہر شے قوی وجود کی حامل تھی۔البتہ زمین کے اجزأ(ذرات) میں مختلف قسم کی اشیا کا موادتھا ــــ جس میں ایک چیونٹی کا وجود بھی موجود تھا اور ایک ہاتھی کا وجود بھی موجود تھا۔ایک مینڈک کا وجود بھی موجود تھا۔ایک وہیل مچھلی کا وجود بھی موجود تھا۔ایک بلی کا وجود بھی موجود تھا ایک شیر کا وجود بھی موجود تھا۔ایک چوہے کا وجود بھی موجود تھا ایک بن مانس کا وجود بھی موجود تھا۔ایک نرم ونازک پھول کا وجود بھی موجود تھا ایک قوی ہیکل درخت کا وجود بھی موجود تھا ایک نرم ونحیف چوزۂ مرغ کا وجود بھی موجود تھا اور ایک بلند پرواز شکاری عقاب کا وجود بھی موجود تھا۔ ظاہر ہے کائناتِ ارضی کے ہر ذرہ نے ایک بنیادی ذرہ(وجود) سے ابتدأ کی اور آخر تک اسکا وجود کسی دوسری ہیئت میں تبدیل نہ ہوا ــــ ایک چڑیا سے عقاب نہیں بنا۔ایک پھول کے پودے سے دیو ہیئت درخت نہیں بنا۔ایک بلی سے شیر نہیں بنا(حالانکہ انکی جسمانی ہیئت میں بہت حد تک مناسبت پائی جاتی ہے)اسی طرح جو بھی مخلوق زمین پر پائی جاتی ہے۔اسکا وجود ابتدائی ذرۂ ناری سے لے کر اس وجود کے فنا ہونے تک ایک ہی رہا۔اسی طرح بندر اور بن مانس میں مناسبت پائی جاتی ہے۔بندر کی قسم عام ہے اور ہر زمانہ میں بندر کا وجود پایا جاتا ہے۔اسکے ساتھ ہی بن مانس کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔لیکن یہ نظریہ عام نہیں کہ بن مانس بندر کی ترقی یافتہ ہیئت ہے۔!اگرچہ جسمانی ہیئت مین دونوں ہیئتوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔پھر بھی بندر بندر ہے بن مانس بن مانس ہے۔جنکا الگ الگ وجود پایا جاتا ہے۔البتہ دونوں کی ابتدائی پیدائش ایک ہی ترکیب سے ہوتی ہے۔اسی طرح انسانی پیدائشی ترکیب بھی حیوانی ترکیب کے عین مطابق ہے۔اور انسانی پیدائشی ترکیب میں بھی وہی مراحل پائے جاتے ہیں جو عام

حیوانی ترکیب پیدائش میں پائے جاتے ہیں۔اوران تمام پیدائشوں میں ایک ہی ابتدائی ترکیب واضح طور پائی جاتی ہے۔کہ ہروجودایک ذرہ سے پیدا ہوتا ہے۔اسی ذرہ سے اسکا جوڑا پیدا ہوتا ہے۔اسی جوڑے سے ہرقسم کے وجود کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔وہ پھول ہو۔یا درخت دونوں کی ابتدائی پیدائشی ترکیب ایک جیسی ہے۔پھول بھی ذرہ سے (ذرۂ ناری) کونپل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔دیو ہیکل درخت بھی ذرۂ ناری سے کونپل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔پھول کی آخری ہیئت پودے پرختم ہو جاتی ہے۔لیکن یہ وجودالگ ہے۔درخت بھی پودے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔لیکن اس ذرہ کی قوت وسیع ہے۔اسلئے اسکی وسعت درخت تک پہنچتی ہے۔پھول کا پوداتین چار ماہ تک وسعت رکھ کرفنا ہو جاتا ہے۔مگر درخت کے پودے کی وسعت ایک ہزار سال تک وسیع ہے۔حالانکہ دونوں کی ابتدائی پیدائشی ترکیب ایک جیسی ہے۔اسی تصور میں درخت کو پھول کی ترقی یافتہ ہیئت میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔لیکن اس نظریہ میں بنیادی تحقیق غلط ثابت ہوتی ہے۔اسی طرح بلی بھی ایک ذرہ سے بنتی ہے اور بلی کی شکل پر اسکا قرار ہوتا ہے۔یہ ایک الگ وجود ہے۔اسکے مقابل شیر بھی ایک ذرہ سے پیدا ہوتا ہے۔بلی کی ہیئت کے برابر ہونے میں بلی اور شیر کی ہیئت میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔لیکن بلی اور شیر کے ذرہ میں بنیادی طور فرق ہے کہ بلی کے وجود کا ذرہ بلی کی ہیئت کی وسعت رکھتا ہے۔شیر کے ذرہ ناری میں شیر کی قوت و وسعت موجود ہے۔اسطرح باوجود ایک ترکیب میں پیدا ہونے میں اگر چہ مناسبت پائی جاتی ہے۔لیکن ہر وجود کا ذرہ الگ الگ قوت وخاصیت کا حامل ہے۔اسی طرح بندر اور بن مانس کے وجود میں فرق محسوس نہیں ہوتا لیکن بندر کا ذرۂ ناری الگ ہے اس میں بندر جتنی وسعت ہے اور بن مانس کا ذرۂ ناری بن مانس جتنی وسعت رکھتا ہے۔ان دونوں جسموں کی ترکیب پیدائش ایک جیسی ہے۔لیکن وجود الگ الگ قوت کے حامل ہیں۔اسی طرح کائنات کی ہرشے میں ایک الگ الگ قوت وسعت کیلئے الگ الگ ذرات ناری ہیں جن سے الگ الگ وجود بنتے ہیں۔جب کائناتِ ارضی میں ہر وجود کیلئے ایک الگ الگ ذرۂ ناری مقرر ہے تو صرف ایک انسان کیلئے کیوں کوئی علیحدہ وجود (ذرۂ ناری) تسلیم نہیں کیا جاتا۔انسانی ترکیب بھی عام حیوانی ترکیب کے مطابق ہوتی ہے۔یعنی قانون فطرت کے نظام کے مطابق اسکے لئے بھی ایک ذرۂ ناری مقرر ہے جس سے اُسکے وجود کی ابتدا ہوتی ہے اور یہ ذرہ بھی حیوانی

اجسام کے مشابہ اپنے مراحل طے کر کے جیسے بندر اور بن مانس مشابہ ہیں لیکن بندر کی خاصیت وقوت اور ــــ بن مانس کی خاصیت وقوت اور ــــ اسی طرح آخری دور میں بن مانس اور انسانی جسم ترکیبی لحاظ سے مشابہ محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن بن مانس کا ذرہ الگ اسکی خاصیت وقوت الگ اور انسان کا ذرۂ ناری الگ اور اور اسکی وسعت بن مانس کی قوت سے آگے بڑھ کر انسانی ہیئت پر آجاتی ہے۔ یہاں مقصود انسان کی پیدائش ہے اسلیئے انسان اپنی پیدائش میں ایک واحد قوی وعظیم ذرۂ ناری ہے۔ (جسے مغربی محققین ایمیبا کے نام سے تعبیر کرتے ہیں) اسی لئے اسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے کہ تمام حیوانی قوتوں سے بالاتر قوی تر قوت کا ایک مخصوص ذرۂ ناری جو صرف انسانی وجود کیلئے مخصوص ہے اور یہ ذرہ انسانی وجود پر (جہاں اسے ''بشر'' کہا جاتا ہے) مکمل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ انسانِ واحد ہے جو اپنی ابتدائی ہیئت میں ذرۂ ناری سے پانی اور کیچڑ میں نشو نما کی ابتدا کر کے ایک جرثومہ کی ہیئت (عام وجودوں کی مانند) اختیار کرتا ہے۔ جرثومہ سے بڑھ کر ایک کیڑے جتنی ہیئت میں آتا ہے۔ کیڑے سے بڑھ کر مینڈک جتنی ہیئت میں آتا ہے۔ مینڈک سے بڑھ کر خرگوش جتنی ہیئت میں آتا ہے۔ خرگوش سے بڑھ کر بندر جتنی ہیئت میں آتا ہے۔ بندر سے بڑھ کر ایک بن مانس کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ جسمانی اعتبار سے جو خاصیتیں انسانی جسم میں پائی جاتی ہیں انسانی ذرہ ان تمام خاصیتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی مجموعہ کے مطابق انسان کا وجود بنتا ہے اور بن مانس کی ہیئت تک پہنچتا ہے۔ برعکس اسکے بن مانس کے ذرۂ ناری میں بن مانس کی قوت وخاصیت کا مواد ہے۔ اسی مواد کے مطابق بن مانس ــــ بن مانس کی شکل پر قرار کرتا ہے۔ کیونکہ ہر زمانہ میں جبکہ انسان کا وجود ظاہر ہو چکا ہے۔ بن مانس کا وجود پایا جاتا ہے۔ اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں کہ ہر زمانہ میں بن مانس سے انسان بنتا رہا ہو ــــ اسی مقام پر جب بن مانس اور انسان کی جسمانی ساخت کو مشابہ پایا گیا۔ انسان کو بن مانس کی ترقی یافتہ ہیئت تصور کیا گیا۔ حالانکہ دونوں وجودوں کیلئے۔ ابتداً الگ الگ وجود (ذرۂ ناری) ہونا نظامِ کائنات کے مطابق ضروری ہے۔ اسلئے انسان کی ابتداً ایک وجود آدم سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ نظامِ کائنات میں پیدائشی ترکیب کا اٹل قانون ہے۔ کہ ایک ذرہ (ایمیبا) ایک وجود (جوہری یا ناری وجود) ہوتا ہے۔ اسی وجود سے اسکا جوڑا بنتا ہے تو ہر شے کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ اور اسی جوڑے سے کائنات کی

ہر شئے کثیر تعداد میں ظاہر ہوتی جاتی ہے۔

اسی تصور کے ساتھ انسان کو ایک وجود قرار دیا جاتا ہے۔اور یہ وجود اپنے ابتدائی وجود کے اعتبار سے اپنی آخری ہیئت (یعنی بشر یا انسان) اور اپنی ابتدائی پیدائش میں (جہاں سے یہ اپنی ابتدائی مادی زندگی کی ابتدا ٔ کرتا ہے) ایک صحت مند جسم اور قوی عقل کا حامل ہوتا ہے۔اسی واحد انسان سے کثیر آبادی کی ابتدا ہوتی ہے۔یہاں سے انسانی پیدائشی ترکیب بدل جاتی ہے۔کہ بجائے ایک ذرہ کے کیچڑ یا زمینی مواد سے خوراک حاصل کرنے کے انسان نسلی طریقہ پر پیدا ہوتا ہے۔اور ایک جوڑے۔عورت مرد کے اختلاط سے عورت کے رحم میں ایک انسان کی پیدائش شروع ہوتی ہے۔اور یہ سلسلہ برابر جاری ہو جاتا ہے۔اور آئندہ انسانی پیدائش کثرت میں آنا شروع ہو جاتی ہے۔اسی کثرت کی وجہ سے انسان حصول سامان زندگی میں مختلف قسم کی لذتوں سے شناسا ہو کر نئی لذتوں کا احساس کرتا ہے ـــــ رہا یہ سوال کہ قوی عقلی حالت میں اس سے ایجادات کا ظہور نہیں ہوا ـــــ تو یہ ایجادات ماحول اور ضرورت پر منحصر ہیں ـــــ جیسے کہا جاتا ہے ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے'' لیکن ضرورت کا پایا جانا انسانی خواہش پر منحصر ہے۔اور خواہش کا وجود کیسے پیدا ہوتا ہے۔اسکے لئے اسی ابتدائی زندگی کا جائزہ لینا ہے۔

نظامِ کائنات کے مطابق۔ہر شئے کا وجود خود بخود پیدا ہوتا ہے۔مادی ہیئت حاصل کرنے کے ساتھ ہی۔مادی وجود کی نشو نما۔پرورش کیلئے ہر وجود کو غذا کی ضرورت رہتی ہے۔اسلئے ہر وجود جو زمین پر موجود ہوتا ہے۔اسے زندہ رہنے کیلئے غذا کی ضرورت ہے ـــــ ہر شئے ایک ذرہ سے لے کر ایک مقرر وجود تک ترقی کرتی جاتی ہے۔اسکی ترقی کا دارومدار غذا پر ہے۔اور ساتھ ہی اس ترقی کیلئے ایک صحت مند وجود کا قائم رہنا ضروری ہے۔ورنہ ایک وجود قبل از وقت اپنی صحت کھو کر فنا ہو جائیگا۔ کیونکہ اس نظامِ کائنات میں ایک ترکیب یہ بھی پائی جاتی ہے۔کہ ایک وجود کبھی ابتدائی دور میں صحیح غذا حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کمزور ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔حالانکہ اسکے آخری مرحلہ تک ابھی کئی دور باقی ہوتے ہیں۔اور یہی وجود صحت مند حالت میں اپنے آخری مرحلہ تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔بعض وجود نامکمل ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔اور بعض وجود مکمل ہو کر اپنی زندگی کے مراحل طے کرتے ہیں۔ان دونوں حالتوں میں ایک وجود کو خالص غذا کی ضرورت رہتی ہے۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شئے کی پیدائش کیلئے

یہی ایک نظام پایا جاتا ہے۔کہ پیدا ہونا۔غذا حاصل کرنا۔اور اپنی آخری منزل تک پہنچ کر فنا ہو جانا۔اس نظام کے سوائے ہر شے کی پیدائش میں اور کوئی مقصد نہیں پایا جاتا ہے۔جہاں تک غیر شعوری اشیأ۔ جمادات۔نباتات کا تعلق ہے۔یہ اشیأ کائناتی نظام کے مطابق اپنی ضرورتوں کو خود بخود پاتی ہیں ان میں خود غذا یا ضرورت حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں کیونکہ ان میں نہ حرکت ہے۔نہ عقل و ارادہ۔اسلئے بعض اشیأ درمیانی حالت میں ختم ہو جاتی ہیں اور بعض کو ضرورتیں خود بخود میسر آ جاتی ہیں اور اپنی آخری منزل کو پالیتی ہیں۔مثلاً جمادات میں ایک وجود چند اجزأ سے مرکب ہوتا ہے۔یہ اجزأ خود بخود ایک جگہ جمع ہو کر ایک وجود بنا لیتے ہیں۔اگر درمیانی دور میں کوئی حادثہ پیش آئے تو اجزأ منتشر ہو کر ایک وجود کی تشکیل نہیں کر پاتے یا ایک وجود کے تشکیل پانے میں انہیں زندگی قائم رکھنے کیلئے سازگار ماحول میسر نہ ہوا تو یہ وجود تشکیل پانے کے بعد بھی فنا ہو جاتا ہے۔اسی طرح نباتات خود بخود اگتے ہیں۔اگر وقت پر انہیں پانی ہوا۔ماحول۔دھوپ میسر نہ ہو تو یہ ارادۃً اپنی زندگی کیلئے غذا حاصل نہیں کر سکتے۔جب ارادہ نہ ہوا۔تو خواہش بھی نہیں ہو سکتی۔ارادہ و خواہش۔عقل پر منحصر ہے۔ان اشیأ میں عقل نہیں اسلئے انکی فطری زندگی میں ایسی ہی ترکیب کارفرما ہے۔نہ عقل ہوئی۔نہ خواہش رہی۔خواہش کا وجود نہ ہوا۔تو ضرورت کا وجود بھی نہ رہا۔۔۔ ضرورت نہ رہی تو ایجاد کا موقع بھی نہ رہا۔اسلئے ایسی اشیأ کا مقصدِ زندگی ماحول اور وقت کا محتاج ہے۔اسی لئے ان اشیأ کے وجود کو اہمیت حاصل نہیں۔نہ ہی انکا اقتدار قائم ہے۔دوسری پیدائش حیوانات کی ہے۔یہ متحرک اور کسی حد تک ذی شعور ہیں۔لیکن یہ پیدائش بھی۔عقل سالم نہ ہونے کے باعث اپنی غذا میں محتاج ہے۔انکا بھی اقتدار قائم نہیں۔اسلئے اپنی احتیاج کے اعتبار سے یہ پیدائش انسان کی محکوم ہے۔۔۔ اسی طرح انسان بھی ایک وجود رکھتا ہے۔اسکی پیدائش کے ساتھ ہی اسے غذا کی ضرورت رہی۔عام پیدائش کے مطابق جب تک انسان حیوانی ہیئت میں بڑھتا رہا۔تو یہ عام حیوانوں کی مانند اپنی غذا پاتا رہا۔یعنی۔گھاس۔پتے۔پانی وغیرہ۔اسی غذا سے اسکی نشونما ہوتی رہی۔چونکہ حیوانوں کی عقل بھی سالم نہیں اسلئے انسان بھی اسی ناپختہ عقل کے ساتھ عام حیوانوں کی طرح اپنی غذا پاتا رہا۔اور آخری مرحلہ پر جب اس نے مکمل انسانی ہیئت اختیار کی اسوقت اسکی عقل پختہ ہو چکی تھی۔اب انسانی دور میں داخل ہونے کے ساتھ انسان نے اپنی غذا کو حافظہ میں محفوظ کر کے اپنے ارادے سے اسی غذا کو (جو

وہ حیوانی حالت میں استعمال کر رہا تھا) استعمال کرتا رہا۔اس مقام پر انسان نے پہلی بار اپنے ارادے اور خواہش کو استعمال کرنا شروع کیا۔لیکن یہ ایک مقررہ غذا گھاس۔ پتے۔ پانی کا عادی تھا اسلئے اپنی صحت کو برقرار رکھنے کیلئے نہ اس سے بڑھ کر اسے کسی اور غذا کی ضرورت تھی نہ ہی اسے کسی اور غذا کی جستجو کی تحریک ہوئی ___ البتہ اپنی عادی اور مستعملہ غذا تک ہی اسکی خواہش اور جستجو محدود رہی ___ درحقیقت حیوانی دور کی غذا اسکی فطری اور انسانی غذا تھی جسے انسان نے ہر حال میں استعمال کرنا ہے۔ کیونکہ انسان غذائی اعتبار سے حیوان ناطق ہے۔حیوانی اور انسانی فرق صرف عقل وشعور کی پختگی سے پیدا ہوا ہے۔ورنہ انسان۔حیوانی اور انسانی دور میں یکساں غذائی ضرورت رکھتا ہے۔انسانی صفت میں آنے سے اسکی غذا میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔جیسے ایک انسانی بچہ ابتدائی دور میں عقل وشعور میں پختہ نہیں۔اسے غذا دی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ بچہ پختگیٔ عقل کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔لیکن اسکی غذا وہی ہوتی ہے۔جو بچپن میں ہوتی ہے۔فرق صرف عقل وشعور کی پختگی میں پایا جاتا ہے۔

ایک انسان سے اسکا جوڑا بھی ساتھ ساتھ پرورش پاتا رہا۔گویا یہ ایک انسان نہیں بلکہ دو انسان تھے(نر و مادہ) انسانی ہیئت میں دونوں انسان مکمل عقل کے مالک تھے۔یہ کہنا کسی حد تک مشکل ہے کہ حیوانی دور میں نظام کائنات کے مطابق اس جوڑے سے کوئی اور وجود (رجالِ کثیر) ہوا یا نہیں۔ تاہم اتنا اندازہ ہوسکتا ہے۔کہ یہ وجود انسانی تھا۔اس وجود کی تکمیل انسانی ہیئت پر ہی ہونی تھی اسلئے نامکمل وجود کی ہیئت میں کسی دوسرے وجود کا ہونا ممکن نہیں ہوسکتا۔اسلئے یہ تصور کیا جاسکتا ہے۔کہ انسانی ہیئت کی تکمیل کے بعد ہی کسی دوسرے وجود کی پیدائش ہوسکتی ہے۔یہ امر فطری ہے۔کہ دو وجودوں کے اختلاط سے دوسرا وجود پیدا ہوتا ہے۔اس سے قبل اگرچہ جسمانی حالت میں انسانی وجود حیوانی ہیئت میں پایا جاتا تھا لیکن غیر مکمل وجود کی وجہ سے ان میں شہوت کے آثار بھی نامکمل تھے اسلئے اس قسم کی تحریک کا نہ پایا جانا بھی قرین قیاس ہوسکتا ہے۔جسوجہ سے اس انسانی جوڑے نے باہم اختلاط کی طرف رجوع نہیں کیا۔اور ان سے کوئی دوسرا وجود ظاہر نہیں ہوا۔یہ امر فطری ہے۔کہ پیدائشی نظام کے ماتحت نر و مادہ میں باہمی جوڑ اور اختلاط کا جذبہ پایا جاتا ہے۔اسلئے جسمانی تکمیل کے ساتھ ہی اس جوڑے میں شہوانی اثرات کا ابھر آنا ضروری تھا ___ جس سے اس جوڑے سے انسانی آبادی کا دور ایک۔دو۔تین چار

ـــــ سے شروع ہونے لگا اور ہر پیدائش کی جسمانی و عقلی تکمیل کے ساتھ یہ سلسلہ نسلی شروع ہوا۔ اور انسانی آبادی کثرت کی طرف بڑھنے لگی۔ یہ انسانی آبادی زمین کے کسی خطہ پر مقیم تھی۔ زمین وسیع تھی۔ اسلئے انسان کی نقل مکانی۔ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں رکاوٹ نہ تھی۔ رفتہ رفتہ آبادی بڑھنے کے ساتھ انسانی آبادی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگی۔ اور اس دور تک انکی غذا گھاس۔ پتے۔ پھل وغیرہ ہی تھے۔ لیکن زمین کی وسعتوں میں گھاس۔ پتوں۔ پھلوں میں کئی قسمیں موجود تھیں۔ اسلئے انتقال مکانی کے ساتھ ایک جگہ کی غذا کے مقابلہ میں دوسری جگہ کی غذا کی لذت میں فرق محسوس ہوا۔ اس فرق نے انسان میں لذت کا احساس پیدا کیا۔ اور انسان نے ایک عادی لذت کے ساتھ دوسری لذت کو جانا۔ اسی احساس نے آئندہ دوسری لذت کے حصول کی خواہش پیدا کر دی۔ انسان نے دوسری لذت کو حافظہ میں محفوظ کر لیا اور وقت پر اسی لذت کے تابع نئی غذا کی جستجو کی۔ اسی جستجو اور نئی لذت کے پانے کو ایجاد کہا جاتا ہے۔ یہیں سے ایجاد کا دور ماحول کے مطابق شروع ہوتا ہے۔ چونکہ انسانی ضرورت میں اسکی غذا انسانی نشو نما کیلئے کافی میسر ہے اور آسانی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور انسان اس سے زیادہ آسانی کا متمنی بھی نہیں اسلئے مزید ایجاد کا نہ موقع ہے نہ ضرورت۔

انسانی آبادی بڑھتی گئی اور زمین کی وسعتوں میں پھیلتی گئی۔ انسان۔ صحت مند۔ خوش حال۔ مطمئن تھا۔ کیونکہ انسانی جسم قوی صحت مند ہے۔ اسے وافر غذا میسر تھی۔ اسلئے اسی حد میں اسکی عقل کو کام کرنے کی ضرورت رہی اور ماحول کے مطابق اسے ابھی چند مختلف غذاؤں سے سابقہ پڑا ہے۔ اسلئے جب تک ماحول کے مطابق کسی دوسری غذا یا حصول میں رکاوٹ محسوس نہ ہو عقل کسی نئی ایجاد کی زحمت اٹھانی گوارا نہیں کرتی۔ اور اب ایک زمانہ آیا۔ کہ انسان دریاؤں کے کنارے۔ جنگلوں میں آباد ہونے لگا۔ تو اسے نئی کیفیتوں سے سابقہ پڑا۔ اور ایسی اشیأ جو انسان نے اپنی غذا کیلئے نفع بخش سمجھی اسکی جستجو کرنے لگا۔ جنگلوں کے جانور۔ ہرن۔ پرند دیکھے۔ دریائی مچھلی دیکھی۔ فطری طور جو چیز انسانی لذت میں خوش ذائقہ محسوس ہوئی اسکی تلاش و جستجو کی۔ جو شے اسے مفید نظر آئی اسے حاصل کیا جو شے اسے مفید نظر نہ آئی اسکی طرف مائل نہ ہوا ـــــ انسانی قوت کا ابتدائی صحیح اندازہ کیا جائے۔ تو انسان غیر معمولی قوت کا حامل انسان تصور میں آتا ہے۔ کہ ایک جنگلی جانور کو پکڑنے کیلئے اسے وقتی طور تیر چلانے کی ضرورت

نہیں۔ بلکہ یہ انسان طاقت ور ہے۔ میلوں تیز رفتار دوڑ سکتا ہے اور ایک تیز رفتار ہرن کو دوڑ کر بھی پکڑ سکتا ہے۔ شیر سے بھی مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسے پچھاڑ سکتا ہے۔ یہ قوتیں مبالغہ نہیں۔ بلکہ انسانی ابتدائی قوت کا صحیح تصور کیا جائے۔ تو یہ چیز آسانی سے تسلیم کی جاسکتی ہے۔ ایجاد ـــــ حادثاتی طور۔ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جس میں۔ اچانک حادثاتی طور عقل و حافظہ کام کر جاتا ہے۔ مثلاً ایک انسان ایک ہرن کو دیکھ کر اسکے پیچھے دوڑتا ہے۔ اسکے دل میں ہرن پکڑنے کی شدید تڑپ ہوتی ہے۔ ہرن کا پیچھا کرنے کے ساتھ ہی ایک آدمی غیر ارادی طور (لیکن عقل کی تحریک پر) پتھر اٹھا کر ہرن پر دے مارتا ہے۔ تو ہرن پتھر لگ کر گر جاتا ہے۔ اور آدمی اسے آسانی سے پکڑ لیتا ہے۔ یہاں ایجاد میں سب سے پہلے ماحول میں ہرن اور پتھر ہے۔ لذت کی جستجو ہرن پکڑنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ انسان اپنی قوت سے ہرن پکڑتا ہے۔ لیکن قوت خرچ کرنے کے ساتھ حصول کے جذبہ میں انسان آسانی بھی چاہتا ہے۔ تو یہ کیفیتیں کسی آسان ذریعہ کی تحریک دیتی ہیں۔ تو اچانک انسان غیر ارادی طور پر پتھر اٹھا کر دے مارتا ہے۔ پتھر ہرن پر لگ جاتا ہے۔ اور ہرن آسانی سے پکڑا جاتا ہے۔ اب یہاں ماحول نے نئی غذا۔ یعنی ہرن اور لذت کا حصول یعنی پتھر مہیا کر دیا۔ تو حادثاتی طور ایجاد ظہور پذیر ہوئی۔ ورنہ اگر ہرن نہ ہوتا۔ پتھر نہ ہوتا۔ تو نہ لذت پیدا ہوتی۔ نہ لذت کا حصول ہوتا۔ نہ پتھر کی ایجاد ہوتی ـــــ اسی حصولِ لذت کے جذبہ نے پتھر کو استعمال کیا اور لذت کے حصول کی تڑپ نے مزید آسانی کے لئے عقل و حافظہ بر سرِ عمل ہونے لگے۔ کسی نے پتھر کو تراش کر چھوٹے گولے بنائے۔ کسی نے ایک پتھر کے ٹکڑے کو تیز دھار کی شکل دے دی۔ کسی نے درخت کی ٹہنی میں پتھر باندھ کر زیادہ دور مار گولہ بنایا۔ اسطرح پتھر کو استعمال کرنے کی کئی ترکیبیں ظہور پذیر ہونے لگیں۔ یہ ایجاد اس ایجاد سے کم نہیں جس ایجاد میں ایک دشمن دوسرے دشمن کو دور مار راکٹ پھینک کر ہلاک کرنے کی حیرت انگیز ایجاد کرتا ہے۔ کیونکہ راکٹ کی ایجاد میں۔ ماحول۔ اشیاءٔ نوادر۔ دشمنی۔ اقتدار کی ہوس میسر ہو چکے ہیں۔ ایسی کیفیتیں اس زمانہ قدیم میں نہ پیدا ہو سکتی تھیں۔ نہ انکی ضرورت تھی۔ نہ انکی ایجاد کا کوئی موقع تھا۔ ورنہ عقل کا فعل مساوی بلکہ اس زمانہ میں قوی تھا ـــــ کیونکہ انسان اپنے ابتدائی دور میں۔ قوی بنیادی۔ مرکب و جوہر کے اعتبار سے۔ جسمانی۔ عقلی طور پر قوی جسمانی۔ عقلی قوت کا حامل تھا۔ اسلئے اِسکی عقلی قوت ابتداًمیں بھی قوی و سالم تھی ـــــ

انسانی حصولِ سامان زندگی کا مقصد صرف۔صحت مند جسم۔صحت مند عقلی قوت کا برقرار رکھنا۔اور اپنی ہر ضرورت کو آسانی سے حاصل کرنا تھا۔درحقیقت انسان میں قوتِ عقلی کا پایا جانا۔صرف اس غرض سے ہے۔کہ انسان اپنی عقل استعمال کر کے آسانی سے اپنی ضرورت کی غذا حاصل کر سکے۔جس سے حصولِ سامانِ زندگی میں کسی قسم کی روکاوٹ یا دشواری نہ پیدا ہو ـــــ یہ ظاہر ہے۔کہ انسانی غذا جب تک فطری غذا گھاس۔پات۔پھل وغیرہ ہیں۔انسان کو اپنی غذا کے حصول میں نہ کوئی روکاوٹ ہے۔نہ کوئی دشواری۔کیونکہ یہ اشیأ کثرت سے وافر مقدار میں انسان کو حاصل تھیں۔جسکے لئے ذہن کو کام میں لانے کی ضرورت نہ تھی۔سوائے اسکے ذہن صرف اشیأ کی کیفیت کو محفوظ کرتا ہے۔اور اسی محفوظ کیفیت کے مطابق بلا جد و جہد۔بلا جستجو صرف اپنی غذا پہچان کر اسے استعمال کرتا ہے۔یہ وہ زمانہ ہے۔جب انسان ابتدائی دور میں پاکیزہ جسم اور فطری زندگی پر چل رہا تھا۔اِسے کسی نئی لذت۔نئی غذا۔یا اسکے حصول میں آسانی کا احساس نہ تھا ـــــ نہ ہی اسے ان ضرورتوں میں جد و جہد یا شدید جستجو کی ضرورت محسوس ہوئی۔اسطرح مدتوں انسان۔صحت مند جسم۔صحت مند خیال اور پاکیزہ ماحول میں زندگی بسر کرتا رہا ـــــ اس فطری پیدائش۔فطری سامان زندگی۔اور فطری ماحول کو ہی نظامِ فطرت یا قانونِ فطرت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔کہ ہر شے کا وجود بغیر کسی خلل کے پیدا ہو رہا ہے۔اور اپنی زندگی کے مراحل طے کر کے ایک انجام تک پہنچ جاتا ہے۔اور یہی اس کائنات کی پیدائش کا مقصد۔قانون۔اور بناوٹ ہے۔جس بناوٹ اور طرز پر اس کائنات کا نظام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چلنا چاہیے یہاں تک کہ اس تمام نظامِ کائنات کا عمل تکمیل ہو کر اسکا انجام ظاہر ہو ـــــ لیکن ایسا نہیں ہوا ـــــ ہر زمانہ میں انسان نے گھاس۔پتے پھل وغیرہ پر ہی اکتفا نہیں کیا۔بلکہ اسکی ضرورتوں میں توسیع ہوئی۔انسان نے مختلف قسم کی غذائیں استعمال کیں۔انکے لئے شدید جد و جہد کی۔انکے حصول میں شدید جستجو کی۔یہاں تک کہ انسان نے اپنی ضرورت سے زیادہ حصول کی کوشش کی۔ضرورت سے زیادہ حصول میں۔کسی کے پاس زیادہ سامانِ زندگی جمع ہونے لگا۔اور کسی کو سامانِ زندگی حاصل ہونے میں دشواری پیدا ہونے لگی۔اس طرح انسانی آبادی میں ایک غالب دوسرا مغلوب ایک طاقتور دوسرا کمزور ہونے لگا۔ایک غنی دوسرا محتاج ہونے لگا۔نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کو اپنے حصول میں عقل سے کام لینا پڑا۔اس طرح بعض موقعوں پر ایجادات کا

ظہور ہونے لگا۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ انسان اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کیلئے ہی۔ اپنی غذا۔ اپنی لذتوں۔ اپنی خواہشات کی تکمیل میں۔ اپنے حصولِ سامان زندگی کو محدود رکھتا تو ہر انسان کی ایجاد انسانی مخلوق کیلئے۔ سودمند رہتی۔ لیکن حصولِ لذت۔ تکمیل خواہش۔ اور جدوجہد نے انسان کو زیادہ حصول اور پس انداز (جمع) کرنے کی تحریک دے دی۔ اس تحریک نے انسان میں حرص۔ لالچ۔ اور ناجائز طریقِ حصول اور غلبہ واقتدارِ ذاتی کا جذبہ پیدا کر دیا ــــ اور ہر ایجاد کو صرف اپنی ذات کے نفع کیلئے وقف کر کے۔ زائد حصول کی خاطر انسان انسان کو محکوم بنانے لگا۔ اسطرح نظامِ فطرت میں خلل واقع ہوا۔ ایک انسان ضرورت سے زیادہ حاصل کر رہا ہے۔ اور دوسرا اپنی ذاتی ضرورت میں محتاج۔ محروم و عاجز ہو گیا۔ جس سے مقصدِ کائنات۔ مقصد زندگی۔ نظامِ زندگی میں خلل واقع ہوا۔ اس نظامِ زندگی میں انسانی پیدائش کا مقصد۔ مخلوق کا پیدا ہونا ــــ اور آئندہ ہر پیدائش کا صحت مند جسم صحت مند عقل ــــ اور صحت مند ماحول میں زندگی بسر کرنا ہے۔ اور جب انسان حصولِ سامان زندگی میں اپنی لذتوں کو وسعت دے۔ اور حصولِ لذت کیلئے مختلف ذرائع۔ ایجاد کا استعمال کر کے ان ذرائع اور ایجادات سے عام مخلوق بھی فائدہ حاصل کرے تو یہ نظام صحیح نظام فطرت یا صحیح قانون فطرت کہلاتا ہے۔ اور جب انسان حصولِ سامانِ زندگی میں اپنی لذتوں سے مغلوب ہو کر زائد حصول کیلئے۔ عام طرزِ زندگی سے ہٹ کر ہر ذریعہ کو صرف اپنی ذات کیلئے وقف کر کے سامانِ زندگی جمع کر کے دوسروں کی ضرورتوں کو تنگ کر دے۔ تو اس نظامِ فطرت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ انسان اپنی ضرورتیں نہ پا کر صحت مند جسم۔ صحت مند عقل برقرار نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ جسمانی۔ ذہنی طور کمزور ہو جاتا ہے۔ اسطرح انسانی آبادی میں خلل پیدا ہونے سے فساد و خونریزی پیدا ہو جاتی ہے۔ جسے غیر فطری نظام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس غیر فطری نظام کا وجود خود انسان سے پیدا ہوتا ہے۔ گویا انسان خود نظامِ فطرت سے باہر ہو کر ایک غلط ماحول پیدا کر کے مقصد کائنات۔ مقصد تخلیق۔ مقصد زندگی میں بدنظمی پیدا کر کے ہر مخلوق کیلئے اضطراب و بے اطمینانی پیدا کرتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ انسان احساس لذت میں۔ حصولِ لذت میں۔ جو ذرائع۔ ایجادات یا طریق حصول اختیار کرے۔ وہ قانون فطرت کی حدود میں پابند ہوں۔ اور اسقدر حد سے باہر

نہ جائیں۔جن سے انسان۔غیر فطری زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو۔اس طریق یا قانونِ فطرت کو جس سے ہر انسان کی غیر فطری زندگی کو پابند کر کے احاطہ میں لا کر فطری نظامِ کائنات پر چلنے کیلئے مجبور کیا جائے اِسے دین یا دینِ اسلام کہا جاتا ہے۔یعنی اول دانستہ طور انسان کا حصولِ سامانِ زندگی میں اعتدال اختیار کرنا ــــ یا بصورتِ دیگر انسان کو اس فطری نظام کا بہ جبر پابند کرنا۔تا کہ نظامِ کائنات میں۔مقصد کائنات۔نظام کائنات۔مقصد زندگی اور حصول میں خلل واقع نہ ہو۔یہ دین یا دین اسلام ایک فطری طریقِ زندگی ہے۔جو کائنات کی پیدائش میں اولاً جاری وساری ہے۔بہ الفاظ دیگر اس کائنات اور مخلوقِ کائنات کی پیدائشی ترکیب۔اور مخلوق کی زندگی و بقا میں جو ترکیب جاری ہے۔اسے دینِ اسلام کہا جاتا ہے۔سو اس کائنات کی ہر مخلوق پر لازم ہے۔کہ وہ اپنی زندگی کو صحت مند حالت میں رکھنے کے لئے اسی طرح چلے جسطرح اسے پیدائشی طور چلنے پر مامور کیا گیا۔کہ پیدا ہو ــــ جسم وعقل کو اپنی حقیقی حالت میں قوی۔صحت مند رکھے ــــ اور اپنی توانائی قائم رکھنے کیلئے کائنات میں جتنا حق اسے حاصل ہے اسی حد تک وہ سامانِ زندگی حاصل کرے۔اور جب اسے لذت کا احساس ہو تو اپنی لذتوں کو اسی حد تک حاصل کرے۔جس حد تک اسے دوام و بقا کیلئے ضرورت اور حق ہے ــــ گویا کائناتِ خلقت کے نظام میں خلل نہ ڈالنا ــــ مقصدِ زندگی کو کائنات کی تنظیم کا پابند رکھ کر حصولِ سامان زندگی میں اعتدال قائم رکھنا۔یہ چیز انسانی فرائض میں شامل ہے۔ایسے انسان کو دینِ اسلام کا پابند ''مُسلِم'' کہا جاتا ہے۔مسلم کے معنی فرمانبردار ــــ یا پابندی کرنے والا نظامِ فطرت کا ــــ اسکے برعکس۔لذت کا غلام۔خواہشات کو ناجائز طریقہ پر پورا کرنے والا۔اور نظامِ فطرت کے خلاف کرنے والا انسان ــــ ''باغی''۔حد سے تجاوز کرنے والا کہلاتا ہے ــــ

انسانی تواریخ کا مطالعہ کرنے سے انسانی زندگی کے چند دور ہماری نظروں میں ہیں۔جس دور میں پتھروں کی نقاشی سے حیوانی کھالوں پر تحریر سے واقعات کو محفوظ کیا گیا۔ورنہ ابتدائی زمانے کی تاریخ یا زمانے کے واقعات کسی حالت میں بھی ہمارے علم میں نہیں آسکتے۔سوائے اسکے کہ محققین اپنی عقلی قیاس آرائی سے قدیم زمانہ کا کوئی موہوم تصور دیں ــــ جس وجہ سے ہم ابتدائی زمانہ کے لوگوں کی زندگی کا اصلی تصور نہیں پا سکتے اور جو تصورات ان لوگوں کی زندگی کے دیئے گئے ہیں وہ کسی طرح بھی

اصلی معنوں میں کامل طور قابلِ تسلیم نہیں۔ جبکہ ہمیں ان لوگوں کی طرز معاشرت کا تصور کسی تاریخ سے حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ البتہ کائنات کی ابتدائی پیدائش۔ زمین کے قوی جواہر و مرکبات سے ہم یہ تصور لے سکتے ہیں۔ کہ ابتدائی انسان پیدائشی اعتبار سے۔ قوی۔ کامل۔ صحت مند۔ اعلےٰ خصوصیات کا حامل انسان اور پابندِ نظامِ فطرت پابندِ دین اسلام تھا۔ اور جوں جوں آبادی بڑھتی گئی۔ لوگ زمین کی وسعتوں میں پھیلنے لگے انہیں لذت کا احساس ہوا۔ لذت نے خواہش پیدا کی۔ انسان نے حصولِ سامانِ زندگی کو وسعت دینی شروع کی۔ تو اس وقت انسانی آبادی میں مخلوق دو قسموں دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک وہ جنہوں نے لذت کا احساس پایا۔ اور اس لذت کی تکمیل کی جستجو کی لیکن نظامِ کائنات کے حدود کے اندر رہ کر صرف اپنی ضرورت کے مطابق حاصل کر کے نظامِ فطرت میں خلل پیدا ہونے نہ دیا وہ مسلم کہلائے۔ اور جنہوں نے لذت کا احساس پایا۔ اور لذت کے حصول میں خواہشات کے غلبہ میں نظامِ فطرت کی حدود سے باہر ہو کر ضرورت سے زیادہ حصول۔ اور لذت کے غلبہ میں مغلوب ہو کر زائد حصول کی خواہش کی۔ زائد حصول میں آرام طلبی کے عادی ہو گئے۔ اسطرح اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے دوسرے لوگوں کو محکوم بنا کر ان سے اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے رہے۔ یہ گروہ ''باغی'' کہلایا۔ انہیں دو گروہوں کی دوسری قسم سے زمین پر نظامِ کائنات کی مخالفت کی گئی۔ اسی گروہ سے فساد و خونریزی کی ابتدا ہوتی رہی۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ کائنات میں نظامِ فطرت کو بحال کیا جائے۔ تاکہ انسانی مقصدِ زندگی کی بہ طریقِ احسن تکمیل ہو ـــــ جسکے لئے اس نظامِ کائنات میں اصلاح کا مواد بھی ازلی طور پر موجود تھا۔ وہ انسانی پیدائشی اصلاحی جبلت (خصلت یا عادت) تھی جو ہر انسان میں اسکی پیدائش کے ساتھ ہی اسے حاصل تھی۔ کہ انسان خود نظام فطرت کے مطابق پیدا ہوا۔ اس میں نظام فطرت کی مطابقت کرنے کا فطری مادّہ موجود تھا۔ اسی فطری مادّہ کے زیرِ اثر مخلوق میں ایسے انسان بھی تھے جنہیں خیر و شر میں تمیز کرنے کی قوی صلاحیت تھی۔ وہ اسلام و بغاوت کو سمجھتے تھے۔ اسلئے ایسے لوگوں نے لوگوں کی اصلاح کے لئے ایک تبلیغی تحریک شروع کر دی۔ اور جب لذتِ نفس سے مغلوب انسانوں کی کثرت ہونے لگی تو ایسے لوگوں نے ان باغی لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ان لوگوں کو ''مصلح'' کہا گیا ـــــ ان لوگوں نے ماحول اور لوگوں کی عادات کے مطابق چند طریق اختراع کئے جن طریقوں سے انسان کی

اصلاح کرنی مقصود تھی۔ یہ طریق صرف اسلئے اختیار کئے گئے۔ تاکہ لوگ بغاوت سے باز آ کر دینِ اسلام اختیار کریں۔ اس طریق میں۔ زمانہ۔ ماحول اور لوگوں کے حالات کے مطابق اصلاحی اصول پیش کئے گئے ــــ یہاں اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ لذتِ نفس سے مغلوب انسان جو اپنی لذتوں کے حصول میں شدت اختیار کر جائے۔ کسی پند و نصیحت کسی اصلاحی اصول کا پابند رہنا کسی طرح بھی پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کیلئے۔ ایک مصلح میں۔ اعلیٰ صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے۔ جس میں جسمانی۔ روحانی کشش پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ مخاطب کو ایسے شخص کی کلام سننے یا اس پر توجہ دینے کی تحریک ہو ــــ اور بعض طبیعتیں اپنی لذتوں اور آسائشوں کو ترک کرنے میں کسی مبلغ کی کلام کو سننے۔ سمجھنے کے بعد بھی آمادہ نہیں ہوتیں۔ ایسے لوگوں سے بھی ماحول اور نظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اسلئے ایسے لوگوں کو بہ جبر قانون فطرت (دین اسلام) کا پابند کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جسکے لئے ایک مصلح کو طاقت اور اقتدار حاصل ہونا بھی لازمی ہے۔ اعلیٰ صلاحیت میں۔ پاکیزہ کردار اور اپنی ذات سے کلی طور نظامِ فطرت کی پابندی کرنا۔ یعنی پاکیزہ کردار میں اپنی ذہنی قوتوں کو قوی حالت میں رکھنا۔ انسانی ذہنی قوت میں ایک روحانی[1] (الیکٹرک سٹی) قوت پائی جاتی ہے۔ اس قوت کو قوی بنانے کا طریقہ تنہائی۔ یکسوئی میں رہ کر ذہن کو پر سکون رکھنے کی کوشش کرنا ــــ قوتِ ارادی سے ذہن کو طاقتور بنانا۔ یعنی کسی فعل کے کرنے میں جو بظاہر انسانی قوت سے باہر سمجھا جائے۔ ایسی قوتوں پر ارادہ کے ذریعہ غلبہ پانا ــــ اسطرح انسان اپنے ارادہ اور ذہن سے کسی انسان کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے اور اس پر اپنی بات کا اثر ڈال سکتا ہے۔ یہ خصوصیت اور قوت انسان کو پیدائشی طور حاصل ہوتی ہے۔ کہ وہ ارادہ اور ذہنی قوی قوت کا پیدائشی طور حامل ہوتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی نظامِ فطرت کی پابندی میں اپنی جسمانی صحت کو برقرار رکھنا۔ جس میں خالص فطری غذا گھاس۔ پتے۔ پھل وغیرہ اعتدال کے ساتھ صرف ضرورت کے مطابق استعمال کرنا۔ اسطرح انسانی صحت قائم رہ کر جسمانی کشش بڑھتی ہے۔ اور جسمانی صحت سے ہی ذہنی صحت بھی بحال رہتی ہے۔

---

[1] تفصیل آگے صفحہ ۲۷۳ پر آئے گی

نظامِ فطرت کی پابندی میں زیادہ حصول کی خواہش میں ذہن اور جسمانی قوت کو بے جا استعمال نہ کرنے سے جسمانی ذہنی قوت علےٰ حالہٖ برقرار رہتی ہے۔جس سے ایک مصلح کی انسانی قوت میں جلا پیدا ہوتی ہے۔اور وہ تبلیغ میں کسی باغی انسان کی اصلاح کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔اور اگر اس حالت میں ایک انسان اپنی ضد اور بغاوت پر قائم رہے۔تو اُسے بجبر اصلاح کی طرف لانا ضروری ہے۔جس کیلئے طاقت اور اقتدار کی ضرورت ہوتی ہے ___ پاکیزہ کردار اصلاح کی بنیاد اور ابتدأ ہے۔اگر انسان پاکیزہ کردار نہ ہو تو وہ کسی ذریعہ سے بھی اصلاح میں کامل و کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔پاکیزہ کردار اور جسمانی صحت مندی سے ایک مصلح لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے اپنی حمایت میں لیکر ایک جماعت تشکیل دیتا ہے۔جس سے رفتہ رفتہ جماعت وسعت پذیر ہو کر کثرت میں ہو جاتی ہے۔چونکہ یہ جماعت ایک مصلح کے لائحہ عمل پر کاربند رہ کر صالح جماعت بنتی ہے۔تو اس جماعت کی انسانی خصوصیات۔قوت و اقتدار ذاتی۔قوی ہو جاتی ہے۔اسی قوت سے یہ جماعت غلبہ واقتدار حاصل کر لیتی ہے۔اسی غلبہ واقتدار سے ایک مصلح لوگوں کو مغلوب کر کے اپنے زیرِ نگراں کر کے انکی اصلاح کر کے اپنی جماعت میں داخل کرتا ہے۔یہ اقتدار و غلبہ اور کسی کو مغلوب کر کے اپنا محکوم بنانا کسی غرض سے نہیں۔سوائے اسکے کہ اس میں ایک انسان کی اصلاح وفلاح مقصود ہو ___ اسطرح ایک مصلح کی تبلیغ سے رفتہ رفتہ از سرِ نو انسانی آبادی نظام فطرت یا دینِ اسلام کی پابند ہو کر پھر سے کائنات فطرت میں ایک خالص اور فطری نظام کا دور شروع ہو کر مقصد کائنات اور مقصد زندگی کی تکمیل شروع ہوتی ہے۔یہی سلسلہ انسانی آبادی میں اکثر جاری رہا ___ جس سے انسانی آبادی کو دین اسلام کا پابند کیا جاتا رہا ___ یا دین اسلام کا اجرأ ہوتا رہا۔اسی دین اسلام کو اکثر قوموں کی مخصوص ہستیوں نے پیش کیا۔جنہیں محقق۔لیڈر یا سربراہ کہا گیا۔

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔گزشتہ قوموں میں اکثر مصلح لوگ پیدا ہوتے رہے۔جو لوگوں کی اصلاح کرتے رہے۔اور بعض ایسی ہستیاں بھی پیدا ہوتی رہیں جنہیں نبی یا رسول کہا گیا ___ ان میں مصلح ایک عام انسان کی سی حیثیت رکھتا ہے۔جس میں انسانی پیدائشی خصوصیتیں۔اور قوتیں خالص اور قوی رہیں ایسے لوگوں نے ذاتی طور انسانی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔اور زمانہ۔ماحول اور لوگوں کے حالات کے مطابق چند اصلاحی اصول وضع کیے یہ اصول انکے ذاتی وضع کردہ اصول تھے جو زمانہ۔ماحول۔اور

آئندہ لوگوں کے حالات کے ساتھ بدلتے رہے اِسے عجمی اصطلاح میں مذہب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ مذہب سے مراد۔ محققین (مصلح) کے چند عقلی اختراع کردہ اصول جو ایک مصلح ایک قوم کیلئے وضع کرتا ہے۔ اس میں لوگوں کی عادتوں اور حالاتِ زمانہ کے مطابق ـــ وہ مادی طریق اختیار کئے جاتے ہیں۔ جن سے معاشرے کی اصلاح ہو ـــ جیسے۔ انسان کو جس قدر اپنی زندگی کی بقا کیلئے سامان زندگی کی ضرورت ہے۔ اسی قدر حاصل کرے۔ اس حصول کی اس حد تک وسعت ہے۔ جہاں تک کہ اس قدر زیادہ حاصل نہ کیا جائے۔ جو اپنی ضرورت سے اس قدر زیادہ ہو کہ دوسرا فرد اپنی ضرورت پانے اور حاصل کرنے میں عاجز ہو۔ اسکا مطلب یہ کہ مال اس حد تک جمع کیا جا سکتا ہے۔ جس حد تک افراد میں مال کی فراوانی ہو اور ہر شے عام اور آسانی سے مہیا ہو سکتی ہو۔ مثال کے طور ایک قوم کی آبادی میں سامانِ زندگی کی بہتات (کثرت) اتنی ہے۔ کہ اگر ایک شخص اپنی ضرورت سے سوئے ایک سو افراد کی ضرورت کا مال اپنے پاس جمع کرے۔ تو بھی ہر شخص اتنا ہی مال مزید پا سکتا ہے۔ اور ہر شخص کو اپنی ضرورت پانے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی ایسی حالت میں ایک انسان اپنی قوت۔ تدبر۔ محنت سے جو بھی حاصل کر سکے ایسا حصول قانون فطرت کے عین مطابق ہوگا۔ لیکن اسکے لئے ایک لازمی شرط یہ ہے۔ کہ انسان کو ایک صحت مند۔ قوی جسم کی ضرورت ہے۔ اپنی صحت کو برقرار رکھنا ہی انسانی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔ اسکے لئے ہر شخص کو جبکہ زمین پر وافر مقدار میں سامانِ زندگی پایا جاتا ہے۔ اتنا ہی حاصل کرنا ضروری ہے جتنا اسے صبح سے شام تک ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک شخص مال کی فراوانی میں ہر صبح و شام اپنی ضرورت پا سکتا ہے۔ اسطرح اگر زمانہ میں حصول کا یہی دستور رہا تو ہر شخص آسانی سے اپنی ضرورت پا سکے گا۔ دوسرے انسان میں ذخیرہ اندوزی کی تحریک نہ ہوگی اور انسان مساوی حیثیت میں اپنی زندگی گزارتا رہے گا۔ اسطرح قانون فطرۃ کی تکمیل خود بخود ہوتی رہے گی۔ اسکے ساتھ ہی جب آبادی بڑھنے کے ساتھ۔ آبادی اتنی بڑھ جائے کہ سامان زندگی کی قلت پیدا ہونے لگے۔ تو اس وقت بھی نظامِ فطرت کے مطابق ہر شخص مساوی تقسیم کا پابند ہو۔ کیونکہ ایسے ہی وقت میں انسان میں ذخیرہ اندوزی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ انسان یہ سمجھ کر کہ شاید کل مجھے اپنی ضرورت کا سامان پورا نہ میسر ہو تو زائد حصول کی جستجو کرتا ہے۔ جس سے افراد کو سامانِ زندگی میسر نہیں ہوتا۔ گویا ایک شخص دوسرے کے حصہ کو قبل از وقت اپنے

تصرف میں لا کر دوسرے انسان کی حصول زندگی میں دشواری پیدا کرتا ہے۔ کہ انسان فاقہ کشی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسلئے حصول اور فراہمی میں اعتدال رکھنا ضروری ہے۔ تا کہ نظام فطرت میں سامان زندگی کی کمی۔ حصول۔ اور جسمانی صحت میں تنزل سے خلل واقع نہ ہو ـــــ معاشرے کی ابتری میں سب سے پہلا نقص حصولِ سامان زندگی میں حد سے گزر جانا ـــــ حصولِ سامان زندگی میں۔ مال کی مساوی تقسیم ضروری ہے۔ جس کے لئے انسان میں۔ دل کی پاکیزگی کا قائم ہونا ضروری ہے۔ تا کہ انسانی آبادی۔ انسانی حیثیت میں ایک قوم۔ ایک خاندان بن کر رہے۔ ہر انسان کو دوسرے انسان کی صحت۔ ضرورت۔ حصول کا خیال اور احساس رہے۔ اسطرح کسی وقت بھی کسی انسان میں ذاتی نفع کی خواہش پیدا نہ ہو گی۔ اور انسانی جسمانی۔ ذہنی صحت قائم رہے گی۔

انسانی زندگی میں۔ صحت کی خرابی۔ لالچ۔ حسد۔ بغض۔ کینہ۔ جھوٹ۔ چوری۔ ڈاکہ۔ قتل۔ ان تمام خرابیوں کی جڑ۔ انسان کا ذاتی نفع اور زائد حصول پر آمادہ ہونا ہے۔ یہ ذاتی نفع کا جذبہ ہی ہے۔ جو ایک ذخیرہ اندوز کو دوسروں کے حقوق نظر انداز کرنے کی تحریک دیتا ہے۔ اسطرح دوسرا انسان اپنے حصولِ سامانِ زندگی نہ پانے میں مجبور ہو جاتا ہے۔ جس سے اسکی جسمانی۔ ذہنی صحت متاثر ہو کر تنزل پذیر ہو جاتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے۔ کہ انسان میں پاکیزگی جسم۔ پاکیزگی ذہن قائم نہیں رہتی۔ اور انسان۔ جھوٹ۔ چوری۔ ڈاکہ۔ حسد۔ بغض۔ کینہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ زائد حصول کرنے والے انسان میں۔ محبت۔ یکسانیت۔ رحم۔ ایثار ختم ہو کر۔ ظلم۔ عداوت۔ کینہ۔ دغا۔ فریب۔ حاکمیت۔ جبر کا مادہ غالب ہو جاتا ہے۔ اسطرح انسانی آبادی میں۔ غنی۔ محتاج۔ ظالم۔ مظلوم۔ حاکم۔ محکوم بن جاتے ہیں۔ درحقیقت۔ عام برائیاں۔ جھوٹ۔ چوری۔ ڈاکہ۔ حسد۔ لالچ۔ قتل بجائے خود کوئی مستقل عادتیں نہیں۔ بلکہ انکا وجود صرف انسان کی نفس پرستی۔ لذت کا غلبہ۔ اور حصولِ لذت میں قانون فطرت سے تجاوز کا نتیجہ ہے ـــ ایک مصلح انہیں بنیادوں پر اصلاحِ معاشرہ کیلئے۔ اصول مرتب کرتا ہے۔ ظاہر طور افرادِ قوم۔ انہیں برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر ان برائیوں کو دور کرنے کیلئے۔ لالچ۔ حسد۔ چوری۔ جھوٹ۔ قتل کا سطحی انسداد کیا گیا۔ تو یہ برائیاں انسان میں قطعی طور دور نہ ہو سکیں گی۔ جب تک کہ انکے بنیادی سبب کو دور نہ کیا گیا۔ اسکی مثال ایسی ہے۔ جیسے آنکھ کے درد کا علاج۔ آنکھ میں سرمہ یا دوائی ڈال

کر کیا جاتا ہے۔وقتی طور اگر آنکھ کا درد دور ہو جاتا ہے۔لیکن کچھ دیر بعد آنکھ دوبارہ دُکھنے لگتی ہے۔برعکس اسکے آنکھ کا درد دماغی کمزوری یا معدے کی خرابی کے باعث ہے۔جب معدے اور دماغ کی اصلاح کی جائے تو آنکھ کا درد بغیر سرمہ لگائے ٹھیک ہو جاتا ہے۔اسلئے ضروری ہے۔کہ ماحول سازگار بنانے کیلئے سرمہ استعمال کیا جائے۔یعنی عام لوگوں کو چوری۔جھوٹ۔حسد۔لالچ سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ اسکے لئے یہ طریق قابل استعمال ہے کہ مصلح اپنی پاکیزگی کے ساتھ لوگوں کو متاثر کر کے ان برائیوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔لیکن بعض طبیعتیں غلبۂ لذتِ نفس کے تابع ان برائیوں سے باز نہیں رہتیں۔ جسوجہ سے معاشرہ کلی طور ان برائیوں سے پاک نہیں ہوسکتا۔اسکے لئے ایک مصلح جماعت کو تشکیل دیتا ہے۔یہ جماعت جب غلبہ واقتدار حاصل کرے تو اصلاحی اصول قانون کی شکل اختیار کرتے ہیں۔تو پھر ہر برائی کے لئے ایک تعزیر (ایک سزا) مقرر کی جاتی ہے۔اسطرح افراد پر سزا کا خوف طاری ہو جاتا ہے۔اور افراد خوف کے دباؤ سے برائی کرنے سے باز رہتے ہیں۔اصولی طور پر دیکھا جائے تو کسی قوم کی برائی دور کرنے کیلئے۔جب ایک مصلح کا وجود پیدا ہوتا ہے۔تو اس وقت قانون۔یا قانونی سزا کا وجود نہیں ہوتا ہے۔بلکہ اسوقت ایک مصلح کا ذاتی کردار اور اصلاحی تبلیغ ہی سے لوگوں کو اصل کی طرف لایا جاتا ہے۔اسوقت قانون کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔لیکن انسانی لذتِ نفس اور زائد حصول انسان کو اصل کی طرف آنے میں مانع ہو جاتی ہے۔اسوقت انسان دیدہ دانستہ غیر اصولی زندگی پر قائم رہتا ہے۔دوسرے مصلح کی تبلیغ کے خلاف۔حیلہ اور قوت استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔ایک مخالف کی مخالفت کی وجہ سے ہی ایک مصلح کے اصولوں کو قانونی شکل دی جاتی ہے۔گویا قانون سے مراد۔اصلاحی اصولوں کے ساتھ ایک قوی طاقت کو استعمال کرنا۔کیونکہ اصولی قوانین تب تک نافذ العمل نہیں ہو سکتے جب تک اسکے ساتھ طاقت موجود نہ ہو ــــ طاقت کا ہونا اسی وجہ سے لازمی ہے۔کہ اصلاحی اصولوں پر ایسے لوگوں کو چلایا جائے جو ان اصولوں کی مخالفت کرتے ہوں۔ورنہ وہ لوگ جو بہ رضا وخوشی اصولوں کے تابع اپنی اصلاح کریں اُنکے لئے اس قانون اور طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی ــــ لیکن اسطرح بھی انسانی سرشت میں برائی کا مادہ ختم نہیں ہوتا۔بلکہ یہ مادہ دب کر رہ جاتا ہے۔اور اکثر مواقع پر ایک چور بار بار چوری پر آمادہ ہوتا ہے۔جھوٹا جھوٹ بولنے پر۔لالچی۔حاسد لالچ۔حسد کرنے پر اتر آتا ہے۔خوف

اگر چہ اسے باز رکھتا ہے۔لیکن انسانی سرشت میں یہ مادہ موجود رہتا ہے۔اسکی مثال ایک حوض کی سی ہے۔کہ حوض کے پانی میں کثیف جراثیم اثر کر جانے سے بدبو پھیل جاتی ہے۔تو بدبو دور کرنے کیلئے تالاب کو بند کر دیا جاتا ہے۔تاکہ بدبو باہر نہ پھیلے۔اسطرح فضا اگر چہ بدبو سے پاک ہو گئی لیکن بدبو کا وجود باقی رہ جاتا ہے۔اور کسی وقت بھی تالاب کے کسی سوراخ سے بدبو پھر پھیل جاتی ہے۔گویا سطحی تدبیر سے۔عیب مٹتا نہیں بلکہ اسکا راستہ بند ہو جاتا ہے۔اسلئے بدبو ختم کرنے کیلئے بنیادی طور پانی کو جراثیم سے محفوظ کرنا ضروری ہے۔پانی محفوظ ہوا تو تالاب کو بند کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ جب پانی صاف ہوا۔تو بدبو کا خطرہ خود بخود دور ہو جاتا ہے۔اسی طرح اگر برائیوں کو سزا کے خوف سے بند کیا گیا تو برائی کا وجود باقی رہنے سے معاشرہ دوبارہ برائی سے متاثر ہو جاتا ہے۔مثال کے طور ایک چور کو قید کی سزا اسلئے دی جاتی ہے۔کہ قید میں وہ اس ماحول سے الگ ہو کر ایک خالص ماحول میں آ جاتا ہے یا جیل کی تکلیف سے اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔اسطرح ایک آدمی میں چوری کی عادت مٹ جاتی ہے۔لیکن یہ طریق کامل طور سود مند نہیں۔خالص ماحول سے جدا کرنا ہی چوری کی عادت سے باز رہنے کیلئے کافی نہیں۔کیونکہ اسطرح بھی ایک انسان میں چوری کی عادت ختم نہیں ہوتی۔بلکہ دب جاتی ہے۔جیل خانہ میں اگر چور کو اسکی پسند کی ہر ضرورت میسر ہوتی رہی۔تو اسکا تزکیہ نہ ہوگا۔۔اور وہ جیل خانہ کی تنہائی سے متاثر نہ ہوگا۔البتہ جیل خانہ میں ایک چور کو اسکی ہر ضرورت میں پابند کرنا۔ضروری ہے۔ تاکہ اسکی لذتِ نفس (جسکے غلبہ سے چور چوری پر مجبور ہو جاتا ہے) متاثر ہو جب لذتِ نفس کیلئے چور کی ضرورتیں مختصر ہو گئیں تو اسکا اثر اسکی لذت نفس پر ہوگا۔لذتِ نفس کم ہوئی تو چور کو چوری کی ضرورت محسوس نہ ہوگی نہ ہی اسکی تحریک ہوگی اسطرح چور چوری سے باز رہے گا۔یہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔کہ چور کی چوری کا بنیادی سبب کیا ہے۔؟ وہ بنیادی سبب لذتِ نفس ہی ہے۔دوسرے افراد کی ذاتی نفس پرستی "لذتِ نفس"۔حصولِ زائد سے ایک فرد کے حصول سامانِ زندگی میں مشکلات ____! یعنی اپنی ضروریات آسانی سے فراہم اور میسر نہ ہونے کی وجہ سے۔انسان قانون فطرت کے معتدل حدود سے تجاوز کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔اور وہ بھی کسی دوسرے کی ضرورت کو چھین کر لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔اسلئے ایک چور کو سزا دینے سے پیشتر ضروری ہے۔عام معاشرے کی اصلاح کر کے ہر شخص کو ایک

پابند نظام میں لایا جائے۔ تاکہ ہر شخص اپنے حصول پر اکتفا کر کے ایک معتدل زندگی بسر کرے تو پھر چوری کا جذبہ انسان میں پیدا نہ ہو سکے۔ ایسی صورت میں۔ جبکہ معاشرہ خالص ہو۔ تو ایک شخص باوجود اپنی ضرورت پوری ہونے کے ضرورت سے زیادہ حصول کے لئے غیر فطری طریق اختیار کرے۔ اسے چور کہا جا سکتا ہے۔ اسکے لئے سزا کا ہونا ضروری ہے۔ اسکی سزا کیلئے کونسا طریق اختیار کیا جائے؟ وہ یہ کہ چوری کے بنیادی سبب کا تجزیہ کیا جائے۔ کہ چور کس طرح لذت نفس سے مغلوب ہو کر چوری پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے جیل خانہ میں ماہرین نفسیات ایک چور کی چوری کی عادت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ تاکہ چوری کے بنیادی سبب کو معلوم کر کے اسکا علاج کیا جائے۔ اس بنیادی سبب میں ایک لذتِ نفس کی تحریک ہے۔ تو یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ ہر برائی کی تحریک میں جبکہ لذت نفس ہی وجہ فساد ہے۔ تو لذتِ نفس کیا کیفیت ہے؟ اسکا علاج کیا ہے؟ یعنی ایک صحت مند انسان پر لذت کا غلبہ کیسے طاری ہوتا ہے ـ! یہ ایک اہم کیفیت ہے۔ جسکا معاشرہ کی اصلاح کیلئے ایک مصلح کو خصوصی توجہ دینی ہے!

لذتِ نفس ــــ لذت نفس سے مراد اپنی غیر ضروری خواہشات سے مغلوب ہو جانا ــــ! انسان کیوں لذتِ نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے؟ اسکے لئے انسانی تخلیق پر عمیق تجزیہ کرنا ضروری ہے۔

انسانی ابتدائی تخلیق میں اسکے مجموعی مرکب کی تحقیق میں انسانی صفات کو کلی طور پانا ضروری ہے۔ کہ انسان کن کیفیتوں سے مرکب ہے۔ جہاں تک انسانی تخلیق کا تعلق ہے۔ یہ ایک لطیف ذرہٗ (روح) ناری ہے۔ جو زمین کے مادہ سے بڑھتا ہے اور انسان بنتا ہے۔ اسکی تخلیق قانون فطرت یا دین اسلام کے عین مطابق عمل میں آتی ہے۔ یہ ثابت ہے کہ ایک ذرہٗ ناری کا وجود ایک لطیف ہیئت (ہیئت نوری یا ناری) سے آتا ہے۔ اسے اپنی لطافت کے اعتبار سے روح کہا جاتا ہے۔ روح سے مراد ایک لطیف جوہر۔ یہ ثابت ہے۔ کہ کائنات اور اسکی اشیأ ایک منظم ترتیب و نظام کے ساتھ بنی ہے یعنی ہر شے ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں تبدیل ہو کر ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کرتی ہے اس نظام میں ایک کیفیت ''علت'' Mater کہلاتی ہے دوسری معلول۔ یعنی ایک واحد شے کے وجود سے خود بخود اسکے اجزأ الگ ہوتے ہیں۔ پھر ہر جز ایک واحد جسم بن کر اس سے خود بخود اجزأ الگ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر وجود کی پیدائش کا آغاز ہوتا ہے۔ جہاں تک مادی کیفیتوں کا تعلق ہے۔ یہ کیفیات ہمارے

حواس وعقل کے احاطہ میں آتی ہیں۔اسلئے ہم ان مادی کیفیتوں کے بنیادی وجود کو پہچانتے ہیں۔لیکن Mater کی ابتدائی حد کا تعین نہیں۔کیونکہ Mater میں کسی وجود کو مستقل حیثیت حاصل نہیں بلکہ ہر وجود کسی ابتدائی وجود کی تخلیق ہوتی ہے۔اسلئے مادہ سے قبل بھی ایک وجود کا پایا جانا ضروری ہے۔جس وجود سے مادہ کی تخلیق ہوتی ہے۔یہ وجود محسوس نہیں۔کیونکہ انسانی تحقیق اسی مقام تک پرواز کرسکتی ہے۔ جہاں مادہ (زمین) کو ناری ہیئت میں محسوس کیا جاتا ہے۔اس ناری وجود کی بھی اصلی ہیئت کو ہم کلی طور پہچان نہیں سکتے کیونکہ یہ وجود کروڑہا سال قبل کا وجود ہے۔جہاں پر ایک محقق کی نہ نظر جاسکتی نہ عقل اسکا حقیقی تصور کرسکتی ہے سوائے زمین کے قوی لطیف جواہرات کی تحقیق کے کہ ان لطیف قوی جواہرات کا یہی زمین ہے۔اوران تمام جواہرات کا مخزن ــــ ان تمام جواہرات کے مجموعہ سے بھی قوی و Mater لطیف ہوگا۔لیکن اسکا حقیقی جسمانی (ناری) تصور ہمارے ذہن میں موجود نہیں جسکی مدد سے ہم اس وجود کا حقیقی احساس کرسکیں سوائے ایک موہوم تصور کے کہ زمین ابتدا ٔ میں ایک لطیف جوہر کا کرہ تھی۔اور یہ ضروری ہے کہ یہ جوہر تنزلی حالت کی طرف رجوع کرتا رہا اسلئے اس جوہر کی ابتدائی ہیئت کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔اور پھر زمین خود مستقل نہیں اور زمین سے قبل کے وجود بھی مستقل نہیں۔لہٰذا ان وجودوں کا انتہائی لطیف ہونا یقینی ہے۔ایسے وجود کو جو لطیف اور قوی ہو۔''جوہر''۔یا''روح'' سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اسلئے انسانی ابتدائی ذرہ کی حیثیت بھی ایک لطیف ذرہ (روح) کی ہے۔گویا انسانی وجود میں ایک حیوانی جوہر اسکا بنیادی وجود ہے۔جسے روح حیوانی کہا جاتا ہے۔انسانی وجود میں روح حیوانی ایک مستقل اور قوی طاقت جو انسانی اعضے کی ترقی کے ساتھ ساتھ باقی رہتی ہے۔اسکی مثال ایک دانہ کی سی ہے۔جس دانہ سے پھل بنتا ہے۔یعنی روح حیوانی ایک ابتدائی قوی جوہر ہے۔جو بڑھ کر جسم کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔یہ جسم کوئی نئی چیز نہیں۔بلکہ یہ جسم ہی روح حیوانی ہے۔جو بڑھ کر جسم کی شکل میں محسوس ہوتی ہے۔ جیسے دانہ بظاہر ایک ذرہ ہے۔مگر اسکی اصلی شکل درخت کی سی ہے۔دانہ لطیف ہیئت میں درخت ہے۔ یہی لطیف درخت زمین سے غذا حاصل کرکے درخت کی شکل میں بڑھتا ہے اور درخت نظر آتا ہے۔اسی طرح روح ایک لطیف انسان ہے۔جو مادہ سے غذا حاصل کرکے جسم کو مادی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔دانہ میں تنا۔ٹہنیاں۔پتے۔پھول اور پھل ہوتے ہیں۔دانہ اپنی انہیں قوتوں کو بڑھا کر درخت کی شکل بناتا

ہے۔اسی طرح روح ایک لطیف ذرہ یا جرثومہ ہے۔جسکے سر۔منہ۔ناک۔کان۔آنکھ۔گردن۔بازو۔ دھڑ۔لاتیں وغیرہ پائے جاتے ہیں۔یہی اعضے لطیف ذرہ سے بڑھ کرانسانی جسم بنتے ہیں۔اسی جسم کے مجموعی مرکب کوروح کہتے ہیں۔البتہ ان اعضے میں ابتدائی روح ایک قوت کی صورت میں پائی جاتی ہے۔جسطرح دانہ میں پھل کا موادموجود ہےاور پھل دانہ کی جز ہے۔لیکن پھل میں بھی وہی دانہ پایا جاتا ہے جس دانہ سے تمام درخت اور پھل پیدا ہوتا ہے۔اسی طرح انسانی وجود میں اعضے سے علاوہ روح اسکے وجود میں قائم ہے۔ایک طرف یہ تمام جسم میں پھیلی ہوئی ہے۔دوسری طرف اس روح کا مرکز دماغ ہے۔جہاں روح کی حقیقی ہیئت کو زیادہ محسوس کیا جاتا ہے۔اسی قوت سے انسان پاکیزہ جسم۔پاکیزہ ذہن اوراعلےٰ کردار کا مالک بنتا ہے۔یہی روح ہے جسکی اصلاح سے انسانی کردار کی اصلاح ہوتی ہے۔ اسی روح کے ساتھ انسانی خواہشات۔عقل وفہم۔لذتِ نفس۔پاکیزگیِ نفس کا تعلق ہوتا ہے۔اسی قوت کے ساتھ انسان قانونِ فطرت کی پابندی کرتا ہے۔اس روح کو قوی حالت میں قائم رکھنے کیلئے بھی اسکی نشوونما کی ضرورت رہتی ہے ــــ وہ نشوونما انسانی غذا پر بھی منحصر ہے ــــ جیسے یہ روح ابتدأ قوی لطیف ہوتی ہے۔اور جب مادہ سے اپنے وجود کو بڑھا کر انسانی شکل میں لاتی ہے۔کہ یہ لطیف (روحانی) انسانی وجود حاصل کرتا ہے۔جس سے اس روح کے اجزاُ (اعضے) مادی قوت سے بڑھتے ہیں۔یہ اعضے مادی غذا سے مادی ہیئت اختیار کر جاتے ہیں۔اس طرح یہ لطیف ذرہ۔روح و مادہ کا مرکب وجود بن جاتا ہے۔ چونکہ اسکی نشوونما یا ترقی مادی غذا سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔اسلئے اس وجود کیلئے خالص مادی غذا کا فراہم ہونا لازمی ہوتا ہے۔تو یہ ضروری ہے۔کہ جس قسم کی غذا اسے حاصل ہو اسی قسم کا اسکا انسانی وجود بنتا ہے۔ اگر اس روح کو خالص غذا حاصل ہو تو اسکا وجود خالص بنتا ہے۔اگر غذا ناقص ملی تو وجود بھی ناقص بنے گا۔مثلاً انسانی وجود کا ناری ذرہ ایک لطیف جوہر ہے۔جسوقت اس ذرہ نے انسانی ہیئت اختیار کی اسوقت یہ ایک لیسدار جوہری کیچڑ میں واقع تھا۔اسی لیس دار جوہری کیچڑ سے جسمانی مادی مواد حاصل کر کے اسکا مادی جسم ظاہر ہوا ــــ اسوقت یہ جسم ایک لطیف روح اور لیس دار کیچڑ کے جوہری مادے کا مرکب جسم بنا۔لہٰذا یہ وجود لطیف روح اور زمینی جوہری ذرات کا مرکب جسم کہلاتا ہے۔اور آئندہ بھی اسکی نشوونما کیلئے ایسے ہی جوہر کی ضرورت رہے گی۔ورنہ اگر یہ لطیف روح کسی ناقص مواد میں ہوتی تو لازمی

طور یہ جسم ناقص غذا حاصل کر کے ناقص جسم بنتا۔اور اسکی فطری جسمانیت بھی ناقص کہلاتی جسکے اس جسم کے تمام قویٰ۔اعمال وافعال بھی ناقص ہوتے جو کہ خلاف نظام فطرت تھا۔اسی طرح ایک لطیف ذرہ جو کہ انسانی جوہر۔(قطرۂ منی کا ایک ذرہ) رحم میں انسانی ہیئت کی طرف رجوع کرتا ہے۔تو انسانی وجود کی طرف منتقل ہونے کیلئے اسے رحم میں خون حیض ملتا ہے۔اسی خون سے اسکی ہیئت انسانی بنتی ہے۔یہ خونِ حیض ماں کا خون ہوتا ہے۔یہ خون غذا سے بنتا ہے۔غذا بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک خالص پاک وصاف۔دوسری ناقص یعنی قوی وٹامن سے خالی ــــ خالص غذا وہی ہے جو زمین کی اشیائے۔نباتاتی۔حیواناتی سے حاصل کی جاتی ہے۔نباتاتی میں بہترین غذا گھاس۔پتے۔پھل شامل ہیں۔اگر ان اشیأ کو فطری حالت میں گھاس پھل کی شکل میں استعمال کیا جائے تو یہ خالص غذا ہوتی ہے۔اسی طرح حیواناتی غذا میں گوشت بھون کر یا ابال کر کھایا جائے تو اسکے ذرات (غذائی اجزأ) صحیح حالت میں حاصل ہوتے ہیں۔اسکے ماسوا۔جبکہ انسان نے گھاس اور پھل ترک کر کے جو۔گندم۔مکئی۔روٹی کی شکل میں استعمال کی تو اس میں بھی یہ اجناس سالم اور اصلی حالت میں ہوں۔گلے سڑے اور کمزور نہ ہوں ــــ انکے ساتھ باقی سبزیاں جو استعمال کی جاتی ہیں۔یہ گھاس کا بدل ہیں۔یہ نباتات بھی اصلی حالت میں ہوں ــــ اور وٹامنز سے پُر ہوں۔تو ایسی غذا میں قوت زیادہ ہوگی اور اس غذا سے خون صالح پیدا ہوگا اور اسی خون سے جوہر بنے گا۔اسی جوہر کا ایک قطرہ اور ایک قطرے کے ایک ذرہ کا بنیادی وجود خالص روحانی ہوگا۔اور جب یہ روحانی ذرہ خالص غذا (خون سے) حاصل کریگا تو اسکا وجود خالص۔پاکیزہ۔قوی ہوگا ــــ اس سے ایک انسان۔پاکیزہ جسم پاکیزہ ذہن پیدا ہوگا۔اور اگر اسکے برعکس کمزور غذا استعمال کی گئی تو اسکے نتیجہ میں ناقص خون بنے گا۔ناقص جوہر بنے گا۔اور اس ناقص جوہر کے ایک قطرے اور قطرے کے ایک ذرہ کا بنیادی وجود بھی ابتدائی طور ناقص ہوگا۔اور جب اسی ناقص حالت میں ناقص غذا استعمال ہوئی تو انسانی بچہ ناقص حالت میں پیدا ہوگا۔جو پاکیزہ کردار۔پاکیزہ جسم پاکیزہ ذہن کا حامل نہ ہوگا ــــ

یہ واضح ہو کہ ایک قطرۂ منی کا ایک لطیف ذرہ بذات خود روح وجسم کا ایک مرکب ہے۔یعنی یہ لطیف ذرۂ جوہر ــــ ایک لطیف جسم ہے۔جس میں زندگی کے آثار قائم ہیں ــــ اسلئے یہ ذرہ ایک جسم اور ایک روح کا مرکب ہے۔اگر یہ ذرہ بذات خود ایک لطیف جوہر (ایمبیا) محسوس ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ ذرہ

نشوارتقا کے ساتھ ایک جسم کی ہیئت اختیار کرتا ہے۔اسلئے ثابت ہوتا ہے۔کہ اس ذرہ میں ایک لطیف جسم موجود ہے۔جو انسانی ڈھانچہ کی ہیئت میں ہے یہی ڈھانچہ بڑھ کر انسانی شکل میں محسوس ہوتا ہے ــــ جس میں۔سر۔دھڑ۔بازو۔لاتیں وغیرہ پائی جاتی ہیں اسکی مثال دانے کی ہے جس میں درخت کا وجود غیر محسوس ہے۔دراصل دانہ بذاتِ خود ایک غیر محسوس درخت ہے۔جس میں تنا۔شاخیں۔پتے۔ پھول۔پھل اور پھل میں بیج موجود ہیں۔ہاں اس امر پر غور کرنا ضروری ہے۔انسانی ہیئت سے قبل اپنی جوہری حالت میں جبکہ یہ ایک زندہ جاندار وجود ہے۔اسکی غذا کیا ہے ــــ ظاہر ہے۔جوہری ہیئت میں بھی اسے زندگی کی ضرورت ہے۔تو اسکے لئے جبکہ یہ ذرہ جوہری ذرات میں ایک ذرہ ہے ــــ جوہری ہیئت کی غذا ہی اسے حاصل ہونی چاہیے۔کیونکہ بیج بونے سے قبل دانہ بغیر غذا کے مدت تک رہتا ہے۔ اور جب اسے زمین میں بویا جائے۔تب ہی یہ زمین سے غذا حاصل کر کے اپنے وجود کو ترقی دیتا ہے۔ ظاہر ہے زمین میں بوئے جانے سے قبل بھی دانہ کو زندگی قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔جو ضرورت زمین سے حاصل نہیں ہوتی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔دانہ میں اپنی جوہری قوت قائم ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے۔اور اسکی جوہری غذا بھی اس ذرہ میں مثل انسانی وجود کے روح بنا چاہیے ــــ مثال کے طور انسان مرکب ہے۔روح و جسم کا یعنی غذا کھاتا ہے۔غذا سے خون بنتا ہے اور خون سے جوہر (منی) اور منی کا ذرہ بذاتہ ایک جسم ہے اسلئے اس جسم میں بھی ایک روح ہونی ضروری ہے ورنہ یہ ذرہ نہ مستقل ہے۔نہ مجسم زندگی ہے۔جہاں تک اس کے وجود کا تعلق ہے ــــ اس میں ایک روح کا ہونا ضروری ہے۔ منی (جوہر) سے انسانی جسم بنتا ہے۔جسم بذاتِ خود کوئی شے نہیں۔بلکہ لطیف ذرات کا مرکب ہے۔جو جسم کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ان ذرات کا زندہ ہونا۔انسان کا زندہ ہونا تعبیر ہے۔اسکا مطلب انسانی ذراتِ زندگی کا زندہ ہونا انسانی زندگی سے تعبیر ہے۔اور یہ زندگی انسانی روح کی روح کہلائیگی۔ جو قطعی غیر محسوس ہے ــــ اور جسطرح انسانی جسم غذا سے ــــ خون ــــ خون سے روح ــــ روح سے جسم ــــ بنتا ہے۔تو یہ روح انسانی روح کہلاتی ہے۔اسی طرح اس روح کی روح کیلئے مادی غذا نہیں ہوسکتی ہے۔چونکہ یہ روح کی روح ہے۔اسلئے اس حالت میں آ کر یہ روح مجسم زندگی بن جاتی ہے جسے مادی غذا کی ضرورت نہیں رہتی۔یہی وہ روح ہے۔جو انسان کی حقیقی روح کہلاتی ہے۔جو روح و جسم کے

مرکب کی ایک واحد روح ہے۔اگر یہ روح باقی نہ رہے۔تو دوسری روح (جوہر یا ذرۂ لطیف) کی زندگی ختم ہو جائیگی اس روح کے خاتمہ سے ہی جسم کی نشو نما اور حرکت ختم ہو جاتی ہے ـــــ اس سے ثابت ہوتا ہے۔کہ انسانی جوہر جو جسم کے اجزأ میں ذروں کے مرکب کی شکل میں پایا جاتا ہے۔اس میں بھی ایک روح ہے جو ان ذراتِ جسمانی کو زندہ رکھتی ہے۔اسی کے خارج ہونے سے انسانی موت واقع ہوتی ہے۔یہ روح قطعی لطیف ہے۔جو الیکٹرک سٹی۔ایتھر اور دیگر جوہری (لطیف) وجودوں کی روح ہے۔ کیونکہ ہر روح بجائے خود ایک مستقل وجود نہیں ہو سکتی۔جب تک کہ اس میں ایک روح نہ پائی جائے۔ اسلئے ایتھری۔اور الیکٹرک سٹی (برقی) ذرات میں بھی ایک روح ہونا ضروری ہے۔جو غیر محسوس ہے۔ اور اس روح کی غذا مادہ سے نہیں بلکہ یہ ایک مجسم قوت ہے جو مادی غذا کی زندگی کیلئے محتاج نہیں ـــــ اس روح کی کیفیت کیا ہے۔؟ ـــــ وہی جو انسانی وجود کی کیفیت ہے۔کہ اس میں حواس و عقل کی ایک قوی قوت و ارادہ و حرکت ہے ـــــ دیکھ سکتی ہے۔سن سکتی ہے۔کہہ سکتی ہے۔سمجھ سکتی ہے ـــــ کیونکہ یہ قوتیں جب تک انسانی جوہر (قطرہ منی کے ذرہ) میں نہ پائی جائیں انسان نہ سن سکتا ہے۔نہ بول سکتا ہے۔نہ دیکھ سکتا ہے۔نہ سمجھ سکتا ہے۔اسلئے بنیادی اعتبار سے یہ روحِ اصلی ہر قوت (حواس و عقل۔ حرکت و عمل) کی حامل ہو سکتی ہے۔

اسی روح پر انسانی پاکیزہ جسم و ذہن کا انحصار ہے۔جیسی قوت و خاصیت اس روح میں پائی جائیگی۔ویسی ہی صفات انسانی جسم میں پائی جائیں گی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ انسانی کردار نیک و بد اور خواہشات کا انحصار انسانی روح پر ہی ہے۔یعنی ابتدائی پیدائش میں روح کا پاکیزہ اور قوی ہونا لازمی ہے۔تاکہ اس سے قوی اور پاکیزہ جسم بنے ـــــ اسی پاکیزہ اور قوی صحت مند وجود پر آئندہ انسانی کردار کا دارومدار ہے۔اور آئندہ جسمانی پاکیزگی کو قائم رکھنے کیلئے روح کو ہی قوی رکھنا ہے۔کیونکہ جسمانی نشو ارتقا ہمیشہ اسی روح سے ہوتی ہے۔جیسے ایک انسان غذا کھاتا ہے خالص غذا ہو تو خون صالح پیدا ہوگا۔خون جوہر (منی) کی شکل اختیار کرتا ہے۔اور یہی جوہر ہے جس سے انسان کے جسم کا ہر ذرہ بنتا ہے۔اس جوہر سے گوشت کے ذرات (یعنی گوشت) بنتے ہیں۔کھال بنتی ہے۔باریک سے باریک رگیں۔اعضٰے رئیسہ۔دل۔جگر۔گردے۔آنتیں۔بال۔ناخن۔دانت۔آنکھیں۔کان۔دماغ بنتے

ہیں ــــ یہ سمجھنا ضروری ہے۔ کہ جسم کا ہر ذرہ خواہ ناخن ہوں۔ یا بال ہوں۔ گوشت ہو یا رگیں ہوں۔ دل ہو یا جگر ہو۔ یا دماغ ہو۔ ہر وجود دراصل ذرات کا مجموعہ و مرکب ہے۔ ہر شے بجائے خود کوئی جسم نہیں۔ بلکہ بے شمار ذرات کا مجموعہ ہے۔ اور ہر ذرہ بجائے خود ایک جان ہے ــــ روح و جسم کا مرکب ــــ جس مین ایک زندہ ذرہ ہے اور اسکی زندگی روح سے قائم ہے۔ بہ الفاظِ دیگر انسان صرف ایک جاندار وجود ہی نہیں بلکہ کروڑہا لاتعداد جانداروں کا مجموعہ ہے۔ ہر ذرہ بجائے خود ایک جاندار وجود ہے ــــ اور ہر وجود جسم و روح کا مرکب ہے۔ دراصل انہیں ذرات کے جسم کو جسم اور ان ذرات کی روح کو روح کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے جہاں ہم اپنے جسم کے ذرات کو نہیں دیکھ پاتے تو انکی روح کا دیکھنا قطعی غیر محسوس ہے۔ اسی طرح جبکہ جسم انہیں لطیف ذرات سے تعبیر ہے تو انہیں لطیف ذرات کی ــــ خاصیت و صفات ۔انسانی کردار سے تعبیر ہوگی ــــ ان ذرات کی اصل بھی انکی روح ہے جن سے انکا وجود قائم ہے۔ لہٰذا انکے افعال و خاصیات و صفات روح سے نسبت دیئے جائیں گے۔

انسانی زندگی کی ابتدا اسوقت ہوئی ہے۔ جب ابتداً انسانی وجود محسوس نہ تھا ــــ مگر اسکا وجود کسی ماحول میں غیر جسمانی (انسانی) ہیئت میں موجود تھا۔ وہ ماحول زمین کا ابتدائی وجود ہے ــــ زمین کا ابتدائی وجود آتشی کرہ (سورج) سے بنا (معلول ہوا) اور یہ تمام آتشی کرے بھی ایک ابتدائی علت (Mater) سے بنے جو کہ ناری ہے۔ لیکن ناری وجود خود مستقل نہیں۔ بلکہ کسی وجود (Mater) کا معلول ہے ــــ وہ علت کیا ہے ــــ اسکے لئے ابتدائی Mater کا کوئی تصور کسی محقق کو حاصل نہیں۔ کیونکہ یہ ماحول ــــ یہ وجود ــــ یہ زمانہ غیر محسوس اور یکسر لطیف ہے جو کسی ذریعہ سے تصور و تحقیق میں نہیں لایا جا سکتا۔ البتہ قریبی اشیأ کی پیدائش سے ہم اس وجود کا تصور قائم کر سکتے ہیں ــــ کہ علت و معلول کے نظام میں مادہ کی ابتدأ مادہ سے قوی قوت نار (ایثری گیس) سے ہوئی ہے تو ثابت ہوا۔ کہ ہر وجود کی علت اُس وجود سے قوی تصور ہوگی۔ اور ان قوتوں کی ہیئتیں تین مدارج میں پائی جائیں گی۔ مادہ سے قوی قوت نار (الیکٹرسٹی۔ ایثر یا ایثر سے قوی وجود) ہے۔ اور نار سے قوی وجود نار سے بھی لطیف قوت اسے نور سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ انسانی تحقیق کے تمام ذرائع نار کی ہیئت کو پا سکتے ہیں۔ لیکن نور کو پانے کے لئے کوئی لطیف سے لطیف مادی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ اس وجود کو غیر مادی ذریعہ سے

نہ دیکھا جائے ــــ

کسی وجود کیلئے اسکی علت مستقل وجود کی حامل نہیں۔ بلکہ ہر علت اپنے ابتدائی پیشتر کے وجود سے بنتی ہے۔ہم اگر زمین سے انسانی وجود کو پیدا ہوتے دیکھتے ہیں۔یہ اسکی ابتدأ نہیں ہوسکتی۔کیونکہ اگر ہم زمین سے ہی اسکی ابتدأ کریں تو پھر اس زمین یا زمینی وجود کا مستقل ہونا ضروری ہے ــــ لیکن زمین مستقل نہیں۔بلکہ اپنی ہیئت و حالت میں بھی مستقل نہیں۔زمین ناری ــــ ابتدأ سورج کی معلول ہے۔ اس مقام پر اسکا وجود ناری ہے۔لہٰذا انسانی زندگی ناری دور میں بھی موجود ہے۔اور نار خود مستقل نہیں اسلئے سورج سے قبل۔یعنی ناری ماحول و وجود سے قبل کا وجود ناری وجود کی علت ہے۔ناری وجود سے قبل کا وجود نوری ہے۔لہٰذا انسانی وجود نوری وجود سے آتا ہے۔اسلئے انسانی وجود نوری دور سے شروع ہوتا ہے۔نوری وجود ایک مجسم زندگی ہے۔جو مادہ کی طرح مادی غذا کی محتاج نہیں۔مادہ ایک حد میں مقید ہے۔اسلئے نور نہ مادی غذا کا محتاج ہے۔نہ کسی حد میں مقید ہے۔بلکہ مجسم زندگی ہے۔جسے زندہ رکھنے یا زندہ رہنے کی قید نہیں۔اسی نور میں انسانی زندگی کی ابتدائی روح موجود ہے۔جواب ایک محسوس وجود کی طرف انتقال کیلئے تنزل کی طرف آتی ہے ــــ

کائنات کی تخلیق میں یہ ایک فطری نظام پایا جاتا ہے۔کہ ایک شے سے دوسری شے بنتی (نکلتی) آتی ہے۔ہر قوت میں تقسیم کا نظام پایا جاتا ہے۔نور کی تقسیم (Analyse) سے ناری کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔اور ناری کیفیت کی تقسیم سے خاکی (مادی) وجود ظاہر ہوتا ہے۔اسلئے قبل کا نوری وجود ایک طویل زمانہ کی تقسیم کے بعد ناری ــــ اور خاکی ہیئت میں آجاتا ہے۔نوری کیفیت میں ایک وجود (نوری ذرہ) کا تصور نوری ہیئت میں کیا جاتا ہے۔یہی ذرہ ناری کیفیت میں ناری ذرہ کی ہیئت اختیار کرتا ہے۔یہی ذرہ مادی کیفیت میں مادی وجود اختیار کر جاتا ہے۔یہی مادی ذرہ ایک ناری روح کہلاتی ہے۔جو مادی ماحول میں۔مادہ سے غذا حاصل کر کے مادی جسم میں محسوس ہوتی ہے۔ناری ذرہ جو جسم کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔یہ اسکی ذاتی ناری شکل ہے جو مادہ سے غذا حاصل کر کے محسوس ہوتی ہے ــــ

ہم دیکھتے ہیں۔کہ مادہ سے قبل ایک وجود زندہ و سالم ہے۔اور اسکی زندگی طویل زمانہ تک قائم رہتی ہے ــــ ناری حالت میں جبکہ زمین پر روئیدگی کے آثار موجود نہ تھے۔زمین پر نہ پتے تھے نہ

پھل تھے۔لیکن یہ ناری زندگی قائم تھی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ لطیف زندگی مادی غذا کی محتاج نہیں۔ بلکہ بغیر غذا باقی رہ سکتی ہے۔اسی طرح نوری حالت میں بھی یہ روح یا وجود قائم رہا۔تو ظاہر ہوتا ہے۔کہ جس زندگی کو کسی ذریعۂ زندگی کی ضرورت نہ ہو وہ مستقل و مجسم زندگی ہے اور مجسم زندگی بھی ایک وجود رکھتی ہے۔کیونکہ اسی وجود سے ایک مادی (خاکی) جسم کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے جو انسانی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔گویا یہ روحی زندگی ابتدأ ایک انسانی۔ناری شکل ہے جو مادہ سے مواد حاصل کر کے انسانی خاکی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

ان آثار سے ظاہر ہے۔کہ انسانی وجود یعنی جسم بذات خود ایک ناری وجود ہے۔جو کہ دراصل ایک ناری روح ہے۔جو بڑھ کر انسانی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔اس جسم کے ہر فعل و عمل کا محرک ناری روحی عنصر ہے۔جسے روح کہتے ہیں۔اسی روح کے خواص وصفات جسم کے خواص وصفات کہلاتے ہیں۔ روحانی اعتبار سے یہ خواص (عادات واطوار) قوی اور پاکیزہ ہوتے ہیں اسی پاکیزگی کی تحریک سے انسان پاکیزہ کردار بنتا ہے۔اور یہی روح جب کمزور ہو تو انسانی افعال و کردار ناقص ہو جاتے ہیں۔روح کی کمزوری کے اسباب ذہن میں مختلف کیفیات (خیالات) کا جمع ہو جانا انسانی غذا میں بے اعتدالی کا پایا جانا ہیں۔

ذہن میں مختلف خیالات کا پیدا ہونا۔اسوجہ سے ہے۔کہ انسان مختلف اشیأ کو دیکھ کر تمام کیفیتیں ذہن میں جمع کر لیتا ہے۔اور ذہن کی بناوٹ اس قسم کی ہے۔کہ جتنی کیفیتیں ذہن میں سمائیں ۔تو ذہن انہیں کیفیتوں کے تصور میں ہر وقت مصروف ہو جاتا ہے۔ مختلف کیفیات کے ہجوم کا تصور کرتے کرتے انسانی ذہن تھک جاتا ہے۔اس میں یکسوئی کی قوت کم ہو جاتی ہے۔خیال منتشر ہو جاتے ہیں۔اور انسانی ذہن جسم اور خیالات پر مکمل قبضہ رکھنے میں کمزور ہو جاتا ہے۔کیونکہ انسانی ذہن (عقل) کا کام حواس کے ذریعہ کیفیات حاصل کر کے ذہن میں جمع کرنا اور ذہن میں انہیں ترتیب (Set) دینا۔اور جسمانی اعضے کی حرکت پر قابو رکھنا ہے۔ذہن کمزور ہوا۔تو منتشر خیال ہو جاتا ہے۔ اور منتشر خیال ہونے سے نہ خود پر قابو رہتا ہے۔نہ جسم کی حرکت (ارادہ) پر قابو رہتا ہے۔منتشر خیالی سے یکسوئی باقی نہیں رہتی۔یکسوئی نہ رہی تو انسانی ذہنی تصور بہک جاتا ہے۔ تو انسان اپنی ذہنی جسمانی تعمیر

پاکیزہ نہیں کرسکتا ـــــ یکسوئی نہ ہونے سے مراد ذہن خود غیر جسمانی حالت میں کیفیات کو محسوس کرتا ہے ـــــ یہ کیفیتیں۔ ذہن کی جمع شدہ ٹھوس کیفیات سے علاوہ غیر جسمانی کیفیات ہوتی ہیں۔ یہ کیفیتیں غیر جسمانی ہونے کی وجہ سے روحانی کہلاتی ہیں۔

یہ امر ثابت ہے۔ کہ انسانی روح (بنیادی وجود) ایک قوی و مستقل وجود ہے ـــــ اور انسانی جسم کی ہر صفت و خاصیت اسی روح سے پیدا ہوتی ہے۔ مثال کے طور ایک درخت کی تمام صفات و خاصیات ایک دانہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر دانہ میں پتے نہ ہوں تو درخت میں پتے پیدا نہ ہونگے۔ اگر دانہ میں پھل کی خوشبو۔ لذت یا پھولوں کی رنگت اور مہک کا مادّہ نہ موجود ہو تو یہ صفتیں درخت میں بھی نہ پائی جائیں گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ روح جبکہ ایک قوی و مستقل وجود ہے۔ اس میں۔ حرکت۔ سننا۔ دیکھنا۔ چکھنا۔ سوچنا ـــــ محسوس کرنا (قوت لامسہ) قوی حالت میں پائی جائیں گی۔ روح بغیر جسم۔ یا جسمانی ہیئت سے قبل بھی سننے۔ دیکھنے۔ محسوس کرنے اور سمجھنے کی طاقت جسم کے مقابلہ میں قوی حالت میں پاسکتی ہے ـــــ روح چونکہ دیکھنے اور محسوس میں نہیں آتی اسلئے ہم اسکی قوتوں کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ورنہ یہ قوتیں فطری طور اس میں پائی جاتی ہیں ـــــ علاوہ ازیں۔ چونکہ کیفیات مادہ (جسمانی ہیئت) سے قبل بھی روحانی ہیئت میں پائی جاتی ہیں۔ اسلئے روحانی کیفیات کا پایا جانا بھی قابل تسلیم ہے (چونکہ ہمارے پاس روحانی کیفیات کے دیکھنے کا کوئی ذریعہ نہیں اسلئے ہم ان کیفیات کو بغیر روحانی ذریعہ کے محسوس نہیں کرسکتے)۔

انسانی ذہن روح کا مرکز ہے۔ کیونکہ اسکی ساخت (بناوٹ) نہایت لطیف ہے۔ دماغ بظاہر ایک ملائم گوشت کا ٹکڑا ہے۔ لیکن اسکی باریک رگوں میں خون کی ہیئت اور رفتار برقی قوت کے مطابق ہے اسلئے اسکا عمل بھی برقی ہے۔ برقی عمل میں اسکا روحانی کیفیات کا محسوس کرنا بھی شامل ہے۔ ذہن میں انسانی خون روح کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اسکا عمل روحانی ہے۔ جیسے ذہن کے ایک انچ حصہ میں زمانے کی تمام کیفیتوں کا وجود (شکلیں) پہاڑ۔ دریا۔ عظیم اجسام ہاتھی۔ درخت۔ سمندر وغیرہ۔ موجود (جمع) ہیں یہ کیفیت روحانی ہے۔ ذہن کی باریک رگوں میں دورانِ خون کی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل۔ جو کہ برقی شعاعوں کی طرح محسوس میں آتا ہے ـــــ دماغ کے

خلیوں کی تعداد اربوں میں پائی جاتی ہے۔ جتنے خلیے تمام فضائے کائناتی میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام عمل برقی یا روحانی کہلاتا ہے۔ اسی عمل کے تابع دماغ روحانی کیفیتوں کا تصور کر کے انہیں محسوس (مشاہدہ) کرتا ہے۔ اور اسی قوت کو جس سے اسکا مشاہدہ ہوتا ہے ـــــ اسے روح کہتے ہیں ـــــ اسلئے تمام جسم کے مقابلہ میں جبکہ یہ روح جسم کے ہر ذرہ میں پائی جاتی ہے۔ دماغ میں قوت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ دماغ سے ہی حرکت و عمل کی تحریک ہوتی ہے۔ اسلئے انسانی حرکت و عمل کی تحریک۔ دماغ ـــــ روح سے وابستہ ہوتی ہے۔ جب تک دماغ روحانی کیفیات کے مشاہدہ و محسوس کی قوت رکھتا ہے۔ اسوقت تک انسانی روح۔ دماغ۔ جسم۔ قوی ہوتا ہے ـــــ خیالات کا ہجوم اسے بیرونی روحانی کیفیاتِ مشاہدہ کرنے میں حائل ہو جاتا ہے۔ اور ذہن روحانی کیفیات مشاہدہ کرنے سے رہ جاتا ہے۔ اسکے بعد ذہن اپنے خیالات کی تکمیل کرنا شروع کر دیتا ہے ـــــ بہ الفاظ دیگر جب تک ایک پاکیزہ ذہن ۔روح۔ جسم قوی ہوتے ہیں۔ ذہن (انسان) روحانی کیفیات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ اور جب ذہن پر خیالات کا ہجوم آجاتا ہے۔ تو یہ اس ہجوم کو قابو (Set) میں نہیں رکھ سکتا۔ اسطرح اسکا روحانی مشاہدہ بند ہو جاتا ہے۔ اب دیکھنا ہے۔ کہ روحانی مشاہدہ سے انسانی کردار پر کیا اثر پڑتا ہے۔ جس سے انسانی کردار میں کمزوری یا نقص پیدا ہوتا ہے ـــــ

روحانی مشاہدہ میں روحانی کیفیات محسوس کی جاتی ہیں۔ یہ کیفیات کیا اور کہاں واقع ہیں؟ یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے۔ جسے بغیر دیکھے بغیر محسوس کئے تسلیم کرنا ہے۔ لیکن اسکے تسلیم کیلئے بھی کائنات کی تخلیق میں نشانات موجود ہیں۔ جن پر خالص نیت سے تجزیہ کر کے ایک حقیقی علم کو حاصل کر کے حقیقت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

انسانی علم کی اساس اور حد زمینی یا کائناتی ٹھوس اشیأ یا ان اشیأ سے لطیف چند اشیأ ہیں جو محققین مغرب نے مشاہدہ میں لائی ہیں۔ مثلاً لطیف ذرات جو کائنات میں موجود ہیں لیکن جہاں تک علت و معلول (Mater) کا پیدائش میں دخل ہے۔ اس کائناتِ مادی سے ماسویٰ اسکی ابتدا سے قبل بھی ناری ـــــ نوری کیفیات کا ہونا ہر حال میں یقینی اور قابلِ تسلیم ہے۔ ورنہ اگر ان کیفیات کو تسلیم نہ کیا گیا تو Mater ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ نظامِ کائنات میں علت و معلول Mater کی اٹل اور

کامل تنظیم پائی جاتی ہے اسلئے اس کائنات کے ماضی میں ''Mater'' کا ناری اور نوری وجود لا انتہا وسعت اور زمانہ تک پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر علت معلول پیدا کرنے کے بعد منتشر نہیں ہوتی بلکہ اسکا وجود باقی رہتا ہے جیسے اس فضائے آسمانی میں جتنے بھی سیارے اور ستارے ہیں۔ان میں ایسے سیارے ستارے بھی ہیں جو سورج جیسے ہیں۔ان سورجوں سے سیارے نکلتے ہیں ــــــ! لیکن انکا وجود منتشر ہوکر معدوم نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ باقی رہتا ہے۔جیسے ہمارے سورج سے سیارے۔زمین نکلنے کے بعد بھی سورج کا وجود باقی ہے۔زمین سے بعض سیارے اور چاند نکلنے کے بعد بھی زمین کا وجود باقی ہے۔اسی طرح کروڑہا سال سے زمین سے کیفیات نباتات۔جمادات۔حیوانات کا وجود خارج ہوتا ہے مگر زمین کا وجود باقی ہے۔یہی تنظیم ہے اس کائنات کی کہ معلول پیدا ہونے کے بعد ہر نوری۔ناری۔خاکی ــــــ وجود کی علت باقی رہتی ہے۔اسلئے ضروری ہے۔کہ مادہ سے قبل ناری۔نوری علتیں لامحدود زمانہ ــــــ لامحدود وسعت تک باقی ہونی چاہیں۔جنکا تسلیم کرنا عین قانون فطرت ہے۔چونکہ یہ کیفیتیں نوری (غیر جسمانی) ہیں۔اسلئے ان کیفیتوں کا مقام۔ہیئت وکیفیت نورانی ــــــ روحانی ہے جوکہ روحانی ذریعہ سے ہی مشاہدہ میں آسکتے ہیں۔انسانی۔ذہنی روح۔چونکہ روحانی ہے۔اسلئے ایسی روحانی کیفیتوں کا مشاہدہ بغیر جسمانی آنکھ۔کان۔لامسہ (مس کرنا) یہ روح انہیں مناظر وکیفیات کا مشاہدہ کرتی ہے۔جو دماغ کا مشاہدہ تصور کیا جاتا ہے ــــــ چونکہ ان تمام مناظر وکیفیات میں۔تنظیم اعلےٰ۔ضابطہ حقیقی Discipline پایا جاتا ہے۔اور انسانی روح چونکہ انہیں روحانی کیفیتوں کی پیداوار ہے اسلئے اس روح پر عالم روحانی سے نسبت ہونے کی وجہ سے وہی تاثر طاری رہتا ہے جو عالمِ روحانی کا ہے۔اسی تحریک پر وہ نظامِ جسمانی کو بھی تحریک دیتی ہے۔ہاں یہ جاننا ضروری ہے۔کہ یہ مشاہدۂ روحانی۔انسانی مشاہدہ کہلاتا ہے۔جس میں۔اس روحانی مشاہدہ کو انسان ذہن کے ذریعہ علم میں لاتا ہے ــــــ اسلئے نظامِ کائنات روحانی کی مطابقت کرنے کیلئے ذہن کو اس روحانی عالم کا مشاہدہ حاصل رکھنا ہر لحہ کیلئے ضروری ہے۔تاکہ قانونِ فطرتِ حقیقی کی صحیح طور پر تابعداری ہو۔کیونکہ اسی قانونِ فطرتِ حقیقی کو دین۔یا دین فطرت یا دین اسلام کہا جاتا ہے۔اسی عالم روحانی کے قانون پر دنیوی قانون فطرت بھی چلتا ہے اسلئے دنیوی قانون فطرت کے ساتھ ساتھ ضروری ہے۔کہ عالم روحانی کے قانون فطرت کا بھی علم رکھا

جائے۔روحانی قانون فطرت اٹل۔نہ بدلنے والا اور مستحکم قانون ہے۔اسلئے دین اسلام کی تابعداری میں عالم روحانی کے قانون کی تابعداری لازمی ہو جاتی ہے۔اگر عالم روحانی کے قانون سے نسبت۔و رابطہ منقطع کیا جائے تو انسانی مادیت کا خاصہ ہے کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔اسلئے ذہن کی ترکیب ایسی ہے۔کہ اسکا عالم روحانی سے روح کے ذریعہ رابطہ و نسبت قائم رہتی ہے۔اسی نسبت سے انسانی ذہن عالمِ روحانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔جسکے لئے انسانی ذہن کو یکسوئی قائم رکھنا ضروری ہے۔اور جہاں ذہنی خیالات کے ہجوم نے رابطہ منقطع کر دیا۔عالم روحانی کے تنظیم کی تحریک بند ہو کر انسان کو بغاوت کی طرف مائل ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔

یہ ایک فطری نظام ہے۔جس تنظیم کے تحت کائنات۔اور انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔کہ انسانی ذہن خود بخود عالمِ روحانی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔زمین پر انسانی پیدائش کا مقصد صرف صحت مند جسم رکھ کر قانون فطرت کے عین مطابق چلنا ہے۔جسکے لئے کسی جستجو جدوجہد کی ضرورت نہیں!

کیونکہ انسان پاکیزہ جسم و روح پیدا ہوتا ہے۔اسے سامان زندگی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔اسکی زندگی کا سامان زمین پر اسکی پیدائش سے قبل پیدا ہوا ہے اسلئے اس نے فطری غذا حاصل کرنی ہے۔جس سے اسکی صحت بحال رہے۔اور اپنی زندگی کو صحت مند رکھنے کیلئے قانون فطرت کی پابندی کرنی ضروری ہے۔جسکے لئے انسانی ذہن۔حرکت و عمل اور مشاہدہ کا کام کرتا ہے۔کہ اپنے دل و دماغ کو کسی بیرونی خواہش و لذت کی طرف مائل نہیں کرتا بلکہ ؟ فطری غذا کھاتا اور عالمِ روحانی کا مشاہدہ کر کے یکسوئی حاصل کرتا ہے۔تاکہ بیرونی کیفیات ذہن میں داخل نہ ہوں۔کیفیات نہ داخل ہوں تصور نہ آئے گا۔تصور نہ آیا تو نہ انکی خواہش ہوگی۔نہ لذت سے متاثر ہوگا۔اور اگر فطری طور کیفیات ذہن میں آئیں تو روحانی مشاہدہ اور روحانی عالم کی تنظیمی تابعداری کی وجہ سے انسان فطری حدود سے باہر قدم نہ رکھ سکے گا۔اگر خواہشات پیدا ہوئیں تو اسی حد تک انکی تکمیل ہو سکے گی جہاں تک انسان لذت کا غلام نہ ہوگا۔

ان واقعات سے معلوم ہوا۔کہ قانون فطرت کی پابندی کیلئے سب سے اول انسان کو روحانی قوت قوی و پاکیزہ ذہن میسر ہے۔جس سے وہ اپنی پیدائش کے ساتھ ہی عالم روحانی کا مشاہدہ کرتا ہے

یہی مشاہدہ ہے۔ جو انسانی تنظیم و پابندئ قانون فطرت کا حقیقی محرک ہے۔ جسکے بغیر انسان زمین پر صحت منداور مسلم حالت میں زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ انسان زمین پر اپنی پاکیزہ صحت مند زندگی گزارنے کے ساتھ عالمِ روحانی کا مشاہدہ ہر لمحہ جاری رکھے۔ گویا انسانی زندگی کے ضابطۂ حیات میں عالم روحانی سے نسبت ورابطہ ـــــ مشاہدہ قانونِ حقیقی (نوری) رکھنا ہی مقصدِ زندگی ہے ـــــ اسی تنظیم پر انسان کی ابتدائی پیدائش ہوتی ہے ـــــ انسانی آبادی کا ابتدائی فرد ایک فردِ واحد تھا ـــــ جسے آدم کہا گیا ـــــ

الحاصل اس کائناتِ ارضی سے ماسوئ (علاوہ) ماضی کی بے انتہا علتیں Mater ایسی ہیں۔ جو نورانی عالم کی ہیئت میں پائی جاتی ہیں۔ ان ہیئتوں میں نورانی لطیف کیفیتیں ہیں۔ اور یہ سب ایک تنظیم کے تحت پیدا ہوتی رہیں۔ انہیں کیفیتوں کو یعنی ماضی کی تمام علتوں اور ابتدائی علتِ لامحدود کی عظیم ہیئتوں کو عالمِ روحانی کہا جاتا ہے۔ چونکہ انکی تخلیق میں بھی ایک منظم تنظیم پائی جاتی ہے۔ اور ہر کیفیت لاتعداد زمانہ سے پیدا ہوئی ـــــ اور تا حال قائم ہے۔ اسلئے یہ کیفیتیں بھی دین فطرت یا دین اسلام کے تابع قائم ہیں۔ یہی وہ عالمِ روحانی ہے۔ جسکے دین پر کائنات ارضی کا نظام چل رہا ہے۔ اور اسی نظام کی مطابقت انسان نے بھی کرنی ہے جسکے لئے اسے عالمِ روحانی کا مشاہدہ ہر لمحہ حاصل رکھنا ہے۔ اسی فطرت پر انسانی پیدائش ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنی پیدائش میں ایک پاکیزہ صحت مند جسم اور قوی ذہن کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ زمین پر اسکا کام ـــــ !صحت مند جسم کو قوی رکھنا ـــــ اور دین اسلام کی تنظیم کے ساتھ پابند رہنا ـــــ اس پابندی کیلئے عالمِ روحانی کے نظام سے راہنمائی حاصل کرنا۔ اور اسکا مشاہدہ جاری رکھنا ہے۔!

یادرکھنے کی بات ہے ـــــ !کہ انسان پر اپنی صفات وخصوصیات کے اعتبار سے۔ کئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ـــــ جن میں انسان ایک محنتی ـــــ اور جفاکش ہستی ہے۔ اسکی مثال ایک پہلوان کی سی ہے۔ کہ اگر ایک دن بھی اس نے محنت وورزش ترک کردی تو اسکی قوتیں کمزور ہوجائیں گی۔ اسکا بدن چور چور ہوجائے گا۔ اسلئے اس نے ہر لمحہ محنت وجفاکشی میں مشغول رہنا ہے۔ اور جہاں بھی اس نے محنت ایک ساعت کیلئے ترک کردی۔ یہ آرام طلب اور اپنی خصوصیات میں کمزور ہوجائے گا۔ اور یہی کمزوری

اسکے تنزل کا سبب بنے گی۔

جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔کہ انسان پر دین فطرت۔دینِ اسلام کی مطابقت ــــ پابندی لازمی ہے ــــ جس سے انسان پاکیزہ جسم۔پاکیزہ ذہن رہتا ہے۔اور مطابقت کرنا صرف اسی پر ہے۔کہ انسان ہر لمحہ اپنی ذہنی قوت (روح) کو قوی رکھ کر مشاہدہ عالمِ روحانی یا مشاہدہ دین حقیقی جاری رکھے ــــ اور اسی دین کی روشنی میں کائناتِ فطرت کے نظام کی مطابقت کرے۔جب انسان نے زمین پر مختلف قسم کی اشیأ کا ذائقہ پالیا ــــ تو اس وقت انسان نے مادی لذتوں کو مقدم سمجھ کر ان لذتوں کو ذہن میں جگہ دی۔جسکا نتیجہ یہ ہوا۔انسان نے حصولِ لذت یعنی جسمانی مادی لذت کو روحانی لذت پر ترجیح دی۔گویا مادی ذرائع کو تقویت دی۔اور روحانی ذرائع (مشاہدہ حقیقی) کی طرف توجہ نہ دی۔جس سے انسانی روح کمزور ہوگئی ــــ اور اس روح کی صفات و خاصیات (پاکیزگی) میں کمزوری واقع ہوئی۔کمزوری واقع ہونے کی وجہ سے لذتِ نفس کو تقویت اور کشادہ راہ مل گئی اور اس لذت نے انسانی ارادہ کو کمزور کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیا۔اس طرح انسان روحانی کمزوری اور اسکی خاصیات وصفات کی کمزوری کے باعث۔جبکہ انسانی ارادہ کمزور ہوا۔انسانی لذتِ نفس نے انسانی ارادہ پر غلبہ پا کر انسانی ارادہ کو محکوم بنایا ــــ اور انسان لذتِ نفس کا شکار ہوگیا۔کہ انسان کو عالمِ روحانی کے مشاہدہ کرنے میں دقت پیش آئی۔اور جوں جوں انسان نے لذتوں کو ارادۃً پسند کیا ــــ تو اسکا مشاہدہ روحانی کم ہوتا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔کہ انسان انہیں لذتوں کا دلدادہ ہو گیا ــــ اور انہیں لذتوں کو پسند کر کے انہیں لذتوں کے حصول کی جستجو میں پھنس گیا ــــ اسقدر کہ اس کے ذہن سے روحانی عالم کا تصور مٹ گیا۔اور انسان حصولِ لذت کیلئے۔ضرورت سے زیادہ کی خواہش کرنے لگا ــــ اور اس خواہش کی تکمیل میں انسان نے کائناتِ فطرت کی حدود سے تجاوز کیا۔اس وقت انسان کی حالت ایک باغی کی ہوگئی ــــ اور آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان لذتوں کے حصول میں اسقدر جستجو کرنے لگا کہ اسکے ذہن سے مشاہدۂ روحانی کا تصور قطعی مٹ گیا۔اسکی محنت و جفاکشی آرام طلبی میں بدل گئی۔وافر لذتوں کو جمع کرنے کا جذبہ اس میں اسقدر بڑھا کہ ہر شئے کو صرف اپنے تصرف میں لانے کا متمنی رہا۔یہاں تک کہ انسان ــــ انسان سے الجھ پڑا ــــ اور لذتوں کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے لگے۔اسی جدوجہد میں

انسان ـــ انسان کو محکوم بنانے لگا۔اور ایک دوسرے کو حصول کی چھینا جھپٹی میں قتل کرنے لگے اسطرح نظامِ کائنات میں فساد رونما ہوا۔انسان فطری طور۔آرام طلب ـــ کمزور۔ناقص جسم۔ناقص ذہن پیدا ہونے لگا۔یہاں تک کہ انسان اپنی فطری خصوصیات کھو کر بھول گیا۔کہ وہ اپنی پیدائش میں کن خصوصی قوتوں کا حامل۔پاکیزہ جسم و ذہن انسان تھا ـــ اب جبکہ انسان اپنی خصوصیات کا تصور نہ پا سکا۔تو انسان نے مادی ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔اور یہاں تک ترقی کی کہ ایک فرد لاتعداد انسانوں کو غلام بنا کر انکی ضرورتوں پر قابض ہو کر انہیں غلام بنا کر ان پر حکمران ہو گیا۔یہ مادی ترقی بظاہر۔ترقی سمجھی گئی۔لیکن اس ترقی میں حقیقتاً انسان اپنی خصوصیات کھو چکا۔اور حقیقی دین فطرت دین اسلام کی خلاف ورزی ہونے لگی ـــ اس حالت میں۔انسانی زندگی میں۔انتشار۔تنزل اور کرب (پریشانی) پیدا ہونے لگا ـــ

اس سے پیشتر انسان پاکیزہ جسم۔پاکیزہ ذہن۔محنتی۔جفاکش اور قوی تھا اس پر ذہنی حادثات اثر انداز نہ ہو سکتے تھے۔محویت اور روحانی قوت کی وجہ سے انسان ہر حادثہ پر غالب تھا ـــ لیکن حصولِ لذت نے اسکے دل و دماغ اور اعصاب کو کمزور کر دیا۔اس میں کسی بیماری۔کسی حادثہ کے مقابلہ کی قوت باقی نہ رہ سکی اور انسان بے موت مرنے لگا ـــ یہی وہ زمانہ ہے۔جب انسان کو ابتدائی دور میں۔کم فہم۔لاغر۔ناتواں۔وحشی سمجھا گیا اور انسان کیلئے یہ تصور قائم کیا گیا۔کہ انسان ازلی پیدائش میں۔وحشی کم فہم اور ناقص تھا۔جبکہ یہ گھاس اور پتے کھاتا تھا۔اس میں تہذیب وتمدن کا کوئی جوہر موجود نہ تھا ـــ حالانکہ یہ تصور انسانی ابتدائی پیدائش کا نہیں ـــ بلکہ انسانی تنزل کے زمانہ کا تصور ہے۔اور جب اسی حالت میں انسان نے مادی ترقی حاصل کی تو اس وقت انسان کو مہذب اور ترقی یافتہ تصور کیا گیا۔ اسوقت انسان اپنی روحانی خصوصیات سے بے بہرہ اور خالی ہو چکا تھا۔جس میں اسکی روحانی قوت مٹ چکی تھی اور انسانی اعتبار سے باوجود ترقی یافتہ ہونے کے اپنی اعلیٰ صلاحیت اور اعلیٰ شرافت کھو کر ایک باغی انسان کہلاتا تھا ـــ ضرورت تھی کہ انسان اس ترقی یافتہ زمانہ میں۔بھوک۔غلامی۔بیماری ـــ موت سے نجات حاصل کر کے ایک پرسکون زندگی حاصل کرے۔یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔کہ زمانہ کلیتاً مادی ترقی میں انسانی آبادی کو سکون و آرام نہ دے سکا بجز اسکے کہ اس مادی ترقی سے چند نفوس مادی فائدہ حاصل کرتے رہے وہ بھی اس حال میں کہ اکثر انسانی حقوق پائمال ہوتے رہے۔اور اکثر انسان

غلامی۔اور افلاس۔بیماری میں مبتلا رہے۔کلی طور انسان نہ پرسکون رہ سکا۔نہ پاکیزہ جسم وذہن اور روحانی قوت حاصل کرسکا۔جو کہ انسانی فطری پیدائش کا خاصہ تھا ـــــ فی زمانہ انسان۔انتہائی عظیم ترقی واقتدار کی راہ پر پرواز کررہا ہے۔لیکن اس ترقی کے باوجود انسانی آبادی۔سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے۔بغاوت ودین فطرت کی مخالفت عام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔انسان بے راہ رو ـــــ بے حیا ـــــ حرام کار ـــــ بے غیرت اور ذلیل ہورہا ہے ـــــ تواریخ ہر زمانہ کی ترقی میں ایسے ہی واقعات دہراتی آئی ہے۔اسکی وجہ۔مادی ترقی کو حقیقت سمجھ کر روحانی ترقی سے انکار۔اسکا سبب انسان کی لذتِ نفس ـــــ آرام طلبی۔اور روحانیت سے نفرت ہے ـــــ وہ لوگ جو مادی ترقی میں آسمان کی بلندیوں پر (بزعم خود) پرواز کررہے ہیں۔انسانی اعتبار سے جبکہ ان میں بھی۔حواس۔فہم۔ارادہ پایا جاتا ہے۔روحانی اعتبار سے صفر کا درجہ رکھتے ہیں۔مادی ترقی کی جستجو انہیں روحانی قوتوں کو استعمال کرنے کی فرصت نہیں دیتی۔حالانکہ وہ اس کیفیت کو محسوس کررہے ہیں۔کہ انسان (ہپناٹیزم۔مستقبل بینی۔وغیرہ سے) بعید کیفیتوں کو بغیر آنکھ کے پاسکا ہے! اسکے باوجود مادی ترقی انکی روحانیت میں حائل ہورہی ہے۔اور بغیر روحانیت مادی ترقی اسقدر خطرناک صورت اختیار کرتی جارہی ہے۔کہ انسانی آبادی کا ہر فرد۔لرزاں ہے۔کہ اس ترقی کے نتیجہ میں ایک لمحہ میں دنیا تباہ ہوجائیگی۔ظاہر ہے۔جس مادی ترقی سے انسان کلیتاً سکون وآرام نہ پاسکا۔اور اسکے سر پر تباہی کے بادل منڈلاتے نظر آتے ہوں۔وہ (عمل) کہاں تک کائناتِ فطرت۔دین فطرت کی مطابقت کی حامل قرار دی جاسکتی ہے ـــــ! اور کہاں تک انسانی فلاح وبہبود کی ضامن ہوسکتی ہے۔

گزشتہ زمانہ کے ابتدائی دور پر نظر ڈالی جائے۔تو قانونِ فطرت کے اس کامل نظام میں ہر شے مخلوق ابتداً میں قوی وپاکیزہ پیدا ہونی ضروری ہے۔کیونکہ اس نظام کی ہر شے جوہری اور خالص پائی جاتی ہے۔لہٰذا اسکی پیدائش بھی جوہری اور خالص ہونی چاہیے۔جہاں تک انسانی پیدائش کا تعلق ہے۔اس نے اپنی ابتدائی پیدائش میں کامل وقوی پیدا ہونا ہے ـــــ زمانہ کے کسی دور میں انسان کو گزشتہ کے مقابلہ میں صحت منداور صاحبِ فہم دیکھیں۔یہ صفت نئی نہیں۔بلکہ ہر خوبی اسکے ابتدائی خمیر میں موجود ہے۔جو کسی وقت ظاہر ہوجاتی ہے۔لیکن یاد رکھنے کی بات ہے۔کہ ہر مخلوق اپنی پیدائش میں ہی ہر صفت

کا مجموعہ و مرکب ہوتی ہے۔اسی مجموعہ کی صفت کسی وقت ظاہر ہوتی ہے۔ایسا نہیں کہ یہ صفت پہلے نہیں تھی اوراب پیدا ہوگئی۔جیسے انسان کسی زمانہ میں وحشی تھا۔اسکا مطلب یہ کہ اسکا دماغ قوی وکامل نہ تھا۔اوراب صاحب فہم اور ذی عقل ہوگیا ہے۔دراصل یہ صلاحیت انسانی ذہن میں اسکے ابتدائی مرکب میں پائی جاتی ہے۔اگر پیشتر نہ ہوتو آئندہ بھی نہ ہوسکے گی۔اوراگر ابتدأً ہی انسان میں قوی عقلی قوت ہے (جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے) تو ضروری ہے۔کہ انسان ابتدأً تازہ جسم ہے۔اسلئے اسکی تمام خوبیاں بھی اس میں تازگی کے ساتھ ظاہر ہونی ضروری ہیں۔بعض محققین کا نظریہ ہے۔کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ ہیئت ہے۔اسی نظریہ کے تحت جب انسان حیوانی شکل سے نکل کر انسانی شکل میں محسوس ہوتا ہے تو اسکی جسمانی قوت کو کمزور سمجھتے ہیں۔اور انسانی ابتدائی ہیئت کو کامل تصور نہیں کرتے۔بلکہ اسکی عقلی قوت کو ناقص حالت سے بتدریج بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں۔دراصل یہ نظریہ اور تصور غلط ہے۔کیونکہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ ہیئت نہیں بلکہ ایک واحد مخصوص انسانی وجود ابتدأً میں حیوانی مراحل (شکل وصورت) سے گزرتا ہوا۔آخری شکل بن مانس کی ہیئت میں محسوس ہوا___اسوقت یہ عام حیوانی حالت میں ضرور تھا لیکن انسان اس شکل وصورت سے گزر کر جب انسانی شکل وصورت میں محسوس ہوتا ہے۔تو انسانی ہیئت میں اسے قوی حواس و دماغ ہی باقی مخلوق سے ممتاز کرتے ہیں۔اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کو اعلٰے دماغی صلاحیت حاصل ہے۔یا انسانی دماغ سے اعلٰے صلاحیت کا مظاہرہ ہورہا ہے۔یہ دماغ اسکی ابتدائی انسانی ہیئت کا دماغ ہے۔جس میں قوتِ فہم وقوت مشاہدہ قوی پائی جاتی ہے اور انسانی شکل وصورت مکمل ہونے کے ساتھ ہی اسکی قوتِ فہم وقوتِ مشاہدہ قابلِ عمل تصور کی جاتی ہے جس سے اعلٰے صلاحیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔انسانی پیدائش کی ابتدا اسی طرح ہوئی ہے۔کہ انسان اپنی ابتدائی پیدائش میں ہر لحاظ سے اشرف اور روحانی جسمانی حالت میں قوی وکامل تھا۔مگر اسکی کمالیت کا اظہار اسکی روحانی قوت سے ہوتا رہا۔ابتدأً انسان ایک سے دو بنا۔دو سے چار بنا___اس لحاظ سے انسانی ابتدأً قلت (تھوڑی) سے ہوئی۔جیسا کہ بیان ہوا۔کہ انسان ایک پاکیزہ روح وجسم پاکیزہ ذہن تھا۔اسلئے انسان ایک طرف کامل صحت مند تھا۔دوسری طرف اسکا ذہن روحانیت کی طرف مائل تھا۔یہ قانونِ فطرت پر چل رہا تھا۔یہ اپنی ضرورت میں مختصر تھا۔اپنی ضرورت کیلئے گھاس۔پتے پھل فطری غذا اسکے لئے سب سے بہتر اور

موزوں غذا تھی۔ جو یہ بلا جدو جہد پا رہا تھا۔ فطری غذا حاصل کرنے سے اسکی صحت پاکیزہ وقوی تھی۔ اس طرح اسکا عمل ــــ صحت مند جسم رکھنا۔ قانون فطرت کے مطابق چلنا ــــ جاری تھا۔ اور جہاں تک اسے روح۔ ذہن اور ذہنی قوتیں میسر تھیں۔ لازمی تھا کہ صحت مند حالت میں اسکی روحانی۔ ذہنی قوتیں۔ قوی اور کارآمد ہوں۔ لہٰذا انسان نے اپنی روح اور ذہنی صلاحیت کو استعمال کیا اور اسے روحانی عالم کا مشاہدہ حاصل رہا۔ روحانی عالم کے مناظر ایسے لطیف تھے کہ۔ اسکے مقابل دنیوی مناظر (جو کہ نور و نار کے مقابلہ میں سفلی اور کم تر درجہ رکھتے ہیں) لطافت میں کم دلچسپ تھے۔ اسلئے انسان انہیں مناظرِ فطرتِ روحانی کے نظارہ میں ہر وقت غرق رہا۔ انسانی ذہن کی بناوٹ میں مشاہدہ سب سے اہم خصوصیت ہے۔ اور انسانی جسم میں دماغ ایک اہم جزو ہے۔ اسکی اہمیت کے اعتبار سے انسان کا دماغی قوت سے مشاہدہ ہی کرنا ہے۔ اور انسانی دماغ کا سوچ سمجھ سے علاوہ ایک اہم کام مشاہدہ کرنا ہے۔ یہ مشاہدہ اور صحت مند جسم و ذہن۔ انسانی کمال اور اعلےٰ انسانی مقام کہلاتا ہے۔ جس صفت سے اسے اپنی پیدائش میں ہی اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ــــ یہی وہ انسان ہے۔ جو اپنی ابتدأ میں زمین پر بحثیت اشرف المخلوقات پیدا ہوا ــــ اور اسکی شرافت وعظمت صرف پاکیزہ۔ صحت مند جسم۔ پاکیزہ وقوی ذہن۔ اور پاکیزہ و وسیع روح اور روح و ذہن کے استعمال سے۔ قانون فطرت۔ دین فطرت۔ دین اسلام کی پابندی سے قائم کی گئی۔ جہاں تک انسانی پیدائش کا تعلق ہے۔ انسانی جسم اور اسکی زندگی کا تجزیہ کرنے سے یہی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ انسان تمام زمینی قوتوں کے جوہر سے بنا ہے۔ اور اس نے اپنی جسمانی بناوٹ کو اپنی زندگی میں قائم رکھنا ہے۔ ہر شے مخلوق خود بخود نظامِ فطرت کے ماتحت پابند نظام میں زندگی گزارتی ہے اسلئے انسان بھی اسی مخلوق میں شامل ہے۔ لیکن عام مخلوق کے مقابلہ میں۔ اس میں حواس۔ وعقل وارادہ کارآمد اور قوی ہیں۔ انسان اگرچہ بعض حالتوں میں نظامِ کائنات میں خود بخود پابند ہے۔ لیکن چونکہ اس میں فہم وارادہ ایک زائد صفت بھی ہے۔ اسلئے انسان نے فہم وارادہ کے ہوتے ہوئے اپنی خواہش اپنی مرضی کو استعمال کرنا ہے۔ اس حالت میں انسان اس نظام کے مخالف بھی چلنے کی قدرت رکھتا ہے ــــ اسلئے اس نے اپنی مرضی سے نظامِ فطرت کی پابندی کرنی ہے۔ جسکے لئے اس میں خلافِ قانون کرنے کے بجائے اصول پر چلنے کیلئے۔ روح کے ذریعہ تحریک دی گئی۔ وہ ذہن وروح کے ذریعہ مشاہدہ

روحانی عالم کا ہے ـــــ ہاں ابتدأ میں انسان قلت میں تھا۔ رفتہ رفتہ انسانی آبادی بڑھنے لگی۔ انسان ابتدأ ایک مختصر غذا پر اپنی زندگی کو قائم رکھ رہا تھا۔ جوں جوں آبادی بڑھنے لگی۔ انسان زمین پر پھیلنے لگا۔ نقل مکانی میں اسے مختلف اشیأ کی لذت کا احساس ہوا ـــــ جہاں تک انسان نے ان لذتوں کے حصول میں زیادہ دلچسپی نہ لی انسان صحت منداور پاکیزہ رہا۔ جوں ہی انسان نے لذتوں کے حصول میں دلچسپی لی۔ اس نے لذتوں کے حصول کیلئے ذہن کو استعمال کرنا شروع کیا ـــــ جوں ہی ذہن لذتوں کے حصول پر سوچنے لگا۔ تو لذتوں کی خواہش بڑھنے لگی۔ اور دل میں انکی طلب کی جستجو پیدا ہوئی۔ اس طلب اور خواہش نے انسانی ذہن کو حصولِ لذت کیلئے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ جوں ہی انسان نے ذہن کو خواہش کا مطیع کر لیا۔ انسانی مشاہدہ میں فرق آنے لگا ـــــ انسانی ذہن کی یہ ترتیب ہے۔ کہ جب انسان کسی شے کو پسند کرے۔ تو اس میں اپنی پسند کے حصول کی خواہش بڑھ جاتی ہے۔ خواہش بڑھنے سے۔ انسانی ذہن اس چیز کا بار بار خیال کرتا ہے یعنی حافظہ ہر وقت اسی پسند کو تحت شعور (عقل) کے سامنے لاتا ہے۔ تو کسی دوسری کیفیت کو پانے میں دقّت محسوس کرتا ہے۔ جیسے شور وغل میں قریب کے آدمی کی بات سننے میں دقت پیش آتی ہے۔ اس طرح ذہن کسی دوسری کیفیت کو حاصل کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت مشاہدہ کی ہے۔ کسی خاص کیفیت کو تحت شعور (عقل) سے پانے کیلئے یکسوئی کرنی پڑتی ہے۔ یکسوئی سے مراد یہ ہے۔ کہ حافظہ جب مختلف قسم کی کیفیتوں کو عقل پر ڈالنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ تو شعور انہیں کیفیتوں میں الجھا رہتا ہے۔ اور اب کسی نئی کیفیت کو پانے کیلئے۔ حافظہ کے خیالات کو روکنے کیلئے۔ حافظہ کے خیالات کو یکجا کر کے قابو میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ حافظہ کے خیالات نئی کیفیت کے تصور میں حائل نہ ہوں ـــــ تصور سے مراد یہ ہے۔ کہ انسانی ذہن میں دو قوئ (Organ) شعور ـــــ اور تحت الشعور (عقل) ہیں۔ یہی دو قوتیں۔ دیکھنے۔ سننے۔ چکھنے۔ سونگھنے۔ اور چھونے کی کیفیتوں کو محسوس کرتی ہیں۔ اگر یہ قوتیں محسوس نہ کریں۔ تو انسان حواس کی حاصل کردہ کیفیتوں کا علم حاصل نہ کر سکے گا۔ مثلاً۔ آنکھ ـــــ آنکھ صرف دیکھنے کا آلہ ہے۔ بجائے خود اسکا دیکھنا مکمل نہیں۔ یہ عکس جب تحت الشعور تک پہنچے اسوقت آنکھ کی دیکھی کیفیت کا احساس و علم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر حِس کی کیفیت عقل پر پہنچنے سے علم میں آتی ہے۔ یہ امر ثابت ہے۔ کہ انسانی جسم میں ایک قوی برقی (ایتھری) نظام پایا جاتا

ہے۔خصوصاً حواس اور دماغ میں ـــــ ہر شے کی کیفیت پانے کیلئے تمام جسم اور دماغ میں ایک برقی قوت (ایثر) ہے جو کیفیتوں کو ایک آن میں ذہن (شعور وعقل) تک پہنچاتی ہے۔''جیسے آنکھ سے دیکھنا'' ـــــ !یعنی ایک کیفیت کو آنکھ سے دیکھنے کیلئے اس نظام میں (فضا میں) ایک برقی (ایثری) قوت موجود ہے۔ جو تمام کائنات پر پھیلی ہے۔لیکن محسوس نہیں کی جاتی۔دراصل یہ قوت لطیف ذرات کا مجموعہ ہے۔جن میں برقی (ایثری) قوت پائی جاتی ہے۔یہی برقی ذرات ایک کیفیت کو آنکھ تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔اگر یہ ذرات زمین پر نہ پائے جائیں تو انسان نہ دیکھ سکے گا نہ سن سکے گا۔گویا کسی کیفیت کو دیکھنے یا کسی بات کے سننے کیلئے ان برقی ذرات کا پایا جانا ضروری ہے ـــــ انہیں ذرات میں کیفیت جذب ہو کر لہروں کی شکل میں آنکھ کے پردہ (Eye Ball) پر آجاتی ہے۔آنکھ کے پردے سے یہ عکس اندر داخل ہو کر دماغ میں داخل ہو جاتا ہے۔اور حافظہ میں پہنچتا ہے۔حافظہ تحت الشعور (عقل) پر عکس ڈالتا ہے تو انسان کو اس کیفیت کا احساس ہو جاتا ہے۔ظاہر ہے آنکھ سے لے کر عقل تک کیفیت کا عکس پہنچنے میں بھی برقی ذرات ہی کام کریں گے اگر یہ ذریعہ آنکھ اور عقل کے درمیان موجود نہ ہو تو کیفیت کا عکس عقل تک نہ پہنچ سکے گا۔کیونکہ کسی کیفیت کا احساس کرنے کیلئے فضا میں برقی ذرات ہی ایک ذریعہ ہیں جن سے کسی وجود کا احساس کیا جاتا ہے ـــــ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنکھ کے ذریعہ یعنی آنکھوں کے اعصاب (Nerves) کے خون میں بھی یہ برقی ایثری ذرات موجود ہیں اور بغیر ان ذرات کے آنکھ سے شعور تک کیفیت نہیں پہنچ سکتی۔اور دماغ میں بھی یہ ذرات قوی ہیئت میں پائے جاتے ہیں ـــــ یہ قوی ذرات نہایت لطیف ہیں انکی ہیئت برقی یا ایثری ہوتی ہے اسلئے حواس اور دماغ کا فعل برقی۔لطیف یا روحانی کہلاتا ہے۔حواس کے ذریعہ ٹھوس مادی اشیأ کا احساس کیا جاتا ہے۔یہ کیفیتیں عقل محسوس کرتی ہے۔لیکن لطیف برقی یا روحانی کیفیات کا احساس نہ حواس سے ہوتا ہے ـــــ نہ عقل سے۔جیسے ہم فضا میں ہوا اور لطیف جراثیم یا ذرات کو آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔لیکن انکا ایک لطیف وجود ضرور ہے۔اِن کیفیتوں کو محسوس کرنے کیلئے دماغ میں عقل کے ساتھ شعور ہے۔یہی شعور غیر جسمانی کیفیتوں کا احساس کرتا ہے۔کیونکہ انسان جب آنکھ بند کر کے کسی کیفیت کا خیال کرتا ہے۔تو اسکے ذہن میں ایک غیر جسمانی حالت میں کیفیتوں کا تصور آجاتا ہے۔یہ کیفیتیں حافظہ میں غیر جسمانی

حالت میں موجود ہوتی ہیں ــــــ تنہائی میں خیالات میں غرق ہونے سے مراد یہی ہے۔ کہ شعور (اور عقل بھی ان کیفیتوں کو پالیتا ہے لیکن اس احساس میں شعور بھی شامل ہوتا ہے) حافظہ کے جمع کی ہوئی کیفیتوں کو محسوس کرتا ہے۔ اسکے علاوہ جب انسان سویا ہو۔ تو اسکا عقل کام کرنا چھوڑ دیتا ہے عقل جسم کے اعصاب (Motor Area) پر کنٹرول (قابو) رکھتا ہے۔ یہ عقل کے سو جانے کی دلیل ہے۔ کہ سوتے میں انسان کا جسم بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔ لیکن نیند کی حالت میں بھی اکثر انسان کھجلاتا یا کروٹ بدلتا ہے۔ یہ کام نیند میں عقل کا نہیں بلکہ اسکی دوسری جز شعور کا ہے۔ کیونکہ عقل اور شعور کا کام مشترک ہوتا ہے تو نیند میں شعور کی تحریک پر حرکت ہوتی ہے۔ یا غیر ارادی طور Motor Area کی تحریک سے حرکت ہوتی ہے۔ ورنہ عقل بے حس ہونے کی وجہ سے اپنا کام چھوڑ دیتا ہے۔ نیند کی حالت میں بھی انسان جاگتی حالت کی طرح (خواب) دیکھتا ہے۔ یہ کام شعور کرتا ہے۔ کہ یا تو خیالات کی کوئی شدید رو شعور میں داخل ہو جاتی ہے۔ تو شعور دیکھتا ہے۔ یا حادثاتی طور اگر جسم پر کسی قسم کی شدید کیفیت طاری ہو تو شعور (برائے حفاظت) کیفیت کی طرف توجہ کرتا ہے۔ شدت کی کیفیت کو محسوس کرنا۔ حفاظتِ خود اختیاری (یا قوتِ دفاع) کے تحت ہوتی ہے کیونکہ حیوان (جس میں انسان بھی شامل ہے) میں ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کا فطری مادّہ ہے۔ دوسرے زمانہ میں حادثات رونما ہوتے رہے۔ جن سے انسان خوف زدہ ہوتا رہا۔ اور ایسے حادثات میں وہ فطری طور اپنی حفاظت کی کوشش کرتا رہا۔ یہ خوف اور جذبۂ حفاظت انسان کی عادت ثانیہ بن گئی۔ اسلئے ہر حیوان ہر لحہ اپنی حفاظت کی فکر کا جذبہ قائم رکھتا ہے۔ یہ جذبہ۔ خوف اور حفاظت ــــــ انسانی ذہنوں میں پشت در پشت منتقل ہوتا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت ہر جاندار میں اندرون ایک نامحسوس خوف کا جذبہ قائم رہتا ہے۔ اسی خوف کے جذبہ کے تحت ہر جاندار کو اپنی حفاظت کا خیال رہتا ہے۔ جسکے لئے اس میں قوتِ دفاع کا مادہ موجود ہے یہ قوتِ دفاع دراصل وہ قوت (ذرات) ہے جو انسان کے جسم کی تعمیر کرتی رہتی ہے۔ جیسے چوٹ لگنے سے جسم پر زخم آ جاتا ہے۔ یا سانپ کاٹنے سے جسم میں زہر آ جاتا ہے۔ تو فوراً تعمیری ذرات جائے واردات پر پہنچ کر۔ زہر کا دفاع کرتے ہیں۔ یا فوراً زخم کی جگہ تعمیر کا کام شروع کرتے ہیں ــــــ یہی وہ ذرات ہیں جن سے جسم بڑھتا ہے۔ یہ ذرات خون کا آخری درجہ ہے جس سے جسم بنتا ہے۔ یہ تعمیری ذرات کہلاتے ہیں۔

انہیں ذرات کو دفاعی ذرات کہا جاتا ہے۔ یہ ذرات قوی ولطیف ہوتے ہیں۔ انہیں ذرات کو روح سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہی ذرات جب جسم پر کسی قسم کی شدت محسوس ہو۔ تو فوراً جائے واردات پر پہنچتے ہیں۔ جسم پر انتشار آنے کی وجہ سے جس طرح آنکھ فوراً جائے واردات کو دیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر عقل کی بے حسی کی وجہ سے کیفیت کو دیکھا نہیں جاتا تو فوراً شعور متحرک ہو کر جسم کے ہر حصہ پر نظر ڈالتا ہے۔ اس وقت جو کیفیت وارد ہو شعور اس کیفیت کو دیکھ لیتا ہے اور شعور دماغ کا ایک لطیف حصہ ہے۔ جس میں لطیف خون دورہ کرتا ہے۔ اس لطیف خون کی حالت برقی رو کی طرح ہے۔ یہ برقی رو دراصل لطیف روح ہے۔ اسلئے شعور کے دیکھنے سے مراد اس روح سے ہے جو دماغ میں قوی حالت میں (شعور میں) موجود ہوتی ہے۔ گویا شعور کے دیکھنے سے بھی مراد روح کا دیکھنا ہے۔ اسی عمل کو خواب میں دیکھنے سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح۔ نیند میں خیالات کو بھی شعور دیکھ لیتا ہے تو خیالی خواب دیکھنے میں آتی ہے۔ کیونکہ نیند کی حالت میں حافظہ برابر خیالات عقل پر ڈالتا رہتا ہے۔ لیکن عقل بے حس ہونے کی وجہ سے خیالات کو پا نہیں سکتا۔ اسوقت اگر جسم پر کوئی شدید اثر طاری ہوا۔ تو چونکہ ہر کیفیت حافظہ کے ذریعہ ہی شعور وعقل پاتا ہے۔ تو شعور حافظہ پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ اسوقت جو خیالات حافظہ سے ابھرے اور شعور نے دیکھ لئے وہی خیالی خواب شعور (یا انسان) دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ اسکے علاوہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ انسانی روح جو کہ دماغ میں قوی حالت میں ہے۔ قوتِ دفاع کی طرح متحرک ہو جاتی ہے۔ روح چونکہ لطیف (مانند ایکسرے کے) ہے۔ یہ جسم سے باہر بیرونی دنیا کی کیفیت کا عکس بھی حاصل کر لیتی ہے۔ یہی روح جب بیرونی دنیا کا عکس لیتی ہے تو یہ کیفیت بھی ذہن میں داخل ہو کر حافظہ میں آجاتی ہے۔ اسوقت شعور اس کیفیت کو دیکھ لیتا ہے۔ یہ سچی خواب کہلاتی ہے۔ یا ایسی کیفیتوں کا شمار رویائے صادقہ میں ہوتا ہے ـــــ یہ خاصیت انسانی ذہن میں فطری طور پائی جاتی ہے۔ اسلئے یہ عمل جاگتی حالت میں بھی ہوتا ہے۔ انسان اپنی روح کے ذریعہ عالمِ روحانی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ تو روح عالمِ روحانی کی کیفیت حاصل کر کے حافظہ میں لاتی ہے۔ اگر حافظہ کمزور ہو اور خیالات کو قابو میں نہ رکھ سکتا ہو۔ تو یہ خیالات ہر وقت بے ترتیب طریقہ پر عقل پر ڈالتا رہتا ہے۔ تو عقل ہر وقت خیالات میں غرق رہتا ہے۔ ایسے وقت میں اگر روحانی عالم سے رابطہ کیا جائے تو روح عالمِ روحانی کی کیفیت کو حافظہ تک

لاتی ہے۔لیکن حافظہ اپنے خیالات ہی شعور کے آگے ڈالتا ہے۔تو انسان کو یکسوئی کرنی پڑتی ہے۔کہ حافظہ کے خیالات کو شعور سے ہٹا کر روحانی کیفیت کو شعور کے سامنے پیش کرتا ہے۔اسکے لئے ضروری ہے۔کہ حافظہ اور ذہن کو کمزور نہ ہونے دیا جائے اور حافظہ میں خیالات کا ہجوم پیدا نہ کیا جائے۔تو حافظہ میں خیالات ترتیب وار جمع Set ہوتے ہیں۔اور جب بیرونی کیفیت شعور پر آئے تو اسے آگے بڑھنے کی جگہ مل جاتی ہے۔تو شعور عالمِ روحانی یا بیرونی دنیا کی کیفیتوں کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔لیکن جب انسان اپنی لذت کے زیر اثر مختلف کیفیتوں کی خواہش کرتا ہے۔تو یہ خواہشیں حافظہ میں جمع ہو جاتی ہیں اور جب انہیں خواہشات کی شب و روز جستجو کی جائے تو حافظہ انہیں خواہشات کو شعور و عقل پر ڈالنے کا عادی ہو جاتا ہے۔اور اگر انسان عالمِ روحانی کی کیفیات کا تصور یکسر چھوڑ دے تو خواہشات کا ہجوم حافظہ پر غلبہ پا لیتا ہے۔تو پھر باوجود یکسوئی کے بیرونی کیفیات کو شعور تک آنے کا موقع میسر نہیں آتا۔تو انسان عالمِ روحانی کی کیفیات سے بے خبر ہو جاتا ہے۔یہی وہ حالت ہے۔جب انسان خواہشات کی تکمیل میں عالم روحانی کی کیفیات۔نظامِ ترتیب۔حقیقی تنظیم روحانی ــــ اور دین فطرتِ روحانی کی تحریک سے غافل ہو کر۔پابندی قوانین فطرت پر مائل نہیں ہوتا۔اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں قوانین فطرت کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خلافِ فطرت اقدام کرنے سے باغی ہو جاتا ہے ــــ یہی حالت انسان کی ہوئی۔ جب اس نے خواہشات کی تکمیل میں حد سے بڑھنا شروع کیا۔تو اسکی روحانی تحریک اور نظم و ضبط ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی خصوصیت کو بھول گیا۔اب اسے مشاہدۂ عالمِ روحانی کا احساس قطعی نہ رہا ــــ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے انسان میں کوئی روحانی خصوصیت ہوتی ہی نہیں ــــ انسان نے خواہشات کی تکمیل کیلئے جستجو کی اور بڑھتا گیا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔کہ یہ حالت انسان کی بہت مدت بعد ہوئی۔ابتداً انسان نے لذت کو پایا۔لیکن اسکا مشاہدہ کامل رہا ــــ اس نے خواہش کی لیکن مشاہدہ کی لذت کو ترک نہ کیا۔اسکا نتیجہ یہ تھا کہ انسان ہر قسم کی لذت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔مگر ساتھ ساتھ مشاہدہ میں بھی کامل رہا۔اس طرح یہ دینِ فطرت پر کامل طور پابند رہا ــــ لیکن نئی لذت ــــ خواہشات ــــ اور خواہشات کے حصول میں وسعت ــــ! ایسے موقع پر حادثاتی طور ایجاد پیدا ہوتی ہے۔ایجاد حصول سامان زندگی میں آسانی پیدا کرتی ہے۔جو چیز محنت سے حاصل کی

جائے وہ آسانی سے حاصل ہونے لگتی ہے۔اس آسانی میں آرام طلبی آ جاتی ہے ـــــ آرام طلبی میں انسان اپنی فطری صفت محنت و جفاکشی سے رہ جاتا ہے۔جسکا اثر جسمانی صحت پر پڑتا ہے۔انسان کاہل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔اور اکثر حادثات کا مقابلہ کرنے سے عاری ہو جاتا ہے اسطرح اسکی قوتِ دفاع۔ اور جسمانی قوت کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔آخر اسکا اثر اسکے اعصابی نظام پر پڑتا ہے۔اعصابی نظام کمزور ہونے سے ۔جسم کی صحت باقی نہیں رہتی۔ذہن کمزور ہو جاتا ہے۔قوتِ ارادی کمزور ہو جاتی ہے۔ضرورت کے حصول میں دقت پیدا ہوتی ہے۔خواہشِ فضول کا وجود پیدا ہوتا ہے۔تو انسان اپنی ضرورتیں پورا کرنے میں یا تو کمزور و عاجز ہو جاتا ہے۔یا اپنے حصول کے لئے نئے حیلے یا ذریعہ سوچنا شروع کرتا ہے۔

ایک ابتدائی زمانہ تھا انسان کو بلا مشقت سامانِ زندگی میسر تھا ـــــ نئی لذتوں میں اسکے سامان زندگی میں نئی نئی اشیاٗ حاصل ہوئیں انکے حصول میں اسے قدرے محنت کی ضرورت پڑی۔انسان نے نقل مکانی کر کے ایک جگہ کی لذت سے دوسری قسم کی لذت (غذا) پائی گھاس پات کی جگہ دریائی مچھلی۔گوشت۔ہرن وغیرہ پائے تو انکے حاصل کرنے میں اسے محنت کی ضرورت پڑی مچھلی پکڑنے میں ذہن کو استعمال کرنا شروع کیا تو جال ایجاد کیا ـــــ ہرن حاصل کرنے کیلئے اسے ہرن کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت پڑی ـــــ کسی وقت بھاگتے بھاگتے غیر ارادی طور ہرن پر پتھر دے مارا اور ہرن چوٹ کھا کر گرا تو پتھر ایجاد ہوا۔اس ایجاد نے مزید ایجاد کی تحریک دی۔انسان نے دور سے ہرن مارنے کیلئے درخت کی ٹہنی۔کھال کی رسی وغیرہ استعمال کئے اسطرح حصول سامانِ زندگی میں اسے ایجاد سے سابقہ پڑا ـــــ اور ساتھ ہی آسانی سے چیز حاصل کرنے میں محنت کم ہوگئی۔جسکا نتیجہ یہ ہوا۔کہ انسان۔لذت کا دلدادہ ہوا ـــــ لذت کے حصول میں خواہشات پیدا ہوئیں ـــــ خواہشات کی تکمیل کیلئے انسان نے ذہن کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔شب و روز ذہن لذت اور خواہشات کے تصور میں الجھا رہا۔جس سے ذہن تھک گیا۔حافظہ کی ترتیب (Setting) درست نہ رہی تو مشاہدات میں فرق آ گیا۔اکثر مشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے عالم روحانیت سے بے خبر ہو گیا۔جوں جوں زمین پر آبادی بڑھتی گئی انسان نے حصولِ لذت اور خواہشات کی تکمیل میں ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا شروع کر دیا۔تو اسکا نتیجہ یہ ہوا۔کہ

غالب اور طاقتور انسان نے ذخیرہ اندوزی شروع کی اور دوسرے کمزور انسانوں کو اپنا مطیع ومحکوم بنایا۔ کمزور اپنی ضرورت نہ پا سکا تو کسی کا محکوم بنا ـــــ غالب انسان اگرچہ ضرورت حاصل ہونے کے سبب صحت مند رہ سکتا ہے۔ لیکن اسکی صحت کی کمزوری کے بھی دو اسباب موجود ہیں۔ ایک تو ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے میں انسان لذت کا غلام ہو جاتا ہے۔ تو اپنی قوت سے زیادہ اشیاءً کا استعمال شروع کرتا ہے۔ اسطرح اسکا نظامِ ہاضمہ کمزور ہو کر صحت کمزور ہو جاتی ہے۔ دوسرے دنیوی امور میں ذہن ہر وقت برسرِ عمل رہنے کی وجہ سے انسانی ذہن کے اعصاب کمزور ہو کر قوتِ فہم اور قوتِ مشاہدہ کمزور ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ اسطرح ایک غالب انسان بھی کمزوریٔ صحت اور کمزوریٔ ذہن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ضرورت سے زائد حصول کیلئے انسانی جستجو سے فطری قانون کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔ کہ ایک شخص اپنی ضرورت سے زائد اشیاءً جمع کر کے دوسروں کے حقوق اور ضروریات کو تنگ کر دیتا ہے۔ یہ چیز نظامِ فطرت کے خلاف ہے۔ دوسرے انسانی جسم کی پاکیزگی اور تندرستی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بھی نظام فطرت کے خلاف ہے۔ تیسرے انسان عالمِ روحانی کے مشاہدہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ ذہنی قوت کمزور ہونا بھی نظامِ فطرت کے خلاف ہے۔ چوتھے انسان بغیر مشاہدہ روحانی فساد وخونریزی پر آمادہ ہو کر نظامِ فطرت میں بغاوت پیدا کرتا ہے۔

غرض متذکرہ بیان کی تفصیل سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ اس خود بخود پیدائش میں۔ ایک مکمل تنظیم بھی پائی جاتی ہے۔ جس تنظیم نے اس کائنات کی پیدائش کو بامقصد پیدائش بنایا۔ اور جب اس تنظیم اور اس پیدائش پر غور وفکر کے ساتھ۔ تحقیق وتجزیہ کیا جاتا ہے۔ تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس محسوس دنیا سے ماورئی اور بھی عالم (دنیائیں) پائے جاتے ہیں۔ جنکا وجود ماضی سے لاتعداد زمانہ سے چلا آیا ہے۔ انہیں عالموں کی آخری تنزلی ہیئت ہماری کائنات ہے۔ اور یہ تسلسل برابر چلا آیا ہے۔ خاکی وجود سے قبل ناری اور نوری وجود بھی موجود ہیں۔ جنہیں عالمِ روحانی کہا جاتا ہے۔ اور ان تمام وجودوں کی ابتدا ایک ایسے وجود سے ہوتی ہے۔ جس میں۔ قوت۔ روشنی۔ حواس۔ فہم۔ ارادہ۔ حرکت پائی جاتی ہے۔ یہی تمام نوری۔ ناری۔ خاکی وجودوں کی ابتدائی علت (Mater) ہے۔ جسے عربی میں اللّٰہ کے تصور سے احساس میں لایا جاتا ہے ـــــ چونکہ اللہ صاحبِ فہم۔ صاحبِ ارادہ ہے۔ اور تمام وجودوں کی علتِ کل

ہے۔اسلئے باقی وجود مخلوق (محکوم) کا درجہ رکھتی ہیں۔اور وہ علت اپنی وسعت وقوت کے اعتبار سے ہر مخلوق کی خالق کہلاتی ہے۔اسی نے یہ تمام وجود مخلوق کئے (بنائے) اوران کی پیدائش (بناوٹ) میں ایک خاص۔ترتیب اور نظام قائم کیا جسے نظامِ فطرت۔قانونِ فطرت۔دینِ فطرت یا دین اسلام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔چونکہ ہر مخلوق کی پیدائش میں ایک خاص ترتیب وتنظیم پائی جاتی ہے۔اسلئے اس تنظیم کا قائم رہنا۔اورانسان کا اسی تنظیم کا پابند رہنا۔ہر مخلوق کی پیدائش اور زندگی کا واحد مقصد ونصب العین قرار دیا جاتا ہے۔

اس تنظیم کی ہر مخلوق پابند ہے۔یا ہر مخلوق اسی تنظیم میں پابند ہے۔صرف ایک انسان کیلئے اس تنظیم کی پابندی۔اسکے ارادہ واختیار پر منحصر ہے۔کیونکہ ایک انسان میں۔ظاہری حواس۔عقل وفہم (ذہنی قوت) ایسی پائی جاتی ہے۔جس سے وہ اپنے ارادہ کو اپنی مرضی۔اپنی خواہش کے ساتھ اس تنظیم کی پابندی کرتا ہے۔یا مخالفت کرتا ہے۔ایسا ہی مظاہرہ اس کائنات میں ـــــ دیکھنے میں آتا ہے۔کہ انسانی جسم اور ذہن کسی مخلوق میں پایا نہیں جاتا اور یہ صفات (جسم وذہن) پانے کا مقصد صرف انسان کا دین اسلام کی پابندی کرنے کیلئے ہے ـــــ یا دینِ اسلام کی پابندی کا مظاہرہ انسانی جسم وذہن سے ہوتا ہے ـــــ!اور باقی مخلوق اگر چہ دینِ اسلام کی خود بخود پابند ہے۔لیکن ان میں انسانی طرز کا جسم وذہن نہیں۔کچھ مخلوق محسوس ہے اور کچھ غیر محسوس (روحانی) اسلئے انسانی عظمت وبرتری ـــــ اور انسانی ساخت و بناوٹ۔اور انسانی خصوصیت کے مقابلہ میں باقی مخلوق کی کوئی وقعت نہیں۔اسلئے انکی پابندی کی کوئی اہمیت نہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ اس کائنات میں صرف انسانی پیدائش ہی کسی اہمیت اور خصوصیت کی حامل ہے۔اور اسکی فطری بناوٹ کے اعتبار سے صرف انسان کے ذمہ ہی (جبکہ اس میں قوی حواس و فہم پایا جاتا ہے) دین اسلام کی پابندی لازم ہے۔گویا اس کائنات میں صرف ایک انسان کا پیدا ہونا ہی۔پیدائش کا اصل مقصد ہے۔اور اس پیدائش کا پیدا ہونا صرف پابندی دین اسلام کیلئے ہے ـــــ یعنی ایک دانہ کے بونے میں صرف ایک لذیذ۔خوشبودار پھل حاصل کرنا مقصود ہے۔جسکے لئے پہلے تنے کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔تنے سے شاخیں وجود میں آتی ہیں۔شاخوں سے پتے وجود میں آتے ہیں اور پتوں سے پھول وجود میں آتے ہیں اور پھولوں سے پھل حاصل کیا جاتا ہے۔اس ترتیب وترکیب میں اصل

مقصد پھل کا حصول ہے۔لیکن پھل کے حصول کیلئے تنے ۔شاخیں ۔پتے اور پھول کا پایا جانا ضروری ہوا ـــــ اور پھل کے مقابلہ میں ان زائد کیفیتوں کی کوئی وقعت واہمیت نہیں۔یہی کیفیت انسان کی پیدائشی ترتیب میں ظاہر ہے۔کہ تمام نوری۔ناری اور خاکی وجود مثل تنے ۔شاخوں۔پتوں اور پھولوں کی طرح ایک خصوصی مقصدِ پیدائش کے پیدائشی تنظیم کے اسباب ہیں۔اور اصلِ مقصد کے مقابلہ میں انکی پابندئ دین اسلام میں کوئی اہمیت انہیں حاصل نہیں ۔چونکہ انسان ایک پھل کی سی حیثیت رکھتا ہے۔اسلئے یہ تمام کیفیتیں صرف ایک انسانی پیدائشی مقصد کو پورا کرنے کیلئے ظہور میں آئی ہیں ـــــ لہٰذا اس کائنات میں صرف انسان کیلئے دین اسلام کی پابندی کرنا۔کائنات کا حقیقی مقصد ثابت ہوتا ہے۔

گزشتہ بیان میں یہ ظاہر کیا گیا۔کہ انسان ایک خصوصی پیدائش ہے اور انسان کس طرح دین اسلام کی پابندی کرتا ہے۔اور اسی کے کردار سے دینِ اسلام کی پابندی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔چنانچہ اس زمین کی ابتدائی پیدائش ایک انسان سے ہوتی ہے۔جو اپنی پیدائش میں ایک کامل واکمل وجود۔صحت مند اور پاکیزہ جسم وذہن حاصل کئے ہے۔اور آئندہ زندگی میں اس وجود نے اپنی جسمانی قوت کو پاکیزہ اور صحت مند رکھنا ہے۔جسکے لئے یہ ضروری ہے۔کہ انسان اس نظامِ کائنات کی تنظیم کے ماتحت۔اپنی زندگی کا سامان حاصل کرے۔اس حصول میں انسانی ذہن ـــــ انسان کو حاصل ہے۔جس سے وہ اس کائنات کی تنظیم کی حدود کے اندر رہ کر آسانی سے سامانِ زندگی حاصل کرتا ہے۔کائنات کی تنظیم کی حدود کے اندر رہنا اسکا خصوصی عمل ہے۔جسکے لئے انسانی ذہن۔حواس وفہم اور ارادہ برسرِ عمل رہتا ہے ـــــ اس خصوصی عمل میں ذہنی فطری قوتِ مشاہدہ کو کام میں لانا ہے۔تاکہ عالمِ روحانی سے رابطہ رکھتے ہوئے انسان میں تنظیمِ کائنات کی پابندی کی تحریک جاری رہے۔

عالمِ روحانی کا تسلسل ایک عظیم نورانی وجود تک پہنچتا ہے۔جسے علتِ لامحدود اللہ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اللہ چونکہ علتِ کل ہے۔اس اعتبار سے وہ ذات۔مجسم حواس۔فہم۔ارادہ۔کا حامل ہے۔ اس کائنات میں تمام نظام اس اللہ کے ارادہ سے جاری ہے۔اور یہ تمام تنظیم بھی اسی کی تخلیق ہے ـــــ اسلئے نظامِ کائنات کی تنظیم کی پابندی کیلئے انسان نے اپنی پابندی میں دینِ اسلام کی پابندی کے ساتھ اللہ کی ذات کو شامل رکھتے ہوئے۔اللہ کے دین یا اللہ کے بنائے ہوئے دینِ اسلام کی پابندی کا تصور

رکھنا ہے ــــ! یہی وہ تصور ہے۔ جو ابتدأ انسان کو حاصل ہوا۔ کہ انسان نے اپنی زندگی کو قائم رکھنے کیلئے۔ اپنے حصولِ سامانِ زندگی میں دینِ الٰہی کی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا سامان حاصل کیا۔ اور دینِ الٰہی کی پابندی کو قائم رکھنے کیلئے عالم روحانی کی حقیقی تنظیم (یا حقیقی دین اسلام) اور علتِ لامحدود اللہ کی ذات کا تصور و مشاہدہ حاصل کیا۔ اور جب انسان کو تصورِ ذاتِ الٰہی اور مشاہدۂ ذاتِ الٰہی حاصل ہوا تو یہ ایک کامل واکمل انسان کہلایا۔ یہی ایک تصور ہے جو انسانی پیدائش اور انسان کا تصور ہے۔ جس پر ہر انسان نے اپنی زندگی کی تکمیل وانجام کرنا ہے۔

یہ تصور حقیقی ایک انسان کا ہے۔ اسکے بعد انسانی کردار کا عملاً۔ ظاہراً احساس کرنا۔ زمانہ کے دور میں انسانی کردار سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ چیز تواریخ سے حاصل ہوسکتی ہے۔ لیکن ابتدائی زمانہ کی طرزِ زندگی میں جبکہ انسان کو تواریخ مرتب کرنے کی نہ ضرورت تھی۔ نہ ہی اسکا احساس تھا ــــ اسلئے ابتدائی انسانی زندگی کے کردار کی تفصیل تواریخ کے ذریعہ حاصل ہونی ممکن نہیں۔ نہ ہی اسکا کوئی حقیقی تصور حاصل ہوسکتا ہے جب تک کہ ماضی کے واقعات کو دہرانے والی سرگزشت کو پانے کیلئے کوئی مستند ذریعہ مہیا نہ ہو ــــ!

دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ ہر دور میں جبکہ انسان نے ماضی کے واقعات سے آگاہی حاصل کرنے کی جستجو کی تو انسانی مباحث میں۔ ابتدائی دور۔ ابتدائی زندگی اور انسان کا ذکر ہوتا رہا ــــ! اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ماضی میں ایسے واقعات کا ظہور ضرور ہوا ــــ جس سے اس کائنات میں ایک انسان کی ابتدا کا پتہ چلتا ہے۔ کہ زمین پر باقی مخلوق سے ماسویٰ ایک انسان کی ابتدأ کسطرح اور کب ہوئی۔ زمانہ کا تعین اس حال میں بھی مشکل ہے۔ کہ انسان کس زمانہ میں پیدا ہوا ــــ لیکن یہ تصور ضرور قائم ہے۔ کہ زمین پر ابتدأ ایک انسانی وجود ظاہر ہوا ــــ جسے آدم کہا جاتا ہے۔ اسی آدم کے تصور کے ساتھ انسانی ابتدا کو وابستہ کیا جاتا ہے۔ یہ انسان ایک مکمل انسان تھا۔ جس میں پاکیزہ وصحت مند جسم اور قوی فہم وارادہ پایا جاتا تھا۔ اور اسی آدم سے نسلِ انسانی کا سلسلہ چلا آیا اور زمین پر اسکا کردار وعمل کیا تھا ــــ؟ وہ گزشتہ بیان سے واضح کیا گیا ہے۔ کہ انسانی پیدائش ایک خصوصی پیدائش ہے۔ اور اسکا کردارِ وعمل۔ صحت منداور پاکیزہ جسم و ذہن قائم رکھنا اور تصور ومشاہدۂ عالم روحانی اور تصورِ ذاتِ الٰہی کو قائم

رکھتے ہوئے دین الٰہی کی پابندی کرنا ہے جس سے انسان کو مسلم کہا جاتا ہے۔

ان کیفیتوں کیلئے۔ جبکہ تواریخ سے ہمیں کوئی کیفیت حاصل نہیں ہوتی ـــــ تو پھر انسانی زندگی کے ماضی کے آثار کا تجزیہ کرنا ہے۔ کہ ہر زمانہ میں انسانی اصلاح کیلئے ایک مصلح کا وجود ضرور پیدا ہوتا رہا ہے ـــــ

قدیم زمانوں کے آثار سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان فطری طور پر ایک صحت مند پاکیزہ وجود پیدا ہوتا رہا۔ اور جب انسان نے لذت اور خواہشات کی تکمیل پر ہی اپنی قوت استعمال کی تو حصولِ لذت میں انسان فطری قانون کی حدود سے باہر ہوا۔ اس نے زائد حصول کی جستجو کی زائد حصول کے جذبہ سے خود غرضی۔ آرام طلبی پیدا ہوئی ـــــ اسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ زائد حصول میں انسان نے باقی مخلوق کے حقوق کو اپنے تصرف میں لانا چاہا تو انسان ایک دوسرے کو اپنا محکوم۔ اور مغلوب بنانے لگے۔ اسطرح انسانی آبادی میں فساد ـــــ خونریزی۔ جسم و ذہن کی کمزوری پیدا ہوئی۔ اور قانون فطرت۔ حقیقی تنظیم۔ دین فطرت۔ دینِ الٰہی کی خلاف ورزی شروع ہوگئی۔ جس سے نظامِ فطرت میں خلل واقع ہوا۔ چونکہ فطری پیدائش کا تقاضا یہی تھا۔ کہ زمین پر ہر پیدائش صحت منداور پاکیزہ پیدا ہو اسلئے ایسے زمانہ میں بعض صحت مند وجود ایسے پیدا ہوئے۔ جنکی پیدائشی صفتیں قوی و بحال رہیں۔ انہوں نے نظامِ کائنات کی برہمی اور بگاڑ کو محسوس کیا۔ انکے دلوں میں یہ جذبہ پیدا ہوا۔ کہ اس نظامِ فطرت کی درستی کیلئے۔ انسان کو دوبارہ تنظیمِ فطرت کا پابند کیا جائے۔ ایسی ہستیوں نے انسانی اصلاح کیلئے جدوجہد کی ـــــ اور انسان کو تنظیم فطرت کے اصولوں پر چلانے کی مہم شروع کردی ـــــ یہ ظاہر ہے۔ کہ دین اسلام کے اصول ابتدأ کائنات میں جاری تھے۔ اسلئے انہیں اصولوں پر اپنی اصلاح کی ابتدأ کی وہ یہ کہ ہر انسان کو اس دنیا میں صحت مند حالت میں زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ ہر شخص کو اسی قدر حاصل کرنے کا زمین پر حق حاصل ہے۔ جس قدر اسے اسکی ضرورت ہے۔ اور جس سے اسکی جسمانی۔ ذہنی حالت قوی و سالم رہ سکے ـــــ کسی شخص کو دوسروں کے حقوق پر قبضہ کر کے اسکی ضرورتوں کو تنگ کرنے کا حق نہیں ـــــ یہی وہ بنیادی سبب ہے۔ جس سے انسانی زندگی میں تنزل واقع ہوتا ہے ـــــ تو اس بنیادی سبب کی اصلاح کیلئے۔ ایک مصلح نے کائناتی تنظیم کے ان اصولوں کا اجرأ کیا جن پر کائنات کی تنظیم جاری ہے ـــــ وہ یہ کہ

انسان پھر سے قوی ذہن ــــ قوی روح ہوکر عالمِ روحانی کی تنظیم کا پابند رہے۔ جسکے لئے انسانی صفات کو قوی کرنا ــــ لذت۔ خواہشات۔ اور حصول میں اِعتدال قائم کرنا ضروری ہے ــــ! لذت کا احساس کم ہونے سے۔ خواہشات کم ہو جاتی ہیں ــــ خواہشات کم ہونے سے۔ ذہن فروعی تصورات سے فارغ ہو جاتا ہے۔ فروعی تصورات کم ہونے سے ذہن کو سکون ملتا ہے۔ سکون ملنے سے۔ ذہن وروح کو عالمِ روحانی کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ملتی ہے۔ عالمِ روحانی کی طرف متوجہ ہونے سے ہی انسانی عادات (لذت۔ خواہشات۔ زائد حصول) میں اصلاح ہو جاتی ہے۔ اسی اصلاح سے انسان دوبارہ عالمِ روحانی کی طرف یکسو ہوکر دوبارہ تنظیمِ حقیقی کی تابعداری پر مائل ہو جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے انسان پھر دین اسلام کی تابعداری پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی زمانہ میں ایک مصلح۔ اور اسکی اصلاح کا یہی طریق جاری ہوا ــــ اور اس طریق کو کس طرح روبہ عمل لایا گیا ــــ؟۔ وہ یہ کہ ایک مصلح خود صحت مند جسم و ذہن کا مالک تھا۔ اس نے تبلیغی طریقہ پر لوگوں کو تلقین کرنا شروع کیا۔ کہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ ہر شخص کو اسکا سامانِ زندگی آسانی سے حاصل ہو ــــ تاکہ ہر شخص اپنی جسمانی اور ذہنی قوت کو بحال رکھ سکے۔ یہ ایک فطری اثر ہے۔ کہ لذتِ نفس سے مغلوب انسان آرام طلبی اور کمزور ارادہ کی وجہ سے حقیقی اصولوں کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا ــــ اسکے لئے ایک مصلح کو چند ضروری تدبیریں کرنی پڑتی ہیں۔ اول یہ کہ ماحول کو سازگار بنانے کیلئے ایک جماعت کی تشکیل دینا۔ یعنی اپنے اثر ورسوخ سے لوگوں کو اپنا ہم خیال اور ساتھی بنانا ــــ اسکے لئے ایک مصلح کا ذاتی کردار استعمال ہوتا ہے۔ کہ مصلح خود قانون فطرت کا پابند ہوتا ہے۔ اسکی تمام انسانی قوتیں قوی ہوتی ہیں۔ اسکا اخلاق و عمل بہتر ہوتا ہے۔ جس وجہ سے فطری طور ہر انسان اسکے قول وفعل اور حسنِ اخلاق سے متاثر ہوتا ہے۔ اور اکثر انسان اسکی تبلیغ اور طریقِ زندگی کو قبول کرکے مصلح کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس طرح ایک سے دو ــــ دو سے چار ــــ اور چار سے کثیر تعداد افراد کی ایک جماعت وجود میں آتی ہے ــــ جن میں کا ہر شخص ایک مصلح کے اصلاحی طریق پر کاربند رہ کر اپنی جسمانی ذہنی قوت حاصل کر لیتا ہے ــــ اور ساتھ ساتھ تنظیم فطرت کی مطابقت کرنا شروع کر دیتا ہے ــــ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ انسانی تنزل پر ہر انسان بوجہ فساد منتشر پریشان حال اور مضطرب ہو جاتا ہے۔ جب یہ حالت دیر تک قائم رہے۔ تو انسانی فطرت میں یہ

صفت بھی ہے۔ کہ اضطرابی اور پریشان کن حالت میں وہ سکون کا متلاشی رہتا ہے۔ ایسے موقع پر جب ایک مصلح اصلاح انسانی پر آمادہ ہو جائے۔ تو ایسے پریشان لوگ مصلح کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ مضطرب گروہ کمزور فاقہ کش اور مغلوب انسانوں کا گروہ ہوتا ہے ـــــ جو اپنا سامانِ زندگی میسر نہ ہونے کی وجہ سے کمزور جسم و ذہن ہو جاتے ہیں۔ اپنی ضروریات میسر نہ ہونے کی وجہ سے ایسے لوگ مفلوک الحال اور ناتواں ہو جاتے ہیں ــــ یہ گروہ اولاً ایک مصلح کا ساتھ دیتے ہیں۔ چونکہ مصلح قوانین فطرت حقیقی (یعنی عالم روحانیت) کے تابع صاحب مشاہدہ بھی ہوتا ہے اسلئے۔ ایسا مصلح اپنی جماعت کو ابتدأ روحانی توجہ سے عالم روحانی کا تابع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ عالم روحانی سے رابطہ منقطع ہونے سے ہی انسان کو لذتِ نفس کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے عالم روحانی کی طرف متوجہ ہونے سے ایک انسان کی خواہشات اور لذت کم ہو جاتے ہیں۔ خواہشات کم ہونے سے انسان میں خود بخود اپنی ضرورتوں کا احساس مٹ جاتا ہے۔ احساس مٹ جانے سے انسان کو خود بخود سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ گویا۔ دین الٰہی کی مطابقت کرنے کیلئے ایک مصلح ابتدأ روحانی طریق اختیار کرتا ہے۔ تا کہ اس طریق سے انسانی ذہن و قلب کی اصلاح ہو۔ یہ اصلاح ''روحانی اصلاح'' کہلاتی ہے اور جب تک انسانی قلب و ذہن کی اصلاح نہ ہو۔ انسان کسی طرح بھی اپنی لذتِ نفس۔ خواہشاتِ نفسانی۔ آرام طلبی۔ اور زائد حصول کی جستجو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔ مصلح اگر چہ ظاہری تدبیریں اختیار کر کے عوام کو اصلاح کی طرف لانے کی کوشش کرے لیکن اسکی کوشش تب تک کاملاً کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ایک انسان بہ رضا و رغبت خوشی سے قوانین فطرت یا اصلاحی اصولوں کی پیروی نہ کرے۔ یہ خاصیت تب تک انسان میں نہیں آسکتی جب تک انسانی قلب و ذہن کی اصلاح نہ ہو۔ اور انسان عالمِ روحانی (یا روحانیت) کی طرف خود مائل نہ ہو۔ روحانیت ہی انسانی عادات و خصائل کو بدل سکتی ہے۔ کیونکہ انسان میں یہ روحانی قوت موجود ہے۔ جو عالمِ روحانیت کی طرف رجوع کرنے کی خاصیت اپنے میں رکھتی ہے۔ اور جونہی انسان عالمِ روحانی سے رابطہ شروع کر دیتا ہے۔ تو اسکا ذہن و قلب مصفٰے ہو جاتا ہے۔ اور اسکی طبیعت روحانیت کو زیادہ پسند کرنے لگ جاتی ہے۔ جب روحانیت کو انسان نے پسند کرنا شروع کیا۔ تو خود بخود انسانی کردار کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ اپنی تمام لذتوں کو ترک کر دیتا ہے۔ اور اپنی

ضروریات کو مختصر کر دیتا ہے۔اس طرح جسم کو صحیح غذا میسر ہو جاتی ہے۔اور جسم توانا ہو جاتا ہے۔جسم کے ساتھ ذہن بھی توانا ہو جاتا ہے۔اور انسان اپنے ابتدائی مقام ''مسلم'' پر پھر سے آجاتا ہے۔اور جب ایسے لوگوں کی کثرت ہو تو یہ ایک صالح معاشرہ بن جاتا ہے۔اس معاشرے کے اصول اور کردار ایک قانون بن جاتے ہیں۔جسے مذہب کہا جاتا ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے۔کہ ہر دور میں لوگوں کی طبیعتیں۔ماحول۔عادات۔اور طریق زندگی مختلف ہوتا ہے۔جیسا زمانہ ہو ویسا ہی ماحول۔جیسا ماحول ہو۔ویسی ہی عادات۔جیسی عادات ہوں ویسی ہی طبیعتیں پائی جاتی ہیں۔اسلیئے انسانی اصلاح کا اجرأ زمانہ اور ماحول کے مطابق ہوتا ہے اور یہ طریق زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔یعنی اصلاحی تدابیر وقوانین واصول میں بھی ترمیم۔اور تبدّل کیا جاتا ہے ــــ ایک ابتدائی زمانہ میں لوگوں کی جسمانی قوتیں باوجود تنزل کے قوی ہوتی تھیں ــــ انکی جسمانی ساخت قوی ہوتی تھی۔اسکے ساتھ ہی جبکہ ایسے انسانوں کی غذا صرف گھاس پات۔یا گوشت ہوتا تھا ــــ انکی ضروریات مختصر ہوتی تھیں ــــ انکی لذتِ نفس اور خواہش بھی محدود ہوتی تھی ــــ لہٰذا انکی بغاوت کا اثر بھی محدود ہوتا تھا ــــ اور اسی طرح انکی خلاف ورزیاں بھی شدید نہ ہوتی تھیں۔اسلیئے انکی عادات کے مطابق ہی انکے لئے اصلاحی تدابیر کی ضرورت پڑتی اور انسان تھوڑی سی محنت سے اصلاح پذیر ہو کر اپنا صحت مند پاکیزہ مقام حاصل کر لیتا ــــ اور جوں جوں آبادی بڑھتی گئی ضرورتوں میں وسعت ہوئی ــــ مختلف لذتوں کا اضافہ ہوا ــــ خواہشات بڑھتی گئی انسان میں آرام طلبی زیادہ آگئی اسی طرح انسان کے حصولِ لذت اور زائد حصول کے طریق بھی بڑھ گئے۔اسلیئے انسانی عادات اور خلاف ورزیوں میں اضافہ ہوا۔انسان نے حصول زائد کے نئے نئے طریقے اختیار کیۓ تو انسانی اصلاحی تدابیر میں بھی زمانہ کے مطابق ترمیم اور اضافہ ہوا ــــ اس طرح مختلف قوموں کیلیئے۔ مختلف زمانوں میں۔زمانے کے مطابق اصلاح کرنے والوں نے قوانین بنائے۔جس سے مذاہب میں فرق محسوس ہوا۔یہ دراصل فرق نہیں۔بلکہ قوانین تنظیم کائنات کے حدود کے اندر فطری ہیں لیکن ہر زمانہ میں زمانہ کے مطابق ہی نافذ ہوتے رہے ــــ اور یہ قوانین صرف ظاہری ماحول کو صالح اور سازگار بنانے کیلیئے ہوتے ہیں ــــ ان تدابیر میں ظاہری عادات وخصائل بدلنے کیلیئے تدبیریں ہوتی

ہیں۔ مثلاً ابتدائی زمانہ میں جبکہ انسان میں صرف زائد حصول کی خواہش پیدا ہوئی ـــ وافر سامانِ زندگی نے انسان کو آرام طلب کر دیا ـــ زمانہ میں سامانِ زندگی کی کثرت تھی ـــ تو انسان میں صرف یہی ایک کمزوری تھی کہ ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا ـــ ضرورت سے زیادہ کھانا ـــ وافر ضرورتیں ملنے کی وجہ سے آرام طلب ہونا اور اپنے ذہن میں انہیں خواہشات کو بسا کر ذہن کو روحانیت سے دور کر دینا ـــ یہ ایک واحد کمزوری تھی اسلئے اسکی اصلاح کیلئے ـــ صرف انسان سے خواہش کے کم کرنے کی ضرورت تھی۔ اسکے لئے یہ تدبیر کافی تھی کہ ایسے انسان کو ایک صالح ماحول میں پابند کر کے روحانی تعلیم دی جائے۔ تاکہ اس میں روحانیت کی طرف توجہ کرنے کی تحریک ہو ـــ اسکے لئے ظاہری تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ اور جب آبادی کثرت سے ہونے لگی انکی ضرورتیں بڑھنے لگیں۔ انکے حصول میں بھی نئے طریقے اختیار کئے گئے۔ تو انسان میں ـــ ذخیرہ اندوزی۔ جھوٹ۔ ایک دوسرے سے عداوت۔ حسد۔ کینہ۔ بغض ـــ نفرت۔ فریب۔ جوا وغیرہ کا اضافہ ہو گیا ـــ تو ایسے امراض کیلئے اصلاحی تدبیروں کو وسعت دینے کی ضرورت پڑی اور اسکے لئے ظاہری تدابیر بھی اختیار کرنی پڑیں۔ دوسری طرف لوگوں میں خواہشات نفسانی۔ زائد حصول۔ ذخیرہ اندوزی۔ لذت نفس نے آرام طلبی پیدا کی تو لوگوں نے اصلاحی تدابیر قبول کرنے سے گریز کیا بلکہ ان اصولوں کی مخالفت کی۔ ایسی صورت میں ایک طاقت ور جماعت کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ اقتدار کے ذریعہ غالب مخالف عنصر پر قابو پا لیا جائے۔ ساتھ ہی۔ ایک طاقتور جماعت کے ساتھ اصلاحی تدبیروں کو ایک قانون کی شکل دینی پڑی۔ جس میں ایک تدبیر کو موثر بنانے کیلئے خوف۔ اور سزا کا وجود پیدا ہوا ـــ خوف اور سزا کا طریق صرف ماحول سازگار بنانے کیلئے ہوتا ہے اور یہ چیز ظاہری تدابیر میں شمار ہوتی ہے۔ کہ تنظیمِ فطرت کی ظاہر طور مخالفت کا مظاہرہ نہ ہو سکے۔ اور عملی طور مخالفت اور بغاوت کی راہیں مسدود ہوں ـــ لیکن ظاہری تدابیر تب تک کاملاً کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ جب تک کہ انسانی قلب و ذہن مخالفت اور بغاوت ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوں ـــ مقصود تو انسانی اصلاح ہوتی ہے۔ اگر خوف اور سزا سے انسان بغاوت اور خلاف ورزی قوانین فطرت مجبوراً ترک کرے۔ مگر اسکے دل و ذہن سے بغاوت کا مادہ نہ نکلے تو ظاہری تدبیر سے انسانی اصلاح نہیں ہوئی ـــ اصلاح اس وقت کامل ہوگی، جب انسان بہ رضا و رغبت

خلاف ورزی ترک کرے ـــــ اور اسکی ذہنی جسمانی اصلاح ہو ـــــ اسلئے ظاہری تدابیر کے ساتھ روحانی اصلاح نہایت لازمی اور ضروری ہوتی ہے۔ روحانی اصلاح کیسے ہوتی ہے ـــــ؟

روحانی اصلاح سے مراد روح کے ذریعہ انسانی کمزوری اور انحراف (نافرمانی) کا علاج۔

گزشتہ بیان میں یہ ظاہر کیا جاچکا ہے۔ کہ انسان کا ابتدائی وجود ایک لطیف ذرہ (ایمبا) سے ہوا ہے۔ اور یہ انسان کی فطری پیدائشی ترکیب ہے۔ کہ انسان کی ابتدأ ایک لطیف ناری ذرہ سے ہوتی ہے۔ ایک ناری لطیف ذرہ زمین کے مادی ذرات سے غذا حاصل کرکے اپنے وجود کو ایک مادی انسان کی شکل میں ظاہر کرتا ہے ـــــ یہ ناری ذرہ درحقیقت۔ ایک مکمل وجود ہے۔ جو زندہ اور متحرک ہوتا ہے۔ زندگی اور حرکت ہونے کیلئے ایک وجود میں۔ روح (جو زندگی کا سبب ہوتا ہے) اور جسم کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسلئے یہ لطیف ذرہ بھی روح و جسم کا مرکب ہے۔ لیکن ناری حالت میں یہ روح اور جسم دونوں لطیف ہیئت میں پائے جاتے ہیں۔ زمین سے مادہ حاصل کرنے سے روح ـــــ روح رہتی ہے۔ اور زمینی ذرات (مادہ) سے جسم بڑھتا ہے۔ اور اس جسم کی تکمیل پر یہ ذرہ اسی طرح روح و جسم کا مرکب بنتا ہے۔ یعنی جسم مادی غذا سے انسانی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور اسکی زندگی و حرکت اُسی روح سے قائم رہتی ہے۔ جو روح ناری ذرہ میں ابتدأ موجود ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسانی ہیئت دو کیفیتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک مجسم لطیف روح دوسرا ٹھوس مادی جسم ـــــ روح بجائے خود ایک قوت ہے۔ جس میں برقی قوت پائی جاتی ہے ـــــ اور یہ روح بھی زمین کا جوہر ہے۔ جس جوہر میں۔ ایتھر۔ ایٹم۔ ہائیڈروجن۔ الیکٹرک سٹی شامل ہیں۔ اسلئے اس روح میں بھی۔ ایتھری۔ ایٹمی اور برقی قوت پائی جاتی ہے۔ ایتھری اور برقی قوتوں کے مشاہدات محققین نے ظاہر کئے ہیں۔ کہ ان قوتوں کی وسعت اور عمل نہایت وسیع اور عظیم ہے: خصوصاً وہ تجربات جن میں چاند اور مریخ اور فضاؤں کی کیفیتوں کی تصویریں اور ان ہیئتوں کے وجودوں کی حقیقی تصویریں۔ اور ان ہیئتوں کا کروڑوں میل دور سے محققین کا ٹیلی ویژن سے عینی مشاہدہ کرنا۔ ایٹمی اور برقی قوتوں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ نیز ان کروڑوں میل دور سیاروں تک کا سفر قلیل مدتوں میں طے کرنا انہیں برقی اور ایٹمی قوتوں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ اس قسم کی لطیف قوتیں بجائے خود ایسے مقامات کا احاطہ کرسکتی ہیں۔ جو آنکھ

اور عقل سے ماورئ (دور) واقع ہوتی ہیں اسلئے روح بھی کروڑوں۔اربوں میل دور مسافت کی ہیئتوں کا احاطہ اور مشاہدہ کر سکے گی ــــ! اس اعتبار سے روحانی قوت ایک عظیم طاقت ہے۔جو ہر مادی شے پر غالب اور قوی ہے۔قوت کے لحاظ سے یہ روح ایکسرے میں مادی جسم سے بغیر رکاوٹ کے گزر سکتی ہے۔اور اسکے مشاہدے میں پہاڑ بھی رکاوٹ نہیں بن سکتے۔یہ روح پہاڑوں کے بیچ میں اسطرح گزر سکتی ہے۔جس طرح سورج کی روشنی شیشہ میں سے گزر جاتی ہے۔اسکی ایٹمی طاقت اپنی قوت کے اعتبار سے تمام زمین کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے (جیسے ایٹم بم کا عمل ہوتا ہے) اس قوت سے مثل الیکٹرک جسمانی حالت کو تقویت پہنچائی جا سکتی ہے۔جیسے برقی رووں کے ذریعہ ایک مریض کا علاج کیا جاتا ہے۔اس علاج کی ترکیب یہ ہوتی ہے۔کہ برقی شعاعیں مریض کے جسم میں داخل ہو کر۔انسانی مادی ذرات یا جوہری ذرات میں شامل ہو کر انہیں قوی کرتی ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی روح بھی مثل ایٹر و ایٹم اور الیکٹرک (برقی طاقت) کے اپنا اثر رکھتی ہے۔یہ روح انسان کے تمام جسم میں پھیلی ہوئی ہے۔جیسے انسان میں قوت لامسہ (چھونے کی طاقت) سے ایک آن میں پاؤں کے انگوٹھے کا مس (چھونا) دماغ محسوس کرتا ہے۔یا آنکھ سے دیکھنے میں ایثری قوت کا آنکھ اور دماغ تک پایا جانا ــــ! جس سے ثابت ہوتا ہے۔کہ یہ ایثری قوت (روح) انسان کے تمام جسم میں پھیلی ہوئی ہے۔دوسری مثال جیسا کہ پیشتر بھی ذکر ہو چکا ہے کہ انسانی جسم دراصل لطیف ذرات کا مجموعہ ہے۔اور خصوصاً انسانی جوہر (منی) جس سے ایک انسان کا وجود بنتا ہے یہ تمام ذرات ایک روح و جسم کا مرکب ہیں۔یہی روح انسانی روح کہلاتی ہے۔تیسری کیفیت یہ کہ انسانی دماغ میں خالص برقی روئیں دوڑتی ہیں۔اس کیفیت کو محققین مغرب نے عینی مشاہدہ میں لایا ہے۔کہ انسانی دماغ میں برقی روئیں دوڑتی ہیں۔جنکی رفتار (اسی دماغ میں) ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔اسکے علاوہ انسانی دماغ میں اربوں برقی خلیے (مالیکیول) پائے جاتے ہیں جنکی تعداد ــــ کائنات کے مجموعی خلیوں سے زیادہ ہے ــــ اسلئے اس روح کا عمل جسم کے مقابلہ میں دماغ میں زیادہ وسیع وقوی ہوتا ہے۔دماغ چونکہ انسانی۔علم و مشاہدہ کا خصوصی حصہ (Organ) ہے۔اسلئے انسانی دماغ سے جو عمل۔دیکھنا۔سننا۔ارادہ۔غلبہ ــــ تاثیر ڈالنا وغیرہ ظاہر ہوتا ہے۔وہ اسی روح کے ذریعہ ہوتا ہے ــــ اسی روح کو انسانی (روحانی) اصلاح کیلئے استعمال

کیا جاتا ہے۔یعنی ایک مصلح مثل الیکٹرک سٹی (برقی عمل) ایک کمزور انسان پر ارادہ سے روحانی توجہ (Ray) ڈال کر مریض کی روح میں اپنی روح کو شامل کر کے اسی طرح انسانی روح کو قوی کرتا ہے۔ جس طرح ایک مریض کے جسم میں الیکٹرک کرنٹ (برقی رو) داخل کر کے علاج کیا جاتا ہے۔اور یہ روح اسی طرح جسم میں داخل ہوتی ہے جس طرح ایکسرے کی شعاع غیر محسوس طریقہ پر جسم میں داخل ہوتی ہے۔چونکہ یہ روح وسیع ہوتی ہے۔اسلئے اس کے عمل میں زمان و مکان (وقت اور مسافت) کا تعین نہیں ـــــ یہ روح مثل چاند اور مریخ کے ٹیلی ویژن مشاہدہ کی مانند کروڑوں میلوں کا احاطہ ایک آن میں کر لیتی ہے۔جسکے لئے دور و نزدیک اور وقت کی پابندی نہیں رہتی ہے۔یعنی ایک شخص ہزاروں میل دور ایک شخص کو اپنی قوی روح سے متاثر کر سکتا ہے۔یہی طریق ایک مصلح کی روحانی اصلاح کا ہے۔ کہ جو شخص مصلح کی جماعت میں شامل ہوتا ہے۔تو مصلح (ریفارمر) پہلے اسکی روحانی اصلاح کرتا ہے۔ یعنی اپنی قوی روح سے کمزور انسان کی روح کو قوت دیکر اس میں بھی وہی قوت پیدا کرتا ہے۔جو ایک مصلح کی روح میں قوت پائی جاتی ہے۔اسطرح ایک کمزور (غیر صحت مند جسم و ذہن) انسان ابتداً ہی روحانی تقویت حاصل کر لیتا ہے۔چونکہ یہ روح اور مشاہدہ عالمِ روحانی ہی تنظیم کائنات یا دینِ فطرت کی مطابقت کی تحریک دیتی ہے۔اسلئے اس ترکیب سے انسانی ذہن و قلب متاثر ہو کر خود بخود انسان خلافِ فطرت اقدام اور خلاف تنظیم فطرت عمل سے بہ رضا و رغبت باز رہتا ہے۔دوسری طرف انسانی جسمانی صحت کیلئے ـــــ زائد حصول کی صورت میں ضرورت سے زیادہ اشیاً کے استعمال سے جب معدے کی قوت خراب ہو جائے تو انسان کو صحیح اور خالص خون میسر نہ ہوا۔تو انسانی صحت برقرار نہیں رہتی۔اسکے لئے جب انسان نے بہ رضا و رغبت زائد حصول کو ترک کر دیا۔تو اس میں۔حرص۔طمع۔لالچ۔حسد اور دیگر خاصیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔تو انسان ضرورت سے زیادہ اشیاً کا استعمال ترک کر دیتا ہے بلکہ اپنی جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کیلئے (حکمت کے مطابق) فاقہ کشی کرتا ہے۔تا کہ فاقہ سے معدہ کو قوت بحال کرنے کا موقع ملے۔فاقہ سے معدہ قوی ہو جاتا ہے۔اسے بھوک محسوس ہوتی ہے۔اور مقدار کے مطابق اشیاً استعمال کی جائے تو اسکا خون صالح بن جاتا ہے۔خون صالح سے جوہر صالح بن جاتا ہے۔ اسطرح انسانی روح کو مزید تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔اور انسان صحت مند جسم و ذہن کا حامل انسان بن

جاتا ہے اسی ترکیب سے ایک انسان تنظیم کائنات یا دین فطرت کا پابند ہو جاتا ہے۔یہی کیفیت اس شخص کی ہے جسے اپنی زندگی کا سامان آسانی سے میسر نہیں ہوتا۔ضروری غذا حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ فاقہ ـــــ حصول سامان زندگی میں دشواری پیدا ہونے سے انسانی ذہن تفکرات میں الجھ کر پژمردہ ہو جاتا ہے۔اسطرح ذہن مشاہدہ کی قوت کھو بیٹھتا ہے۔دوسری طرف جب ضرورت کی اشیاءٔ میسر نہ ہوئیں تو غیر ضروری اشیاءٔ کے استعمال سے خون خالص میسر نہیں ہوتا۔جسوجہ سے اعصابی نظام برباد ہو کر جسمانی ذہنی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ایسے شخص کی اصلاح بھی اسی طرح ہوتی کہ اسکی ضرورتوں کو صحیح اندازے کے ساتھ فراہم کر کے۔اسے صحیح غذا میسر کی جاتی ہے۔ایک انسان کی ضرورتیں پوری ہوئیں تو اُسے تفکرات سے نجات ملتی ہے۔تفکرات سے نجات ملنے سے انسانی ذہن فراغت پانے سے خود بخود اپنے فطری عمل صحیح سوچ۔صحیح مشاہدہ پر آجاتا ہے۔ادھر سے ضرورت کا سامان زندگی میسر ہونے سے اسکی جسمانی صحت بحال ہو جاتی ہے۔تو انسان صحت مند جسم وذہن حاصل کر کے دین فطرت پر آسانی سے عامل ہو جاتا ہے۔

یہی ایک طریق کارفرما ہے۔اس نظامِ کائنات میں ـــــ! کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے سے اسی نظام کو قائم کیا ـــــ کہ ہر شے خود بخود ایک منظم نظام کے تحت وجود میں آتی ہے۔ہر وجود ایک تنظیم کا پابند ہو جاتا ہے۔اور خصوصاً انسان ـــــ!اس نے بھی ارادہ کے ساتھ اسی تنظیم کا پابند رہنا ہے ـــــ انسانی تخلیق اور اسکا دین فطرت کا پابند رہنا ـــــ یہی مقصودِ کائنات ہے اسی سے اللہ تعالیٰ اور اسکے دینِ اسلام کی تابعداری (انسان کے ذریعہ کرانا) کا مظاہرہ ہوتا ہے۔سو اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کو پورا کرنے کیلئے۔دین اسلام بنایا ـــــ انسان کو بنایا۔تاکہ یہی انسان اللہ کے دینِ اسلام کی تابعداری میں اپنی زندگی گزار صحت مند جسم وذہن اور صاحب مشاہدہ انسان قائم رہے۔اسی مقصود کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسانی تابعداری کیلئے اسکے تمام لوازمات بھی مہیا کر دیئے۔اول انسان کو فطری طور صحت مند جسم و ذہن۔روح ـــــ دیا ـــــ اور اسکی صحت بحال رکھنے کے لئے انتظامات مہیا کئے۔اسکے بعد جب انسان لذت نفس سے مغلوب ہو کر بغاوت وانحراف۔(نافرمانی) پر اتر آتا ہے۔تو فطری طور ایک مصلح کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔جو انسان کو دین اسلام پر دوبارہ چلنے کی تدبیر کرتا ہے۔وہ تدبیر ایک روحانی ہے۔جسے

روحانی اصلاح کہا جاتا ہے۔دوسری ظاہری تدبیر ہے۔جسے مذہب کہا جاتا ہے۔مذہب میں ایک مصلح کی اختراعی تدبیریں ہوتی ہیں جو وقت اور انسانی حالات کے مطابق بنائی جاتی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ تدبیروں میں ترمیم اور تبدیلی کی جاتی ہے۔اور جب یہ اصلاحی پروگرام مکمل ہو جاتا ہے۔تو یہی اصلاحی تدابیر (روحانی ــــ اور ظاہری) ایک شریعت اور ایک قانون کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔

یاد رکھنے کی بات ہے۔کہ جہاں ظاہری تدابیر انسانی حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہیں روحانی تدابیر مستقل رہتی ہیں۔چونکہ روح ایک مستقل قوت ہے۔جو ہر حال میں یکساں رہتی ہے۔ اسلئے روحانی اصلاح کا اول سے لے کر آخر تک ایک ہی طریقہ جاری رہتا ہے اسلئے ضروری ہے۔کہ روحانی اصلاح کیلئے ایک حقیقی اور مستقل طریق جاری رکھا جائے۔جسکے لئے ایک مصلح کو خالص روحانی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔وہ اسلئے کہ انسانی کردار میں روحانی مشاہدہ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔یعنی انسان کے دین اسلام کی پیروی کرنے میں سب سے اول اور اہم عمل مشاہدۂ عالمِ روحانی ہے۔کیونکہ تنظیم فطرت کی مطابقت اسی مشاہدہ سے تکمیل پذیر ہوتی ہے۔اسلئے روحانی مشاہدہ کو اولیت کا درجہ دیکر اسی عمل کو مقدم کیا جاتا ہے۔اسکے لئے ضروری ہے کہ ایک مصلح کو خالص روحانی حیثیت حاصل ہو۔اسکے لئے ایک ایسے مصلح کی ضرورت رہتی ہے۔جو روحانی مشاہدہ کا دعویدار ہو ــــ یعنی ــــ چونکہ دین اسلام کی تابعداری اللہ کے حکم سے ہی کی جاتی ہے۔اسلئے انسانی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ایک مخلوق (انسان) کو منتخب کرتا ہے۔جس میں کلی طور روحانی قوت قوی پائی جاتی ہے ــــ وہ ایک مصلح کی طرح خود بخود اصلاح کیلئے نہیں اٹھتا بلکہ ایسے روحانی مصلح کو اللہ کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔اس میں فرق یہ ہے۔کہ ایک مصلح کی ظاہری تدابیر بدلتی رہتی ہیں۔یا بعض حالتوں میں عقلی تدابیر غلط نتائج کی حامل بھی ہوسکتی ہیں اسکے برعکس روحانی مصلح کی ظاہری تدابیر بھی روحانی قوت کے ذریعہ اخذ کی جاتی ہیں اسلئے ایسی ظاہری تدابیر میں غلط نتائج کا احتمال یا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ایسی تنظیم ایسے قوانین ہر حال میں قابلِ عمل۔نتائج میں حقیقی ــــ اور دیرپا رہتے ہیں جن میں کسی تبدیلی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس اصلاح کیلئے۔اللہ تعالیٰ ایک انسان کو خصوصی طور منتخب کرتا ہے۔اسے رسول یا نبی کہا جاتا ہے۔جیسا کہ قدیم زمانوں سے انسانی تصورات میں اللہ اور رسول و نبی کا تصور آتا ہے۔یہ تصور مصنوعی نہیں۔بلکہ

واقعات کا ایسا ظہور ہوا ہے جسو جہ سے انسانوں میں اللہ ــــ رسول ــــ نبی ــــ کا ذکر و تصور چلا آتا ہے۔

اسکے بعد اب ابتدائی انسان اور اسکے دین اسلام پر پیروی ــــ اور اسکے کردار و عمل کا جائزہ لینا ہے۔ کہ ابتدأ انسان نے دین اسلام پر کسطرح پیروی کی۔ اور اس پیروی میں اسکا کردار و عمل کیا رہا ــــ؟

انسانی ابتدأ سے پیشتر بھی زمانہ اور مخلوق موجود تھی۔ کیونکہ انسان زمین کی پیدائش ہے اور زمین کائناتِ خلقت (یعنی تمام مخلوق) کی آخری تنزلی ہیئت ہے۔ اس سے پیشتر بھی کیفیتیں موجود ہوئی ہیں۔ اور ایسا ہونا ایک فطری بات ہے۔ کیونکہ مخلوق میں علت و معلول کا نظام پایا جاتا ہے۔ مادہ سے اول کے وجود اور کیفیتیں محسوس میں نہیں آتی ہیں۔ اسلئے ایسے وجود غیر محسوس اور لطیف ہونے ضروری ہیں۔ محققین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مادہ ــــ نار کی تنزلی کیفیت ہے یا مادہ کی ابتدأ نار سے ہوتی ہے۔ جیسے کہ محققین نے تحقیق سے بتایا ہے۔ کہ زمین ابتدأ ایک کرۂ ناری تھی۔ دوسرے زمین سورج کی جز (معلول) ہے۔ اور سورج بھی ناری وجود رکھتا ہے۔ جو ایک مجسمہ گیس کا کُرہ ہے۔ اسی طرح تمام سیارے بھی ناری فضا میں واقع ہیں انکے وجود بھی ناری ہیں۔ ظاہر ہوا کہ مادہ سے قبل نار کا وجود تھا ــــ اور یہ فطری اصول اور ترکیب ہے۔ کہ نار خود مستقل نہیں۔ اسلئے اسکی علت (Mater) نار سے زیادہ وسیع و قوی ہونی ضروری ہے۔ نار کی انتہائی قوت کو نور کہا جاتا ہے ــــ اسلئے ثابت ہوتا ہے۔ کہ زمین (مادہ) سے قبل نار کا وجود بھی موجود ہے۔ اور نار سے قبل نور کا وجود موجود ہے۔ یہ کیفیتیں ایک وجود اور مخلوق کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی نور کا مقام ایک نوری فضا یا نوری ماحول ہے۔ اس میں بھی نوری مخلوق ہے ــــ جسطرح مادہ (زمین) ایک ماحول اور وجود ہے۔ اور اسکے وجود سے مادی اشیأ کا وجود ظاہر ہوا۔ اسی طرح نوری وجود میں بھی نوری مخلوق کا وجود ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح ناری فضا میں ناری مخلوق کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔ اور ہر وجود اپنی صفت و خاصیت کے مطابق نوری مخلوق اور ناری مخلوق کہلاتا ہے۔ اسی طرح زمین کی مخلوق خاکی مخلوق کہلاتی ہے ــــ چونکہ یہ تمام مخلوق ایک فطری تنظیم کے تحت پیدا ہوتی رہی۔ اس فطری تنظیم کے مطابق ہر نوری ناری مخلوق ایک نظام ــــ یا دین اسلام کے تحت چل رہی ہے۔ نوری مخلوق بھی دین اسلام کی پیروی کر رہی ہے۔ اور ناری مخلوق بھی دین اسلام کی تنظیم کے ماتحت چل رہی ہے ــــ اسی سلسلہ کی آخری کڑی زمین اور زمین کی مخلوق اور اسکے دین اسلام کی

پیروی ہوتی ہے۔لیکن زمین کی اس آخری کڑی کو ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے۔جو باقی مخلوق کو حاصل نہیں۔وہ خصوصیت یہ ہے۔کہ زمین کی مخلوق میں ایک انسان کا وجود پایا جاتا ہے۔جو دو کیفیتوں کا مرکب ہے۔ایک نوری کیفیت دوسری خاکی کیفیت۔نوری کیفیت اسکی روح ہے۔اور خاکی کیفیت اسکا جسم ہے۔انسان سے ماسویٰ باقی نوری ــــ ناری مخلوق میں یہ ترکیب نہیں۔نوری وجود مجسم نور ہیں انکا ایک ہی وجود ہے۔اسی طرح ناری وجود بھی مجسم نار ہے۔انکے جسم (مثل انسان کے) مادی نہیں۔اور پھر انسانی جسم کے خصوصی قویٰ (Organ) حواس اور دماغ ایسی کیفیتیں ہیں۔جن سے مشاہدہ کا کام لیا جاتا ہے۔یعنی باقی نوری اور ناری وجودوں میں ادراک کرنے کی قوی قوت پائی جاتی ہے۔جسکے لئے۔ کان۔ناک۔زبان۔آنکھ۔دماغ کی ضرورت نہیں۔اسکے مقابلہ میں۔انسان کو بھی نوری قوت (روح) دی گئی ہے۔جو انسان میں۔دیکھتی۔سنتی۔کلام کرتی ہے۔لیکن اسکی ان قوتوں کو کان۔آنکھ۔ دماغ کے ذریعہ محسوس کیا جاتا ہے۔اسلئے انسانی ادراک میں روح کے ساتھ آنکھ۔کان۔دماغ کو بنایا گیا ہے۔تاکہ ان اعضے سے انسانی ادراک کو محسوس حالت میں۔محسوس کیا جائے۔یہ کیفیت باقی مخلوق میں نہیں۔نوری۔ناری قوتیں دیکھتی۔سنتی۔سوچتی ہیں۔مگر بوجہ۔کان۔آنکھ۔دماغ نہ ہونے کے انکی قوتِ ادراک کو محسوس نہیں کیا جاتا۔درحقیقت انسان کی بھی یہی حیثیت ہے۔کہ اس میں انسان کی روح ہی دیکھتی سنتی اور سوچتی ہے۔لیکن اس روح کے دیکھنے۔سننے۔سوچنے کیلئے مادی حیثیت میں کان۔آنکھ۔ دماغ کو اسلئے بنایا گیا۔کیونکہ انسان مادی جسم رکھتا ہے۔اور مادی حیثیت سے ہی ادراک کرسکتا ہے۔ اسلئے جب تک روح زبان کے ذریعہ آواز نہ پیدا کرے انسان مکمل طور بات سمجھ نہیں سکتا ــــ اور جب تک دماغ نہ ہو انسان روح کے ذریعہ سمجھ نہیں سکتا۔یہ کیفیت انسان میں باقی مخلوق کے مقابلہ میں علیحدہ ہے۔اسلئے روحانی جسمانی اور حواس و ذہن کے اعتبار سے انسان نے دین اسلام کی پیروی ارادۃً کرنی ہے۔اور خاکی حیثیت میں عالمِ روحانی (یعنی نوری مقامات) کا مشاہدہ بھی کرنا ہے۔اسی وجہ سے انسانی کردار وعمل۔مشاہدہ روحانی کو باقی مخلوق کے مقابلہ میں اہمیت وخصوصیت حاصل ہے۔باقی نوری۔ ناری مخلوق بلا ارادہ تنظیم فطرت کی پابند رکھی گئی ہے اور دوسرے ان وجودوں میں کوئی ایسی سفلی قوت نہیں جو انہیں انحراف یا نافرمانی کی تحریک دے۔برعکس اسکے انسانی وجود میں اسکے سفلی جسم میں لذتِ

نفس۔خواہشات ایسی کیفیتیں ہیں جو انسان کو عدم تعمیل۔انحراف پر آمادہ کرتی ہیں۔اسی وجہ سے انسان تمام مخلوقِ کائنات میں ایک مخصوص پیدائش ہے۔جو درخت میں پھل کی حیثیت رکھتا ہے۔تا کہ انسان کے ذریعہ دین اسلام کی پابندی کا (نور و خاک کی ہیئت میں) مظاہرہ کیا جائے۔

یہ ظاہر ہے کہ ناری وجود کی آخری ہیئت مادہ (خاک) ہے۔اور کائنات میں سوائے زمین کے خاکی صفت کسی ناری وجود ـــــ سورج۔چاند۔ستاروں میں نہیں پائی جاتی ہے۔اسلئے انسانی خاکی وجود اور کسی وجود میں پایا نہیں جاتا ـــــ زمین پر انسانی ابتدأ کب سے ہوئی اسکے لئے تواریخ یا حالاتِ زمانہ کا جائزہ لینا ہے۔تواریخ تو ایسی کوئی حاصل نہیں ہوسکتی جو ہمیں ابتدائی زمانہ کے حالات سے آگاہ کرے۔باقی رہا۔انسانی آبادی میں پشت در پشت واقعات کا ذکر کرنا ـــــ انہیں واقعات پر ہمیں گزشتہ زمانے کے چند مختصر اور مٹے ہوئے نقوش ملتے ہیں۔جن سے ہمیں پتہ چلتا ہے۔کہ زمین پر انسان کی ابتدا کیسے ہوئی۔انہیں نقوش پر بعد کی تواریخ مرتب ہوتی ہے ـــــ جب تواریخ کو کتابی صورت ملی ہے۔اسطرح تواریخ کا ذاتی مواد بھی گزشتہ پشت در پشت واقعات کے ذکر پر منحصر ہے۔اسکے علاوہ ماہرین ارضی کی تحقیق سے ابتدائی انسانی آبادی کا پتہ چلتا ہے۔لیکن یہ تحقیق کامل نہیں۔اسطرح بھی زمانہ ـــــ زمین۔اور انسان کی اصل ابتدأ کا سراغ نہیں ملتا۔کیونکہ انکی تحقیق تا حال جاری ہے۔اور ان ماہرین نے ابھی تک زمین کی سطح پر کلی طور احاطہ کرنے کا دعوےٰ نہیں کیا۔بہر حال انسانی ابتدأ کے متعلق پشت در پشت لوگوں میں جو تصور پایا جاتا ہے۔کہ انسانی ابتدأ ایک انسان سے ہوتی ہے۔اور اسی انسان کی نسل سے باقی مخلوق چلی آتی ہے۔زمین پر ایک طویل زمانہ سے قومیں چلی آرہی ہیں۔اور ہر قوم میں یہی ایک تصور چلا آرہا ہے۔کہ زمین پر ایک انسان سے ابتدا ہوتی ہے۔اسکے علاوہ قوموں میں مصلح۔رسول۔نبی کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔اور یہ ایک مستقل تصور پایا جاتا ہے۔تسلسل کے ساتھ اس تصور کا ہر قوم میں پائے جانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔کہ ایسے رسول اور نبی بھی قوموں میں پیدا ہوئے ہیں۔جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب ہو کر آئے ہیں۔ان رسولوں نے علم روحانی کے ذریعہ ابتدائی زمانہ اور ابتدائی انسان کی نشاندہی کی۔ان رسولوں کے اصلاحی اصول خود ساختہ نہیں تھے۔بلکہ ایک مصلح کے مقابلہ میں انکے پاس جو اصلاحی اصول تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کئے گئے۔ایسے اصلاحی

اصولوں کو کتابی صورت دی گئی۔ جنہیں الہامی کتاب کہا گیا۔ چونکہ یہ الہامی کتاب خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی۔ اسلئے اس کتاب کے حالات کو مبنی بر حقیقت تصور کیا گیا۔ اسی حقیقت کی روشنی میں قوموں نے ابتدائی زمین کی پیدائش اور انسانی پیدائش کے تصور کو پختہ کیا۔ ان کتابوں میں خصوصی الہامی کتابیں۔ قوم بنی اسرائیل میں تورات زبور ــــ اور انجیل مشہور کتابیں ہیں۔ اسکے علاوہ قوم بنی اسماعیل جو مکہ کی حدود میں آباد تھی۔ انکی قوم کے ایک جلیل القدر فرد جنکا اسم گرامی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تھا انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کیا گیا۔ انہیں بھی ایک کتاب ملی جسے قرآن کہا جاتا ہے ــــ اس قرآن میں بھی زمین اور ابتدائی پیدائش سے متعلق واقعات کو واضح طور بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے بعد نہ کسی قوم میں کوئی رسول آیا نہ ہی کوئی ایسی الہامی کتاب آئی۔ جو انسانی اصلاح کیلئے پیش کی گئی ہو ــــ گزشتہ الہامی کتابوں میں انکے پیروؤں نے خود لذتِ نفس کا شکار ہو کر کتاب میں خود ساختہ علم شامل کر لیا۔ اسلئے ایسی کتابوں میں مخلوق اور اسکی پیدائش کے حقیقی آثار و نشانات کا اصل پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ــــ قرآن ایک ایسی کتاب ہے۔ جسکے بعد کوئی نئی کتاب نہیں آئی ــــ اور قرآن تمام عالم اور اسکی مخلوق کیلئے پیش کیا گیا۔ اسلئے یہ قرآن اسوقت تک قابلِ تسلیم و عمل ہے۔ جب تک انسانی پیدائش کا ظہور ہوتا رہے گا۔ اسکے علاوہ اس کتاب میں تمام کائنات کے حقیقی آثار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسلئے آئندہ قرآنی علم کی روشنی میں ہی واقعاتِ عالم۔ زمین سے قبل کی کیفیات ناری۔ نوری۔ اور زمین ــــ زمین کی ابتدأ۔ زمین پر مخلوق کی ابتدا۔ اسکی پیدائشی ترکیب۔ اسکا مرکب۔ اسکی صفات و خاصیات پر بحث کی جائیگی۔ یہ تمام واقعات و دلائل ایسی ہیں جو قانون فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اور اس کائنات کے آثار سے بھی قرآنی آیات (نشانات) کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اسلئے ہم ہر مقام کیلئے۔ قرآنی حوالہ کو پیش کر کے اپنی بحث کو مکمل کریں گے۔

قرآن نے مخلوق کائنات کا ایک واضح بیان تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اتنا واضح بیان دنیا کی کوئی کتاب دنیا کا کوئی محقق آج تک نہ پیش کر سکا ہے۔ نہ کیا جا سکے گا۔ کیونکہ یہ قرآن الہامی کتاب ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب۔ اللہ خود اپنی مخلوق اور اسکی ترکیب سے آگاہ ہے۔ اسی آگاہی کے اعتبار سے اللہ نے اپنی تخلیق کا ذکر قرآن میں کیا ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ قرآنی آیات تخلیق کے بارے میں قطعی حقیقی

ہیں۔جنہیں دنیا کی کوئی تحقیق غلط ثابت نہیں کرسکتی۔قرآن تخلیق کے بارے میں بتاتا ہے ـــــ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰) پس قائم کر اپنا مُنہ طرف دینِ حقیقی (اسلام) کے۔ پیدائش خدا کی وہی ہے۔ پیدا کیا لوگوں کو جس پیدائش پر۔نہیں تبدیلی اللہ کی پیدائش میں۔ یہ دین حقیقی اور قدیم ہے۔لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔ اس آیت میں کائناتِ خلقت کی تخلیق۔ترکیب۔اور تنظیم کا مکمل حوالہ پیش کیا گیا ہے۔کہ ہر مخلوق کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایک حقیقی راہ پر چل کر اپنی زندگی گزارے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ ۔دین سے مراد ایک راستہ ہے۔اور راستہ سے مراد یہ ہے۔کہ ہر مخلوق کی پیدائش سے لے کر اسکے انجام تک اپنی زندگی گزارنے کا ایک فطری اصول اور تنظیم مقرر ہے ـــــ اسی تنظیم کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنا ـــــ ایک لائحہ عمل۔ایک پروگرام۔ایک اصول وضابطہ کہلاتا ہے۔اس ضابطہ کو ضابطۂ حیات کہتے ہیں۔اس ضابطہ میں زندگی گزارنے کے اصول وقوانین مقرر ہیں۔ یہ اصول وقوانین۔وہی تنظیمی قواعد ہیں۔جن پر نظام تخلیق چلتا ہے۔جن قاعدوں پر چل کر انسان (بلکہ ہر مخلوقِ جماداتی۔نباتاتی۔حیواناتی) ایک صحت مند جسم وذہن رہ کر اپنی زندگی گزار سکتا ہے ـــــ ان تنظیمی اصول وقواعد کی گزشتہ تشریح ہو چکی ہے۔کہ انسان ایک مکمل جسم وذہن۔روح وجسم۔لے کر پیدا ہوتا ہے۔روح سے انسان نے عالمِ روحانی کا مشاہدہ جاری رکھنا ہے ـــــ اور جسم سے قوانین فطرت۔پیدائشی نظام کی پیروی کرنی ہے۔اسی پیدائشی نظام کو اَلدِّيْنِ حَنِيْفًا یعنی حقیقی نظامِ کائنات جس نظام میں ہر مخلوق چلنے کی پابند ہے ـــــ یعنی سچا نظام۔ درست راستہ۔اسی راستہ کو عربی میں اَلدِّيْنِ کہا گیا ہے۔جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔کہ مخلوقِ کائنات ازل سے پیدا ہوتی آئی ہے۔جس میں نوری مخلوق بھی شامل ہے۔ناری مخلوق بھی شامل ہے۔اور اس مخلوق کا آخری درجہ خاکی مخلوق بھی شامل ہے۔اور ہر مخلوق اسی حقیقی تنظیم کے ماتحت پیدا ہوتی آئی ہے۔ اسلئے اَلدِّيْنِ حَنِيْفًا کی ابتدأ بھی مخلوق کی ابتدأ سے ہوتی ہے۔مخلوق کی ابتدا نوری وجود سے ہوتی ہے۔ اسلئے الدین حنیفاً کا نفاذ ازل سے چلا آتا ہے۔اسی الدین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔کہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا یعنی اسی حقیقی دین (راستہ اور ضابطہ) کی پیروی کرو ـــــ اور اب اسی آیت

میں اس دین اور مخلوقِ کائنات کی پیدائشی ترکیب اور اسکا حقیقی تصور بھی پیش کیا گیا ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا یعنی تم دیکھتے ہو کہ اس مخلوق کی پیدائشی ترکیب میں تمہیں بظاہر کسی خالق کا ہاتھ محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اسکی تنظیم اور درست ضابطہ پر غور کرو ــــ تو تمہیں اس تنظیم کا ایک محرک بھی محسوس ہوگا۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ تحقیق اس عالمِ روحانی اور زمین کی بناوٹ میں بہت سے نشاناتِ تخلیق پائے جاتے ہیں یقین رکھنے والوں کیلئے۔ اور تمہاری اپنی تخلیق و بناوٹ میں بھی نشانات پائے جاتے ہیں۔ یعنی اس روحانی اور خاکی پیدائش۔ مرکب۔ اور صفات و خاصیات میں ایک خالق کی تحریک نظر آئے گی۔ کہ کس طرح اس تنظیم میں اللہ کی خالقیت کو جانا جاسکتا ہے۔ تمہاری پیدائشی ترکیب پر غور کرنا اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے کافی ہے۔

جیسا گزشتہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ ہر مخلوق میں ایک سبب (علت) اور مسبب کا نظام پایا جاتا ہے۔ اسی (علت) سبب کے نظام پر وسعت قلبی اور صحیح انداز سے فکر کرو ــــ کہ ایک ہیئت کا سبب اس ہیئت (مسبب یا معلول) سے ہر لحاظ میں قوی ہوتا ہے۔ مثال کے طور۔ اگر ہم ان تمام منتشر سیاروں کو کسی ایک سورج کا معلول تصور کریں۔ تو ظاہر ہے۔ کہ ہر سیارے میں توانائی (گیس انرجی) روشنی ــــ جسامت (طول و عرض) پائی جاتی ہے۔ تو یکجا ہونے کی صورت میں ایک کیفیت (علت) کا وجود ان تمام سیاروں کی مجموعی حیثیت (توانائی ــــ روشنی۔ جسامت) کے برابر ہوگی۔ اس لحاظ سے ہر سیارے کی قوت اسکے علت (سبب) کی جز تصور ہوگی اور تمام سیاروں کی علت تمام سیاروں کے مقابلہ میں وسیع و عظیم تصور میں آئے گی۔ یہی تنظیم اس کائنات کی ہے۔ اور اب ضرورت ہے کہ اس مخلوق کی ابتداٗ کو جانا پہچانا جائے تو اسی مخلوقی پیدائش کی راہ پر اسکے ماضی کا تصور کیا جائے۔ تو ہر مقام۔ ہر زمانہ میں۔ ہر قوی معلول کے Subject سبب کو تمام قوتوں کا مجموعہ اور مرکب تصور کیا جائے گا۔ اب اسی تصور کے ساتھ ایک لطیف نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس نکتہ کو ہر تخلیق۔ ہر علت کے ساتھ تصور میں رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر اس لطیف نکتہ کو تخلیق کی تحقیق میں شامل نہ رکھا گیا تو انسان کسی حالت میں نظامِ کائنات کی حقیقی تخلیق (بناوٹ) اور تنظیم کا حقیقی تصور نہ پاسکے گا۔ برعکس اسکے انسان کی فہم ایک ایسے خط پر چلی

جائیگی۔ جو بجائے قریب لانے کے انسان کو حقیقت سے دور گمراہی میں ڈالدیگا۔ وہ نکتہ حقیقی فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ہے۔ یعنی تحقیق کائنات میں یہ اشد ضروری ہے۔ کہ اللہ کے وجود کا ــــ خواہ اپنی تحقیق میں تم اسے محسوس کر دیا نہ کرو ــــ پھر بھی ایک نا دیدہ۔ غیر محسوس اللہ کا تصور کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کہ بجائے کائنات کی کیفیات کا ذاتی تجزیہ کرنے کے تم ہر کیفیت میں اللہ کی ہستی کا سراغ لگاؤ ــــ! اور اسی کی ذات کے تصور کو ہر کیفیت کی تحقیق میں قائم رکھو ــــ بظاہر تمہیں اسکی ذات کسی تخلیق میں محسوس نہ ہوگی۔ لیکن فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا کے فارمولے پر تم ہر کیفیت کی حقیقی ہیئت کا صحیح اندازہ ذہن میں لاؤ۔ کہ اللہ کہتا ہے۔ میری ذات وہی ہے۔ جو کچھ تم ہر تخلیق کی خاصیتوں اور صفتوں میں دیکھتے ہو ــــ! اسکے لئے اللہ نے انسانی ذہن کو ایک خاص راہ پر ڈالدیا۔ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ "انسان کو جس ترکیب اور خاصیات وصفات پر پیدا کیا گیا" ــــ ہر ادنیٰ و اعلےٰ فہم کا انسان یہ جان سکتا ہے۔ کہ انسان بھی ایک معلول کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن باقی مخلوق کے مقابلہ میں اسکی پیدائش میں چند خاص۔ صفتیں پائی جاتی ہیں۔ سب سے اول (جیسا کہ گزشتہ بیان کیا گیا) انسان تمام مخلوقِ نوری۔ ناری۔ اور مادی میں ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ مثالی طور بیان کیا گیا کہ انسان ایک دانہ میں پھل کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھل بظاہر دانہ کا معلول (Object) کمتر حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن دانہ کے وجود میں پھل ہی کے حصول کا اہم مقصد ہوتا ہے۔ دانہ سے صرف پھل کا حاصل کرنا ہی اصل مقصود ہے۔ اس طرح پھل کی حیثیت تنے۔ شاخوں۔ پتوں۔ پھولوں کے مقابلہ میں اہم اور خاص ہے۔ اور پھر پھل کی صفت یہ بھی ہے۔ کہ تنے۔ شاخوں۔ پتوں اور پھولوں میں دانہ کا وجود موجود نہیں۔ لیکن پھل کے بیج میں دانہ پھر موجود ہوتا ہے۔ اس ترکیب سے یہ ظاہر ہے۔ کہ دانہ کی تمام قوتوں اور صفات کا حقیقی تصور پھل سے ہی ہو سکتا ہے۔ یہی کیفیت انسان کی ہے۔ کہ اسکی ذاتی صفات و خاصیات پر ہی اللہ کا تصور قائم ہو سکتا ہے۔ کہ انسان میں حواس ــــ عقل و شعور: دیکھنا۔ سننا۔ چکھنا۔ سونگنا۔ مس کرنا (محسوس کرنا) اور عقل و شعور کے ذریعہ سوچنا۔ سمجھنا ــــ ارادہ کرنا ــــ حکم دینا۔ کسی کام کا کرنا۔ کسی کا بنانا۔ کسی کا بگاڑنا۔ ہر شے پر غلبہ پانا ــــ ایسی قوتیں پائی جاتی ہیں۔ انہیں قوتوں پر انسانی ابتدائی علت کا تصور قائم ہوتا ہے ــــ! اس فہم کیلئے دو طریق ہیں۔ ایک حواس و عقل

سے جاننا۔ یہ عقلی تحقیق ہے جسکے لئے قرآن نے ایک تحقیقی تحریک دی ہے۔ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲۰) پھرو زمین پر اور حواس (آنکھ) اور عقل سے تحقیق کرو کہ پیدائش کی ابتدا کہاں سے اور کیسے ہوتی ہے۔

یہ طریق ہر معلول کی علت کا صحیح معنوں میں تصور حاصل کرنا ہے۔ کہ زمین معلول ہے سورج کی۔ سورج بھی کسی اور سورج (جو ابھی محققین کی تحقیق میں نہ آسکا) کا معلول ہے۔ یہ ناری کیفیتیں ہیں۔ ناری کیفیتیں بھی کسی علت کی معلول ہیں اسلئے ناری کیفیتوں کی ابتدائی علت نوری ہیئت میں پائی جائیگی۔ اور ان نوری ہیئتوں کے بعد کوئی دوسری (مثل ناری۔ خاکی) ہیئت نہیں۔ اسلئے نوری کیفیتیں اپنی علت میں۔ وسیع نوری۔ وسیع انرجی (طاقت وقوت) اور وسیع جسامت (طول وعرض) میں پائی جائیگی ـــــ اسی مقام پر جب فطرۃ اللہ کا تصور شامل کیا گیا۔ تو ایک علت کو لامحدود زمانہ تک وسعت دیکر اسے صاحبِ ارادہ۔ صاحب سمع وبصر۔ صاحب فہم تصور کیا گیا۔ تو خود بخود ایک ایسی علت کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ جو خود ارادہ وسیع وعظیم کی حامل ہے۔ اور جب یہ علت اپنے ارادے کو استعمال کرتی ہے۔ تو محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک صاحب ارادہ نور ہے جسے تمامی معلولوں (مخلوق) کا خالق قرار دیا جاتا ہے۔ اس علت Mater کی حیثیت مانند دانہ کے ہے۔ کہ جو صفات دانہ میں موجود ہوں۔ انہیں صفات کا ظہور مختلف شکلوں میں ہوتا ہے یعنی مخلوق میں جن مختلف کیفیتوں کا ظہور ہوا ہے۔ وہ سب اسی ابتدائی علت لامحدود کی صفات ہیں۔ جو اس میں پائی جاتی ہیں اور انسان کی تمام صفات بھی اسی ابتدائی وجود سے ہیں ـــــ جو انسانی ہیئت میں نمودار ہوئی ہیں۔ لہٰذا انسانی صفات کا مجموعہ اللہ کی ذات میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے ـــــ یہ ہے عقلی تحقیق لیکن اسکے ساتھ ہی جبکہ انسان نے ہی اس خالق ومخلوق کی تحقیق مکمل کرنی ہے۔ تو اسکے لئے ضروری ہے کہ انسان صحیح تصور حاصل کرنے کیلئے ہر علتِ نوری۔ ناری۔ کی حقیقی ہیئت کا مشاہدہ۔ حق الیقین کے ساتھ کرے۔ تا کہ اسکے تصور میں حقیقت کا اصل روپ ظاہر ہو اور اسکی تحقیق کو یقین اور پختگی حاصل ہو۔ اسکے لئے انسان میں ایک روح بھی ہے۔ جو عالمِ روحانی کا مشاہدہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ انسان کی دوسری روحانی خصوصیت ہے۔ اسلئے عقلی تحقیق کے ساتھ ساتھ روحانی مشاہدہ سے ہر عقلی تحقیق کی تصدیق ضروری ہے۔ کیونکہ اسی صفت پر انسانی

پیدائش کی ابتدا ٔ ہوتی ہے۔ کہ اسکے جسم میں۔ حواس۔ عقل۔ شعور اور روح پائی جاتی ہے۔ حواس اور عقل سے انسان اپنا سامانِ زندگی آسانی سے حاصل کرتا ہے۔ دوسری طرف عقل سے ارادہ وحرکت اور سوچ وفکر کو استعمال کیا جاتا ہے۔ سوچ وفکر ایک طرف سامان زندگی کے حصول میں کام آتی ہے۔ دوسری طرف فکر کا خاصہ (یا عادت) یہ بھی ہے کہ وہ ہر کیفیت کی بناوٹ اسکے مرکب اور کیفیت کی اصلی ماہیت پہچاننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلئے عقل سے فکر کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ وہ فکر تحقیق وتلاش میں کیفیات کی اصلی ماہیت وکیفیت کا پہچاننا بھی ہے (جس پہچان پر سائنس کی اساس ہے) لیکن کیفیات حواس وعقل کی حدود سے ماورا بھی پائی جاتی ہیں جسکے لئے روح کو کام میں لایا جاتا ہے۔ بظاہر روح کا عمل سامانِ زندگی کیلئے نہیں ــــ اسلئے روح کا وجود بھی کسی خاص غرض کیلئے ہونا ضروری ہے۔ روح ایک لطیف نوری کیفیت ہے۔ اسلئے اس روح سے نوری لطیف کیفیتوں کی تحقیق ویقین حاصل کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر قرآن نے انسانی تخلیق اور اسکی روحانی جسمانی صفات کا ایک مدلل اور واضح بیان پیش کیا ہے۔

اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ قرآن اپنے نظریات کو اپنے ایک خاص انداز میں پیش کرتا ہے۔ جس میں سب سے پہلے ایک اللہ کا مستقل تصور قائم رکھنا ضروری ہے ــــ اور اللہ کا تصور قائم کرنا بھی بغیر تحقیق ومشاہدہ کے ہے۔ اسی تصور کی بنیاد پر اسکی آیتوں کی روشنی میں فکر کرنا ہے۔ اس نظریہ میں ایک مفکر کیلئے فکر کرنے میں کوئی روکاوٹ یا دقت پیش نہیں ہوتی۔ نہ ہی ایسا نظریہ رکھنے میں کوئی حرج واقع ہوتا ہے ــــ یہ ایک اندازِ فکر ہی ہے ــــ! جس سے انسان کے کسی معاملہ میں فرق نہیں پڑتا ــــ ایک نظریہ ہی ہے ــــ البتہ قرآن کا دعوےٰ ہے۔ کہ اس نظریہ کو قبول کرنے سے ہی انسان ایک حقیقت کو پاسکتا ہے۔ بلکہ اُسے حقیقت کو پانے میں مدد ملتی ہے ــــ

اللہ تعالیٰ نے اپنے حقائق اور احکام پیش کرنے کا ایک مخصوص انداز رکھا ہے۔ کہ ہر زمانہ میں اصلاح انسانی کیلئے اپنی طرف سے احکام وہدایات نازل (پیش) کئے اور ان ہدایات کو جاری کرنے کیلئے ایک مصلح۔ ایک نبی ــــ ایک رسول منتخب کیا۔ جسے تمامی آثار واسرار اور ترکیب تخلیق سے آگاہ کیا ــــ جسکے لئے یہ مقرر ہوا۔ کہ ان اصلاحی ہدایات کا اجرا ٔ کرنے والی ہستی۔ اپنی ذات سے۔ انکے حق ہونے کی دلیل دے۔ وہ دلیل یہ کہ ایک مصلح۔ ایک نبی ــــ ایک رسول ــــ کی جسمانی۔ ذہنی قوت

کامل واکمل صحت مند ہو ــــ اسکی فکر وتحقیق کامل ہو ــــ اسے مشاہدۂ روحانی انتہائی حاصل ہو ــــ اور ایک انسان کی مکمل اصلاح کرنے کی بھی قوت ہو ــــ اسکے ساتھ ہی اسکا ظاہری کردار عمل قوانینِ فطرت کے عین مطابق ہو ــــ یہی ذات ہے۔ جو ایک اصلاحی ہدایت کے حقیقی ہونے کی دلیل اور ضمانت ہے۔ لہٰذا ایک انسان نے اسی مصلح (نبی یا رسول) کی تقلید میں اپنی تحقیق مکمل کرنی ہے۔ چنانچہ اسی نظریہ کے تحت قرآن میں اصلاحی ہدایات واحکام حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پیش کئے جاتے ہیں۔ جسکے لئے حصولِ علم ــــ اور فکر وتحقیق کی تکمیل کیلئے قرآنی نظریات اور طریقِ فکر کو تسلیم کرنا ضروری ہے ــــ

قرآن نے اپنی زبان میں تخلیق کا جو انداز پیش کیا ہے۔ اس میں اگرچہ نظریات کو بلا تحقیق۔ بلا علم۔ تسلیم کرنا ہے۔ پھر بھی یہ نظریات ایک بین حقیقت کے حامل ہیں۔ جو قانونِ فطرت ــــ دینِ فطرت سے قطعی مطابقت کرتے ہیں۔ اسی لئے قرآنی اصلاحی ہدایت کو بھی دینِ اسلام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

قرآن کا نظریۂ تخلیق ابتدأ یہی ہے۔ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا اب قرآن ہر تخلیق کی الگ الگ شرح عین تنظیم کائنات کے مطابق کرتا ہے۔ لیکن اسکا اندازِ بیاں اپنی قرآنی طرز پر ہے وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً ؕ قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۰) اور جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے۔ کہ میں بنانے والا ہوں۔ زمین میں ایک خلیفہ۔ کہا ملائکہ نے کیا تو بنائے گا زمین میں ایسی مخلوق جو زمین میں فساد کریگی اور خون بہائے گی۔ اور ہم تسبیح کرتے ہیں ساتھ تیری حمد (پہچان) کے اور تیری تقدیس کہتے ہیں! کہا اللہ نے تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اس آیت میں سب سے اول ایک حقیقی نظریہ اور تصور کو قائم کرنا ہے۔ کہ اس خود بخود نظامِ کائنات کا ابتدائی حقیقی محرک خود اللہ ہے ــــ اسی اللہ کے ارادے سے یہ نظام جاری ہوتا ہے۔ اور اس اللہ نے اپنے ارادے اور اپنے مقرر کردہ منصوبے کے مطابق اس کائنات کو بنایا۔ لہٰذا اول سے آخر تک اس کائنات میں جو کچھ ظہور ہوتا ہے۔ وہ سب اللہ کے ارادے اور منصوبہ کے تحت ہوتا رہا ہے۔ اللہ نے ابتدأ جبکہ اسکی ذات قائم تھی اور کسی مخلوق کا وجود موجود نہ تھا۔ تو ارادہ کیا کہ

میں ایک انسان بناؤں۔ جسے خلیفہ کی صفت سے متصف کیا جائے گا۔ چنانچہ جب اللہ نے مخلوق کی ابتدا کی تو اسکے نورِ لامحدود و عظیم سے نوری کیفیتیں ظاہر ہوئیں۔ یہاں تک کہ نوری مخلوق کی آخری ترتیب کے بعد ناری مخلوق بھی پیدا ہوئی۔ اسی ناری وجود میں تمام سورج اور سیارے بھی بنے۔ انہیں سیاروں میں زمین بھی ایک سیارے کی حیثیت سے بنی اسوقت ابھی زمین بھی ناری ہیئت میں تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ (یعنی نوری مخلوق) سے کہا کہ میں زمین پر ایک ایسی مخلوق بناؤں گا۔ جو سفلی حالت میں عالمِ روحانی کا مشاہدہ کریگی اور میرے نظامِ کائنات کی پیروی کر کے "مسلم" کہلائیگی ــــ!

ملائکہ سے مراد نوری وجود جن میں۔ نوری حواس۔ عقل۔ فہم پائے جاتے ہیں۔ اسلئے یہ مخلوق نوری ہیئت میں۔ بول سکتی ہے۔ سن سکتی ہے۔ سمجھ سکتی ہے۔ اور ارادہ رکھتی ہے۔ جس وجہ سے انکا عمل بھی نوری ہے۔ انکا عمل تنظیم کائنات کی پیروی کرنا ہے۔ چونکہ ان میں سفلی (خاکی) مادہ نہیں۔ اس مخلوق سے نظامِ کائنات میں بگاڑ یا فتنہ نہیں ہوسکتا۔ اسلئے یہ مخلوق اپنی پیدائش کے ساتھ ہی خود بخود تنظیم کائنات کی پابند ہو جاتی ہے۔ انکی پابندی کیا ہے ــــ؟ چونکہ یہ مجسم روح ہیں اسلئے یہ عالم نورانی میں ہر اس کیفیت سے آگاہ رہ سکتے ہیں۔ جس کیفیت و ماحول میں انکا وجود پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر ماحول چونکہ ایک علت سے دوسرا معلول بنتا ہے۔ ایک معلول کی مخلوق میں اپنی علت پہچاننے کی مزید کوئی قوت (روح) موجود نہیں۔ اسلئے انکا مشاہدہ صرف اپنے ماحول تک محدود ہے۔ گویا ہرِ نوری مخلوق۔ جس مقام میں بنی ہے۔ اسی کی کیفیت جان سکتی ہے۔ اپنی سے قوی تر بالاتر قوت کی انہیں پہچان نہیں۔ البتہ اپنی سے کمتر قوت کا احاطہ کر سکتی ہیں ــــ انکی پیروی یہی ہے۔ کہ یہ اپنی پیدائشی کیفیت سے آگاہ ہیں۔ کہ یہ نظامِ کائنات (Mater) علت و معلول کی صورت میں پیدا ہوا ہے ــــ اور اس نظام کا خالق اللہ ہے۔ یہی انکا عمل ہے کہ وہ یہ تصور قائم رکھیں کہ اللہ ہمارا خالق ہے ــــ یہ اُنکی پہچان یا حمد ہے ــــ اور اسکی خالقیت اور عظمت کا احساس قائم رکھ کر وہ اس خالق کی عظمت و پاکیزگی کا ذکر کریں ــــ اور اسکے آگے ایک عبد (غلام) کی حیثیت سے (قیام۔ رکوع۔ سجود) عبدیت کا مظاہرہ کرتے رہیں ــــ اسی طرح ہر علت ہر مقام میں یہ نوری مخلوق اس عظمت کے مظاہرہ میں مصروف ہیں۔ انکی پہچان۔ اور تسلیمِ اللہ۔ اور اسکی خالقیت میں۔ اپنے آپ کو مخلوق تصور کرتے ہوئے۔ اس امر کا اظہار کرنا ہے۔ جسے وہ تسبیح

وتقدیس۔اور پہچان سے مظاہرہ کرتے ہیں۔اور ایک وقت ان تمام روحانی مخلوقوں سے اللہ نے مخاطب ہو کر کہا۔۔۔ کہ اے نوری روحو (ملائکہ) تمہاری پیدائش کے بعد نور و نار کی ہیئت خاک میں ظہور کریگی ۔۔۔ یہ ایک تنزلی اور سفلی مقام ہے۔اسکے لئے ناری وجودوں کی آخری اور کمتر ہیئت ایک سیارے کی ہے۔اسے ارض (زمین) کہتے ہیں ۔۔۔ اس کی مخلوق کو بھی مشاہدہ اور تنظیم کائنات۔دینِ فطرت۔ دینِ اسلام کی پیروی کا حکم دوں گا ۔۔۔! تو ملائکہ نے جواب دیا۔کہ زمین ایک سفلی مقام ہے۔سفلی مقام کی مخلوق مادی جسم رکھتی ہے۔مادی جسم میں شہوت۔اور تنزل کا مادہ ہے ۔۔۔ شہوت اور تنزلی خاصیت میں۔حواس۔عقل وارادہ سے یہ مخلوق۔نہ عالمِ روحانی کا مشاہدہ کرسکتی ہے۔کیونکہ مادی۔سفلی حیثیت میں کمتر مخلوق اپنی سے بالاتر قوت روحانی عالم کا مشاہدہ نہیں کرسکتی ہے۔نہ تیری ذات کو پہچان سکتی ہے ۔۔۔ اور سفلی اثر کے تابع یہ مخلوق دین اسلام کی پیروی نہیں کریگی۔انہیں جسم کو قائم رکھنے کے لئے غذا کی ضرورت ہے۔اسلئے سامانِ زندگی کے حصول میں یہ مخلوق لوٹ کھسوٹ۔لذتِ نفس۔ خواہشات۔زائد حصول کی وجہ سے قتل وخونریزی کر کے تنظیم کائنات۔دین اسلام کی مخالفت اور انحراف کریگی ۔۔۔! تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔کہ چونکہ تمام مخلوق کی پیدائش میں میرا منصوبہ صرف اسی مادی مخلوق کو ہی بنانے کا تھا۔اسلئے اسکی بناوٹ بھی مخصوص بنے گی ۔۔۔ تم نے صرف مادی۔سفلی مخلوق کا اندازہ کیا ہے ۔۔۔ ابھی اسکی مکمل بناوٹ سے آگاہ نہیں۔اسلئے اس مخلوق کے بارے میں جو کچھ منصوبہ میں نے بنایا ہے۔اسکا تمہیں علم نہیں ۔۔۔ کیونکہ تنظیم کائنات میں ہر شے خود بخود بنتی جارہی ہے۔اور ہر ذرہ سے ایک مخصوص وجود بنتا ہے اس میں شک نہیں کہ تنظیم کائنات کے مطابق زمینی مخلوق (حیوان۔انسان) اسی قسم کی ہوگی۔مگر چونکہ یہ منصوبہ میں اپنے ارادے سے بنا رہا ہوں۔اسلئے اس برتری کیلئے میں اپنی طرف سے اس میں ایک خاص کیفیت ڈالوں گا جسکا تمہیں علم نہیں۔

ان آیات اور اسکے مضمون میں چند خصوصی اشارات ہیں۔جن پر عمیق نظر سے غور کرنا ہے اول۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ: جب کہا آپکے رب نے ملائکہ سے۔اس بیان سے مقصود۔کائناتِ خلقت کی تنظیم اور پیدائش کا ابتدائی تصور دلانا ہے ۔۔۔ اور ان کیفیتوں کا ذکر کرنا۔جن کیفیتوں کا علمِ حقیقی نہ کسی پشت در پشت روایات کی یاداشتی انتقال سے ہوسکتا ہے۔نہ کسی تواریخ سے اور نہ کسی الہامی

کتاب میں اسقدر واضح بیان پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ انسان کو ابتدائی تخلیق و مخلوق اور انکے کردار و عمل کا علم ہو جائے ـــــ یہ بیان اللہ تعالیٰ نے دانستہ طور (جان بوجھ کر) کیا۔ کیونکہ اس آیت میں کائنات۔ اور اسکی مخلوق اور خصوصاً انسان کے مقام۔ اور کردار کی نشان دہی کرنی ہے ـــــ جسکے لئے اللہ نے ایک زمینی مخلوق کو خلیفۃ کے نام سے خطاب کیا ـــــ خلیفہ سے مراد ـــــ؟ یہ لفظ عربی ہے۔ جسکے معنی ایک وجود کے آنے کے بعد۔ دوسرے وجود کا قائم ہونا ـــــ! اس میں چونکہ دانستہ طور ملائکہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اسلئے پہلا وجود یہی ملائکہ ہیں اور دوسری مخلوق انسان ہے ـــــ اب ملائکہ کے بعد زمینی مخلوق کے آنے میں کیا کیفیت پائی جاتی ہے۔ وہ دوسری آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ط یعنی کہا ملائکہ نے کیا تو زمین پر ایسی مخلوق کو خلیفہ بنائے گا۔ جو زمین میں فساد و خونریزی کریگی ـــــ ظاہر ہے۔ کہ مادی۔ سفلی ہیئت کی سرشت و خاصیت میں فساد و خونریزی ہے۔ اس سفلی مخلوق کو حیوان کہا جاتا ہے۔ اور حیوانوں کی خاصیت سوائے فساد و خونریزی کے اور کچھ نہیں۔ اور فساد و خونریزی کرنے والی مخلوق سے۔ تسبیح۔ حمد اور دینِ اسلام کی پیروی ممکن نہیں ـــــ یہ بیان ملائکہ اللہ تعالیٰ کے اس خطاب پر دے رہے ہیں۔ جب اللہ نے کہا میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو ظاہر ہوا۔ کہ خلیفہ بننے والی مخلوق میں فساد و خونریزی کا مادہ موجود ہوگا ـــــ اِسکے ساتھ ہی ملائکہ نے یہ بھی کہا۔ کہ ہم تیری تسبیح ساتھ حمد کے کرتے ہیں ـــــ! اور تیری تقدیس کہتے ہیں ـــــ! اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ کی صفت میں۔ تسبیح۔ پہچان (حمد) اور تقدیس کہنا بھی ہے۔ اسی صفت کے اظہار پر ملائکہ نے معترضہ انداز میں کہا کہ ہم پہلے ہی تیری تسبیح و حمد اور تقدیس کرتے ہیں۔ اور سفلی وجود کیسے تسبیح و تقدیس کریگا ـــــ؟ اس کلام سے خود بخود ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ کے تصور میں ایک سفلی مخلوق کا تسبیح و حمد کرنا ہے ـــــ اب دیکھنا ہے۔ کہ زمین پر انسانی پیدائش کی ترکیب ترتیب اور اس تسبیح و حمد کا اظہار کیسے ہوتا ہے۔ اسکے جواب میں اللہ نے کہا۔ کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ـــــ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔ اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ انسانی پیدائش اور اسکی پیدائشی ترکیب۔ ترتیب اور جسمانی مرکب۔ کس نوع کی ہے ـــــ

قرآن انسانی پیدائش کی مکمل اور واضح ترکیب بیان کرتا ہے ـــ اسلئے ضروری ہے کہ انسانی

تخلیق سے پیشتر زمین کی پیدائش کا جائزہ لیا جائے۔ کہ زمین کی پیدائش کس طرح ہوتی ہے اور اس میں کیا کیا خاصیتیں پائی جاتی ہیں ـــــ قرآن نے اس بارے میں زمین کی علت Mater کا تصور دیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ زمین کا وجود کہاں سے آیا۔ اور اس میں مادی صفت کس طرح آئی ہے ـــــ اَوَلَمْ يَرَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۳۰) کیا یہ کافر نہیں دیکھتے۔ (کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا) کہ یہ آسمان اور زمین یکجا (ایک جز) تھے۔ پس ہم نے انہیں الگ الگ کر دیا۔ اور زمین کو پانی سے ٹھوس مادی ہیئت میں لایا۔ اور زمین کی ہر چیز کو پانی کے ذریعہ متحرک و محسوس کیا ـــــ یہ بیان قرآنِ عربی کا ہے۔ جس میں قریشی لغت۔ محاورے۔ استعارے۔ تشبیہات۔ کلام میں استعمال کئے جاتے ہیں ـــــ اس آیت میں اَوَلَمْ يَرَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کلام قرآن کے نزول کے وقت کی ہے ـــــ اور واقعہ زمین و آسمان کی پیدائش سے قبل کا ہے۔ اور دیکھنا آنکھ سے ہے يَرَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ظاہر ہے۔ کافر ابتدائے پیدائش کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور پھر اس میں زمین و آسمان کی پیدائشی ترتیب کا ذکر ہے ـــــ! تو ظاہر ہے کہ کافروں نے ابتدائی پیدائش پر فکر کرنا اور اسے سمجھنا ہے۔ لہٰذا۔ دیکھنا سے مراد۔ غور و فکر اور تحقیق کے ساتھ سمجھنا ـــــ اور پھر واقعہ کی اصل کیفیت کو پانا بھی ہے ـــــ تو معلوم ہوا۔ کہ غور و فکر سے ابتدائی پیدائش اور کیفیت سمجھ آ سکتی ہے ـــــ اسی سمجھ پر اللہ تعالیٰ کافروں (دین فطرت کے خلاف چلنے والوں) کو تنبیہاً کہتا ہے ـــــ کہ تم سمجھ سکتے ہو ـــــ یا تم سمجھتے ہو ـــــ کہ اس کائنات کی بناوٹ کی ترتیب علت و معلول سے ہے۔ اور زمین آسمان کا معلول ہے ـــــ اسکی ترکیب ـــــ؟ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ پیدائش اللہ کی یعنی ذات اللہ کی وہی ہے۔ جس پر لوگوں کو بنایا ـــــ جس پر مخلوق کو بنایا ـــــ کہ ہر چیز کو ایک منضبط نظام کے تحت (علت در علت) بنایا ـــــ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہ ایک حقیقی اور مستقل نظام تخلیق ہے ـــــ نوری مخلوق میں آسمان آخری درجہ ہے۔ نوری علتوں کا ـــــ جن میں سات آسمان ہیں ـــــ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۵ آیت ۲) واسطے اسی کے ہیں آسمان اور زمین ـــــ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۳) اللہ کا

راستہ وہی ہے۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہے یعنی اللہ کی پہچان زمین سے شروع کرتے ہوئے آسمانوں میں داخل ہو کر کی جاتی ہے۔ اور یہی سلسلہ اللہ تک پہنچتا ہے ـــــ یہی ترتیب علت و معلول کی ہے۔ کہ تمام ناری کرّے آسمان میں واقع ہیں۔ اسطرح ـــــ جیسے انار کے چھلکے میں دانے۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۵) ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (سیاروں) سے زینت دی۔ یعنی ان تمام سیاروں کے فضا میں معلق مقام کو مجموعی طور آسمان دنیا یا آسمانِ اول کہا گیا ہے۔ گویا یہ زمین اور تمام سیاروں کے مجموعی مقام کو آسمان اول کہتے ہیں۔ اور یہ تمام سیارے اسی آسمان سے نکلے ہیں ـــــ یعنی آسمان اول ان تمام سیاروں کی علت ہے۔ اور اس سے قبل بھی آسمانوں کی فضا یکجا تھی۔ اور اسی Mater کی ترتیب سے علیٰحدہ علیٰحدہ ہوئے ـــــ اسکی مثالی ترکیب یہ ہے۔

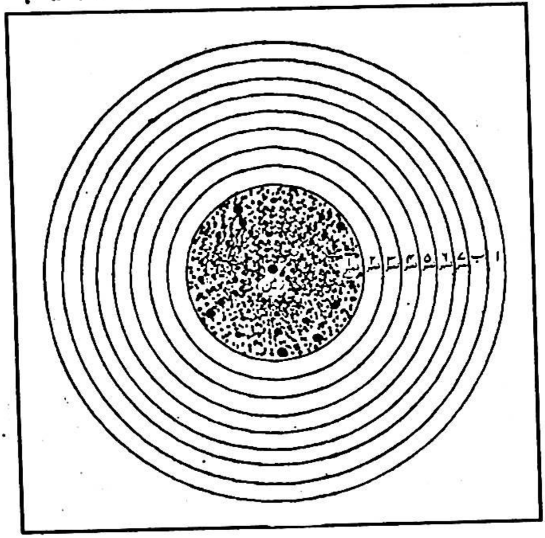

(ا) ـــــ عرش (ب) ـــــ کرسی (۷) ـــــ آسماں ساتواں (۶) ـــــ آسماں چھٹا (۵) ـــــ آسماں پانچواں (۴) ـــــ آسماں چوتھا (۳) ـــــ آسماں تیسرا (۲) ـــــ آسماں دوسرا (۱) ـــــ آسماں اول (نمبر ا میں نقطے سیارے ہیں)۔

یعنی ایک عظیم نوری فضا ہے جسے "عـرش" کہا گیا۔ یہ ایک علت (Mater) ہے۔ اس نور سے ایک وجود بنا اُسے "کُرسِی" کہا گیا ـــــ کرسی کا وجود عرش کے بیچ (پیٹ) میں بنا ـــــ اور کرسی علت

بنی اسکے بیچ (پیٹ) میں ایک وجود بنا ـــــ یہ وجود سَبعَ السَّمٰوٰت (سات آسمانوں) کا مجموعہ ہے۔ اس کیفیت کو قرآن نے ایک تصور کے ساتھ پیش کیا وَسِعَ کُرسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ ج (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۵۵) آسمان اور زمین کرسی کے پیٹ میں سمائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح نمبر ۷ ایک نوری فضا تھی۔ جس میں آسمانوں اور سیاروں۔ اور زمین کا وجود موجود تھا۔ اسی طرح جسطرح دانے میں تنے۔ شاخوں۔ پھولوں اور پھلوں کا وجود موجود ہوتا ہے ـــــ اس مقام پر آسمانوں اور ناری سیاروں میں صرف زمین (اَلاَرض) کو پھل کی حیثیت حاصل تھی اسی وجہ سے قرآن آسمان و زمین کی تخلیق میں سمٰوٰتِ وَالاَرض کا ذکر کرتا ہے۔ اور باقی سیاروں اور انکی ترتیب کو اہمیت نہیں دیتا۔ اسی طرح نمبر ۷ کے بیچ (پیٹ) میں ایک وجود ظاہر ہوا۔ جسے آسمانِ ششم (چھٹا آسمان) کہا گیا ـــــ اسی طرح نمبر ۶ آسمان ششم کے بیچ (پیٹ) میں ایک وجود ظاہر ہوا۔ اسے آسمان پنجم (پانچواں آسمان) کہا گیا ـــــ یہی ترکیب چوتھے۔ تیسرے اور دوسرے آسمان کی ہے۔ کہ ایک آسمان معلولی حیثیت میں بنتا ہے۔ پھر اسکی حیثیت علت کی بنتی ہے۔ اور اس علت سے ایک اور معلول بنتا ہے۔ اسی طرح آسمان دوئم (دوسرے آسمان) سے آسمان اول بنا ـــــ اسکے ابتدائی تصور میں یہ ایک نوری فضا تھی۔ جس میں کسی وجود کا ظہور نہیں ہوا تھا ـــــ اسوقت یہ مجسم نوری فضا آسمانِ اول کہلاتی تھی۔ اسکے بعد رفتہ رفتہ لاتعداد زمانہ میں اس آسمان سے اجزاً (اسی کے پیٹ میں) بننے لگے اور یہ سلسلہ لاتعداد زمانہ تک شروع رہا۔ یہی اجزاً سیارے۔ سورج بنے۔ اس عظیم الشان وسعت کی نوری فضا میں نہ معلوم کتنے عظیم الشان سورج۔ سیارے پائے جاتے ہیں۔ اور یہ سب سیارے۔ سورج۔ اسی آسمان اول کے معلول (مخلوق) ہیں۔ اس آسمان کی وسعت کا احاطہ کرنا عقلی قوت سے قطعی ناممکن ہے۔ اس کا اندازہ اسطرح سے ہوتا ہے۔ کہ زمین کے اردگرد سیاروں کی مسافت کروڑوں میل ہے۔ اور ایسے سورج بھی محققین نے مشاہدہ کئے ہیں۔ جو زمینی سورج سے۔ وسعت (طول وعرض)۔ روشنی۔ تمازت (گرمی) میں اربوں درجہ قوی و وسیع ہیں۔ جو اتنی دور مسافت میں ہیں۔ جنکی روشن شعاع سفر کر رہی ہے۔ اور ابھی تک زمین تک نہیں پہنچی۔ اندازہ ہے۔ کہ اگر ایسے سورج کی شعاع زمین پر آئے تو زمین ایک سیکنڈ میں پگھل کر فنا ہو جائیگی۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ۔ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

توانکی مسافت جہاں لاتعداد سیارے موجود ہیں ـــــ ! عقل کے احاطہ میں آنا مشکل ہے۔اسی انداز ے کے مطابق آسمانِ اول کا وجود ہے ـــــ اسی آسمان کی ایک جز زمین ہے۔اور یہ آسمان ایک دوسرے کے پیٹ میں (اندرون) واقع ہیں۔ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۳) آسمانوں کو طبقوں کی صورت میں بنایا۔ بنایا آسمانوں کو طبق طبق۔ایک طبق کے بیچ میں دوسرا طبق۔

ایک آسمان نے دوسرے آسمان کو مثل دائرے کے چاروں طرف سے گھیرا ہے۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ط لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۳۳) اے جنو۔اورانسانوں کی جماعتو اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کے کناروں (دائرے) سے ـــــ اقطار۔قطر سے نکلا۔قطر سے مراد وہ دائرہ جس سے نقطہ کا احاطہ کیا جاتا ہے ـــــ

جیسا کہ تمثیلی خاکہ میں دکھایا گیا ہے۔اسی طرح عرش کی علت ایک نوری فضا بھی عرش پر دائرے کی شکل میں احاطہ کئے ہے ـــــ اور ہر علت اپنے معلول پر اسی طرح احاطہ کئے ہے۔جوں جوں ماضی اور ابتداٗ کی طرف کیفیتیں پائی جاتی ہیں۔انکی وسعت (طول و عرض) نورانی قوت (روشنی اور گرمی) وسیع ہوتی جاتی ہے۔انکی جسامت (طول و عرض) بھی لا انتہا وسیع ہوتی جاتی ہے ـــــ یہاں تک کہ ابتدائی علت لامحدود کا مقام آتا ہے۔یہ علت تمام نوری وجودوں پر ہر طرف سے احاطہ کئے ہے۔ کہ اس علت کی بیروں اتنی وسعت ہے کہ اسکی حد۔نہ ذاتی اعتبار سے نہ صفاتی اعتبار سے۔نہ تصوراتی اعتبار سے ـــــ احاطہ میں لائی جاسکتی ہے ـــــ اسی وجہ سے اسے علت لامحدود کہا جاتا ہے۔اسی احاطہ کے اعتبار سے قرآن نے اس علت کا تصور دیا اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۱۵) اللہ ہر مخلوق کی کیفیت جانتا ہے اس نے تمام مخلوق کو اپنے پیٹ میں سمایا ہے ـــــ یہی حقیقی ترکیب مخلوق کی ہے۔اور یہی ترکیب آسمانوں اور زمین کی ہے۔ اس ترتیب کا اشارہ مذکورہ آیت میں ہے۔ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا کہ سات آسمان ایک جز تھے اس میں ناری سیاروں اور زمین کا وجود بھی موجود تھا۔پس فَفَتَقْنٰهُمَا پس طبقا طبقا۔علت و معلول کی ترکیب کے ساتھ ہم نے انہیں ایک جز سے دوسری جز کو الگ کر دیا ـــــ یہاں تک کہ آسمان دوئم سے آسمان اول نکلا اور آسمان اول مجموعہ ہے۔

ایک نوری وجوداور اسکے اجزاُ کا جن اجزاُ میں تمام سیارے ہیں اور زمین بھی اسی آسمان کی معلول ہے ـــــ یہ تھی زمین کی پیدائش کی ترکیب۔

نوری کیفیت کے اجزاُ تنزل میں آکر ناری ہیئت اختیار کر گئے۔جنہیں ناری وجود (مخلوق) کہا جاتا ہے۔یہ تمام سیارے ناری وجود ہیں۔اسلئے زمین اپنی ابتداُ میں ایک ناری سیارہ تھی۔اسی تحقیق پر محققین نے بتایا۔کہ زمین ابتداُ میں ایک ناری کرہ تھی اور وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اور ناری زمین کو پانی سے قابلِ روئیدگی بنایا ـــــ محققین نے بھی اس ترتیب کا اندازہ بیسویں صدی میں کرلیا۔جو تصور قرآن نے دو ہزار سال قبل پیش کیا ـــــ محققینِ مغرب نے اس امر کو تحقیق میں لایا ہے کہ زمین ایک کرہٗ نار تھی۔درحقیقت اس تمام مخلوق کی آخری تخلیق (پیدائش) زمین ہے۔اور زمین کے بعد کسی سیارے کسی سورج سے کوئی ایسا وجود ظاہر ہوتا ہے۔نہ ہوگا جسے ایک ستارے کی حیثیت حاصل ہو ـــــ اور اگر ایسا وجود ہو بھی تو اسکی جسمانی حیثیت کو کسی مقام پر قرار نہیں۔کیونکہ زمین کے بعد تمام سیاروں کی تقسیمی (Analysed) قوت ختم ہو کر آخری مرحلہ پر رک چکی ہے۔اسلئے زمین کائناتِ خلقت کی آخری پیدائش ہے۔اور یہ امر قابل تسلیم بھی ہے۔کہ تمام کائنات کی پیدائش میں زمین ایک خصوصی اور اہم مخلوق ہے۔وہ اسلئے ـــــ کہ اس زمین کی مخلوق میں ایک ایسی مخلوق پیدا ہوئی ہے جسے انسان کہا گیا ہے۔انسان خود بھی پیدائشوں میں ایک خصوصیت و اہمیت حاصل کئے ہے۔اسکی شکل و صورت زمین کے اجزاُ سے بنی ہے۔اسلئے یہ باور کرنا قطعی غلط ہے۔کہ انسانی شکل وصورت۔انسانی مرکب ـــــ انسانی جسمانی وذہنی قوت کی کوئی پیدائش کسی اور سیارے میں پائی جاسکتی ہے۔یہ ظاہر ہے۔ کہ زمینی جواہر اور مادے میں انسانی جسم۔انسانی دماغ اور انسانی روح اور روح سے علاوہ اور بھی چند روحانی خصوصیات پائی جاتی ہیں جسوجہ سے اس زمینی انسان کو باقی تمام۔ناری۔نوری مخلوق پر فوقیت حاصل ہے۔اور اگر کسی سیارے میں کسی مخلوق کا وجود تسلیم کیا جائے۔تو ایسا ہوسکتا ہے۔لیکن ایسی مخلوق اسی سیارے (وجود) کی مخلوق ناری۔یا نوری کہلائی جاسکتی ہے۔لیکن ایسی مخلوق کو انسانی صفات سے متصف نہیں کیا جاسکتا نہ ہی ایسی مخلوق کو انسان سے زیادہ درجہ دیا جاسکتا ہے۔اسکی وجہ یہ ہے۔کہ تنظیم کائنات کی ترکیب کے اعتبار سے زمین آخری تخلیق ہے۔اور زمین کی پیداوار انسان میں جو خصوصی

کیفیات پائی جاتی ہیں وہ کسی اور مخلوق میں نہیں پائی جاسکتی ہیں۔اول اسکا جسمانی تناسب (یہ صفت صرف زمین کی مٹی کو ہی حاصل ہے) دوسرے حواس وعقل۔تیسرے ایک خصوصی روح ہے۔جو کسی اور مخلوق میں پائی نہیں جاسکتی۔یہ روح اس روح سے علاوہ ہے۔جو روح حیوانی (یا جسمانی روح) کہلاتی ہے۔اس لحاظ سے انسان میں دو روحیں موجود ہیں۔دوسری روح اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود اپنے ارادہ سے اس میں ڈالی ہے۔جسکا تعلق انسانی پیدائشی ترکیب سے نہیں۔بلکہ یہ آسمانی روح [1] ہے دوسری اہم بات یہ ہے۔کہ نوری۔ناری قوتوں کو زندگی بحال یا قائم رکھنے کی ضرورت نہیں۔سوائے زمینی مخلوق کے۔کہ اسے زندگی (یعنی جسم) قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔اسکے لئے اسے سامانِ زندگی کی ضرورت ہے۔اسی حصول کیلئے انسان کو ایجادات کی ضرورت پڑی۔ایسی حالت میں باقی مخلوق میں کسی مخلوق کو زندگی قائم رکھنے کی ضرورت نہیں۔اسلئے انہیں کسی ایجاد کی ضرورت بھی نہیں۔اس امر سے یہ نظریہ قطعی لغو اور بے بنیاد ہے۔کہ کسی سیارے کی مخلوق انسانی مخلوق سے عقل وفہم اور ایجاد وترقی میں افضل ہوسکتی ہے اسلئے یہ تصور قطعی غلط ہے۔کہ بعض سیاروں کی مخلوق انسانی مخلوق سے زیادہ ذہین اور ترقی یافتہ ہے۔ ایسے تصور رکھنے والے صرف وہمی تصور رکھتے ہیں۔اور اپنے نظریہ پر غور نہیں کرتے۔کہ انسانی ذہن کو صرف سامان زندگی کے حصول میں ذہنی قوت استعمال کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔اور یہ ناممکن بلکہ قطعی خلاف تنظیم کائنات ہے۔کہ کسی ناری سیارے میں روئیدگی یا ایسے جسم کو پایا جائے جسے سامان زندگی کی ضرورت ہو۔اور جب سامان زندگی کی ضرورت نہیں۔تو ایسے وجودوں (مخلوق) کو کسی ترقی یا ذہنی قوت کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں ہوسکتی ــــ یہ صرف ایک زمین ہے جو کائنات کے مرکز میں نوری۔ ناری قوتوں میں سب سے دور آخری مقام پر واقع ہے جیسے ⊙ دائرے میں مرکز سب سے آخری سب سے دور مقام ہے۔اسی دوری کی وجہ سے اس ناری ہیئت میں تنزلی آثار ظاہر ہوئے۔نار کا تنزل خاک (مادہ) ہوتا ہے۔اور اسکی ہیئت کی تبدیلی کا سبب پانی ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور زمین کی ناری قوت نے پانی کے ذریعہ ٹھوس مادی شکل اختیار کی ــــ اور زمین کے مقام کے لحاظ سے

---

[1] اسکا ذکر آگے آئے گا۔

ہی جب زمین کی انرجی (قوت) تنظیم کائنات کے مطابق (علت و معلول کے نظام کے تحت) خارج ہونے لگے تو زمین سے اسکے اجزا اُسی میں خارج ہوئے۔زمین چونکہ ایک قوی گیس کا مرکب تھی تو اسی گیس میں سے آکسیجن۔نائٹروجن وہ اجزا خارج ہوئے جن سے ہوا کا وجود بنا ___ اور ہوا کی خاصیت پھیلنا ہے۔ہوا نے زمین پر احاطہ کرلیا ___ ہوا کی رفتار میں شدت سے تیزی آئی اور اس نے طوفانی صورت اختیار کی (جیسا ہوا میں طوفانی تاثر پایا جاتا ہے) تیز رفتاری نے ناری فضا میں ٹھنڈک کے آثار پیدا کئے۔یہ ٹھنڈ کے آثار میں بھی کیمیاوی تاثر ہے۔جس سے پانی کا وجود ظاہر ہوا ___ اور یہ عمل تیزی کے ساتھ جاری ہوا۔ایک بار ناری زمین پر پانی گرنے سے پانی کی پیدائش کا مستقل ذریعہ بنا ___ جس سے بھاپ کے کیمیاوی اجزا زمین سے خارج ہوکر پانی کی صورت اختیار کر کے لگاتار بارش کی شکل اختیار کر گئے۔اب یہ سلسلہ لگاتار شدت کے ساتھ جاری ہونے لگا۔کہ بارش سے زمین کے ناری اجزا زمین سے خارج ہوکر پانی میں ملتے گئے۔اس طرح زمین کے ناری ذرات کم ہوتے ہوتے زمین کی ناری انرجی۔قوت و جوہر پانی میں سما کر اپنی ہیئت تبدیل کر گئے ___ ایک زمانہ ایسا آیا ___ کہ زمین کی تمام ناری قوت پانی سے مدھم پڑ گئی ___ اور ایک زمانہ ایسا آیا ___ کہ زمین ٹھوس ہونے لگی ___ ناری قوت کم ہوئی تو زمین ٹھیکری کے مانند مٹی کی شکل میں آگئی ___ متواتر بارش (پانی) کے برسنے سے زمین اس خاکی ہیئت میں آگئی جو ابتدا سے آج تک اسکی پائی جاتی ہے۔اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ زمین پانی سے یکسر سیراب ہوگئی اور زمین پر سوائے پانی کے اور کچھ موجود محسوس نہ ہوتا تھا۔قرآن نے اسکا ایک لطیف تصور دیا ہے وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۷) اور اسوقت اللہ کا تخت پانی پر تھا۔یعنی ایک زمانہ تھا جبکہ کسی حکمران کسی شہنشاہ کا وجود پایا نہ جاتا تھا۔اللہ خالق تھا اور زمین اسکی مخلوق اسوقت زمین پر صرف اللہ کی بادشاہی تھی ___ یہ تصور ایسا ہے۔کہ زمین پر فی الواقع کسی وجود کا تصور نہیں آتا۔اور تمام زمین پر حد نظر تک پانی کا ایک بے کنار سمندر محسوس ہوتا ہے۔اور جب اللہ کے ارادے کی تکمیل شروع ہونے لگی تو سورج کی گرمی سے پانی زمین میں جذب ہونا شروع ہوگیا۔اور اسکی آکسیجن۔نائٹروجن ___ ایتھر۔الیکٹرک سٹی تقسیم ہوگئی ___ پانی میں زمین کے جوہری ذرات جذب ہوگئے۔پانی پھر زمین میں جذب ہونا شروع ہوگیا ___ اسوقت ناری ذرات نے درمیانی مادی ہیئت

اختیار کی۔ یہ ذرات مثل جراثیم کے زمین میں سما گئے۔ اور جہاں (مثل اور سیاروں کے) ہزاروں میل گہری گھائیاں تھیں ان میں پانی نے دریاؤں اور سمندروں کی شکل اختیار کی ـــــ باقی زمین خشکی بنی ـــــ خشکی میں پودے اگنے شروع ہوئے۔ باقی گیسیں جو زمین میں موجود تھیں اور ان میں ابھی ناری حرارت موجود تھی۔ ان گیسوں نے زمین کی سطح پر ابھرنا شروع کیا جن سے پہاڑوں کی شکل بنی۔ اور ان گیسوں نے پہاڑوں میں جمادات کی شکل اختیار کی۔ پانی میں ناری ذرات نے کیڑوں مکوڑوں کی شکل اختیار کی جن سے حیوانوں کا وجود ظاہر ہوا اور جب زمین اپنی ترتیب کے آخری مرحلہ پر پہنچی تو تمام جوہروں کے مرکب کا پانی ایک نشیبی مقام پر جمع ہوا ـــــ اور اس پانی نے دلدل کی صورت اختیار کی اس دلدل میں زمین کے ذرات جمع ہو گئے۔ اور ایک قوی ناری ذرہ ایسا بھی تھا جسے ایک واحد ذرہ کی حیثیت حاصل تھی۔ بقیہ ذرات کے ساتھ اس ذرہ نے اسی دلدل میں پرورش پائی۔ یہ ذرہ بھی مثل باقی ذرات کے بڑھنے لگا۔ ابتداً ہر ذرہ نے اپنے جسمانی مراحل ایک ہی شکل میں طے کرنے شروع کئے اور رفتہ رفتہ بڑھنے کے ساتھ اپنی ساخت اور قوت کے مطابق مختلف شکلوں میں تبدیل ہوتے گئے جیسے ایک چیونٹی کا ذرہ۔ ایک بلی کا ذرہ۔ ایک شیر کا ذرہ۔ ایک گھوڑے کا ذرہ۔ ایک ہاتھی کا ذرہ۔ ایک بندر کا ذرہ ـــــ ایک انسان کا ذرہ یکساں حالت میں پرورش پاتا رہا اور اپنی جسمانی ساخت کے مطابق۔ چیونٹی۔ بلی۔ شیر۔ گھوڑا۔ ہاتھی۔ بندر ـــــ اور انسان اپنی اپنی ہیئت کی طرف بڑھنے لگے۔ اور آخری مرحلہ پر ہر ذرہ نے ایک جسم ایک شکل اختیار کر لی ـــــ اس طرح ہر ناری ذرہ نے ایک ٹھوس مادہ شکل وصورت و ہیئت اختیار کی ـــــ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اس طرح پانی سے تمام ذرات نے ٹھوس مادی۔ محسوس ومتحرک ہیئت اختیار کی وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ج (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۴۵)۔ اور اللہ نے بنائے تمام جاندار (حیوان) پانی سے وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۵ آیت ۵۴) وہ اللہ ہے جس نے بنایا بشر کو پانی سے یہ تھی زمین کی ابتدائی تخلیق کی تفصیل اب اسکی مخصوص مخلوق کی ترکیب انسان کی پیدائش کا بیان شروع ہوتا ہے وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ" فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط جب کہا آپ کے رب نے میں زمین میں ایک مخصوص ومنتخب اشرف مخلوق بنانے والا ہوں۔ تو اسکی ترکیب کی ابتدا اسی دلدلی جوہر دار مٹی میں ایک مخصوص ناری ذرہ سے کی ـــــ قرآن بتاتا

ہے وَاللّٰہُ اَنۡۢبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ یُعِیۡدُکُمۡ فِیۡہَا وَ یُخۡرِجُکُمۡ اِخۡرَاجًا ○ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۱ آیت ۱۷۔ ۱۸) وہ اللہ ہے جس نے اگایا تمکو (انسان کو) زمین سے اور پھر اسی طرح تمہارا اعادہ کر کے زمین میں سماڈالیگا ـــــ اور پھر ایک دن ایک طریقہ سے اس میں سے خارج کریگا۔ نباتًا میں اگنے کا تصور ہے۔ جیسے زمین سے نکالا جاتا ہے۔ یا خارج کیا جاتا ہے۔ یہی وہ ترکیب ہے۔ جو ابتدائی پیدائش میں پانی کے ذریعہ پیدائش کی ہوئی ـــــ

اسکے بعد انسانی جسم اور اسکے مرکب کی بناوٹ کی ترکیب بیان ہوتی ہے اَلَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا (پارہ ۴ سورۃ ۴ آیت ۱) وہ اللہ ہے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے اور بنایا اسی جان میں سے اسکا جوڑا۔ اور اسی جوڑے سے کثیر لوگ پیدا ہوئے۔

یہ ایک حقیقی ترکیب ہے۔ جو تنظیمِ کائنات سے مطابقت رکھتی ہے۔ کہ ایک ذرہ (ایمیبا) ایک ناری (یا لطیف) وجود ہوتا ہے۔ جب ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ تو خود بخود اسکی جسمانی ساخت دو حصوں میں بٹ کر نر و مادہ کی شکل میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسی نر و مادہ سے آئندہ نسل پیدا ہوتی ہے ـــــ یہی کیفیت انسان کی بھی بتائی گئی ہے۔ کہ اسکی ابتدا ایک ذرہ ناری سے کی گئی ہے۔ انسانی تخلیقی تحقیق میں نظامِ کائنات کے ٹھوس اصولوں کو لازمًا تصور میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ کائناتِ ارضی کی ہر مخلوق میں ایک مخصوص اور منظم ترتیب اور ترکیب پائی جاتی ہے۔ کائنات کی ایک پیدائش ـــ ایک وجود بھی ایسا نہیں جس میں اس منظم تنظیم سے ماسویٰ کوئی اور ترتیب پائی جاتی ہو۔ اگر ایک چیونٹی کا وجود ظاہر ہے تو اسکے لئے اسکا ابتدائی ذرہ موجود تھا۔ اسی ابتدائی ذرہ کی ہیئت ہی چیونٹی کی تھی اسلئے اس سے چیونٹی ہی بنے گی ـــ اس سے کھٹمل یا بچھو نہیں بن سکتا۔ اسی طرح ہر حیوان کے لئے ایک مخصوص ابتدائی ذرہ پایا جاتا ہے۔ جس سے ایک حیوان کا وجود بنتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان کیلئے بھی ایک مخصوص ذرہ پایا جاتا ہے۔ جس سے اول سے آخر تک ایک انسان ہی بنتا رہے گا اور اس ذرہ میں انسان کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ انہیں خصوصیات پر انسانی شکل ظاہر ہوتی ہے۔ انسانی ارتقا کے کسی مرحلہ پر اس انسانی جسم کو نہ حیوان کہا جا سکتا ہے۔ نہ ہی کسی حیوان میں انسانی قوتیں پائی جا سکتی ہیں جس سے وہ اپنی ارتقا

میں انسانی ہیئت اختیار کر سکتا ہے۔ یہ ایک حقیقی تنظیم کائنات ہے کہ ہر مخلوق کیلئے ایک ذرہ مقرر ہے اور ہر ذرہ ایک جسم کی ہیئت وشکل رکھتا ہے۔ جس ہیئت وشکل پر وہ جسم بنتا ہے۔ اسلئے یہ نظریہ قطعی غلط اور لایعنی ہے کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ ہیئت ہے۔ جبکہ تنظیم کائنات کی ترتیب کا یہ دستور ہی نہیں۔ اور قرآن بھی اسی نظریہ کو پیش کرتا ہے۔ کہ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو ایک جان (ایک ذرہ) سے بنایا۔ اور یہ ذرہ کہاں سے آیا ــــ؟ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۱۴۔۱۵) بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے۔ اور جنوں کو آگ کی لوؤں سے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ انسانی جسم کہاں سے آتا ہے ــــ انسانی جسم زمین، سے نکلا ہے ــــ اور جسم کی خاصیت وہی ہے جو زمین میں موجود ہے ــــ یہاں صلصال کالفخار سے بنانا ظاہر کیا گیا ہے۔ صلصال زمین کی وہ کیفیت ہے۔ جب ناری زمین نے پانی کے ذریعہ نار وخاک کی درمیانی ہیئت اختیار کی۔ یہ ہیئت ایک آوے سے نکلی ہوئی ٹھیکری کی سی ہے۔ کہ اس میں ناری تاثیر ہے۔ لیکن ابھی قابلِ روئیدگی نہیں ــــ صلصال کالفخار سے مراد وہ ناری لطیف جوہر جو زمین کی ابتدائی ہیئت میں موجود تھا ــــ اسی جوہری ذرہ میں انسانی وجود کا تمام ڈھانچہ ــــ تمام اعضے۔ حواس۔ ودماغ موجود ہے۔ یہ جوہر اسوقت ایک دانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی ذرہ پانی سے ہیئت تبدیل کرتا ہے۔ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ ــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ جب کہا آپکے رب نے ملائکہ سے میں بنانے والا ہوں ایک بشر مٹی کے لیس دار کیچڑ سے ــــ پس جب میں اسے سنواروں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اسکے آگے سجدے میں گر جاؤ ــــ اس آیت میں انسانی تخلیق ومرکب کی چند خصوصی کیفیتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں ایک کیفیت بشر ہے مِنْ طِیْنٍ اور حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ہے ــــ دوسری فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ ــــ تیسری وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ اور چوتھی فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ کی ہے۔

قرآن نے بشر کا تصور صرف شکل وصورت میں دیا ہے۔ یعنی انسانی ڈھانچہ۔ جس میں سر (کان۔ آنکھیں۔ دماغ) دھڑ۔ بازو۔ سینہ۔ پیٹ۔ لاتیں۔ پائی جاتی ہیں۔ یعنی ہر وہ وجود جس میں

موزوں شکل وصورت کا جسم پایا جائے اسے بشر کہتے ہیں۔ خواہ وہ کسی مرکب اور خاصیت کا وجود ہو۔ اگر اس میں (انسانی) جسم کی شکل وصورت پائی جائے تو اسے بشر کی صفت سے پکارا جائے گا۔ جیسے قرآن ایسی کیفیتوں کا حوالہ دیتا ہے۔ اَرْسَلْنَا اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۶۔ ۱۷) پس ہم نے بھیجا طرف اسکے (حضرت مریم کے) ایک روح (نوری وجود) پس وہ آیا اسکے (مریم کے) پاس بشری شکل میں۔ تندرست (مکمل اعضٰے کے ساتھ)۔ اس آیت میں واقعہ حضرت مریم میں اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے ایک ملائکہ حضرت مریم کے پاس بھیجا۔ اور وہ ملائکہ انسانی شکل وصورت بنا کر حضرت مریم کے سامنے آیا ___ حقیقتاً یہ وجود نوری تھا۔ اسکی خاصیت وصفت نوری تھی لیکن محسوس میں (دیکھنے میں) انسانی مجسمہ نظر آتا تھا ___ اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ انسانی شکل وصورت کو بشر کہا گیا۔ اور اسکی جسمانی خاصیت ومرکب ایک علیحدہ کیفیت ہے۔ ایک ملائکہ کی صفت نوری ہے۔ نوری اعتبار سے یہ ملائکہ ہی ہے لیکن ملائکہ جب انسانی شکل وصورت میں محسوس ہو تو اسے بشر کہا جاتا ہے۔ اور انسانی شکل بننے سے اسکی صفات وخاصیت میں فرق نہیں آتا۔ بلکہ بشری شکل میں ملائکہ ہی کہلاتا ہے۔ دوسری کیفیت فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ۔ جب اسے سنوارا ___ سنوارا سے مراد ایک حیوانی جسم کی قوتوں کو تقویت اور ترقی دی۔ وہ قوتیں اول۔ انسانی شکل وصورت ہے۔ جسے باقی حیوانی مخلوق کے مقابلہ میں خوبصورت تنظیم اور موزونیت کے ساتھ بنایا۔ انسانی سر اور چہرہ باقی مخلوق سے موزوں اور خوبصورت ہے۔ انسانی دھڑ کا ڈھانچہ بھی خوبصورت انداز میں بنا ہے۔ انسانی بازو سے۔ حیوانوں کے مقابلہ میں کھا سکتا ہے۔ اپنی حفاظت کر سکتا۔ اور ہر کام ہاتھوں۔ انگلیوں۔ ناخنوں وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اسکے مقابل حیوان اپنے بازوں کو مثل انسان کے استعمال نہیں کر سکتا۔ انسان اپنی لاتوں۔ پیروں دھڑ سے حیوانوں کے مقابلہ میں اپنی ضرورتوں میں زیادہ استعمال کر سکتا ہے۔ اور سب سے اعلیٰ سَوّیٰ انسانی سر میں خوبصورت ناک۔ آنکھیں۔ کان۔ منہ۔ چہرہ ہے۔ اسکے علاوہ حواس اور انسانی دماغ۔ جس چیز سے انسان باقی مخلوق سے اعلیٰ وافضل قرار دیا جاتا ہے۔ انسانی دماغ کی صلاحیت ہی حقیقی سوئ ہے ___

تیسری وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کی کیفیت ہے۔ یعنی انسانی جسم میں ایک مقدس اور

عظیم روح کا ڈالنا۔ جس سے انسان ایک جسم اور روح کا مرکب بن جاتا ہے۔ یہ روح انسانی جسم میں زائد کیفیت ہے۔ ظاہر ہے۔ روح کے ذریعہ ہر شے میں۔ زندگی کا قیام اور حرکت و عمل ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن یہ روح زندگی اور حرکت کی روح نہیں۔ بلکہ زائد کیفیت ہے۔

قرآن نے ابتدأ بتایا۔ اِنِّیْ خَالِقٌ" بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ O ـــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ بنایا میں نے ایک موزوں شکل وصورت والا جسم مٹی سے۔ اور مٹی کے لیس دار کیچڑ سے ـــ اور اس سے قبل۔ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے۔ ظاہر ہے لیس دار کیچڑ اور ٹھیکری کے مانند مٹی دو متضاد کیفیتیں محسوس ہوتی ہیں ـــ یعنی اگر ٹھیکری سے جسم بنا تو لیس دار کیچڑ سے بننا نہیں ہوسکتا۔ اگر لیس دار کیچڑ سے بنا تو ٹھیکر جیسی مٹی سے نہیں ہوسکتا ـــ لیکن انسانی ابتدائی پیدائش سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ ہر چیز پانی سے متحرک و محسوس ہوئی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا۔ کہ انسان زمین کی پیدائش ہے۔ اور زمین میں پیدائش کی ترکیب یہ ہے۔ کہ زمین کے ناری ذرات جو مجسم زندگی تھے۔ ان میں ابتدأ زندگی پائی جاتی ہے۔ زمین کا ایک ذرہ روح و جسم کا مرکب ہے۔ یہی زندہ ذرہ پانی کے ذریعہ صرف ایک خاکی ہیئت۔ شکل وصورت حاصل کرتا ہے۔ نئی شکل وصورت میں آنے سے قبل یہ وجود زندہ ہوتا ہے۔ اور اس میں زندگی کا ذریعہ ایک روح ہوتی ہے ـــ یہ ذرہ ایک وقت صلصال کالفخار کی ہیئت میں۔ زمین کی اس ہیئت میں موجود تھا جب زمین ناری اور خاکی (قابل روئیدگی) حالت کی درمیانی ہیئت میں آئی ـــ اسوقت زمین ٹھیکری کے مانند مٹی کی شکل میں تھی۔ اسی زمین میں انسانی وجود کا ناری ذرہ موجود تھا ـــ اسکے بعد وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کا وقت آیا۔ تو زمین پانی سے سیراب ہوگئی اور اسکی ٹھیکری والی ہیئت لیس دار کیچڑ کی ہیئت میں تبدیل ہوگئی۔ اور اسی انسانی صلصالی ذرہ (وجود) نے لیس دار کیچڑ (حماءِ مسنون) میں پرورش پا کر انسانی شکل وصورت (بشر) اختیار کی۔ اس مقام پر یہ وجود اپنی زندگی پیشتر ہی ساتھ لایا۔ اور کسی انتقالی مقام پر اسے زندہ ہونے کی ضرورت نہیں پڑی ـــ درحقیقت یہ انسانی ذرہ بذاتِ خود ایک مجسم زندگی ـــ ایک روح و جسم کا مجسمہ ہے۔ جو ماحول میں اپنی شکل وصورت بدلتا رہا ـــ اور اسکے وجود کا مرکب کیا ہے ـــ؟ انسانی روح (جس روح سے انسان زندہ ہے) یہ قدیمی جوہر۔ نور سے انتقال کرتی ہوئی

۔ناری ہیئت میں آئی ـــــ اور ناری ہیئت میں ایک ناری روح اور ایک ناری جسم بنا ـــــ چونکہ ناری قوت بھی لطیف ہے۔اسلئے اسے روح سے علاوہ جسم کی احتیاج (ضرورت) نہیں بلکہ یہ مجسم زندگی ہے۔اور جب یہ مجسم زندگی لیس دار کیچڑ میں مقام کرتی ہے۔تو یہ ناری ذرہ ناری روح ـــــ اور لیس دار کیچڑ کے مادہ حاصل کرنے سے روح و جسم کا ایک وجود بن جاتا ہے۔یہی ناری ذرہ لیس دار کیچڑ سے ایک جرثومہ کی جسامت حاصل کرتا ہے۔ایک زندہ جرثومہ سے ایک کیڑے کی جسامت اختیار کرتا ہے۔ ایک کیڑے سے ایک مچھلی کی جسامت ـــــ ایک مچھلی سے ایک مینڈک کی جسامت اور مینڈک سے ایک خرگوش کی جسامت ـــــ ایک خرگوش سے ایک بندر کی جسامت اور ایک بندر کی جسامت سے ایک زندہ بن مانس کی جسامت اختیار کرتا ہے۔لیکن یہ خیال رکھنا ضروری ہے۔کہ ابتداًیہ ناری ذرہ ایک مخصوص ذرہ ـــــ تمام حیوانی مخلوق کے ذرات سے اعلےٰ وقوی ذرہ جس ذرہ میں تمام انسانی خاصیتیں اور قوتیں پائی جاتی ہیں۔اپنی ارتقا کے منازل و مراحل میں۔اگرچہ اسکی جسامت۔مینڈک۔خرگوش۔بندر۔بن مانس سے ملتی جلتی ہے۔لیکن اس جسم میں باقی حیوانوں کے مقابلہ میں انسانی خواص پائے جاتے ہیں۔ جو کسی حیوان میں نہیں پائے جاتے۔بن مانس کی ہیئت اور انسانی جسامت میں یہ فرق ضرور ہے۔کہ بن مانس کے ابتدائی ناری ذرہ میں صرف بن مانس کی ہیئت و جسامت کی قوت تھی۔اس سے آگے یہ جسم ترقی نہیں کرسکتا۔برعکس اسکے انسانی جسم بن مانس کی جسامت کے آگے چونکہ انسانی جسم کیلئے مخصوص ہے۔ اسلئے یہ ذرہ انسانی جسم کی مکمل بناوٹ پر مکمل ہو جاتا ہے۔البتہ حیوانی مراحل (بن مانس کی آخری جسامت تک) طے کرتے وقت اسکا جسم نامکمل ہوتا ہے۔اسلئے یہ جسم۔جسمانی اور ذہنی اعتبار سے۔وہی قوت و حیثیت رکھتا ہے۔جو عام حیوانوں کی ہوتی ہے۔اسکی جسمانی شکل بھی۔ایک بن مانس کی خاصیت۔شکل وصورت کے مشابہ اور برابر ہوتی ہے۔اسوقت اس انسانی مجسمہ کو بھی بن مانس کہا جاسکتا ہے۔لیکن چونکہ یہ اسکی نامکمل حیثیت ہے۔اور اس میں ابھی انسانی خواص کی ترقی جاری ہے۔اسلئے۔ اسے بن مانس کے تصور میں نہیں دیکھا جاسکتا ـــــ یہ جسم مثل بن مانس کے ہاتھ پاؤں۔سر۔جسم۔جسم کے بال۔ناخن۔دم وغیرہ رکھتا ہے۔یہ اسلئے کہ ایک وجود کی تخلیق ـــــ بناوٹ کا کائنات میں یہی طریقہ کارفرما ہے ـــــ اور اس کائنات کا آخری وجود انسان ہے۔جو حیوانی مراحل سے گزر نئی ہیئت اختیار کرتا

ہے۔رفتہ رفتہ اسکے بال گر جاتے ہیں۔اسکا سر موزوں ہیئت میں آتا ہے۔اسکا جسم موزوں شکل میں آتا ہے۔اسکے ہاتھ پاؤں خوبصورت ہو جاتے ہیں۔اسکے ناخن گھٹ کر موزوں شکل اختیار کر جاتے ہیں۔اسی مقام پر یہ ایک زندہ مجسم وجود ہے ــــ جو اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کے تصور میں پایا جاتا ہے اور انسانی متناسب اور موزوں جسم اور دماغی قوت کی ترقی سے اسکی سویٰ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔اس وقت یہ ایک صحت مند جسم اور قوی ذہن اور روح کا وجود ہے ــــ جسکا جسم زمین کی جوہر دار قوتوں کا مرکب ہے۔انسانی جسم بھی باقی حیوانی مخلوق کے مقابلہ میں قوی و اعلیٰ ہے۔کیونکہ ایک ذرۂ ناری کی پرورش۔اور اسکی جسمانی ساخت لیس دار کیچڑ سے ہوتی ہے۔جو عام مخلوق کے جسموں کو حاصل نہیں۔لیس دار کیچڑ۔زمین کی تمام جوہری قوتوں کا مجموعہ ہے ــــ! کیونکہ ابتدائی حالت میں جب زمین پر پانی موجود تھا تو اس میں زمین کے ناری ذرات جذب ہوتے گئے۔یہ ناری ذرات زمین کے جوہری ذرات کہلاتے ہیں۔یہی جوہر دار پانی زمین کے ایک نشیبی مقام پر جمع ہو گیا۔باقی پانی زمین میں جذب ہو گیا۔اور اس کا تمام جوہر اسی نشیبی مقام پر اکٹھا ہو گیا۔جیسے پانی کے ساتھ مٹی ملا ہوا پانی کسی برتن میں رکھا جائے۔کچھ دنوں بعد پانی صاف ہو جاتا ہے۔اور مٹی مہین شکل میں برتن کے نیچے جمع ہو جاتی ہے۔یہی کیفیت حماءِ مسنون کی ہے۔کہ زمین کا جوہری مادہ اس نشیبی مقام پر دلدل کی صورت اختیار کر گیا۔جسے جوہری مادہ یا مہین لیس دار کیچڑ کہا جاتا ہے۔قرآن اس کیچڑ کو جوہری مادہ کہتا ہے۔خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ○ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۱۲) بنایا انسان کو مٹی کے جوہر دار مادے سے یہ جوہر دار مادہ وہی مرکب ہے۔جو ابتداً صلصالی (کرۂ ناری) ہیئت میں تھا۔اور پانی میں جذب ہو گیا۔یہی جواہراتی ذرات کا مجموعہ نشیبی زمین میں اکٹھا ہو گیا۔اسی جوہر دار مادہ میں ــــ اسکا قوی جوہری ذرہ انسانی ذرہ تھا۔جس ذرہ نے اسی جوہری مادہ سے غذا حاصل کر کے ایک انسانی ہیئت کی طرف ہیئت بدلنی شروع کی جسے حماء مسنون یا سُلٰلَةٍ مِّنْ طین کہا گیا۔اسوقت انسان ایک روح و جسم کا مکمل وجود ہے۔جس میں زندگی کیلئے کسی روح کی ضرورت نہیں۔بلکہ اس انسان میں زندگی کیلئے ازلی روح پائی جاتی ہے ــــ اور وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ــ // ــ خلق ــ اور سویٰ کے بعد کی کیفیت ہے۔جسکا مطلب یہ روح زندگی قائم رکھنے کیلئے نہیں بلکہ اس روح کا کام اسکی ذاتی

خاصیت کے مطابق ہی ہوگا۔

ملائکہ نے کہا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ ۔کیا تو زمین پر ایسی مخلوق بنائے گا جسکی صفت فساد و خونریزی ہے ــــــ تو اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کی مکمل ترتیب و ترکیب بیان کی۔خیال رہے۔کہ قرآن نے دو مقامات پر اِنِّیۡ خَالِقٌ کا اشارہ دیا ــــــ اول اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً کہا۔اور ملائکہ کے اعتراض کے بعد پھر ایک وقت بجائے خلیفہ کے ایک بشر ــــــ ایک سویٰ۔اور نفخِ روح کے حامل وجود کا اشارہ دیا ــــــ پہلا ذکر انسان کے بنانے سے قبل تھا۔جس میں انسانی عظمت کا اظہار تھا۔دوسرا۔ذکر انسانی خواص وصفات کی قوتوں اور صلاحیتوں کے اظہار کا تھا ــــــ پہلے ذکر میں انسان کو ایک کامل و اکمل ہستی بتایا گیا۔جس میں ملائکہ سے بالاتر قوت و کردار اسے حاصل ہے۔لیکن ملائکہ کے علم سے باہر کیفیتیں ہیں۔دوسری آیت میں انسانی عظمت کی مکمل تفصیل ہے۔اسلئے آخر میں ملائکہ کو حکم ہوا فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ۔کہ تم اس بشر کو اسکی خصوصی صفات کے اعتبار سے اپنے سے برتر واعلےٰ تخلیق تسلیم کرو ــــــ

ملائکہ نے انسانی جسم کو زمین کی پیداوار سمجھ کر اتنا اندازہ لگایا۔کہ انسان ایک حیوانی مخلوق ہے جس میں سویٰ کی خاصیت نہیں۔انہیں نفخت فیه من روحی کی کیفیت کا علم نہ تھا۔کیونکہ یہ روحی کی کیفیت زمین کی قوت میں موجود نہ تھی۔بلکہ ایک زائد روحی قوت تھی جسے اللہ نے روحی یعنی اپنی روح کہا[1] ــــــ یہی کیفیت انسانی تحقیق میں بھی پائی جاتی ہے۔کہ جہاں تک زمین اور اسکی پیدائش کا تعلق ہے۔انسانی وجود کے ہر مرکب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہاں تک کہ انسانی روحِ حیوانی (جس روح پر زندگی قائم ہے) کا بھی علم ہوسکتا ہے۔اسی روح کے اعتبار سے انسان صاحب عقل وفہم اور

---

[1] اسی مقام پر تنظیم کائنات میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ و اختیار شامل ہونا ظاہر ہوتا ہے۔کہ انسان کو اپنی مرضی ومنصوبہ کے مطابق بنایا۔جہاں تک تنظیم کائنات کا ذکر ہے۔انسان اس مقام پر خود بخود Mater کی تنظیم کے مطابق بنتا ہے۔لیکن اس میں روحی کی قوت ایک زائد قوت ہے جسکا Mater سے کوئی تعلق نہیں۔بلکہ انسان کے مرکب میں یہ ایک زائد قوت ہے۔جو خالص نوری قوت ہے۔اور اس نوری قوت کا وجود۔ابتدائی نوری قوت سے لیا گیا ہے۔تفصیل آگے آئے گی۔

صاحبِ مشاہدہ کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ انسانی وجود کا بنیادی سبب یہی روح ہے۔ لیکن نفخت فیہ من روحی کی نہ تحقیق (عقلی) ہوسکتی ہے۔ نہ اسے محسوس کیا جاسکتا ہے نہ اسکا وجود انسانی وجود سے پیدا ہوتا ہے۔ اس روح کو تسلیم کرنے کا واحد ذریعہ۔ ایک رسول۔ ایک الہامی کتاب پر بغیر تحقیق ایمان لایا جائے۔ محققین مغرب نے انسانی وجود کی چھان بین میں انسانی قوتوں کو پہچانا۔ جس میں ایثر۔ ایٹم۔ الیکٹرک۔ فولاد۔ سونا۔ چاندی۔ جماداتی کیمیائین (Chemicals) پائی جاتی ہیں۔ ایثر اور الیکٹرک سٹی کی موجودگی سے انسانی روح کا تصور حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن۔ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِيْ کی حقیقت بغیر الہامی کتاب اور رسول کے تسلیم کے تسلیم نہیں کی جاتی ــــــ اس روح کا تسلیم کرنا ۔ اللہ اور رسول تسلیم کرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ روح انسانی مرکب کی روح نہیں۔ یہ روح ایک ابتدائی عظیم نور کی جز ہے۔ جو انسانی تحقیق میں عقلی طور نہیں آسکتی۔ اسکا تصور ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ Mater کے نظریہ کے تحت خاک (مادہ) اور نار سے قبل نوری وجود کا ہونا یقینی اور ضروری ہے۔ لیکن ایسی کیفیات انسانی تحقیق کے ذریعہ تسلیم کرنے کا عقلی ثبوت فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اسکے جب تک اللہ اور رسول کو بغیر تحقیق عقلی تسلیم نہ کیا جائے کیونکہ اس روح کا وجود شعوری طور حاصل ہوتا ہے۔ جسکا تصور الہامی کتاب سے ہی ملتا ہے ــــــ روح حیوانی کی موجودگی میں انسان کا عالم روحانی کا مشاہدہ پالینا قابل یقین ہوسکتا ہے۔ کہ انسانی روح یا ایثری۔ الیکٹرک قوتیں کام میں لائی جائیں تو انسانی ذہن۔ ٹیلی پیتھی۔ مسمریزم کے ذریعہ روحانی عمل کرسکتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اس نظامِ کائنات کی ترتیب میں۔ ایسی کیفیتوں کا پایا جانا یقینی ہوسکتا ہے ــــــ اسکے بعد جبکہ انسان ایک اعلیٰ مقام پاچکا اور اسکی جسمانی روحانی تکمیل ہوچکی تو اس روح کے نفخ کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ اگر یہ روح انسانی وجود میں پائی جائے تو اسکا عمل کس نوع کا ہے۔ سو اسکی تحقیق میں بھی ایک حقیقت کو پانا ضروری ہے ــــــ

قرآن نے انسان کو خلیفہ قرار دیا ــــــ اُدھر کائنات اور اسکی مخلوق ایک نظامِ فطرت یا دینِ اسلام کے تابع پیدا ہوئی ہے ــــــ لہٰذا ایک بشر ہو یا خلیفہ۔ انسان نے دینِ اسلام۔ دین فطرت۔ پر زمین پر عمل کرنا ہے۔ اب دیکھنا ہے۔ کہ خلیفہ کی حیثیت سے انسان کس طرح دینِ اسلام کی پیروی

کرتا ہے۔

یہ ظاہر ہے۔کہ انسانی پیدائش اور بناوٹ میں انسان کو چند خصوصیات حاصل ہیں۔وہ ایک ذہنی قوت ہے ـــــ ذہنی قوت میں۔قوتِ مشاہدۂ عالم روحانی۔ظاہر طور اصلاحِ جسمانی کی صلاحیت سے انسان دنیوی نظام ترقی و اقتدار حاصل کرتا ہے۔یہ اقتدار ذہنی صلاحیتوں سے حاصل ہوتا ہے۔لہٰذا انسانی ذہن کی خصوصیت یہ ہے۔کہ اسکے ذریعہ انسان دین فطرت۔تنظیم کائنات کی پیروی اور مطابقت کرتا ہے۔یہی اسکا دین (اسلام) ہے اور خلیفہ کی حیثیت میں بھی انسان میں یہی ذہنی قوت وصلاحیت پائی جاتی ہے۔اسلئے خلیفہ سے مراد یہی ہے۔کہ دینِ فطرت کی مطابقت کرنے والا ـــــ

ملائکہ نے اعتراض کیا۔کہ زمین کی پیدائش میں سفلی مادہ پایا جاتا ہے۔جسکا عمل فساد و خونریزی ہے۔اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہا وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ہم تیری تسبیح اور پہچان کرتے ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ دینِ اسلام کی پیروی تسبیح و تقدیس اور پہچان سے پوری ہوتی ہے ـــــ اور ملائکہ چونکہ ابتدائی اور نوری مخلوق ہے۔اور یہ مخلوق بھی دین اسلام کی پابند ہے۔اسلئے انہوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی دین اسلام کے پیرو ہیں۔اور ہم تو خالص نوری مخلوق ہیں۔تسبیح وحمد کیلئے نوری ہونا شرط ہے۔تو پھر ایک سفلی وجود کیسے تسبیح وحمد کرسکتا ہے ـــــ !اسی اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلاً پیدائشِ انسانی کا بیان دیا۔کہ اس میں سوئی ہوگی۔ذہنی قوت قوی ہوگی۔اس میں ارادہ ہوگا۔ارادہ میں اتنی قوت ہوگی کہ انسان لذتِ نفس سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پاسکے گا۔تو اپنے ارادہ سے چاہے دین فطرت کی پیروی کرے۔یا اپنے ارادہ سے انحراف (بغاوت) کرے ـــــ اسی ذہنی قوت سے انسان کو عالم روحانی کا مشاہدہ حاصل ہوگا ـــــ جس سے وہ روحانی عالم کے دینِ فطرت کا بھی پابند رہے گا۔اور اس عالمِ روحانی سے رابطہ قائم رکھے گا۔یہ کیفیتیں اسکی جسمانی کیفیتیں ہونگی۔اسکے علاوہ تمام نوری مخلوق سے اعلیٰ اور قوی نور بھی اس میں شامل کرونگا۔اسکی وسعت تمام نوری قوتوں سے وسیع ہوگی۔اور اسکے تصور کی پرواز نوری مخلوق سے آگے اعلیٰ مقامات ـــــ اور ذاتِ الٰہی تک ہوگی۔اس روح سے انسان براہ راست میری ذات کے ساتھ رابطہ قائم کریگا۔مجھ سے رابطہ قائم ہونے سے اسکی قوت تمام کائنات پر غالب ہوگی جسکے آگے تمہاری تمام قوتیں معمولی حیثیت رکھتی ہیں۔

اسکے ساتھ ہی قرآن اس عظیم روحانی قوت کے عمل اور خصوصیت کا اشارہ بیان کرتا ہے
وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ لا فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ○ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ج فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ لا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لا وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۱ تا ۳۳) اور آگاہ کیا آدم کو تمامی اسماً سے۔ پھر پیش کیا اوپر ملائکہ کے۔ اور کہا (ملائکہ سے) خبر دو مجھ کو اسماً کی اگر تم سچے ہو ــــ کہا ملائکہ نے پاک ہے تو۔ نہیں علم ہمیں (ان اسماً کا) سوائے اسکے جتنا تو نے ہمیں علم دیا۔ تحقیق تو جاننے والا اور چھپی باتوں سے باخبر ہے۔ کہا اللہ نے اے آدم اب تم انہیں انکے اسماء کی خبر دو! پس جب اس نے خبر دی انکو انکے اسماً کی ــــ تو کہا میں نے۔ کیا میں نے نہیں کہا تھا۔؟! کہ میں جاننے والا ہوں غیب آسمانوں اور زمین کا۔! اور میں جانتا ہوں۔ جو کچھ تم ظاہر کرتے رہے اور جو کچھ تم چھپاتے رہے۔ ان آیات میں دانستہ طور ایک واقعہ بیان کیا گیا۔ جس میں انسانی خلافت کا حقیقی مظاہرہ کرکے اسکی خلافت کی تصدیق کی گئی ہے۔ یہ ایک زائد واقعہ ہے ــــ! جس میں چند خصوصی کیفیتوں کا اظہار کیا گیا ــــ اول یہ کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا۔ اور آگاہ کیا آدم کو تمام اسماً سے ــــ آدم سے مراد ایک بشری شکل کا گندم گوں رنگ کا انسان۔ یہ وہی ہستی ہے۔ جسکے متعلق اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ. ......= یعنی ایک انسان جو زمین کے مادی لیس دار کیچڑ سے بنا۔ اس کا وجودی مرکب زمین کے جوہری ذرّات سے بنا ہے اس میں فتنہ وفساد کا مادہ پایا جاتا ہے۔ فَاِذَا سَوَّیْتُه‘ ۔ اسکی حیوانی صفات کی سوئی سے اصلاح کی گئی۔ سوئی سے مراد وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ○ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۲۳) بنائے تم میں کان اور آنکھیں اور دل ودماغ۔ مگر بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ان قوتوں کو استعمال کرکے شکرانِ نعمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ویسے ہر حیوان میں کان اور آنکھیں اور دل ودماغ پائے جاتے ہیں۔ لیکن انسانی قوتوں کو مزید تقویت دی گئی جس سے انسان۔ اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ حصولِ سامانِ زندگی میں

آسانیاں پیدا کر سکتا ہے۔اور اپنی نشو نما میں انتہائی عروج پا سکتا ہے۔اسکے ساتھ ہی وہ اپنی سفلی (فساد و خونریزی کی) قوت کو اپنے ارادے کا پابند کر کے۔ تنظیم کائنات کا پابند رہ کر۔ دینِ فطرت۔ دین اسلام کی مطابقت کر سکتا ہے۔ان قوتوں سے وہ اپنی سفلی قوتوں پر قابو پا سکتا ہے۔

انسان کو دینِ فطرت کی مطابقت کرنے کیلئے خصوصی طور پیدا کیا گیا۔دینِ فطرت ازل سے جاری ہے۔جس میں عالمِ روحانی کی نورانی مخلوق بھی پائی جاتی ہے۔انسان کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ عالمِ روحانی کی تنظیم سے بھی مطابقت کرے۔جو کام کسی اور مخلوق کے سپرد نہیں کیا گیا کیونکہ ــــ روحانی عالم کی مخلوق (ملائکہ) جو روحانی قانون کی پابند ہے۔اس میں سفلی مرکب نہیں۔جس قوت سے انہیں۔سفلیت۔لذتِ نفس۔خواہش۔اور سامانِ زندگی کے حصول کی تلاش ہو۔یہ مخلوق مجسم روحانی ہے۔اسلئے انکا عالم روحانی کی تنظیم کا پابند ہونا آسان ہے۔بہ مقابلہ انسان کے۔کہ اس میں سفلیت کا مادہ ہے۔اور سفلیت اسے بغاوت کی تحریک دیتی ہے۔جسکے لئے انسان نے اپنی سفلی قوتوں سے مقابلہ کر کے جدو جہد کرنی ہے۔یہ ایک شدید کام ہے۔جس کیلئے انسان نے بیحد محنت و ریاضت کرنی ہے ـــ اور عالم ظاہری (دنیا) کی تنظیم کے ساتھ عالمِ روحانی کی تنظیم کا پابند بھی رہنا ہے ـــ انسان میں ایک زائد روح پائی جاتی ہے اسے روح رحمانی کہا جاتا ہے۔روح حیوانی اسکی زندگی کو قائم رکھتی ہے۔ لیکن یہ روح ذرۂ ناری کی روح ہے۔اسلئے اسکی وسعت زمین اور دنیا کی حد تک محدود ہے۔یہ روح چونکہ ناری ہے۔اسلئے عالمِ روحانی کی حدود میں داخل نہیں ہو سکتی ـــ اسکے لئے ضروری ہے۔کہ انسان میں ایک عظیم روح ڈالی جائے۔جو عالمِ روحانی کی تمام وسعتوں کا احاطہ کر کے علتِ لامحدود۔ اللہ تک رسائی حاصل کرے۔اسی ضرورت کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسانی مرتبہ کو بلند کر کے (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِيْ۔اور میں نے انسان میں اپنی روح پھونکی) اس میں اپنی روح ڈالدی ـــ اپنی روح سے مراد ـــ وہ عظیم روح جو تمام کائناتِ عالم (عالم روحانی) کا احاطہ کر سکے ـــ اسی نوع کی ایک پیدائش زمین پر مکمل ہوئی جو بشر کی شکل رکھتی ہے۔اسکا نام آدم ہے ـــ اور اب عالمِ روحانی کے دین اسلام یا دینِ ازلی کی پیروی کرنا اسکا سب سے اہم اور خصوصی عمل ہے۔اور اس عمل میں عالمِ روحانی کا مشاہدہ قائم رکھنا ہے۔اسکے ساتھ ہی ـــ اپنی جسمانی نشو نما کیلئے زمین پر پھرنا اور سامان زندگی حاصل کرنا۔

لیکن اس حدتک کہ انسان اپنے دل و دماغ ـــــ قوتِ ارادی سے پورا پورا کام لے اور لذتِ نفس کا شکار نہ ہو ـــــ خواہشات کو وسعت نہ دے۔ حصولِ لذت میں اتنی جستجو نہ کرے جس سے اسکا ذہن (حافظہ) دنیوی حصول کے تصورات میں الجھ کر مشاہدۂ عالمِ روحانی سے محروم ہو جائے۔

انسانی خصوصیت عالمِ روحانی کے مشاہدہ سے ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے انسان میں روحِ رحمانی پھونک کر اسے تمام عالمِ روحانی کا مشاہدہ و علم عطا کر دیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اور علم دیا آدم کو تمام اسماٗ کا ـــــ اسماء سے مراد۔ عالمِ روحانی کی روحانی کیفیات جو انسانی نظروں اور عقل سے ماوریٰ (دور) اور پوشیدہ ہیں۔ اسلئے انہیں عالمِ اسرار یا اسرارِ ذاتِ الٰہی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان اسرار و اسماٗ میں خود عالمِ روحانی اور اسکی مخلوق ملائکہ و عرش۔ کرسی۔ آسمان اور عرش سے بالاتر مقاماتِ روحانی تاعلتِ لامحدود ذات واقع ہیں ـــــ انہیں کیفیات کا مشاہدہ روح کے ذریعہ آدم کو دیا گیا۔ چونکہ اسکے مرکب میں ایک عظیم روح (روح رحمانی) موجود ہے۔ اس روح کے اعتبار سے یہ سفلی مخلوق۔ ملائکہ سے افضل۔ پیدائش اور صفات میں افضل قرار دی گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسی صفت کا مظاہرہ کرنے کیلئے آدم اور فرشتوں (ملائکہ) کا مقابلہ کرایا۔ تا کہ ملائکہ کے اعتراض اور اسکے اعلان کی حقیقت ظاہر ہو ـــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے امتحانی طور سوال کیا۔ کہ تم اپنے ماحول اور اپنی کیفیتوں کی خبر دو ـــــ؟ ملائکہ نوری وجود (اسماٗ) ہیں ـــــ اور ہر وجود اپنے اپنے مقام کی مخلوق ہے۔ اسلئے ہر وجود کو اپنے مقام سے بالاتر مقام کا علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان میں روح رحمانی کی عظیم روح نہیں۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ سے سوال کرتا ہے۔ کہ تمہارا دعوےٰ ہے۔ کہ تم میری تسبیح۔ میرا ذکر تو کرتے ہو۔ میری پہچان بھی تمہیں حاصل ہے ـــــ کیا یہ صرف علم الیقین ہے۔ یا عین الیقین؟ کہ تم نے اپنے ماحول کی کیفیت سے میری ذات کا اندازہ کر کے مجھے پہچانا ـــــ یا مجھے دیکھ کر پہچانا ـــــ؟ کیا تمہیں میرے تمام اسرارِ روحانی کا علم ہے ـــــ؟ اگر ہے تو بیان کرو ـــــ! مگر ملائکہ نے مجبوری ظاہر کی کہ نہ ہم میں اتنی قوت ہے۔ نہ ہماری وجودی خاصیت میں ایسی صفت پائی جاتی ہے۔ جس سے ہم عین الیقین سے تیری پہچان کریں۔ اسلئے ہم اپنے ماحول سے سویٰ کسی کیفیت کی خبر نہیں دے سکتے۔ تو اللہ نے کہا۔ کہ میں نے آدم کو اسی غرض سے پیدا کیا۔ جس پر تم نے اعتراض اور لاعلمی کا مظاہرہ کیا ـــــ! اب تم میرے ارادۂ ازلی

کی تصدیق حاصل کرو۔۔۔۔ تو اللہ نے اسی آدم سے کہا اے آدم! اب تم اپنی خصوصیات کا مظاہرہ کرو قَالَ یٰآدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۔اے آدم اب تم ان ملائکہ کو انکے تمام حالات وکوائف اور اسرار کی خبر دو (جسکی ہم نے تجھے روح رحمانی کے ذریعہ خبر دی)۔۔۔۔ ظاہر آدم بھی جس ماحول میں پیدا ہوا۔اسی ماحول کی اسے خبر ہوسکتی ہے۔وہ زمین کی کیفیت کو جان سکتا ہے۔زمین کی اشیأ سے باخبر ہوسکتا ہے۔لیکن سفلی حالت میں وہ عالمِ روحانی کی خبر نہیں دے سکتا۔۔۔۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دو زائد کیفیتوں کا دانستہ طور ذکر کیا۔فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ۔۔۔۔ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ۔یہ دو صفتیں ایسی ہیں۔جن سے انسانی سفلیت ختم ہوکر۔انسان اشرف الملائکہ ہوتا ہے۔انہیں قوتوں سے انسان عالمِ روحانی اسرار الٰہی کا عین الیقین کے ساتھ مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کی حقیقی پہچان کرتا ہے۔۔۔۔ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ پس آدم نے ملائکہ کے تمام اسرارِ روحانی کی ملائکہ کو خبر دی۔تو ثابت ہوگیا کہ انسان کا مقام ملائکہ سے (روحانی اعتبار سے) بلند وبالا ہے۔اور اس روحانی صفت کی وجہ سے انسان کے ذمہ عالمِ روحانی کا مشاہدہ اور دین ازلی۔دین اسلام کی مطابقت کرنا ضروری ٹھہرا۔اس مظاہرہ سے ظاہر ہوا۔کہ اس سفلی انسان کا مقام نہایت اعلےٰ وارفع ہے۔اور اس مقام کو پاکر انسان پر عالمِ روحانی۔اسرار الٰہی۔ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ جو اِسے دیا گیا۔اپنی زندگی میں ہر لحہ قائم رکھنا ہے۔یہی اسکی پیدائش کا واحد مقصد ہے۔اسی عمل سے دین فطرت۔قانون فطرت۔دین اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔اسی عمل سے نظام کائنات کی مطابقت ہوسکتی ہے۔ورنہ اگر انسان اپنی خصوصیاتِ انسانی اور مشاہدۂ عالمِ روحانی کو قائم نہ رکھ سکا۔تو قانونِ فطرت کی پیروی انسان کیلئے قطعاً مشکل اور ناممکن ہے۔اسی مشاہدۂ روحانی کا اجرأ زمانہ میں مخصوص ہستیوں۔رسولوں نے کیا۔انہوں نے انسانی اصلاح کیلئے الٰہی احکام واصول پیش کئے۔جن میں تمام وہ طریق بتائے گئے ہیں جن سے انسانی روحانی جسمانی اصلاح پاکر انسان صاحبِ مشاہدہ ہوجاتا ہے۔صاحبِ مشاہدہ ہوکر پھر انسان قانونِ فطرت کی مطابقت کرنے کا حامل ہوجاتا ہے۔انسانی پیدائش میں ہمیشہ یہی دستور رہا کہ جب انسان نے لذتِ نفس کے تابع اپنی صلاحیتوں اور خصوصیات کو کمزور کردیا تو اس میں مشاہدہ۔۔۔۔ اور قوتِ مشاہدہ باقی نہ رہی۔۔۔۔ اور انسان نے دنیوی حصول کی طرف یکسر مائل ہوکر فساد وخونریزی شروع کردی۔اسی سے نظام کائنات میں خلل واقع ہوا۔اور دین اسلام کی پیروی

سے انسان نے انکار کر دیا۔اسوقت انسان کا اولاً مشاہدۂ روحانی جا تا رہا۔ مشاہدۂ روحانی جانے سے انسان لذتِ دنیوی کی طرف مائل ہوا۔حصول دنیا کے ساتھ مشاہدہ جاری نہ رکھنے کی وجہ سے ہی انسان نے قانونِ فطرت یا دین اسلام کی مطابقت کرنے سے گریز کیا۔

اسی موقع پر زمانہ کو ایک مصلح ایک رسول کی ضرورت پیش آئی۔یا خود بخود زمانہ میں ایک مصلح کا وجود پیدا ہوا۔اور اسی ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول کو انسانی اصلاح کیلئے منتخب کر کے بھیجا گیا۔اِسے علم و مشاہدہ کیلئے طریق بتائے گئے۔اور عام انسانی معاشرہ کی اصلاح کیلئے بھی احکام و اصول بتائے گئے انہیں احکام و اصول کو کتاب الٰہی کہا جاتا ہے ـــــ درحقیقت انسانی اصلاح کیلئے ایک مصلح کا اللہ کی طرف سے منتخب ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ ایک غیر منتخب مصلح صرف عقلی طور اصلاحی اصول وقوانین کا اجرا کر سکتا ہے۔یہ قوانین صرف نظامِ دنیوی کیلئے کارآمد ہو سکتے ہیں۔نظام روحانی (عالم روحانی) میں کارآمد نہیں ہو سکتے۔نظامِ روحانی ایک مستقل نظام ہے۔جس میں کسی زمانہ میں تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی ـــ اسکے لئے ضروری ہے کہ ایک مصلح کے پاس روحانی نظام کی پیروی کرنے کیلئے روحانی قوانین حاصل ہوں۔روحانی قوانین عقل سے اختراع نہیں کئے جاسکتے۔اسلئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام نظامِ روحانی و مادی کی مطابقت کے لئے مقرر کیا ہے۔اِسے روحانی قوانین بھی میسر ہوں۔لہٰذا ان قوانین کا اجرا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی انسان سے نہیں ہوسکتا۔جسکے لئے اللہ تعالیٰ ایک مصلح کو روحانی طور منتخب کر کے اپنی طرف سے اصول وقوانین پیش کرتا ہے۔انہیں قوانین کو احکامِ الٰہی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔جو الہامی کتاب (یا کلامِ الٰہی) کے ذریعہ ایک رسول (منتخب مصلح) کو دیئے جاتے ہیں۔

ابتدائی انسانی پیدائش پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے۔کہ انسان ـــــ انسانی اعتبار سے ایک اعلیٰ واکمل ہستی ہے۔جسے صحت مند جسم وروح اور مشاہدہ حاصل رہا اور انسان فطری طور قانونِ فطرت۔ دین الٰہی کا پابند رہا ـــــ جوں جوں آبادی بڑھتی گئی۔لوگ زمین پر پھیل گئے۔انہیں لذتوں کا احساس ہوتا رہا۔لیکن انہوں نے اپنی خصوصیات کی حفاظت کو مقدم سمجھا۔اسلئے انکی غذا اور حصول مختصر رہا۔لوگ پتوں۔گھاس اور پھلوں پر ہی اکتفا کئے رہے۔اسلئے اِنکی جسمانی روحانی صحت برقرار رہی انکی روحانی

قوتیں بحال رہیں اور اِنسے دین اسلام کی کلی طور تابعداری ہوتی رہی ـــــ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں رفتہ رفتہ لذت نفس اور خواہش کا مادہ بڑھنے لگا۔انہوں نے لذت کو مقدم سمجھا۔خواہشیں بڑھنے لگیں۔انکے حصول میں ذہن بٹ گیا۔جس سے ایک طرف جسمانی صحت کمزور ہونے لگی دوسری طرف مشاہدہ عالمِ روحانی کم ہوتا گیا۔ایک زمانہ آیا۔کہ انسان یکسر حصولِ لذت میں جستجو کرنے لگا۔اس خواہش اور جستجو نے تزکیہ۔اور مشاہدہ کی فرصت نہ دی۔نتیجہ یہ ہوا۔کہ مشاہدۂ عالمِ روحانی کا تصور انسانی ذہن سے یکسر محو ہوگیا۔اور انسان یہ بھول گیا کہ اسکی اصلی خصوصیت کیا تھی۔اس وقت کا انسان بیماریوں کا شکار ہوگیا۔ضرورتوں کا محتاج ہوگیا۔اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ پیدائشی طور۔کمزور۔وحشی۔کم عقل اور باغی پیدا ہوتا ہے ـــــ انسان اپنی ہی کمزوریوں سے متاثر ہوا۔اور اپنے آپکو قطعی کمزور۔وحشی اور محتاج سمجھنے لگا ـــــ اسی دور پر محققین مغرب کی نظر پڑی تو یہ سمجھا کہ ابتدائی انسان۔وحشی۔کم عقل اور غیر مہذب تھا۔لیکن یہ بات قطعی غلط ہے کیونکہ محققین ابھی تک انسانی ابتدائی پیدائش کا قطعی اور کامل نشان پا نہیں سکے ہیں۔انکی نظر درمیانی دور پر پڑتی ہے کہ انسانی پیدائش کا حقیقی مقصد صرف حصولِ دنیا اور نظامِ دنیا کی پیروی ہی نہیں۔بلکہ انسان کا حقیقی مقصد مشاہدہ عالمِ روحانی ہے۔جسکے متعلق محققین کوئی ابتدائی تحقیق حاصل نہیں کرسکے۔اور یہ کیفیت انکی عقل وخرد سے مخفی ہے۔جسوجہ سے ایسے محققین کے نزدیک دنیوی ترقی ہی انسان کا نصب العین سمجھا جاتا ہے۔اور چونکہ روحانی حیثیت میں کسی دور میں انسان میں مادی ترقی نظر نہیں آتی۔اسلئے اسے۔وحشی اور غیر ترقی یافتہ تصور کیا جاتا ہے۔اسکے علاوہ۔انسانی حقیقی پیدائش۔اور کائناتِ فطرت کی تخلیقی ترکیب پر بہ نظر عمیق غور نہیں کرتے۔کہ ابتدائی پیدائش میں ہر وجود ایک قوی۔تازہ جوہر سے بنا ہے۔ابتدائی اعتبار سے ہر چیز قوی اور کامل ہوگی۔جوں جوں ہر شے میں نسل کشی کا سلسلہ چلا آتا ہے۔ہر چیز کی قوت کم ہوتی جاتی ہے۔اور انسان کی حیثیت ہی الگ ہے ـــــ کیونکہ انسان ایک خصوصی پیدائش ہے۔اور فطری طور یہ ایک صحت مند قوی جسم وذہن ـــــ اور قوی روح کا مالک ہے۔اس اعتبار سے انسان ابتدأ۔قوی جسم۔صحت مند جسم ـــــ اور قوی عقل وذہن رکھتا ہے۔قوی جسم کو کسی دوا کی احتیاج نہیں ـــــ پاکیزہ غذا ـــــ صاف بے ضرر سامان زندگی میں انسان بیمار نہیں ہوسکتا لہٰذا اسے علاج کی ضرورت نہیں ـــــ اور اگر ضرورت ہو۔تو انسانی قوی عقل وذہن اپنی ہر

ضرورت کو پاسکتی ہے ـــــ لہٰذا ابتداءً انسان ایک اعلٰے واکمل صحت مند وجود کا مالک تھا۔ جو اپنے پیدائشی مقصد اور اپنے کردار وعمل سے بخوبی آگاہ تھا ـــــ اور یہ جو محققین مغرب کی سطحی اختراع ہے۔ کہ انسان نے خوف کی وجہ سے ایک خدا کا تصور قائم کیا۔ یہ بھی ابتدائی انسانی تحقیق میں نامکمل ہونے کی وجہ سے ہے۔ کہ انہوں نے ابتدائی انسان کی حیثیت وحقیقت کو نہ پایا ـــــ اور جب انسان کو۔ بیمار۔ وحشی۔ مجبور دیکھا تو سمجھے یہی انسان کی اصل اور حقیقت ہے۔ لیکن واقعات اسکے برعکس ہیں۔

جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا کہ ابتداً انسان ایک صحت مند ذہن وجسم صاحبِ مشاہدہ ہستی تھا۔ تو یہ جسمانی حالت میں ایک قوی وجود تھا۔ اسکی غذا مختصر گھاس۔ پتے۔ صاف شفاف پانی۔ کھلی ہوا۔ کھلی فضا اسے میسر تھے۔ ایسی حالت میں انسان آرام طلب نہ تھا ـــــ غرضکہ ماحول نے اسے جسم وروح کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ اسلئے اس میں تنزل کے آثار پائے نہ جاتے تھے اور جب انسان نے لذتِ نفس کے زیر اثر صرف دنیوی حصول کی خواہش کی تو اسکی لطیف قوتوں میں تنزل آنا شروع ہوا ـــــ یہ ایک فطری اصول ہے۔ کہ انسان کی بنیاد ایک لطیف روح سے ہے۔ روح بذاتِ خود ایک لطیف جوہر ہے۔ یہی روح انسانی جسم بناتی ہے۔ اس روح کی اصل غذا جوہری ہے۔ جس میں مادیت کا اثر کم ہونا چاہیے۔ بہ الفاظ دیگر روح کو قوی رکھنے کیلئے مادی غذا کا کم استعمال ہونا چاہیے یا جو مادی غذا استعمال کی جائے۔ اس میں جوہریت زیادہ وخالص ہونی چاہیے۔ اسطرح روحانی قوت قوی وبحال رہتی ہے۔ اگر مادی غذا کم استعمال کی جائے تو روحانی قوت اتنی ہی قوی وسالم رہتی ہے۔ مادی غذا حاصل نہ ہونے پر بھی اسکی قوت بحال رہتی ہے کیونکہ انسانی روح حیوانی ایک مستقل قوت ہے جو بغیر مادی ذرائع کے ہمیشہ زندہ وقائم رہتی ہے لہٰذا اس روح کو جتنی مادی غذا کم حاصل ہو اتنی ہی اسکی اپنی روحانی قوت قوی رہتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر مادی غذا استعمال نہ کی جائے تو روحانی قوت میں نہ کمی واقع ہوتی ہے۔ نہ جسم پر کوئی برا اثر پڑتا ہے۔ بلکہ مادی غذا کم استعمال کرنے سے جسمانی ساخت بھی۔ قوی اور روحانی ہو جاتی ہے یہی روح حیوانی جسم کو قائم رکھتی ہے ـــــ یہی حالت ابتدائی انسان کی تھی ـــــ وہ فطری طور زندگی بسر کر رہا تھا۔ اِسے جب بھوک محسوس ہوتی۔ تو غذا کی طرف رجوع کرتا ـــــ ورنہ اسکی زندگی کا مشغلہ رزق حاصل کرنا نہ تھا ـــــ جیسے حیوانی زندگی کا طریق ہے۔ جب بھوک محسوس ہوتی

ہے۔غذا کی طرف رجوع کرتی ہے۔ورنہ وہ رزق حاصل کرنا اپنی زندگی کا مقصد نہیں سمجھتی۔نہ ہی اسے یہ سمجھ ہے۔کہ وہ صرف غذا حاصل کرنے کیلئے پیدا ہوا اسی طرح انسانی ذہن بھی اس تاثر سے خالی تھا۔کہ اس نے صرف رزق حاصل کرنا ہے۔اس وقت انسان قوی صاحبِ مشاہدہ انسان تھا۔اسلئے قوتِ مشاہدہ نے اسے۔اسی مشاہدہ کی طرف مائل کرر کھا تھا۔جسکے لئے اسے۔مادی غذا حاصل کرنے کی جستجو پیدا نہ کی تھی۔اسکی غذا مختصر اور پاکیزہ ہونے کی وجہ سے اسکے روح وجسم قوی تھے۔اور اسے ایک خصوصی تصور حاصل تھا ـــــ وہ تھا۔عالمِ روحانی کے عجائبات واسرار کا مشاہدہ ـــــ اور ایک خالقِ کائنات (علت لامحدود) اللہ کا تصور ـــــ ایسی حالت میں اِسے کسی خوف نے اللہ کا تصور نہیں دلایا ـــــ بلکہ ایک حقیقی اللہ کا تصور فطری طور اسے حاصل تھا ـــــ اور جب انسان کی لذت نفس نے اسے تنزل کی طرف لایا۔تو ایک زمانہ ایسا آیا جب انسانی روحانی۔جسمانی صحت قائم نہ رہی۔اسکی صحت کمزور ہوگئی ـــــ اسکا ذہن کمزور ہوگیا ـــــ اسکا مشاہدہ یکسر جاتا رہا ـــــ اور انسان یہ جان نہ سکا کہ وہ اس سے پیشتر ایک صحت مند جسم وروح صاحب مشاہدہ انسان تھا جسے ایک حقیقی خدا کا ازلی تصور حاصل تھا۔اسوقت انسان ہر شے سے بے خبر ہوگیا۔اسکی عقل کام نہ کرسکی۔اسے بیماریوں نے گھیر لیا۔یہ ایسی بیماریاں تھیں۔جن کا اس سے پیشتر وجود پایا نہ جاتا تھا۔نہ انکے علاج کی ضرورت پڑی تھی۔نہ انکے لئے ادویات کی تحقیق وجستجو کی نوبت آئی۔لہٰذا۔انسان انہیں بیماریوں سے بے علاج مرنے لگا ـــــ اس سے پیشتر بھی زمانہ میں ـــــ گرج چمک۔آندھی طوفان۔زلزلوں اور بناؤ بگاڑ کے حادثات ہوتے رہے لیکن انسان صحت مند جسم۔روحانی قوت اور مشاہدۂ عالم روحانی کی وجہ سے ایسے حادثات سے متاثر نہ ہوتا۔اور جب انسان نے اپنے آپ کو کمزور۔مجبور اور حقیقت سے بے خبر پایا تو ہر حادثہ سے متاثر ہوا ـــــ یہ جاننا ضروری ہے۔کہ ایسے حادثات کے موقع پر انسان نے ایسی قوتوں کو کیوں خدا کا درجہ دیا ـــــ یہ ایک آسان سی بات ہے ـــــ کہ انسان کے ذہن میں ایک خدائی ہستی وجود کا تصور منتقل ہوتا آرہا ہے۔انسان نے ان حادثاتی قوتوں کو قوی تر سمجھ کر انہیں خدائی قوت سے نسبت دیا۔ورنہ اگر خدا کا تصور پیشتر ذہنوں میں نہ پایا جاتا تو انسان ایسی قوتوں کو خدا سے نسبت نہ دیتا۔جبکہ اسکے ذہن میں کسی خدا کا تصور نہ ہوتا ـــــ انسان رعد وگرج۔طوفان سے متاثر ہوا۔کہ یہ قوی طاقتیں ہیں ـــــ اسکے ذہن ومشاہدہ میں حقیقی خدا کا

تصور نہ تھا۔لیکن تاثر ضرور تھا۔اسلئے انسان نے ایسی قوتوں کوخوف کی وجہ سے خدا کا درجہ دے دیا۔اور اپنی کمزوری۔مجبوری کے باعث ایسی قوتوں کے آگے جھکنے لگا ــــ درحقیقت یہ ایک دلیل ہے۔کہ مخلوق میں جب اپنی کمتری کا احساس آتا ہے۔تو وہ کسی غالب قوت کوتسلیم کر کے اسکے آگے جھک جاتی ہے۔اور اُسے اپنا رب (پالنے والا) تصور کرتی ہے۔دراصل اس تاثر کی بنیاد ایک اللہ کے رب ہونے پر ہے۔کہ انسان کے ذہن میں پیشتر یہی تاثر موجود تھا۔جونسلوں میں انتقال کرتا رہا۔ابتداً انسان صاحب مشاہدہ تھا وہ حقیقی رب کے آگے جھکتا۔اور اسے اپنا رب تصور کرتا ــــ جب انسان کے ذہن سے حقیقی اللہ کا تصور مٹ گیا۔تو ہر غالب قوت کے ظہور پر اسکا انتقالی تصور ابھرا ــــ اور انسان نے بجائے حقیقی اللہ کے۔وقت کی غالب قوتوں سے متاثر ہو کر انہیں اللہ کی قوت سمجھا ــــ اسطرح زمانہ میں حقیقی پیدائش اور اسکے مقصدِ زندگی کا تصور مٹ کر ــــ دین فطرت۔دین اسلام کی خلاف ورزی شروع ہوئی۔ایسے وقت میں انسانی پیدائش کی اصلاح کیلئے فطری طور ضرورت پڑی۔تو زمانہ میں ایک مصلح یا ایک رسول کا وجود پیدا ہوا ــــ قرآن نے اپنے تخلیقی تفصیلی بیان کو جاری رکھتے ہوئے بتایا ــــ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۵۔ ۳۶) اور کہا ہم نے اے آدم سکونت کر اس باغ میں تو اور تیرا جوڑا۔اور کھاؤ اس باغ سے جی بھر کر جہاں سے ــــ جتنا چاہو اور مت قریب ہونا۔اس درخت کے ــــ! پس تم ظالموں سے ہو جاؤ گے ــــ پس شیطان نے انہیں ورغلایا (ان نعمتوں سے محروم کر دیا) پس ہم نے انکو نکال دیا اس باغ سے جہاں وہ ہوتے تھے ــــ اور کہا اترو (اس باغ سے) زمین کی طرف اور اب تمہارے لئے زمین کی وسعتوں میں پھر کر رہنا اور روزی حاصل کرنا مقرر ہو گیا ــــ! یہ انسانی آبادی کا ابتدائی واقعہ ہے۔کہ انسان نے ایک ذرہ سے پیدائش کی ابتداً کرتے ایک انسانی شکل اختیار کی اسکا نام آدم رکھا گیا ــــ اور اسکا جوڑا بھی اسکے ساتھ ہے ــــ! جسکا ذکر ابتدائی پیدائش میں بیان نہیں ہوا ــــ لیکن یہ جوڑا۔کائنات کی فطری تخلیقی ترکیب کے ساتھ بنا ــــ اسکا ذکر اسلئے نہیں ہوا۔کہ کائنات کی تخلیقی ترکیب سمجھنے والا یہ جانتا

ہے۔ کہ ایک وجود کی ابتدائی پیدائش میں اسکا جوڑا کیسے بنتا ہے۔ سو یہ جوڑا خود بخود بنتا ہے۔ جسے جانا جاتا ہے ــــ جسکے بیان کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا حوالہ کافی ہے۔ کہ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وہ اللہ ہے جس نے بنایا تم کو ایک واحد جان سے اور بنایا اسی جان سے اسکا جوڑا ــــ اور اسی جوڑے سے مخلوق کثیر بنی ــــ تخلیق کائنات کی یہ فطری پیدائشی ترکیب ہے۔ جو ہر مخلوق۔ ہر ذرہ کیلئے مقرر ہے ــــ کہ ایک متحرک پیدائش کی ابتدأ ایک ذرہ سے ہوتی ہے۔ وہ جمادات ہو یا نباتات۔ حیوانات ہو یا انسان ہر مخلوق کی یہی ایک اٹل اور منظم ترکیب ہے۔ کہ اول زمین میں وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ یعنی لطیف ہیئتِ ناری سے ہر وجود کو پانی سے متحرک محسوس کیا۔ یہ ایک ذرہ ہے اور ہر وجود کی بنیاد انہیں ذرات سے ہے ــــ ایک ذرہ فضا میں آتا ہے۔ وہ جب فضا سے متاثر ہوتا ہے۔ تو محسوس وجود کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ تو یہی ذرہ بڑھ کر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ یہی دو حصے جوڑے کی شکل اختیار کر جاتے ہیں ــــ اور جاندار ہیئت میں محسوس ہوتے ہیں۔ اور اسی جوڑے سے کثیر تعداد میں بہ طریق نسل کشی جاندار پیدا ہوتے ہیں۔ نباتات کی خاصیت بھی یہی ہے۔ کہ ایک پھول کا پودا ــــ ایک درخت ــــ ایک گندم کا پودا ــــ بیج پیدا کرتا ہے ــــ اسکی ابتدأ بھی ایک ذرۂ ناری سے ہوئی اور پانی سے ہی اس ناری ذرہ نے پودے کی شکل حاصل کی۔ اسی پودے سے آئندہ بیج کا وجود بنتا ہے۔ بیج بننے کیلئے نر و مادہ کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لئے اس منظم نظام میں فطرت نے اسکا انتظام کر دیا ہے۔ کہ ہوا ــــ اور بھنورا پیدا ہوا ــــ بھنورا۔ یا مکھیاں پودوں پر اپنی غذا حاصل کرنے کیلئے بیٹھتے ہیں تو اپنے ساتھ وہ جوہر لے جاتے ہیں۔ جن سے بیج پیدا ہوتا ہے۔ یہی جوہر دوسرے پودے کے جوہر سے مل جاتا ہے۔ اسی ملاپ سے ایک پودے کے پھول میں بیج بنتا ہے اسی بیج سے بے شمار پودے بنتے ہیں اسی طرح ابتدائی پیدائش میں بھی جب ایک ناری ذرہ پانی کے ذریعہ محسوس وجود کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ تو یہ ناری ذرہ ابتدأ دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ اور یہ دو حصے الگ الگ دو وجودوں کی شکل اختیار کرتے ہیں ــــ ساتھ ساتھ بڑھتے جاتے ہیں۔ اور اپنی وجودی تکمیل پر دو وجود خود بخود مکمل ہو جاتے ہیں۔ یہ انکی ابتدائی پیدائش کا فطری طریق ہے۔ اور آئندہ ہر شے نسل کشی کی شکل میں پیدا ہونی شروع ہوتی ہے۔ یہی صورت انسان کی ہے۔ کہ اسکے

ابتدائی مرحلہ پر یہ ایک ذرہ ناری تھا۔اور اسکا مقام لیس دار کیچڑ میں تھا۔کائنات کے منظم نظامِ تخلیق کے مطابق یہ ذرہ بڑھا۔ایک سے دو ہوا ___ دو وجود الگ الگ برابر ساتھ ساتھ بڑھنے لگے۔تو ہر دور میں انہیں دو وجودوں میں دیکھا گیا گویا ذرہ دو حصوں میں بٹ گیا۔اب دو ذرے بنے اور یہ دونوں ذرے برابر بڑھنے لگے۔اب ایک وجود نہیں دو وجود ہیں۔جو مچھلی جنتے ہیں۔جو مینڈک جنتے ہیں۔جو مرغی جنتے ہیں۔جو خرگوش جنتے ہیں۔جو بندر جنتے ہیں۔یہاں تک کہ بن مانس کی ہیئت میں بھی دو وجود محسوس ہوئے۔اور انسانی وجود کی تکمیل پر یہ یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ کے مقام پر ایک جوڑا دیکھا گیا۔اسکا دوسرا پہلو بھی اسی طرح ہے۔کہ بنایا ایک جان آدم سے اسکا جوڑا ___ اور اسی جوڑے سے کثیر مخلوق پیدا ہونے کا فطری نظام مقرر ہے ___ اسی ابتدائی زمانہ سے انسانی آبادی کی ابتدأ ہوتے ہی یہیں سے کثیر آبادی کی ابتدأ ہوتی ہے ___ اور اسکی ترکیب اسی طرح ہوتی ہے۔کہ آدم وحوا کو ایک باغ میں سکونت کرنے کیلئے کہا گیا ___ یہ خیال رکھنا ضروری ہے۔کہ درحقیقت یہ تمام نظام اور اسکا منصوبہ ارادۂ الٰہی سے تکمیل ہو رہا ہے۔اسلئے الٰہی اعلان و بیان کے تحت ہی سمجھنا ضروری ہے ___ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حصول دنیا کی فکر سے آزاد رہنے کا منصوبہ بنایا۔اور انسان کیلئے اسکی تمام فطری ضرورتیں آسانی کے ساتھ مہیا کرنے کا انتظام کر دیا۔کہ اگر انسان اپنی خصوصیات و مقاصد کو خیال میں رکھ کر اپنی زندگی کو برقرار رکھے تو اسکے لئے زمین کی فطری غذا ___ گھاس۔پھل بہترین غذا ___ اور وافر غذا ہو سکتی ہے۔ اسلئے انسان کو ایک باغ میں سکونت کرنے کا حکم دیا ___ کہ باغ میں تمام نعمتیں غذا کی مہیا ہیں۔باغ سے مرادوہ مقام ہے۔جہاں زمین کے جوہری ذرات اپنی لطیف ہیئت کی نئی شکل میں ابھر آئے یہ ذرات بھی وہی ناری ذرات ہیں جو زمین میں جذب ہو گئے اور نرم و نازک پودوں خوبصورت پھولوں اور لذیذ پھلوں کی شکل میں نمودار ہو گئے۔یہ ذرات دراصل زمین کی مٹی ہی ہیں جو باغ کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔اس مٹی میں زمین کے لطیف جوہری ذرات ہوتے ہیں جو باغ کی شکل اختیار کر جاتے ہیں ان نباتات میں انسانی غذا کے لئے مختلف اقسام کی گھاس۔پھل پائے جاتے ہیں۔جو زمین کے دوسرے حصوں میں جوہری قوت میں کم پائے جاتے ہیں۔اسلئے آدم کو کہا گیا کہ اس جگہ (اس باغ) میں تمہارے لئے ہر نوع کی غذا مہیا ہے۔اسلئے تم اور تمہارا جوڑا اسی جگہ قیام کرو ___ تاکہ تم اپنی زندگی کا ہر

سامان۔گھاس۔پتے۔پھل۔صاف وشفاف نہروں۔چشموں کا پانی آسانی سے۔بلا فکر وتر دد حاصل کر سکو ـــــ اسکے علاوہ بقیہ زمین کے اطراف میں ایسی جوہری۔لذیذ وقوی غذا عام نہیں اسلئے ایسے مقامات پر انسان کو اپنی ضرورت کیلئے جستجو کرنی پڑیگی۔جس سے انسان کا ذہن متاثر ہوگا۔اسطرح اسکے مشاہدے میں خلل واقع ہوگا۔نیز قوی جوہری غذا نہ ملنے کی وجہ سے جسمانی نشو نما میں بھی فرق آنے کا احتمال ہوگا۔اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہ انسانی ذہن حصول سامان زندگی سے فارغ رہ کر تصور ومشاہدہ میں ہر وقت مشغول رہ سکے۔زمین کی وسعتوں میں اس قسم کے باغات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جن میں سرسبز وشاداب ملک پہاڑی علاقے جو شمالی۔جنوبی علاقوں میں واقع ہیں۔جو تمام انسانی آبادی کیلئے۔کافی ہو سکتے تھے۔لیکن انسانی فطری خصلت وجبلت میں۔روحانی (جوہری) قوت کے ساتھ مادی قوت بھی پائی جاتی ہے۔اسلئے انسان میں ایسی کمزور قوتیں بھی ہیں جو اسے پستی وتنزل کی تحریک دیتی ہیں۔اس پستی کی تحریک صرف لذتِ نفس سے ہی ہوتی ہے۔

انسانی جسمانی مرکب میں دو کیفیتیں پائی جاتی ہیں۔ایک روح ایک جسم۔روح ایک پاکیزہ لطیف قوت ہے۔اسکا تعلق عالمِ روحانی سے رہتا ہے۔اپنی ابتدائی ہیئت میں روح ایک مجسم لطیف زندگی تھی۔اُسوقت بھی یہ لطیف وجود ایک روح وجسم کا ناری وجود تھا۔لیکن ناری حیثیت میں اسکا جسم بھی ناری خاصیت رکھتا تھا۔اور جب اس وجود (ناری ذرہ) نے حماءٍ مسنون (لیس دار کیچڑ) میں قرار پکڑا۔ تو اس لطیف ذرہ نے لیس دار جوہری کیچڑ سے۔غذا حاصل کی جس سے اس ناری لطیف ذرہ کا جسم پرورش پانے لگا۔جسطرح زمین نے ناری ہیئت سے تنزل کی طرف آکر خاکی ہیئت اختیار کی اسی طرح اس ذرۂ لطیف کے جسم نے۔مادی غذا سے ٹھوس جسم کی ہیئت اختیار کی۔یہ جسم ناری ہیئت کے مقابلہ میں کثیف ہیئت میں آیا ـــــ گویا اب یہ جسم ناری لطیف کیفیت میں نہ رہا بلکہ مادی کثیف کیفیت کا مرکب بنا ـــــ اس مادی کثیف جسم کی نشو نما مادی غذا سے ہی ہو سکتی ہے۔اور جوں جوں اس جسم کو مادی غذا میسر ہو یہ جسم ناری ہیئت کھو بیٹھتا ہے۔اس مقام پر ایک ناری ذرہ کا ابتدائی وجود (انسان) دو کیفیتوں کا مرکب بن جاتا ہے۔ایک روحانی (ناری لطیف) وجود (یعنی روح) دوسرا مادی کثیف وجود (جسم) ـــــ روحانی وجود اپنی روحانی حالت مین قائم رہتا ہے ـــــ اور جسے روح حیوانی کہا گیا۔دوسرا جسم

ہے جو ابتداً لطیف ناری جسم تھا۔اب انسانی گوشت پوست کی صورت میں ظاہر ہوا۔یہ انسانی گوشت پوست کا جسم کثیف جسم کہلاتا ہے ـــــ ابتداًمیں حماء مسنون (لیس دار کیچڑ) میں اسے زمین کی لطیف قوی جوہری غذا میسر تھی اسلئے اسوقت یہ جسم ایک جوہری مجسمہ تھا کیونکہ لیس دار کیچڑ میں زمین کے جوہری ذرات کا مرکب پایا جاتا تھا۔اسلئے یہ جسم اس حالت میں بھی کسی حد تک لطیف اور جوہری تھا ـــــ یہ تھا ابتدائی انسانی جسم کا مرکب ـــــ چونکہ لطیف جوہری ذرات نے پانی کے ذریعہ ٹھوس مادی ہیئت اختیار کی تھی۔اسلئے ناری ذرہ کے مقابلہ میں یہ جوہر اور اس جوہر سے بنا ہوا جسم کثیف جسم ہی کہلاتا ہے ـــــ ان دونوں وجودوں کے تاثرات الگ الگ پائے جاتے ہیں۔روح کی نسبت و تعلق روحانی قوتوں سے ہے۔اور یہ وجود مستقل ہے۔اسلئے اسے اپنی نشو نما کیلئے کسی غذا کی ضرورت نہیں۔برعکس اسکے اس ناری (روحی) ذرہ کے جسم کو جبکہ اسکی ہیئت لیس دار کیچڑ کے مواد سے مادی ہیئت اختیار کر گئی اس جسم کو اب آئندہ نشو نما کی ضرورت ہے۔جسکے لئے مادی غذا کی ضرورت ہے۔لیکن یہ غذا ایسی ہی ہونی چاہیے جو لیس دار کیچڑ میں اسے میسر ہوئی ـــــ چونکہ اس وجود نے اس مقام سے نقل مکانی کرنی ہے۔تو ہر مقام پر جوہری غذا میسر نہیں ہو سکتی۔اسلئے ضروری ہے۔کہ دوسری جگہ اسے کمتر قوت کی غذا میسر ہو گی اور اس غذا کے استعمال کرنے سے یہ جسم اور کثیف ہو جائے گا۔اسطرح ایک وجود لطیف روح اور کثیف جسم کا مرکب بن جاتا ہے ـــــ

یہ پیدائش کا فطری خاصہ (فطری عادت Habit) ہے۔کہ اگر وجود کو مادی غذا میسر نہ ہو۔تو اسکی مادی خاصیت کم ہو کر پھر سے لطیف جسمانی ہیئت بن جاتی ہے۔اس حالت میں بھی یہ وجود طویل مدت تک زندہ رہ سکتا ہے ـــــ کیونکہ جوہری قوت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی لطیف ہیئت کے اعتبار سے زندہ و قائم رہ سکتا ہے۔ایسے وجود کو مادی غذا کی ضرورت نہیں رہتی۔یہ وجود لطیف ہیئت میں قائم رہ سکتا ہے ـــــ اور جوہری غذا میسر ہونے پر بھی اگر ایسی ہی غذا اسے میسر ہو تو یہ لطیف ہیئت میں طویل مدت تک زندہ و قائم رہ سکتا ہے۔مؤخر حالت میں چونکہ جوہری غذا میں مادیت کا اثر پایا جاتا ہے۔اسلئے یہ جسم لطیف روح اور کثیف جسم کا مرکب کہلاتا ہے ـــــ یہ انسان کی اصلی ہیئت ہے۔جس ہیئت پر اس نے قائم رہنا ہے لیکن نقل مکانی کی صورت میں انسان نے ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کرنا ہے۔اسلئے یہ

ہیئت ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ دوسری جگہ جوہری غذا میسر نہیں ہوسکتی۔ اسلئے کمتر غذا حاصل ہونے کی وجہ سے جسم پر کثافت کا مادہ بڑھ جاتا ہے۔ کثیف جسم کیلئے مادی غذا کا میسر ہونا ضروری ہے۔ اسلئے کثیف جسم کی خاصیت یہ ہوجاتی ہے۔ کہ وہ لطیف ہیئت کے مقابلہ میں کثافت کی طرف رجوع رکھتا ہے۔ تا کہ اسکی نشونما جاری رہ سکے۔ یہ ایک کیفیت ہے جو اس لطیف جسم میں پیدا ہوجاتی ہے۔ کہ روح لطافت کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اور جسم کثافت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ انہی دو کیفیتوں کی وجہ سے ایک وجود دو سمتوں کی طرف رخ کرتا ہے۔ روح لطافت کی طرف پرواز چاہتی ہے۔ اور جسم کثافت و پستی کی طرف دوڑتا ہے ـــــ اسی اثر کے تابع ایک انسان ایک طرف عالم روحانی کے مشاہدہ کی جستجو رکھتا ہے۔ دوسری طرف اسکا جسم مشاہدہ کے مخالف سمت اندھیرے کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یعنی زیادہ کثافت کی وجہ سے انسانی جسم میں جلا (نورانی قوت) کم ہوجاتی ہے۔ جو کیفیت مشاہدہ میں حائل ہوجاتی ہے ـــــ کثافت کی طرف رجوع کرنے میں لذتِ نفس کو بھی دخل ہے۔ کہ جب انسان مادی اشیأ کو پسند کرنے لگ جاتا ہے تو یہ ان اشیأ کا زیادہ استعمال کرنا شروع کرتا ہے ـــــ اور یہ چیز اسکی پسندیدہ غذا بن جاتی ہے تو یہ پسند روح کی نہیں جسم کی ہوتی ہے ـــــ اسلئے مادی خواہش اِسے مخالف سمت لے جاتی ہے اور انسان لذتِ نفس کے زیر اثر مادی لذتوں کو زیادہ پسند کرنے لگ جاتا ہے۔ جن کے استعمال سے روح پر یہ اثر طاری ہوجاتا ہے۔ کہ وہ مشاہدہ کرنے سے رہ جاتی ہے ـــــ

آدم کو جب باغ میں رہنے کا حکم ملا۔ تو اسکا مقصد یہ تھا۔ کہ باغ میں بھی جوہری نباتات پائے جاتے تھے۔ ان اشیأ کے استعمال سے و آدم کی روحانی۔ جسمانی لطافت قائم رہتی اور اسکا مشاہدہ عالم روحانی جاری۔ رہتا ـــــ ضروری تھا۔ کہ آدم کا ذہن وحافظہ حصولِ رزق میں فارغ رہتا۔ مگر وافر غذا میں آدم کے ذہن میں شب و روز مختلف غذاؤں سے واسطہ رہا۔ جسکا اثر یہ ہوا۔ کہ آدم کے ذہن میں بھی غذاؤں کا تصور پیدا ہوا ـــــ جس سے تصور و یکسوئی میں فرق آگیا ـــــ اسطرح جسم میں مادیت کی طرف رجوع کا تاثر پیدا ہوا ادھر شیطان بھی گھات میں لگا ہوا تھا۔ ادھر جسمانی مادیت نے بھی مادیت کی طرف تحریک دی۔ تو آدم ارادہ کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ تو شیطان نے وسوسہ ڈالا۔ اور قدم ڈگمگائے فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا

عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۙ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ج (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۰ تا ۲۲) پس وسوسہ ڈالا شیطان نے ان دونوں (آدم وحوا) کو تاکہ ظاہر کردے واسطے انکے جو کچھ چھپایا گیا تھا ان سے انکی شرمگاہوں سے ــــ اور کہا نہ منع کیا پروردگار تمہارے نے اس درخت سے مگر اسوجہ سے کہ تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والوں سے۔اور قسم کھائی ان دونوں کے آگے۔کہ البتہ میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں۔پس کھینچ لیا انکو ساتھ فریب کے پس جب چکھا ان دونوں نے اس درخت سے۔ظاہر ہو گئیں واسطے انکے شرمگاہیں انکی اور لگے ڈھانپنے اپنی شرمگاہوں کو باغ کے پتوں سے ــــ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۴) کہا (اللہ نے) اترو (زمین میں) اب بعض لوگ بعضوں کے دشمن بنیں گے۔اور اب تمہارے لئے زمین ہی جائے قرار ہوگی اور اسی سے تمہارے لئے سامان زندگی ہوگا ایک معین مدت تک۔شیطان ناری وجود رکھتا ہے ــــ یہ ناری مخلوق سے ہے۔ناری مخلوق زمین کی ناری ہیئت کی مخلوق ہے۔اور انسانی پیدائش سے قبل زمین کی آتشی لوؤں سے بنی ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۲۶۔۲۷) اور البتہ بنایا ہم نے انسان کو صلصال سے لیس دار کیچڑ سے اور جنوں کو بنایا انسان سے پہلے آگ کی لوؤں سے۔اس آیت میں انسانی پیدائش کا ذکر جنوں کی پیدائش کے ساتھ کیا گیا۔انسانی پیدائشی مرکب میں صلصال اور حماء مسنون کا حوالہ دیا ہے۔صلصال۔زمین کی ناری کیفیت کہلاتی ہے۔جس وقت زمین ناری تھی۔اور جنوں کے متعلق بتایا گیا کہ من قبل انسانوں سے پہلے۔یعنی اسوقت جب ابتداً زمین ناری وجود (علت) سورج سے علیحدہ ہوئی تھی اسوقت یہ مجسم نار (ناری گیس) تھی اسی زمین ناری کی لوؤں سے جن بنے ہیں۔

شیطان بھی اسی قسم کی ناری پیدائش ہے۔واضح رہے۔کہ ناری کیفیت کو عام قسم کی آگ کے تصور میں نہ دیکھا جائے۔بلکہ مادہ سے پہلے کی ناری ہیئت جو مجسم گیس ہوتی ہے۔یہ گیس قوت میں قوی ہوتی ہے۔اور محسوس میں نہیں آسکتی۔اسی لئے۔جنوں کے وجود کو نہ محسوس کیا جاسکتا ہے نہ دیکھا جاسکتا ہے۔بلکہ ناری (گیس) کے اعتبار سے یہ ہیئت (وجود) لطیف ہوتی ہے۔اور Mater کے اعتبار سے

ان ناری قوتوں میں بھی۔قوت سمع (سننا) قوت بصر (دیکھنا) قوت فہم (سمجھنا) ناری ہیئت میں پائے جاتے ہیں۔یہ قوتیں بغیر جسم (انسانی جسم) ایک وجود رکھتے ہیں۔اور بغیر کان۔آنکھ ناری ہیئت میں دیکھ سکتے ہیں۔سن سکتے ہیں۔چونکہ یہ وجود مستقل ناری گیس ہیں۔اسلئے یہ جن ارادہ کے ذریعہ کسی شخص پر ناری شعاع (Ray) ڈال کر اُسے متاثر کر سکتے ہیں۔جسطرح ایک انسان اپنی قوت ارادی (روحی قوت) سے دوسرے انسان کو مسمر یزم کے طریقہ پر متاثر کرسکتا ہے۔اسی طرح چونکہ انسانی قوتِ ارادی۔یا روحی قوت۔بھی ابتدأ ہی ناری قوت ہے۔جو زمین کی ابتدائی حالت تھی لہٰذا۔جن اور انسانی روح کی ایک ہی ہیئت و کیفیت پائی جاتی ہے۔اور جو کچھ روح سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔وہی جن سے بھی ہوتے ہیں۔

باغ میں آدم کو اسی جن نے جس نے انتہائی عبادت سے۔ملکوتی عالم (نورانی عالم) تک رسائی حاصل کی تھی۔مطلب یہ کہ جن نے عبادت و تصور سے اپنے جسم کو اس قدر لطیف بنایا تھا کہ وہ نور (نورانی عالم) میں داخل ہوسکتا تھا ــــــ اسی قوت سے جن (شیطان) نے آدم پر توجہ ڈالی اور اسکے دل میں وسوسہ ڈالنا شروع کردیا ــــــ

سوال پیدا ہوتا ہے۔جیسا کہ گزشتہ بیان ہو چکا ہے۔کہ آدم وہ پہلا انسان ہے۔جسے خلیفہ کہا گیا۔اور خلیفہ سے متعلق صفات و خصوصیات کا ذکر خود قرآن نے پیش کیا۔کہ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت ۱۱) البتہ پیدا کیا ہم نے تم کو پھر سنوارا تمکو صَوَّرْنٰكُمْ کی تفصیل پیشتر قرآن نے بیان کی وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۲۸۔۲۹) جب کہا آپؐ کے رب نے ملائکہ سے میں بنانے والا ہوں صلصال اور لیس دار کیچڑ سے! ایک بشر جب میں اسے سنواروں اور اس میں روح اپنی پھونکدوں تو تم اسے سجدہ کرنا ــــــ انسان کو ایک ناری قوت (روح حیوانی) اور ایک نوری قوت (روح رحمانی) عطا کر کے اسے صاحبِ علم و مشاہدہ بنایا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اور بتائے آدم کو تمام مخلوقی اسرار ساتھ مشاہدہ کے۔

ان تمام خصوصیات کے ساتھ جب آدم باغ میں سکونت پذیر ہوا۔تو اسکی تمام صفات بدرجہ

اعلےٰ کامل واکمل تھیں۔تو پھر شیطان نے اس پر کسطرح اپنی ناری قوت سے غلبہ ڈال کر اسے دھوکہ دیا۔ اور اسے درخت کا پھل کھلایا ـــــ؟ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ کتاب الٰہی کا عام کتابوں کی طرح مطالعہ نہیں کیا جانا چاہیے۔قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔قرآن کی زبان عربی ہے ـــــ ان دونوں کیفیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کو ایک روحانی صحیفہ اور زبان قریش اور قریشی اصطلاح میں مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

روحانی صحیفہ سے مراد اس قرآن میں واقعات روحانی بھی ہیں۔جنہیں عقلی حدود کے اندر مطالعہ کرنے سے اصل حقیقت سمجھ نہیں آسکتی۔دوسرا قرآنی طرزِ کلام قریشِ مکہ کے عام زبانی رواج و اصطلاحات کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔اسلئے قرآنی طرز کلام میں بظاہر ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن اس واقعہ کے ساتھ بعض ایسے بھی واقعات شامل ہوتے ہیں۔جنکا ذکر اس واقعہ کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔مگر اس واقعہ کو دیگر واقعات کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔اسکے علاوہ بعض مقامات پر واقعات مجملاً بیان کئے جاتے ہیں۔لیکن انکی تفصیل دوسرے مقام پر پیشتر بیان کی گئی ہوتی ہے۔اسی تفصیلی بیان کی روشنی میں دوسرے مقام پر جو واقعہ مجمل بیان کیا جاتا ہے۔اس واقعہ کے ساتھ تفصیل پیش نہیں کی جاتی۔ ایسے مقام پر ایک مجمل بیان کو (جب تک اسکی تفصیل کو ذہن میں نہ رکھا جائے) سمجھا نہیں جاسکتا۔ایسے ہی مقام پر بے خبری یا لاعلمی کی وجہ سے ایک کیفیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے ـــــ

مثلاً۔یہی ایک کیفیت ہے۔کہ یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ۔اے آدم تو اور تیرا جوڑا باغ میں سکونت کر ـــــ یہ ایک مجمل بیان ہے۔جس میں جوڑے کا ذکر ہے۔اس سے قبل انسانی پیدائش میں صرف آدم کا ذکر ہے۔اور حوا کے وجود کا نہ ذکر پیشتر ہوا۔نہ اسکی تخلیقی (پیدائش) ترکیب کا کوئی ذکر و تصور پیش کیا گیا ہے ـــــ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن نے ایک ہی پیدائش کی ترکیب بتائی تو سکونت جنت میں اسکا جوڑا کہاں سے آیا ـــــ؟

تو اسکی تفصیل قرآن نے دوسری جگہ بیان کردی۔کہ تنظیم کائنات میں پیدائشی ترکیب میں ایک وجود سے خود بخود اسکا جوڑا پیدا ہوتا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وہ اللہ ہے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے اور بنایا اسی جان سے اسکا جوڑا ـــــ اللہ تعالیٰ جانتا

ہے۔کہ تخلیق کائنات پر غور وفکر کرنے والے خود ہی یہ جان لیتے ہیں کہ ایک وجود سے اسکا جوڑا کسطرح بنتا ہے ــــ تو پھر اس جوڑے کی پیدائشی ترکیب کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔دوسرے اگر غور وفکر سے ایک کیفیت سمجھ نہیں آسکتی۔تو اسکی پیدائشی ترکیب بیان کی جاتی ہے کہ ایک جان سے اسکا جوڑا بنتا ہے۔تو اسی بنیادی تصور پر ایک شخص اس جوڑے کی پیدائشی ترکیب کی تحقیق کر کے اسکی پیدائشی ترکیب کو جان لیتا ہے۔اور جب اس کیفیت سے آگاہ ہوا تو آئندہ اسی واقعہ کو مجملاً بیان کیا گیا۔تو اسکی تفصیل پیشتر ہی ذہن میں ہونے کی وجہ سے واقعہ خود بخود سمجھ آجاتا ہے۔اور اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی ــــ

اسی طرح قرآن کی ایک آیت میں تخلیقِ زمین کا واقعہ پیش کیا گیا ــــ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا! کہ یہ زمین اور آسمان ملے ہوئے تھے۔پس ہم نے ان دونوں کو الگ کر دیا اور بنایا ہر شے کو پانی سے متحرک (زندہ)۔اس آیتِ قرآنی میں ایک واقعہ مجملاً بیان کیا گیا ہے۔بظاہر محسوس ہوتا ہے۔کہ یہ واقعہ ایک ساعت میں ہوا ہے ــــ لیکن اس واقعہ کے ظہور میں ایک طویل زمانہ صرف ہوا ــــ اور درمیان میں کئی ایک کیفیتوں کا ظہور ایسا ہے۔جسکا ذکر نہیں ہوا ــــ

سب سے اول اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۔یہ خطاب کفار مکہ سے ہے۔کہ انہوں نے تخلیق کائنات میں یہ نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین ملے ہوئے تھے۔تو دیکھنے کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔کہ کفار نے دیکھا ہے ــــ یا اگر دیکھا نہیں تو صورت یہ ہے کہ یہ زمین آسمان ملے ہوئے تھے۔واقعہ کے بیان کا وقت وہ ہے۔جب اصل واقعہ اس سے قبل کروڑوں سال پیشتر ہوا ہے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔کہ مستقبل کا انسان ماضی بعید کے واقعہ کو دیکھے۔تو اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ یا تو کائنات کی تخلیقی (پیدائشی) ترکیب سمجھتے ہیں۔کہ یہ زمین وآسمان اپنے ابتدائی وقت میں ایک جان تھے۔یا یہ کہ انہیں اسی بنیادی تصور کے تحت غور وفکر کی تحریک دی جاتی ہے اور پھر ایک واقعہ ہے۔کہ یہ زمین وآسمان ملے ہوئے تھے۔حالانکہ تنظیم کائنات کے مطابق جہاں ایک زمین (سیارہ) آسمان میں ملی ہوئی تھی۔تو باقی سیارے بھی اسی طرح آسمان میں ملے ہوئے تھے۔مگر انکا ذکر نہیں ــــ اور پھر اس پیدائشی ترکیب میں زمین براہ راست آسمان سے جدا نہیں ہوئی۔بلکہ زمین ایک ادنیٰ سیارہ ہے۔جو کسی بڑے سیارہ (سورج) سے

الگ ہوتی ہے۔ تو پھر آسمان سے علیٰحدہ ہونا۔ کیسے ہوسکتا ہے۔؟ اور اسکی ترکیب کیا ہے ___؟ اسکا ذکر نہیں۔ اور وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کا اشارہ کس کیفیت کی طرف ہے۔ جبکہ اس بیان میں زمین کا نام شامل نہیں۔ یہ کیفیت زمین سے ہی متعلق ہوسکتی ہے۔ کہ اسی زمین کی اشیاء متحرک ہیں۔ لیکن درمیانی دور جبکہ زمین کسی سیارہ سے جدا ہوئی اسوقت اسکی ہیئت ناری تھی ___ اور اسکے بعد اس پر پانی نمودار ہوا۔ یہی وہ پانی ہے جسکی طرف قرآن کا اشارہ ہے ورنہ پانی تو زمین پر ہر جگہ موجود ہے ___! اور پھر پانی سے ہر شے کا زندہ ہونا کیسے ہے ___! اسکا بیان نہیں ___ حالانکہ قرآنی بیان ایک حقیقت ہے۔ جس میں کسی غلط تصور کو دخل ہی نہیں ہوسکتا ___ اس مجمل بیان میں دراصل باقی واقعات جو بیان نہیں کیئے گئے مثلاً زمین کا کسی سیارہ سے جدا ہونا ___ یا وہ ترکیب جس سے آسمان (نوری فضا) سے ناری سیارے بنے اور ان ناری سیاروں سے اسی طرح ناری سیارے جدا ہوتے رہے۔ اسی ترکیب سے زمین بھی ایک سیارے سے جدا ہوئی۔ اور ابتداً میں یہ ایک علیٰحدہ ناری کرہ تھا۔ جس پر پانی نمودار ہوا اور اسی پانی کے ذریعہ متحرک وجود ظاہر ہوئے ___ لاعلمی کی وجہ سے محسوس تو یہ ہوگا کہ زمین آسمان میں پائی جاتی تھی ___ یا زمین اور آسمان ایک دوسرے کے ساتھ پہلو بہ پہلو ملے تھے اور پھر جدا ہوگئے تو یہ خیال لغو ہے ۔ کیونکہ زمین اور آسمان کو آپس میں ملنے کی گنجائش نہیں کیونکہ درمیان میں لاتعداد سیارے واقع ہیں۔ اور پھر آسمان ایک نوری فضا ہے۔ جسکا کوئی کنارہ نہیں کہ زمین آسمان سے ملے پھر آسمان کے مقابلہ میں زمین ایک حقیر ذرہ ہے۔ اور زمین آسمان میں سمائی ہے۔ اس حیثیت میں آسمان اور زمین کا ملنا ایک غلط تصور ہے۔ ان واقعات کے بیان سے ظاہر ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ قرآن میں اس واقعہ کو بیان کرتا ہے ۔ تو مجملاً بیان کرنے میں یہ مصلحت ہے۔ کہ کافر اس ترکیب سے آگاہ ہیں اور ان ترکیبوں سے بھی آگاہ ہیں جنکا ذکر اس واقعہ میں نہیں ہوا۔ یعنی زمین سے آسمان کے جدا ہونے کی ترکیب۔ کرۂ ناری کا ہونا ___ زمین سے پانی پیدا ہونا اور اس پانی سے متحرک زندگی کا نمودار ہونا ___ ان تمام کیفیتوں سے یا تو خود انسان غور و فکر سے تنظیم کائنات کو دیکھ کر آگاہ ہے۔ اگر آگاہ نہیں تو اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا میں یہ بھی اشارہ نکلتا ہے کہ انہیں مجملاً ان کیفیتوں پر غور کرنے کی تحریک دی گئی۔ اور غور و تفکر کرنے پر انہیں اس واقعہ کے تمام پہلو سمجھ میں آجائیں گے ___ بظاہر اگر ہم اس مجمل واقعہ پر سطحی مطالعہ کریں گے۔ تو

لاعلمی کی وجہ سے یا تو اصل کیفیت سمجھ نہ سکیں گے۔ یا اس واقعہ کو غلط سمجھ کر اس پر اعتراض کریں گے۔

یہی کیفیت اس سوال میں پائی جاتی ہے۔ کہ انسان بجائے خود ایک قوی روح کا حامل صاحب مشاہدہ اور تمام اسرار و حقائق سے آگاہ کیسے شیطان کے دھوکے میں آکر درخت کا پھل کھا لیتا ہے۔

اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ گزشتہ آئندہ واقعات و کیفیات کے تصورات کو اس واقعہ میں شامل رکھا جائے۔ وہ یہ کہ یہ واقعہ ایک وقت یا ایک ساعت میں رونما نہیں ہوا ـــــ یَآادَمُ اسۡکُنۡ اے آدم تو باغ میں سکونت کر۔ تو آدم اس باغ میں بمعہ اپنے جوڑے کے سکونت کرتا رہا۔ اس وقت یہ قوی روح کا حامل صاحب مشاہدہ انسان ہے۔ اور اسکا عمل ہر لحہ مشاہدہ ہے۔ اسکا جسم اسوقت لطیف ہے۔ کیونکہ یہ حماء مسنون کا جسم ہے۔ جسے سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِیۡن۔ زمین کا جوہری مادہ کہا گیا۔ اور ابتدأ آدم کوئی ایسا وجود نہیں جو مٹی کا پتلا بنا ـــــ اِسے روح پھونک کر متحرک کر دیا گیا۔ یہ تصور صریحاً غلط ہے۔ ایک تو یہ تنظیمی ترکیب پیدائش کے خلاف ہے۔ دوسرا خود قرآن بتاتا ہے۔ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ کہ ایک ذرہ سے بنایا۔ جو ذرہ بنیادی طور زندگی مجسم رکھتا ہے ـــــ دوسرا پیدائشی ترکیب میں وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ کی ترکیب سے بھی ظاہر ہے۔ کہ تنظیم کائنات کے مطابق ایک ناری ذرہ صرف متحرک ہیئت اختیار کرتا ہے۔ ورنہ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں ایک وجود عدم ہو۔ یا بے جان ہو اُسے بغیر ترکیب پانی کے زندہ کیا جائے۔ اسلئے تنظیم کائنات کے مطابق آدم روح و جسم کا ایک لطیف مرکب ہے۔ اور اسکی پیدائشی ترکیب میں ایسا نہیں۔ کہ اس پتلے کو کپڑے پہننے یا کھانا پکانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو یا اسکی عادت میں یہ چیز شامل ہو۔ کیونکہ پیدائشی ترکیب میں آدم ایک حیوانی ہیئت میں مراحل ارتقا طے کرتا ہے۔ جیسے عام حیوانوں کی زندگی ہے۔ کہ یہ بھی برہنہ رہتا ہے۔ اسے اس بات کا احساس نہیں کہ وہ کپڑے پہنے یا اپنی شرمگاہ ڈھانپے۔ پھر جب یہ جسم پاکیزہ ہے۔ تو اس حال میں اسکا عمل صرف مشاہدہ عالم روحانی ہے۔ اسے اپنے آپ کو ڈھانپنے کا احساس نہیں کیونکہ یہ اسی حال میں مدتوں چلا آرہا ہے۔ اور مدتوں بسر کر رہا ہے۔ ہاں! جب آدم مکمل انسانی ہیئت میں آتا ہے۔ تو اسوقت اسکے ہوش و حواس۔ عقل و فہم بھی کامل ہوتا ہے۔ اسی صورت میں اسے برہنگی یا ستر چھپانے کا احساس ہونا چاہیے لیکن یہ ایک

موہوم تصور ہے۔ کیونکہ انسان اپنی پاکیزگی کی وجہ سے شہوت سے متاثر نہیں ـــــ دوسرے اسکی عادت جب برہنہ رہنا ہے۔ تو اِسے اپنے آپ کو ڈھانپنے کا نہ تصور ہے نہ احساس ـــــ اسی حالت میں وہ بقائمی ہوش وحواس۔ اور عقل وفہم کی تکمیل پر بھی رہتا ہے۔ اسی حالت میں وہ باغ (جنت) میں سکونت کرتا ہے۔ اور صاحب مشاہدہ ہے۔

اب اگر آدم شیطان کے دھوکے میں آتا ہے۔ تو اسکے اسباب مہیا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اس حالت پاکیزگی میں شیطان آدم کو نہ دھوکہ دے سکتا ہے۔ نہ آدم دھوکہ کھا سکتا ہے۔ اسکے اسباب ایسے ہیں جو واقعات خود بتاتے ہیں۔ یہاں ان اسباب کا معلوم کرنا انسانی تحقیق پر منحصر ہیں ـــــ جنکا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ اول یہ کہ باغ کی سکونت مدتوں رہتی ہے۔ اس دوران آدم ان حادثات سے دوچار ہوتا ہے۔ جو اسباب اسکی پاکیزگی میں فرق پیدا کرتے ہیں۔ یعنی فرق پیدا ہونے کے اسباب یہ ہیں۔ وَكُلاَ مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلاَ تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور کھاؤ اس باغ کے لطیف میووں سے جتنا چاہو ـــــ "جتنا چاہو" ـــــ جی بھر کے "جی بھر کے" ـــــ جتنا چاہو اور جی بھر کے۔ جب اسکی اجازت ہو۔ جب انسان چاہے ـــــ تو اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ یہ چاہت اعتدال کے اندر ہو۔ یعنی جی بھر کے کھاؤ۔ سیر ہو کے کھاؤ۔ مگر مشاہدے کو قوی رکھو ـــــ ہاں! روح کی غذا تصور عالم روحانی ہے۔ روح کیلئے۔ روحانی غذا ـــــ اور جسم کیلئے جسمانی غذا ـــــ جسم غذا کھا کر آرام پاتا ہے۔ تو آرام طلبی کی عادت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس پر نیند کا غلبہ طاری ہو جاتا ہے۔ اگر اسے آرام دیا۔ اسے سلا دیا۔ تو یہ اسکی عادت بن جاتی ہے۔ اس میں تساہل۔ کاہلی پیدا ہو جاتی ہے۔ کاہلی پیدا ہوئی تو ارادہ کمزور ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک شخص رات کو سیر ہو کر کھاتا ہے۔ اور خوب مزے کی نیند سوتا ہے۔ رات کو اسنے خلاف معمول جاگ کر عبادت کرنی ہے۔ تو جسمانی آرام کی وجہ سے دل اور تھوڑی دیر سونے کو چاہتا ہے۔ تو طبیعت بستر سے اٹھنے کو نہیں چاہتی آدمی سو گیا تو رات کی عبادت ہاتھ سے جاتی ہے۔ چاہیے تو یہ کہ بافراغت کھاؤ۔ مگر رات جاگو۔ جس سے طبیعت کی آرام طلبی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ عبادت یکسوئی وتصور کرنے سے روح کو غذا ملتی ہے۔ تو روح قوی۔ جسم نشونما میں قوی مگر روح کے تابع ہو جاتا ہے۔ یہ ایک فطری کیفیت ہے۔ جو انسان پر وارد ہوتی ہے۔ یہی کیفیت

درخت کا پھل کھانے سے آدم کی ہوئی۔غرض درخت کے پاس نہ جانے میں یہ تھی کہ آدم اپنے مشاہدہ میں چوکنا رہے۔اور کھانے کی اشیأ سے زیادہ دل نہ لگائے۔کیونکہ اسکا نتیجہ لذتِ نفس۔اور ارادہ کی کمزوری تھی۔شیطان اسی تاک میں تھا کہ آدم پر یہ وقت آجائے تو میں اسے دھوکہ دوں ورنہ آدم کی روحانی قوی حالت میں شیطان اسے دھوکہ دینے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ان واقعات کا جو درمیان میں پہلے رونما ہوئے ذکر نہیں اور جب یہ واقعات رونما ہوئے تو انسانی ذہن میں بھی فرق پیدا ہوا۔۔۔اور اب ارادہ متزلزل ہوگیا۔تو شیطان قریب آیا۔۔۔اور حیلے سے آدم کو بہکایا۔۔۔جس وجہ سے آدم نے شجر کا پھل کھایا۔۔۔یہ کیفیت کسی تواریخ سے معلوم نہیں ہوسکتی کہ درخت کس قسم کا تھا۔اور اس میں کس قسم کا پھل تھا مگر جیسا کہ قرآن نے بتایا۔۔۔کہ اس درخت کا پھل کھانے سے مشاہدہ یکسر ختم ہوجائے گا۔فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ تم اندھیرے والوں میں سے ہوجاؤ گے۔ظلم اندھیرے کو کہتے ہیں۔یہ نور کی ضد ہے۔روحانی مشاہدہ میں نور ہوتا ہے نور جاتا ہے۔تو اندھیرا طاری ہوجاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔کہ اے آدم جس حادثہ سے میں نے تمہیں بچنے کیلئے کہا۔آخر تم نے وہی کیا۔۔۔فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ پس جب انہوں نے چکھا درخت کو۔۔۔بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ظاہر ہوگئیں اُن پر شرمگاہیں اُنکی۔ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ اور لگے ڈھانپنے اپنی شرمگاہوں کو باغ کے پتوں سے۔۔۔جب آدم وحوا نے درخت کا پھل چکھا تو ان پر انکی شرمگاہیں ظاہر ہوئیں۔ایسے محسوس ہوتا ہے۔کہ اِدھر انہوں نے پھل چکھا اُدھر ان پر اپنی شرمگاہیں ظاہر ہوئیں۔لیکن ایسا نہیں بلکہ یہ قرآنی طرزِ کلام ہے۔جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔کہ اس سے قبل انہوں نے اس قسم کا پھل نہیں کھایا۔جنت (باغ) میں اس قسم کا درخت بھی تھا۔۔۔ضروری ہے۔کہ درخت ایک نہیں بلکہ کئی درخت ہوں جیسے اگر ایک سیب کا درخت ہو تو باغ میں ایک نہیں کئی درخت ساتھ ساتھ اگتے ہیں۔اور ہر درخت اور پھل کی یہ خاصیت ہے۔کہ باغ میں ایک ہی درخت نہیں ہوتا بلکہ کئی درخت ہوتے ہیں۔اس سے یہ مطلب ظاہر ہوا۔کہ آدم وحوا کو ہر قسم کے میوے کھانے کی اجازت تھی۔اور ایک خاص قسم کے درختوں کا پھل کھانے کی اجازت نہ تھی۔بعض محقق کہتے ہیں کہ یہ گندم تھا۔لیکن عربی میں شجر کے تصور میں ایک بڑا درخت آتا ہے۔جس میں پھل لگے ہوں۔بعض محقق کہتے ہیں یہ سیب کا درخت تھا۔

لیکن سیب ایک لطیف ولذیذ پھل ہے۔ جو عام پھلوں میں قوت ولطافت کا حامل ہے۔اس پھل میں کثافت پائی نہیں جاتی۔ دوسری بات یہ ہے۔کہ یہ واقعہ ابتدائے پیدائش کا ہے۔تواریخ ہمیں اس درخت کی قسم کا کوئی اصل تصور پیش نہیں کرسکتی اورالہامی کتابوں میں بھی اس درخت اور پھل کی وضاحت نہیں۔اورقرآن نے بھی صرف شجر تک ہی اس واقعہ کومحدود رکھا۔لہٰذااس درخت اور قسم کا اندازہ لگانا ناممکن ہے سوائے اسکے ہم اتنا کہہ سکتے ہیں۔کہ یہ ایک ایسا درخت تھا جسکے پھل میں۔مادیت اور غلبہ ٔشہوت زیادہ تھی۔۔۔۔۔تو آدم نے اس درخت کے پھل کو بھی اپنی غذا میں شامل کرلیا۔اس غذا کا اثر یہ ہوا کہ اسکے کھانے سے آدم میں مادیت اورشہوت نے غلبہ پالیا۔۔۔۔اوراب اکثراوقات آدم نے اپنے غلبہ ٔشہوت کوجذباتی حالت اورحرکت وعمل کی حالت میں محسوس کرلیا۔۔۔۔

اس سے پیشتر آدم برہنہ رہتا تھا۔کیونکہ ابھی نہ کوئی لباس اسکے تصور میں آیا تھا نہ اسے احساس تھا کہ اسے لباس کی ضرورت ہے۔وہ شروع سے برہنہ چلا آتا تھا۔ یہ کیفیت عام حالت میں انسانی عادات میں دیکھی جاتی ہے۔کہ بچہ کے پیدا ہونے کے بعد بچہ تین سال کی عمر میں بات سمجھنے لگ جاتا ہے۔کچھ بولتا ہے۔اور سمجھتا ہے۔یعنی بات حافظہ میں جمع کرلیتا ہے۔باوجود ہوش مند ہونے کے وہ اپنی برہنگی کومحسوس نہیں کرتا۔اسکے بعد سات سال تک بچہ کبھی کبھی برہنہ ہوجاتا ہے۔اورشرم محسوس نہیں کرتا۔سنِ بلوغ کے بعد ہی وہ شرم محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔سنِ بلوغ تک پہنچنے پر اسکے جذبات شہوانی ہوجاتے ہیں۔اوروہ اپنے غلبہ شہوانی کومحسوس کرنے لگ جاتا ہے۔انسان باوجود ہوش مند ہونے کے بھی اپنی ابتدائی عمر میں برہنگی کا احساس نہیں کرتا۔یہ احساس نہ کرنا اسکی فطری خاصیت کے زیراثر ہے۔۔۔۔ یہی فطری خاصیت آدم میں تھی کہ وہ اپنی پیدائش کے ساتھ ساتھ جب تک حیوانی شکل میں تھا اُسے برہنگی کا احساس نہ تھا۔یہ وقت بچے کی پیدائش سے لےکر تین سال کی عمر تک ہوتا ہے۔آدمیت کی شکل مکمل ہونے کے بعد بھی آدم اگرچہ صاحب علم صاحب فہم تھا۔لیکن اسکی خاصیت میں برہنگی تھی۔اور وہ اس حالت میں بھی اپنی برہنگی کا احساس نہ کرتا تھا۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ انسان پاکیزہ زندگی میں اپنی برہنگی کومحسوس نہیں کرتا۔کہ آیا لباس پہننا بھی انسانی عادات میں شامل ہے۔۔۔۔!حالانکہ اس زمانہ میں بھی انسان میں شہوت (مادۂ منویہ) موجود ہوتی ہے۔۔۔۔مادۂ منویہ خون کا آخری درجہ کا جوہر ہے۔

جس سے جسم بنتا ہے۔انسان جب ایک ناری ذرہ کی ہیئت میں تھا تو اس وقت اس میں شہوت کا مادہ موجود نہ تھا۔کیونکہ یہ ایک مجسم لطیف ذرہ تھا۔اور اسے جسم کو قائم رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔اور جسوقت اس ذرہ نے لیس دار کیچڑ سے غذا حاصل کی تو ابتداًاس ذرہ کے جسم نے مادہ کی طرف رجوع کیا ــــ یہ ظاہر ہے۔کہ لطیف ذرہ بھی روح و جسم کا مرکب ہے۔لیکن یہ دونوں مرکب لطیف ہیں۔جسم نے لیس دار کیچڑ سے غذا کھانی شروع کی تو اسکے وجود نے ٹھوس ہیئت اختیار کرنی شروع کی یعنی لیس دار مادے نے رگوں اور خون کی شکل اختیار کی اسطرح انسانی وجود میں اولاًرگوں اور خون کا وجود ظاہر ہوا۔یہی خون جسم میں دوڑنے لگا اور جسم کو مادی حالت میں لانے لگا۔یعنی خون جوہری حالت میں تھا تو اس نے مادہ منویہ (منی) کی شکل اختیار کی یہی مادۂ منویہ جسم کی ہیئت اختیار کرنے لگا اس طرح اس ذرۂ ناری کا وجود بننے لگا۔جوں جوں لیس دار مادے سے غذا کھاتا رہا جسم برابر بڑھنے لگا۔پہلے ذرہ سے کیڑے کی شکل میں ظاہر ہوا جوں جوں مادہ زیادہ استعمال کیا۔انسانی وجود کیڑے سے مچھلی۔مچھلی سے مینڈک۔مینڈک سے خرگوش۔خرگوش سے بندر ــــ بندر سے بن مانس کے وجود کے مانند مراحل میں سے بڑھتا گزرتا گیا۔یہ چونکہ جوہری مادہ تھا۔اور انسانی ابتدائی وجود بھی ذرۂ ناری تھا۔اسلئے اس وجود کی ساخت اور قوت لطیف اور جوہری تھی۔یہاں تک کہ اس نے مکمل انسانی ہیئت اختیار کی ــــ یہی وہ ہیئت ہے۔ جس ہیئت میں آدم جنت (باغ) میں داخل ہوا۔اسی پاکیزگی اور ابتدائی عادت کے لحاظ سے اسے برہنگی کا احساس تھا۔نہ ہی برہنگی کوئی معیوب (برا) تصور تھا۔بلکہ یہ انسان کی فطری خاصیت و عادت تھی۔جس پر اس نے (اگر جسم کی پاکیزگی برقرار رہتی) تا عمر رہنا تھا۔لیکن زمین پر مادی اعتبار سے ذلیل تنزلی قوتیں بھی موجود ہیں۔جب ان اشیاءٔ کو استعمال کیا جائے تو اسکا اثر جسم پر پڑتا ہے۔جسم بھی ذلیل حالت میں آتا ہے۔اور اس ذلیل ہیئت کا احساس شہوت سے ہوتا ہے۔کیونکہ انسانی جسم مادۂ منویہ سے ہی بنتا ہے۔انسان کے مرکب میں مختلف قسم کے کیمیاوی ذرات پائے جاتے ہیں۔یہ وہ ذرات ہیں جو زمین میں پائے جاتے ہیں۔یہ ذرات زمین کی اشیاءٔ میں مختلف قسم کی اشیاءٔ میں مختلف قسم کے ذرات پائے جاتے ہیں ــــ اور انسانی ذرات ان تمام اشیائے زمینی کے ذرات کا مجموعہ اور جوہر ہے کیونکہ انسان نے جس لیس دار کیچڑ سے پرورش پائی اس میں زمین کے تمام اشیاءٔ کے جوہری ذرات کا مادہ پایا جاتا تھا ــــ اور

انسانی جسم انہیں ذرات کا مجموعہ ہے۔ بظاہر انسانی ہیئت گوشت پوست۔ ہڈی۔ رگیں۔ آنکھیں۔ دماغ ۔دل۔ جگر۔ پھیپھڑے۔ آنتوں کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ تمام قویٰ (وجود) دراصل ذرات کا مجموعہ ہے۔ مثال کے طور انسانی گوشت کو اگر کیمیاوی ترکیب سے پانی کی شکل میں لایا جائے تو اس میں لاکھوں ذرات دیکھے جاتے ہیں۔ اور گوشت کی شکل معدوم ہو جاتی ہے۔ یہ ذرات دراصل اس غذا کے جوہر ہیں۔ جو غذا انسان کھاتا ہے۔ مثال کے طور انسان گندم کھاتا ہے تو اس گندم کا جسم میں خون بنتا ہے۔ خون سے مادۂ منویہ بنتا ہے۔ یہ مادہ منویہ انسانی اعصاب (رگوں Nerves) کے آخری حصہ میں پہنچتا ہے۔ رگوں کا آخری حصہ جسم (گوشت) سے ملتا ہے۔ اسی آخری حصہ میں پہنچ کر مادہ منویہ جسم (گوشت) کی ہیئت اختیار کرتا ہے۔ تو یہ مادۂ منویہ خونی جوہر ہے۔ خون میں جو اجزا پائے جائیں اسی قسم کا جوہر بنتا ہے۔ اور معدے میں جو غذا ڈالی جائے اس غذا میں جو ذرات پائے جائیں اسی ذرات کا مجموعہ خون کہلاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان سنکھیا استعمال کرے اور سنکھیا اسکی غذا بن جائے تو اس سنکھیا کا خون بنے گا۔ اسی خون کا مادہ منویہ بنے گا۔ اسی مادۂ منویہ کے ذرات سے جسم (گوشت) بنے گا تو جو تاثیر سنکھیا میں پائی جاتی ہے۔ وہی انسان میں پائی جائیگی۔ انسان اگر کسی شخص کو کاٹ کھائے تو مجروح کے جسم میں سنکھیا کے ذرات داخل ہو کر اُسے ہلاک کر ڈالیں گے۔ کیونکہ انسانی ذرات میں سنکھیا کا اثر ہے جو مجروح کے جسم میں چلا جاتا ہے ـــــ یہ ظاہر ہے کہ زمین پر مختلف قسم کی اشیاً پائی جاتی ہیں۔ جن میں مختلف قسم کے ذرات مختلف قسم کی تاثیر پائی جاتی ہے۔ غرض انسان جس قسم کی غذا کھائے اسکے جسم میں اسی قسم کی تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ انسان اگر انگور۔ سیب۔ میوہ ہر قسم۔ دودھ استعمال کرے تو ان میں قوی ذرات پائے جاتے ہیں۔ ایسا ہی اثر انسانی جسم پر طاری ہو گا۔ انسان اگر مچھلی۔ انڈا۔ گوشت استعمال کرے تو ان اشیاً میں شہوانی مادہ اور کثافت زیادہ ہے اسلئے انسانی جسم پر ایسا ہی اسکا اثر پڑے گا ـــــ انسان اگر سور کا گوشت کھائے تو وہی اثرات انسان میں پائے جائیں گے جو اثرات سور میں پائے جاتے ہیں۔

یہی کیفیت شجر کے پھل کی تھی کہ اس میں کثافت اور شہوت زیادہ تھی۔ آدم نے جب اس درخت کا پھل کھانا شروع کیا تو رفتہ رفتہ اسکے وجود میں شہوانی مادہ غلبہ پانے لگا یعنی اسکی جسمانی پاکیزگی

اور لطافت میں فرق آنے لگا۔ اس سے قبل آدم مدتوں باغ میں مقیم رہا اور جب آدم نے مختلف قسم کی لذتوں سے شناسا ہو کر باغ کے مختلف میووں کو استعمال کیا۔ تو اسے ایک زبانی لذت کا احساس ہوا۔ انسانی ہیئت سے قبل آدم کو اگر چہ مختلف قسم کی غذاؤں سے واسطہ پڑا لیکن عقل وفہم کی عدم تکمیل کی وجہ سے اسے ان لذتوں کا نہ احساس تھا۔ نہ ہی یہ لذتیں حافظہ میں جمع رہتی تھیں۔ کیونکہ ابھی آدم کا ذہن نامکمل تھا ـــــ اور یہ عین حیوانی حالت میں بسر کر رہا تھا تو ذہن کی قوت کامل ہونے کے ساتھ جو پھل (غذا) آدم نے کھایا لازمی طور اسکا و دحافظہ میں جمع ہو گیا۔ آدم کیلئے ضروری تھا کہ وہ اپنی ابتدائی ہیئت کے مطابق صرف غذا کھائے اور اسکا احساس نہ کرے۔ تا کہ ذہن مشاہدہ کیلئے فارغ رہتا لیکن ایسا ہونا ضروری تھا۔ کہ آدم کے تصورات میں غذا بھی شامل ہو گئی اور آدم نے ارادۂ لذت کی طرف دھیان دیا۔ تو اسکے ذہن میں انتشار پیدا ہوا ـــــ مشاہدے میں فرق آنے لگا ـــــ یہاں تک کہ آدم بھی خواہشات نفسانی سے مغلوب ہو گیا۔ اور اسکے مشاہدے میں فرق آ گیا ـــــ اسکے بعد ـــــ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ شیطان نے کمزور حالت میں آدم میں وسوسہ ڈالا۔ اور آدم شیطان کے دھوکے میں آکر درخت کا پھل کھا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آدم محض مادی ہیئت اختیار کر گیا۔ اور اس پر شہوت نے غلبہ ڈالا ـــــ اس پر شہوت کے آثار غالب آ گئے۔ شہوت کے آثار غالب ہونے سے کیا کیفیت پیدا ہوتی ہے ـــــ؟ یہ کیفیت حکماء محققین کی تحقیق میں آ چکی ہے۔ مثال کے طور بچہ کی نشوونما مادہ منویہ کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔ یعنی رحم میں مادہ منویہ جمع ہونے سے بچے کی پیدائش کی ابتداء ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن نے بیان کیا۔ اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۷ تا ۹) وہ اللہ ہے جس نے تمام اشیاء کو خوبصورت تنظیم وترتیب کے ساتھ پیدا کیا اور ابتدا کی انسان کی مٹی سے۔ پھر بنایا نسلِ انسانی کو حقیر جوہری پانی (مادہ منویہ) سے۔ پھر اسکو سنوارا۔ اور پھونکی اس میں روح اور بنائے اسکے واسطے کان آنکھ اور دل و دماغ۔ انسان کی ابتداً اولاً ایک ذرہ سے ہوئی جو لطیف ناری ذرہ تھا۔ اس میں شہوت مادی موجود نہ تھی۔ لیس دار کیچڑ استعمال کرنے سے مادہ منویہ کی شکل ظاہر ہوئی۔ یہی مادہ منویہ انسانی رگوں میں جمع ہوا۔ اسی سے گوشت بنا ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ پھر انسانی پیدائش

بہ طریق نسل کشی شروع ہوئی۔یعنی مرد عورت کے اختلاط سے۔مرد عورت کے اختلاط کا اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ مرد (مثبت برقی قوت) اور عورت (منفی برقی قوت) کے ملنے سے دونوں جسموں کی حرارت میں جوش پیدا ہوتا ہے۔جوش پیدا ہونے سے خون کے دوران میں حدت۔تیزی پیدا ہوتی ہے۔خون کا دوران دل و دماغ کی طرف بڑھ جاتا ہے۔دماغ مادۂ منویہ کا مخزن ہے۔تو دماغ مادۂ منویہ کو اعصاب میں تیزی سے پھینکنا شروع کر دیتا ہے۔چونکہ اعصاب کا مادۂ منویہ آہستہ آہستہ جسم کی تعمیر کرتا رہتا ہے۔تو فاضل مادۂ منویہ۔اعصاب سے واپس آکر۔اعضائے شہوت (شرمگاہ) کی طرف رخ کرتا ہے۔کیونکہ انسانی ساخت میں اعصاب کا ملاپ اعضائے شہوت سے ہوتا ہے ــــ تو اسوقت تمام انسانی اعصاب قابو رکھنے سے عاجز ہو جاتے ہیں کہ انسانی اعضا کو قابو میں رکھ سکیں (کیونکہ خون کے دوران کے علاوہ اعصاب جو کہ دماغ سے ملتے ہیں انسانی کنٹرول کا کام بھی کرتے ہیں۔انہیں اعصاب سے انسانی حرکت وابستہ ہے) تو مادۂ منویہ اعضائے شہوانی (خصیہ) میں جمع ہو جاتا ہے۔اعضائے شہوت پر مادہ منویہ کا غلبہ ہونے سے انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔تو انسان قابو سے باہر ہو کر اس مادۂ منویہ کا اخراج (خارج کرنا) چاہتا ہے۔چونکہ اس تحریک میں منفی برقی قوت شامل ہے۔اسلئے انسان اسی منفی برقی قوت (عورت) سے اپنی تسکین حاصل کرتا ہے اسوقت اعصاب۔دماغ۔اور اعضٰے کے انتشار سے انسان مدہوش اور مضمحل ہو جاتا ہے۔تمام جسم میں کپکپی پیدا ہو جاتی ہے۔تو انسان عورت سے مباشرت کرتا ہے۔یہی مادۂ منویہ عورت کے رحم میں داخل ہوتا ہے ــــ غور و فکر کا مقام ہے۔کہ اس انسانی ترکیب میں نسل انسانی کی افزائش کیلئے ایک منظم نظام پایا جاتا ہے ــــ جس سے واضح ہو جاتا ہے۔کہ اس نظام کی تنظیم میں ایک خالق کی تخلیق کا خصوصی دخل ہے۔کہ اسی نے انسانی نسل کی افزائش کیلئے انسانی جسمانی نظام میں یہ ایک عجیب اور خوبصورت تنظیم رکھی۔ورنہ بغیر تحریک خصوصی خود بخود پیدائش میں ایسا ہونا ناممکن ہے ــــ عورت کے رحم میں مادۂ منویہ داخل ہو کر اس مادۂ منویہ کا ایک ذرہ انسانی ہیئت کی طرف انتقال کرتا ہے۔قرآن نے اس خوبصورت تنظیم کا ذکر اسطرح کیا۔فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ○ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ○ يَّخْرُجُ مِنْم بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ○ (پارہ ۳۰ سورۃ ۸۶ آیت ۶۔۷) پس چاہیے کہ دیکھے آدمی کس چیز سے بنایا گیا ہے۔بنایا گیا ہے۔پانی اچھلنے والے سے (مادۂ منویہ جو

تیزی سے رگوں سے دوڑتا ہوا اعضائے شہوت (خصیہ واعضائے تناسل میں آتا ہے)) جو نکلتا ہے مرد کی پیٹھ (ریڑھ کی ہڈی) سے اور عورت کی چھاتیوں (پستان) سے۔ اس آیت میں اچھلتے پانی سے مادۂ منویہ کو مشابہت دی گئی ہے۔ جیسا کہ مادۂ شہوت کی اوپر وضاحت کی گئی ہے۔

اس مادۂ منویہ میں لاتعداد ذرات جوہری پائے جاتے ہیں۔ بظاہر یہ مادہ ایک پانی کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ پانی لاکھوں ذرات کا مجموعہ ہے (جو خوردبین سے نظر آتے ہیں) انہیں ذرات کا ایک ذرہ انسانی ہیئت کی طرف بڑھنے لگتا ہے ــــ اس انسانی ہیئت میں وہی خاصیت وصفت پائی جاتی ہے۔ جو مادۂ منویہ میں پائی جاتی ہے۔ یعنی اس وجود کا مرکب انہیں کیمیاوی ذرات سے ہوگا جو مادۂ منویہ میں پائے جائیں۔ اسکا مطلب یہی ہے کہ جس قسم کی غذا انسان استعمال کرتا ہے۔ اسی قسم کے کیمیاوی اجزاٗ کا خون بنتا ہے۔ اسی قسم کے کیمیاوی اجزا مادہ منویہ میں بھی پائے جائیں گے۔ اسی قسم کے اجزا سے انسانی نسل کا بچہ پیدا ہوگا۔ غرض یہ کہ انسان جس قسم کی غذا استعمال کرے۔ اسی قسم کے کیمیاوی اجزا کا اثر انسانی جسم وذہن پر پڑتا ہے۔ اسی غذا پر انسانی جسمانی لطافت اور کثافت کا انحصار ہوتا ہے۔

آدم نے لذت نفس کے تابع اول تصور عالم روحانی اور تصور ذات الٰہی کے ساتھ باقی اشیأ کو بھی ذہن میں جگہ دی۔ رفتہ رفتہ آدم میں روحانی قوت کمزور ہوگئی۔ اس نے اپنے حقیقی مقصد ونصب العین کا خیال نہ رکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسکا پاکیزہ جسم وروح قوی نہ رہا ــــ اس میں جسمانی۔ ذہنی کمزوری پیدا ہوئی۔ تو شیطان کو دھوکہ دینے کا موقع ملا۔ ورنہ شیطان پاکیزگیٔ روح جسم میں آدم کو دھوکہ نہ دے سکتا ــــ شیطان کے دھوکہ دینے سے آدم نے درخت کا پھل کھالیا ــــ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ جب آدم نے درخت کا پھل کھانا شروع کیا۔ تو اس پر شہوت نے غلبہ پالیا۔ تو اس وقت آدم پر اپنی کمزوری اور کمتری ظاہر ہوئی ــــ اور جذبۂ شہوت کے اظہار کو محسوس کرتے ہوئے۔ ندامت وحیا پیدا ہوئی۔ تو اسے اپنا شہوانی وجود محسوس ہوا۔ اسلئے حیا کی وجہ سے باغ کے پتوں سے اپنی شرمگاہ (اعضائے شہوانی) کو ڈھانپنے لگا۔ اور جان لیا کہ میں اپنی پاکیزہ روحانی۔ جسمانی صفت سے محروم ہوگیا۔ ادھر مشاہدۂ عالمِ روحانی بند ہوگیا۔ تو ندامت وخوف، طاری ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے کئے پر معافی طلب کی اور کہنے لگا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَاسکتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (پارہ ۸ سورۃ ۷

آیت ۲۳) اے ہمارے پرورش کرنے والے میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا (اپنے آپ کو کثافت کی تاریکی میں ڈالدیا۔میرا مشاہدہ بند ہوگیا) ___ اوراب اگر تو ہی مجھے معاف نہ کرے اور مجھے دوبارہ اپنے مقام پر نہ لائے تو میں نقصان پانے والوں سے ہو جاؤں گا ___ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ○ پس ڈگمگایا ان دونوں کو (اور محروم کردیا اس باغ کی سکونت اور اسکی نعمتوں سے) پس نکال دیا اس باغ سے دونوں کو اور کہا ہم نے اترو زمین کی طرف اب بعض تم سے بعضوں کے دشمن ہو جائیں گے۔اوراب تمہاری مستقل رہائش زمین کی وسعتوں میں ہوگی اور اسی زمین سے ہی تمہیں تمہارا سامان زندگی حاصل ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے کہا ___ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ تم اس باغ میں ہی ہمیشہ رہو۔تمہارا جسم و روح پاکیزہ رہے۔اورتم ہمیشہ صاحبِ علم و مشاہدہ رہو۔اور آئندہ تمہاری نسل بھی پاکیزہ رہے۔لیکن تم اپنے نصب العین پر قائم نہ رہ سکے۔اب تمہارے لئے یہی ہے۔کہ زمین کی وسعتوں میں پھرو ___ اور اپنی روزی خود تلاش کرو۔اب تمہارا عمل کٹھن ہو جائے گا۔تم میں سے بعض ہی اپنے مقام پر قائم رہیں گے۔اور بعض ایک دوسرے کے اسی حصولِ لذت میں ایک دوسرے کے دشمن بنکر قانونِ فطرت۔دینِ فطرت سے بغاوت کریں گے۔قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ج (پارہ اول سورۃ۲ آیت ۳۸) کہا ہم نے اترو۔زمین کی وسعتوں میں تم سب۔اللہ تعالیٰ نے کہا اب آئندہ تمہارا مستقر تبدیل کیا گیا۔اور اے آدم اب تمہاری تمام اولاد زمین کی وسعتوں میں ہی رہیگی ___ اور تمہاری اولاد (بقول ملائکہ) فساد و خونریزی کریگی اور لذتِ نفس کا شکار ہو کر خواہشات سے مغلوب ہوگی۔اور حصولِ سامان زندگی میں جب لذت نفس کے زیر اثر زیادہ حصول کی جستجو کریگی تو زائد حصول کیلئے ایک دوسرے کی دشمن بنے گی ___ اسوقت ان سے مشاہدہ جاتا رہے گا ___ تو پھر میں تمہاری اولاد کی اصلاح کیلئے ایک نیا منصوبہ پیش کرونگا ___ وہ ہے اصلاح انسانی کا منصوبہ ___ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ۲ آیت ۳۸۔۳۹) پس جب آئے میری طرف سے تمہیں میری ہدایت (دین الٰہی یا اصلاحی احکام) پس جس نے میرے اصلاحی احکام کی

پیروی کی وہ اپنا مقام پالے گا اور اُسے نہ خوف ہوگا نہ غم۔ اور جنہوں نے میری ہدایت ماننے سے انکار کیا وہ لوگ آگ کے لوگ ہونگے جو اس آگ میں ہمیشہ جلتے رہیں گے ـــــ غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ اگر اس کائنات میں ایک خصوصی تنظیم نہ پائی جاتی تو انسانی پیدائش کے ساتھ ایسے حادثات و واقعات رونما نہ ہوتے۔ بے ترتیب نظام کا خاصہ تو یہ تھا۔ کہ انسان نہ صاحب مشاہدہ ہوتا۔ نہ تنظیم کائنات کا پابند رہتا۔ تنظیم کائنات نہ ہوتی تو انسان مثل حیوانوں کے آوارہ بے مقصد زندگی کا حامل ہوتا ـــــ انسان نسل کشی کرتا۔ مگر اسکی نسل میں یکسانیت۔ مدنیت اور آپس کے تعلق قائم نہ رہتے۔ نہ کھانے کی تمیز ہوتی۔ نہ رہنے سہنے کی تمیز ہوتی بچہ پیدا ہوا ـــــ جہاں پیدا ہوا وہیں چھوڑ دیا۔ بچہ کی پرورش ماں باپ کے ذمہ نہ رہتی اور انسان بلکتا مر جاتا۔ اور اسکی زندگی پریشان کن ہوتی۔ لیکن یہ کائنات یقیناً ایک اللہ کے ارادے سے ظہور میں آئی ـــــ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ م لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج (پارہ ۲۴ سورۃ ۴۰ آیت ۶۲) یہ ہے تمہارا پالنے والا (تمہیں بہتر تنظیم کے ساتھ بنانے والا۔ تمہارے لئے زندگی کے بہتر سامان مہیا کرنے والا۔ تمہیں اونچا مرتبہ دینے والا۔ تمہیں ہدایت دینے والا)۔ وہی تمام اشیاً کا خالقِ حقیقی ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَالنَّھَارَ مُبْصِرًا ط اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ O (پارہ ۲۴ سورۃ ۴۰ آیت ۶۱) اللہ وہ ہے کہ اس نے ہی اس کائنات میں ایک تنظیمی نظام بنایا اسی تنظیم کی وجہ سے تمہیں رات ملتی ہے۔ تاکہ تم سکون حاصل کرو۔ اگر تنظیم نہ ہوتی۔ تو نہ تمہیں نیند کیلئے موقع ملتا۔ نہ رات ہی ملتی نہ سکون ہی ملتا۔ اور پھر دن بنا۔ تاکہ تم کائنات کو دیکھ سکو۔ تمہیں آنکھیں ملیں تاکہ تم جگہ جگہ ٹھوکریں نہ کھاؤ۔ تحقیق اللہ ہی اپنی طرف سے تمہیں ہر آسائش اور مرتبہ عظیم دیتا ہے اور لیکن بہت تھوڑے لوگ اسکی خالقیت کو تسلیم کر کے اسکے احکام کو مان کر اسکے شکر گزار ہوتے ہیں۔ یہ امر ثابت شدہ ہے۔ کہ اللہ ہی خالقِ کل ہے۔ اسی نے ارادے سے یہ تمام نظام بنایا۔ اور یہ بھی ـــــ کہ انسان زمین پر پیدا ہوگا اور انسان نسل کے ذریعہ پیدا ہوگا۔ تو اب آدم زمین پر چلنے پھرنے لگا۔ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ط (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۷) پس اللہ نے آدم کو چند کلمات القا کیے (کہ آدم اپنے قصور پر نادم ہو کر اللہ سے معافی و مدد مانگے) پس اللہ نے پھر آدم پر توجہ کی اور آدم پھر اپنی حالت پر آ گیا۔ تو اللہ نے ہدایت کی اب اپنے مرتبہ

کا خیال رکھ۔ ہمیشہ مشاہدۂ حقیقی پر توجہ رکھ اور زمین پر مبو ے کھا۔ اور نسل کشی کا آغاز کر ــــ یہاں سے انسان کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ جس میں اسکی تخلیقی (پیدائش) ترکیب بدل جاتی ہے۔ لیکن اسکا ــــ جسمانی مرکب اور اسکا کردار و عمل ایک ہی نوع کا قائم رہتا ہے۔ جس ارادے پر اللہ نے انسانی مخلوق کو پیدا کرنے کا منصوبہ ازل سے بنایا تھا ــــ

گزشتہ قرآنی آیات میں جن واقعات کا ذکر کیا گیا۔ ان میں چند ایک بیان ایسے ہیں جنکا تجزیہ کرنا ضروری ہے ــــ وہ یہ کہ انسانی پیدائش سے متعلق ابتدائی بیان میں کہا گیا۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط جب کہا آپکے رب نے ملائکہ سے میں زمین میں تمہارے بعد ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اسکے بعد زمین میں پہلی پیدائش کا اظہار اس بیان سے ہوا۔ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ــ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ جب کہا آپؐ کے رب نے ملائکہ سے میں ایک بشر بنانے والا ہوں۔ مٹی سے مٹی کے لیس دار کیچڑ سے۔ پس جب اسے سنواروں اور اس میں روح اپنی پھونک دوں تو تم اُسے سجدہ کرو۔ اسکے ساتھ ہی ایک اور بیان دیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا اور آگاہ کیا آدم کو تمام اسماً سے۔ تو اس خلیفہ کا اظہار آدم سے کیا۔ اور ملائکہ اور آدم کا مقابلہ کرایا۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ لا فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ پھر پیش کیا (آدم کو) ملائکہ کے پس کہا ملائکہ سے مجھے خبر دو اسماً کی اگر تم سچے ہو ــــ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی بیان پر ملائکہ نے سوال کیا۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ط کیا تو زمین میں اُسے پیدا کریگا جو اس میں فساد کریگا اور خون بہائے گا۔ اور ہم تو تیری تسبیح کرتے ہیں ساتھ تیری پہچان کے اور تقدیس (تیری بزرگی) بیان کرتے ہیں۔

لیکن ابتدائی بیان میں ملائکہ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ کے تصور میں تمام زمینی مخلوق شامل ہے۔ کیونکہ آدم سے علمی اور عقلی کمال کا مظاہرہ ہوا۔ اس سے۔ فساد و خونریزی کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ اور انسانی پیدائش میں نسلِ آدم (اولادِ آدم) سے فساد و خونریزی کا مظاہرہ دنیا میں دیکھنے میں آیا ــــ تو ملائکہ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اولادِ آدم بھی خلیفہ کی صفت میں شامل ہے۔

انسانی پیدائش کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آدم کے بعد اسکی اولاد کی پیدائش بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ اول ترکیب پیدائش میں ہر انسان بہ طریق نسل ایک لطیف ذرہ سے بنتا ہے۔ انسانِ اول لیس دار مادہ سے نشونما پاتا ہے اور اولاد آدم بھی عورت کے رحم میں زمینی اشیأ کے جوہر (خون) سے نشونما پاتی ہے جسکا مطلب یہ ہے۔ کہ پیدائشی ترکیب ایک ہی طرز کی ہے۔ مگر طریق مختلف ہے۔ پھر بنی آدم میں بھی حواس وعقل کی تکمیل اسی طرح ہوتی ہے۔ جسطرح آدم کی۔ بنی آدم بھی ذرہ سے بڑھ کر مختلف مراحل طے کرتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہی ہے۔ کہ آدم مختلف ہیئتوں سے گزر کر اپنے مراحل طے کر کے آدمیت کے مقام پر آتا ہے۔ مگر عقل وخرد میں وہ بھی حیوانی حالت میں نامکمل ہوتا ہے۔ اور آدمیت کی ہیئت پر ہی وہ عقل وخرد میں کامل ہوتا ہے۔ البتہ وجود آدم کی تکمیل میں ایک طویل زمانہ گزرتا ہے۔

بنی آدم ماں کے رحم میں چند مختصر ہیئتوں سے گزر کر صرف نو ماہ کی مدت میں انسانی ہیئت پر آجاتا ہے۔ اور عقل وخرد کی تکمیل سات سال یا اس سے کچھ زیادہ وقت میں ہوجاتی ہے۔ آدم اور بنی آدم کی حواس وعقل کی کیفیت یکساں ہے۔ آدم حیوانیت سے گزر کر جب آدمیت کے مقام پر پہنچتا ہے۔ تو اس میں ہوش وحواس کی تکمیل کے بعد روح پھونکی جاتی ہے۔ اور بنی آدم میں ہوش وحواس اور عقل کی عدم تکمیل میں ہی (یعنی رحم میں) جبکہ بچہ چار ماہ کا ہوتا ہے۔ روحی پھونکی جاتی ہے اور یہ بھی فرق ہے۔ کہ آدم روح پھونکنے کے وقت کامل ہوش مند ہوتا ہے۔ اور اسے علم الاسماء دیا جاتا ہے۔

یہ امر لازمی ہے۔ جبکہ آدم اور اولاد آدم میں۔ جسمانی۔ روحانی ترکیب میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ تو ضروری ہے۔ کہ اولادِ آدم کو بھی علم الاسماء دیا جائے۔ کیونکہ خلیفہ کی صفت میں یہ کیفیت ظاہر کی گئی ہے۔ کہ ایک بشر کو کامل حواس وعقل دیا جائے۔ اور اس میں روح پھونکی جائے ـــــ یہ اسلئے کہ اسے مرکب کے لحاظ سے بھی برتری حاصل ہو وہ برتری روح سے عطا کی گئی۔ اور روح عطا کرنے کی غرض صرف علم کیلئے ہے۔ ورنہ بغیر علم روح کا کوئی اور مقصد واضح وظاہر نہیں ـــــ اسلئے ضروری ہے۔ کہ اولاد آدم میں روح پھونکنے کی غرض حصولِ علم الاسماء ہو۔ اسلئے یہ امر قابلِ تسلیم ہے۔ کہ روح کی موجودگی میں بنی آدم کو بھی علم الاسماء حاصل ہوتا ہے ـــــ جس سے ملائکہ کے تصور اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيفَةً میں صرف آدم کا

تصور نہیں۔ بلکہ ہر اُس پیدائش کا تصور ہے۔ جو زمین میں انسانی اور بشری جسم میں پیدا ہو گی۔ اِس میں۔ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ (بنائے تم میں کان۔ آنکھ۔ دل ودماغ) حواس وعقل کامل پائے جائیں اور اس میں روح رحمانی نفخ کی گئی ہو ___ اور روح کے ذریعہ علم الاسماء حاصل ہو ___ یہی تصور خلیفہ کے مادّہ میں پایا جاتا ہے کہ انسانی پیدائش از آدم تا آخری انسانی پیدائش جو زمین پر پیدا ہو گی صاحب عقل اور صاحبِ علم کہلائیگی۔ اس خلیفہ کیلئے قرآن نے علمی اعتبار سے نبی کا تصور ظاہر کیا جسے قرآن نے بتایا فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ۔ جب آدم نے ملائکہ کو اُنکے تمام حالات واسرار اور باقی نورانی عالم کے اسرار بتائے۔ اسی نِبا ٔ سے اسے نبی کہا جاتا ہے گویا نبی اس ذات کو کہا جاتا ہے۔ جو بشری شکل میں ظاہر ہو ___ اس میں حواس وعقل ہو ___ اس میں روح رحمانی ہو ___ اسے علم کے ذریعہ اسرار عالمِ نورانی کی آگاہی ہو۔ ان اسرار کو ہی علم نبوت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہے۔ کہ زمین پر انسانی پیدائش کا واحد عمل عالمِ نورانی کا مشاہدہ۔ اور تصور ذاتِ الٰہی کو ہر لحہ قائم رکھنا ہے ___ اور یہ عمل ہر فرد کے لئے لازم ہے۔ قرآن نے اسی سلسلہ میں آدم کو خطاب کیا ___ اِهْبِطُوْا فِى الْاَرْضِ اترو تم دونوں زمین پر اور پھر دوبارہ کہا ___ اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا اترو اس باغ سے تم سب ___ اور ابتدائی بیان میں سکونت جنت میں قرآن نے صرف دو نفوس کا ذکر کیا۔ وَقُلْنَا يٰآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ۔ اور کہا ہم نے اے آدم سکونت کر اس باغ میں تو اور تیرا جوڑا ___ پھر بیان ہوا۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ___ یعنی پس شیطان نے ڈگمگایا ان دونوں کو پس نکال دیا ان دونوں کو باغ سے ___ تو ظاہر ہے۔ باغ میں دو ہی نفوس کا تصور پایا جاتا ہے ___ پھر قرآن نے اس تصور کی تکرار کی فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا پس جب چکھا ان دونوں نے درخت (کے پھل) کو تو ان پر انکی شرمگاہیں ظاہر ہوئیں۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ باغ میں دو ہی پاکیزہ نفوس ساکن تھے اور ابھی انکی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ ان پر شہوت کا اثر پایا نہ جاتا تھا ___ جس سے کسی اولاد کا وجود ظاہر ہو تو اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا (یعنی اترو اس جنت سے تم سب) اس بیان میں ایک کثیر جماعت کا تصور پایا جاتا ہے۔ تو اولاد آدم کا وجود باغ میں کیسے ظاہر ہوا ___! جبکہ ابھی تک انکا وجود کسی مقام پر تصور میں آیا نہیں ___؟۔ دراصل یہ بھی قرآنی طرز

کلام ہے۔ جسے استعارہ کہتے ہیں۔ کہ مقصود آدم وحوا کی پیدائش کا اولاد کثیر پیدا کرنا تھا___ اور وہ اس حالت میں کہ یہ تمام اولاد ایک پاکیزہ ماحول میں پاکیزہ جسم وروح پیدا ہوتی رہے۔ اور انکا علم ومشاہدہ ہمیشہ قائم رہے۔ لیکن ظاہر ہوا۔ کہ انسان وافر نعمتوں۔ اور بے محنت حصولِ سامان زندگی میں۔ غافل ہو کر اپنی حفاظت نہیں کر سکا۔ اسلئے۔ اسے۔ محنت۔ خوف۔ ہوشمندی (چوکنا) میں رکھنا ضروری ہے۔ اسلئے جَمِیۡعًا سے مراد چونکہ آئندہ نسل کشی ایک فطری امر ہے۔ اسلئے اولاد آدم بھی آئندہ زمین کی وسعتوں میں رہ کر ایک طرف۔ محنت سے اپنے سامان زندگی حاصل کریگی اور دوسری طرف دین فطرت کی پیروی میں مشاہدۂ عالم روحانی قائم رکھے گی۔ جس میں احتمال قطعی ہے___ کہ انسان لذتِ نفس کے زیر اثر مشاہدہ سے محروم اور فساد وخونریزی پر آمادہ ہو جائے گا___ اس خطرے کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اصلاحِ انسانی کیلئے ایک نیا منصوبہ پیش کیا۔ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ هُدًی فَمَنۡ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ○ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ج هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ○ پس جب آئے تمہارے پاس میری ہدایت۔ پس جس نے میری ہدایت کی پیروی کی اسے نہ خوف ہوگا نہ غم اور جس نے میری ہدایت پر چلنے سے انکار کر دیا۔ اور میری حقیقی ہدایت کو جھٹلایا۔ یہ آگ کے لوگ ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے___ جب انسان لذتِ نفس کے زیرِ اثر فساد وخونریزی پر اتر آئے۔ تو اس وقت انسان سے دینِ فطرت کی خلاف ورزی اور بغاوت ہوگی___ ایسے زمانہ میں انسان کو دوبارہ اصلاح کی ضرورت ہوگی اسکے لئے میں اپنی طرف سے ایک ہدایت بھیجونگا___

جہاں تک انسانی پیدائش کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے روحانی۔ جسمانی طور تمام صفات و خاصیات میں بحدِ کمال مکمل کر دیا۔ یعنی اسے فطری طور قوی صحت منداور پاکیزہ روح جسم عطا کیا۔ اسکے ساتھ ہی۔ قوتِ بصر۔ قوتِ سمع۔ عقل۔ شعور۔ روح حیوانی اور روح رحمانی عطا کی۔ جن قوتوں سے انسان ہر نیکی وبدی کی تمیز کر سکتا ہے۔ اپنے نفع نقصان کو سمجھ سکتا ہے اور اپنے ارادے سے۔ نیکی اور نفع کو پا سکتا ہے۔ اس میں قوی ارادہ پایا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے نفع اور نیکی کو حاصل کرے۔ ان خوبیوں کے ہوتے ہوئے۔ انسان اپنے نفع نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔ اور اسے کسی اصلاح کی نہ ضرورت ہے۔ نہ حق باقی رہتا ہے۔ کہ ان صفات کے ہوتے ہوئے انسان کی اصلاح کا ذمہ اللہ تعالیٰ پر ہو___ لیکن۔

چونکہ یہ نوری اور سفلی قوتوں کا مرکب ہے۔اور سفلی قوت کا خاصہ تنزل اور نقصان کی طرف لگاؤ ہے۔ اسلئے اس حجت کو پورا کرنے کیلئے۔کہ انسان یہ حجت پیش کرے۔کہ مجھ میں سفلی قوت پائی جاتی تھی اسلئے میرا تنزل کی طرف جانا یقینی تھا۔۔۔۔۔!حالانکہ فطرت نے انسان کو تنزل سے محفوظ رکھنے کیلئے۔ عقل اور قوتِ ارادی عطا کی ہے۔تاہم انسانی کمزور خاصیت کے مدنظر اس پر رعایت روا رکھی۔۔۔۔۔کہ ناساز گار ماحول سے متاثر ہو کر اگر انسان سے خطا ہو جائے۔تو پھر میں اپنی طرف سے ایک اصلاحی ضابطہ اپنے مخصوص بندوں کے ذریعہ پیش کرونگا۔۔۔۔تو جس نے عقل سے کام لیا۔اور اپنی تباہی۔کمزوری کا احساس کیا۔اور میرے اصلاحی ضابطہ پر عمل پیرا ہوا۔تو اسے خوف ہوگا نہ غم۔۔۔۔۔!اس مقام پر قرآن نے اصلاحی ضابطہ پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ بیان کیا۔ فَلاَ خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلاَ ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ○ پس اسے نہ خوف ہوگا نہ غم ہوگا۔۔۔۔۔یہ خوف اور غم کا تصور۔اور تاثر کس نوعیت کا ہے۔۔۔؟

یہ تاثر تنظیم کائنات۔یا دینِ فطرت کا انجام ہے۔کہ ہر شے میں تبدیلی بناؤ اور بگاڑ پایا جاتا ہے یعنی ہر شے ایک ہیئت پا کر مٹ جاتی ہے۔اسی طرح نظام کائنات نے ایک وقت کلی طور ختم ہو کر کسی دوسری ہیئت میں ضرور آنا ہے۔کیونکہ تنظیم کائنات میں۔ہر شے مٹ کر کسی دوسری ہیئت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔لیکن اسکی تبدیلی۔۔۔۔اور دوسری ہیئت۔کوئی نئی کیفیت نہیں بلکہ ہر شے مٹ کر اسی ہیئت کی طرف رجوع کرتی ہے۔جس ہیئت سے اسکا وجود ہوتا ہے۔اس مقام پر ہر شے کی نشو ارتقا پر اسکی تبدیلئے ہیئت کا دارو مدار ہوتا ہے۔اگر ایک کیفیت صحیح طریقہ پر تنظیم کائنات کی حدود میں رہ کر نشو ارتقا کرے۔تو وہ شے اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔اگر ایک شے تنظیم کائنات کے نظام کے خلاف اپنی نشو نما نہ کر سکے تو وہ شے تنزل پذیر ہو جاتی ہے۔تنزل کا اثر یہ ہے۔کہ وہ اپنی اصل میں سمانے کی نہ صلاحیت پاتی ہے نہ ہی اسکی اصلی ہیئت باقی رہتی ہے۔جس سے وہ اپنے اصل کی طرف لوٹ سکے۔اسلئے تنزلی حالت میں وہ اپنی اصل سے دور ہو کر اپنے سے کمتر ہیئت میں داخل ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔مثال کے طور زمین سورج سے نکلی ہے۔ابتدأ یہ ناری وجود تھا۔۔۔۔تو اگر اس زمین کا وجود ہمیشہ ناری ہیئت میں برقرار رہتا تو یہ اپنی علت (Mater) میں سما سکتی۔لیکن اسکی ہیئت اور تنزل میں آ کر خاکی ہو گئی۔اسلئے اب اگر زمین خاکی حالت میں سما جائے۔تو اسکی خاکی ہیئت سورج کی ناری ہیئت میں جذب نہ ہو سکے گی۔نتیجہ یہ ہوگا کہ

زمین کی خاکی ہیئت کو نار جلا کر اپنے میں جذب کرلے گا ـــــ تو اس جلانے میں زمینی ذرات ناری شدت سے متاثر ہونگے۔ ورنہ زمین جبکہ ناری خاصیت کی حامل نہیں۔ تنزل میں بھٹکتی رہے گی۔ اور اسکا اپنی اصل سے تعلق نہ رہے گا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ زمین میں اور تنزل پیدا ہوگا اور وہ ذلیل ہیئت میں ایک نیا اور غیر مقام حاصل کریگی یہ ایک ذلیل مقام ہے۔ جو خاکی ہیئت سے کمتر درجہ کا مقام ہے ـــ

اسی طرح ہر کیفیت تنظیم کائنات کے مطابق اپنی قوت ختم کر کے اپنی اصل کی طرف رجوع کر کے اس میں سما جاتی ہے۔ زمین کی ہر کیفیت۔ زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک وقت مٹ کر جذبِ زمین ہو جاتی ہے۔ درخت گر کر زمین میں مٹی ہو جاتا ہے۔ اگر درخت جل جائے۔ تو کوئلہ بن جاتا ہے۔ کوئلے کی ہیئت میں درخت جذبِ زمین نہیں ہوتا۔ بلکہ جلنے کی صورت میں اس میں تنزل واقع ہوتا ہے۔ اور کوئلے کی شکل میں زمین میں موجود رہ کر کسی اور وجود میں نمودار ہو جاتا ہے اس کیفیت کو نظامِ کائنات کا انجام کہا جاتا ہے۔ یہ انجام یقینی ہے۔ کہ ہر شے مٹ کر اپنی ہیئت کھو کر یا اپنی اصل کی ہیئت میں سما جاتی ہے۔ یا کسی دوسری ہیئت میں باقی رہتی ہے۔ یہی انجام ہے۔ اسی طرح انسان کے لئے بھی ایک انجام ہے۔

انسان کو ایک مخصوص اندازے میں پیدا کیا گیا ہے۔ اسلئے اس نے بھی اپنے انجام کو پانا ہے اور یہ انجام شب و روز ہماری نظروں سے گزرتا ہے۔ کہ ایک انسان پیدا ہوتا ہے ـــــ چند سال زندگی گزار کر فنا ہو جاتا ہے۔ اور اپنی فنا میں جذبِ زمین ہو جاتا ہے ـــــ چونکہ یہ زمین کے جوہری مادے سے بنا ہے۔ اسکی روح ایک ناری قوت ہے۔ اور اسکا جسم لیس دار کیچڑ کے جوہری مادے سے بنا ہے اسلئے انسان نے تنظیم کائنات کے مطابق اپنی روح کو پاکیزہ رکھنا ـــــ اور اپنے جسم کو جوہری حالت میں قائم رکھنا ہے۔ ورنہ تنظیم کائنات کے خلاف چل کر اسکی روح بھی تنزل پذیر ہوگی۔ اور اسکا جسم بھی ذلیل ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اسکی روح ناری قوت میں سمانے کی صلاحیت نہ پاسکے گی۔ اسکا جسم زمین کے کثیف ذرات کی خوراک بن کر ذلیل حالت میں نمودار ہوگا ـــــ چونکہ انسان روحانی طور پر احساس رکھتا ہے۔ اسلئے روحانی تنزل میں اسکی روح کرب و بے چینی محسوس کریگی۔ اسے روحانی عذاب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہیئت کی تبدیلی کے بعد روح اپنی ہیئت میں باقی رہتی ہے۔ روح چونکہ احساس رکھنے والی

قوت ہے۔اسلئے فنا کے بعد اسکا احساس قائم رہے گا۔انسان اگرچہ احساس رکھنے والی قوتوں عقل۔ کان۔آنکھ سے محروم ہوگا۔لیکن۔کان۔آنکھ۔عقل میں روح ہی احساس (دیکھنے۔سننے۔سمجھنے محسوس کرنے) کا کام کرتی ہے۔اسلئے جسم مٹ جانے کے بعد بھی اسکی یہ قوت قائم رہے گی۔کیونکہ روح آنکھ ۔کان۔عقل کی احساس میں محتاج نہیں۔بلکہ انسان کو جسمانی (مادی) طور آگاہی کیلئے آنکھ۔کان۔عقل کی ضرورت رہتی ہے۔ورنہ احساس کرنے والی قوت خود روح ہی ہے۔انسان جب مرجاتا ہے۔تو اسکے کان۔آنکھ۔عقل ہوتے ہوئے بھی وہ۔نہ دیکھ سکتا ہے۔نہ سن سکتا ہے۔نہ سمجھ سکتا ہے۔برعکس اسکے جب روح حیوانی اس میں موجود ہو۔تو وہ روح جسم کے مردہ ہونے کی صورت میں بھی دیکھ سکتی ہے۔سن سکتی ہے۔لیکن انسانی قوتِ گویائی۔یا حرکت نہ ہونے کی وجہ سے روح کا دیکھنا۔سننا۔سمجھنا انسان سمجھ نہیں سکتا۔لیکن مردہ انسان مردہ حالت میں (روح کے ذریعہ) دیکھتا ہے۔سنتا ہے۔سمجھتا ہے۔بہ الفاظ دیگر مردہ انسان کی روح ہی انسانی حیثیت میں سنتی۔دیکھتی۔سمجھتی ہے کیونکہ انسانی ابتدأروحِ حیوانی سے ہی ہوتی ہے۔یہ ایک مکمل وجود (ناری ذرہ) ہوتا ہے جو لیس دار کیچڑ سے اپنا وجود (مادی ہیئت میں) بڑھاتا ہے۔اور مرتے وقت روح لیس دار مادہ سے علیحدہ ہوتی ہے۔تو ابتدائی حالت کی طرح اپنی اپنی ابتدائی ہیئت میں آجاتی ہے۔تنظیم کائنات کی یہ فطری ترکیب ہے۔کہ ہر علت سے معلول نکلنے کے بعد علت کا وجود باقی رہتا ہے۔یہ ترکیب ہر اشیائے زمینی میں بھی پائی جاتی ہے ــــ انسانی روح زمینِ ناری کے جوہر کا ایک جز ہے اس ناری جوہر کا وجود باقی ہونا یقینی ہے ــــ ایٹم ایٹر جس ناری جوہر کے جز ہیں اس جوہر کا بھی زمین میں باقی ہونا ضروری ہے۔مرنے کے بعد انسانی روح کا اسی ناری جوہر میں سمانا ضروری ہے۔وہ ابتدائی جوہر اپنی اصلی حالت میں قائم ہے۔لیکن مادی حیثیت میں ہم آنکھ کی وجہ سے اُسے دیکھ نہیں سکتے۔(اور روح اگر قوی حالت میں ہو تو وہ اپنی قوت کے اعتبار سے اس جوہر کو دیکھ سکتی ہے۔اسی کیفیت کو مشاہدہ روحی کہا جاتا ہے) اسی روح سے مرنے کے بعد انسانی روح نے ملنا ہے۔اور جسم بھی زمینی کیمیاوی (جوہری) قوتوں کے اجزا کا مرکب ہے۔مثلاً لوہا۔تانبا۔شنگرف۔ سونا۔ابرک۔فاسفورس وغیرہ۔تو جسم زمین میں دفن ہو کر انہیں کیمیاوی قوتوں میں اپنی اپنی جز میں سما جاتا ہے ــــ تو اس سے ظاہر ہے۔کہ انسان کی ہر جز کی اصل زمین میں باقی ہے۔اور انسانی انجام اسی

پر ہوتا ہے۔ کہ انسان کی ہر جز اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ لیکن انسانی پیدائش کا مقصد یہی ہے۔ کہ وہ اپنی روحانی۔ جسمانی پاکیزہ حالت اپنی زندگی کے انجام تک برقرار رکھے ـــ اور جب انسان تنظیمِ فطرت کے خلاف اپنی قوتوں کو ذلیل کرتا ہے۔ تو اسکا انجام بھی ذلیل ہوتا ہے۔ اسکا اثر یہ ہے۔ کہ انسانی روح اپنی ناری اصل میں سمانے کی صلاحیت نہ پاکر کرب و اضطراب میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اِسے قبر کا عذاب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ قبر سے مراد ''گڈھا'' ہے۔ یعنی گڈھے کا عذاب ـــ جب انسان کو گڈھے میں دفن کیا جاتا ہے۔ تو اگر انسان نے دنیا میں رہ کر تنظیم کائنات کی پیروی کر کے اپنے روح و جسم کو بحال رکھا۔ تو مرنے کے بعد۔ انسانی روح جسم۔ دنیوی تفکرات۔ محنت۔ فکر۔ رنج تکلیف سے فارغ ہو کر اس عالم میں چلا جاتا ہے۔ جہاں دنیوی آلام و تفکرات کا وجود پایا نہیں جاتا۔ تو روح ان آلام و تفکرات سے علیحدہ ہو کر اپنی اصل میں سما کر سکون حاصل کر لیتی ہے۔ اگر تنظیمِ کائنات کی مطابقت نہ کی روح و جسم ذلیل ہو گئے۔ تو مرنے کے بعد اس عالم میں روح پر شدید عذاب طاری ہو جاتا ہے ـــ

یہ ہے ایک مرحلہ زمین (قبر) کا اسکے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے۔ کیونکہ اس تنظیم کائنات کے تمام نظام کا بھی ایک فطری انجام ہے۔ جب تمام ناری۔ نوری۔ قوتیں اپنی طاقت (انرجی) ختم کر دیں گی۔ تو تمام کائنات کا نظام درہم و برہم ہو جائے گا۔ ہر قوت کی کشش ختم ہو جائیگی تو یہ تمام قوتیں منتشر ہو کر ایک جان ہو جائیں گی یعنی تمام معلول مل کر ایک علت کی ہیئت اختیار کریں گی ـــ چونکہ ہر وجود جو ظاہر ہوتا ہے کسی نہ کسی ہیئت و حیثیت میں باقی رہتا ہے۔ اسلئے انسانی روح (ناری) باقی رہے گی۔ اور جب تمام کائنات کی ناری نوری قوتیں سمٹ کر ایک نوری فضا میں تبدیل ہو جائیگی۔ تو اس فضا میں انسانی روح بھی موجود ہوگی ـــ یہ کائنات فطرت کی فطری تنظیم کہو کہ ایسا خود بخود ہو جائے گا۔ یا یہ ابتدائی نظریہ قائم کرو۔ کہ علتِ لامحدود اللہ صاحب ارادہ۔ صاحبِ فہم نے اپنی مرضی سے یہ منصوبہ بنایا۔ کہ سفلی انسان کو ایک عظیم نورانی روح بھی عطا کر کے اسکے مرکب کو تمام نورانی قوتوں سے برتر حیثیت عطا کی ـــ برتر حیثیت عطا کرنے سے۔ انسان اپنی برتری کو محسوس کرتے ہوئے۔ ایک خوشی۔ ایک عزت۔ ایک سرور حاصل کرتا ہے۔ جیسے انسان کی فطرت ہے۔ کہ وہ کسی کی عزت افزائی پر۔ خوشی۔ فرحت۔ اور سرور حاصل کرتا ہے۔ وہ فطری طور اپنی عزت و راحت و سرور کا متمنی ہے۔ گویا یہ ایک کیف

ہے۔جو انسان محسوس کرتا ہے۔یہی کیف اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا کہ ایک کمتر حیثیت میں جبکہ وہ کسی دوسرے کی خدمت اور عزت کرے اور اپنے آپ کو کمتر محسوس کرے۔اللہ تعالیٰ نے اسے اس حیثیت میں عظیم مرتبہ عطا کیا ـــــ تو یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی ارادہ تھا ـــــ کہ اس نے کمتر انسان کو مرتبہ عظیم دیکر۔ عزت وسرور عطا کیا تو یہ اسلئے تھا۔کہ انسان سے اس عزت افزائی کے بدلے میں۔شکریہ کا مظاہرہ کرتے دیکھے۔وہ شکریہ کا مظاہر یہ ہے۔کہ انسان اپنے خالق کی ثنا۔تقدیس و تسبیح کرے۔اور اسکے نظام کا پابند رہے ـــــ تو ضروری ہے۔جب ایک محسن کے احسان کا بدل شکریہ میں ادا کرے تو محسن اپنی دی ہوئی نعمت کا نعمت سے بدل نہیں چاہتا۔بلکہ احسان کا بدل تشکر ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔تو محسن اس احسان مندی سے خوش ہوتا ہے۔تو آئندہ بھی اس پر انعامات کا دروازہ کھول دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے انعام ـــــ اسکی خوشی ـــــ اور لطیف تجلیاتِ نورانی سے انسانی روح و دل کو مسرور کر دیتا ہے۔یہ ایک عظیم انعام ہے۔جسکے مقابلہ میں انسان کو کسی عظیم سے عظیم مادی شے کے حصول سے خوشی وسرور حاصل نہیں ہو سکتا یہ ایک بڑا انعام ہے ـــــ تو اللہ تعالیٰ نے کائنات کے انجام پر ایک خصوصی منصوبہ قائم کیا۔ کہ اس انسانی روحِ رحمانی ـــــ اور روح حیوانی کو اس عظیم نوری فضا میں جمع کر کے دنیا میں اسکے کردار کا بدلہ دیگا ـــــ پس جس نے دنیا میں احسان کے بدل میں تشکر کا مظاہرہ کیا اور اپنی روح وجسم کو پاکیزہ حالت میں رکھا۔تنظیم کائنات کی مطابقت کی۔تو وہ خود بخود اس نوری عالم میں سکون وطمانیت حاصل کریگا۔اور جس نے بغاوت کی اسکا روح وجسم ذلیل ہوگا۔وہ اس عالمِ نوری میں پریشان ومضطرب عذاب کی کیفیت میں ہوگا۔اللہ تعالیٰ اس مقام کو یوم حشر (یعنی تمام روحوں کو اکٹھا کرنے کا دن) یوم دین (یعنی تنظیم کائنات کے نتیجہ وانجام کا دن) یوم قیامت (یعنی تنظیم کائنات کے ٹھہراؤ اور آخر کا وقت) سے موسوم کرتا ہے۔اس مقام کی کیفیت ایک طرف ایک عظیم الشان باغ اور عظیم الشان محلات کی تمثیلی ہیئتوں میں پائی جائیگی۔دوسری طرف باغات نہروں اور ٹھنڈی لطیف ہواؤں کے مخالف شدید تپش۔ جلن۔اور تکلیف دہ احساسِ ذلت ہوگی ـــــ تو انسان دونوں کیفیتوں کو دیکھے گا محسوس کریگا۔اس نوری فضا میں شدید تپش پیدا ہوگی۔جو انسانی روحوں کیلئے نا قابلِ برداشت ہوگی۔ایسی حالت میں خواہ ٹھنڈے علاقہ کا رہنے والا انسان ہو یا گرم علاقے کا رہنے والا انسان اس نوری فضا کی تپش اور ہیبت

سے متاثر ہو کر باغ کی نہروں اور محلات کی خواہش کریگا۔ اور دوسری طرف ایک شدید ناری کیفیت (آگ) کی شدت اور ہیبت انسان کو لرزا دیگی۔ اس مقام پر دونوں قسم کے انسان موجود ہونگے ایک مسلم اور دوسرا باغی۔ دونوں پر اپنا انجام ظاہر ہوگا۔ یہی وہ خوف۔ اور غم اور آگ ہے۔ جسکا ذکر آیت بالا میں قرآن میں ہوا فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلاَ هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ پس جس انسان نے میری ہدایت کی پیروی کی اسے خوف ہوگا نہ غم۔

خوف اور غم کا محسوس کرنا ــــ انسانی خصلت و سرشت پر منحصر ہے۔ کہ انسان اصولی طور اس کائنات کی پیدائش اور اپنی پیدائش پر غور کرے۔ اور تنظیم کائنات پر بھی صحیح عقل سے غور فکر کرے تو کائنات خواہ "خود بخود" پیدا ہو۔ یا کسی خاص تنظیم کے تحت پیدا ہو۔ خواہ علت و معلول (Mater) کی صورت میں پیدا ہوئی ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ہر حال میں اس کائنات کی پیدائش کا محرک اللہ ہے۔ وہ علتِ لامحدود ہے۔ اور فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا کے بیان کی تصدیق خود Mater کے اصول سے ہوتی ہے۔ کہ پھل کی خاصیت دانہ سے پیدا ہوتی ہے۔ درخت کی صفات کا منبع دراصل دانہ ہے۔ اور جب انسانی پیدائش میں سمع و بصر عقل و فہم پایا جاتا ہے۔ تو ضروری ہے۔ کہ علت لامحدود میں یہ صفات بدرجہ اتم پائی جائیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص منصوبہ کے تحت پیدا کیا۔ اور زمین پر اسکے ذمہ یہ کام ضرور ہے۔ کہ وہ تنظیم کائنات۔ قانون فطرت۔ دین فطرت۔ دین الٰہی کی پیروی کرے۔ اسکے ساتھ ہی انسان اس انجام کا تصور کرے۔ جو انسانی زندگی میں ہر حال میں واقع ہونا ہے۔ اور یہ بھی تسلیم کرے۔ کہ انسانی انجام میں انسان نے یکسر مٹ جانا نہیں۔ بلکہ تنظیم کائنات کی پیدائشی ترکیب کا تقاضا یہ ہے۔ کہ انسانی روح اسکے انجام کے بعد ایک غیر محسوس عالم (مقام) میں باقی رہے گی ــــ اور جیسا انسان نے زمین پر عمل کیا۔ اسی عمل کے مطابق آئندہ عالمِ روحانی میں اس نے ضرور بالضرور ایک راحت کا اثر۔ یا ایک عذاب کا اثر حاصل کرنا ہے اور ایسا واقع ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ یہ ایک اٹل واقعہ ہے جس نے پیش آنا ہے۔ تو ان حقائق کو جانتے ہوئے انسان اس عظیم حادثہ کے دن کا تصور ہر وقت ذہن میں لانے کی کوشش کرے۔ تو اُس پر عذابِ قیامت کا خوف اور غم طاری ہوگا ــــ یہ اسلئے کہ عقل مند انسان دنیا میں رہ کر اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا ہے۔ کہ میں اس

دنیوی زندگی میں سفلیت کا مادہ رکھنے کی وجہ سے اپنی روح وجسم کو محفوظ نہ رکھ سکوں گا۔ میں دینِ فطرت کی مطابقت نہ کرسکوں گا۔ تو آئندہ آنے والے زمانہ میں مجھے عذاب ملے گا۔ تو یہ احساس کرنا انسانی سرشت پر ہے۔ کہ وہ خواہ اپنے ارادے سے باغی ہو کر حقیقت کو پس پشت ڈال کر صرف حصولِ لذت کا خواہشمند رہے۔ یا ان واقعات کو تسلیم کرنے کے ساتھ آئندہ زندگی میں راحت وسکون کا متمنی رہے تو اسی حقیقت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کہا۔ کہ انسانی آبادی لذتِ نفس کا شکار ہو کر۔ اپنی روحانی جسمانی پاکیزگی کھو ڈالے گی۔ اور لوگ قانون الٰہی کی مخالفت کریں گے۔ اور بعض لوگ اس بات کے خواہشمند ہونگے کہ انکی اصلاح کیلئے ایک مصلح اور ایک ہدایت حاصل کی جائے۔ تو انکے لئے ہم (اللہ) نے ایک نیا منصوبہ پیش کیا۔ کہ ہم ایک منتخب بندے کو اس کام کیلئے مامور کریں گے اور اُسے اپنی طرف سے ایک اصلاحی ضابطہ دیں گے جس پر عمل پیرا ہو کر خوف وغم اور قیامت کے عذاب (جہنم) سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اور جن لوگوں نے لذتِ نفس کو زیادہ پسند کر کے میری ہدایت وضابطہ پر رہ کر قانونِ فطرت کی پابندی نہ کی تو انکے انجام میں انہیں ایک شدید آگ (جہنم) میں ڈالا جائے گا۔ جہاں انکے لئے دردناک عذاب ہوگا اور اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گرفتار رہیں گے ــــــ

وحی

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِىَ بِاِذْنِهٖ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۱) نہیں ہے بشر کیلئے کہ اس سے کلام کرے اللہ۔ مگر وحی کے طریق پر ــــ یا پسِ پردہ ــــ یا بھیجے ملائکہ اسکی اجازت سے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ کی کلام کے تین طریقے ہیں۔ جس سے انسان اللہ کی کلام سن سکتا ہے۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے۔ کہ اللہ کی کلام سننے کیلئے انسان میں قوت پائی جاتی ہے۔ اللہ کی کلام روحانی کیفیت ہے۔ کیونکہ وہ خود نور ہے۔ اسلئے اسکی کلام بھی نوری اعتبار سے نوری ہوگی ــــ اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ اللہ کے نور سے۔ نوری تجلیات نکلتی ہیں۔ یہی نوری تجلیات اسکی کلام ہے۔ جو ایک مخصوص بندے کی طرف وارد ہوتی ہیں اور بندے (انسان) میں ایک روح (روحِ رحمانی) ہے۔ جو وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ۔ کے وقت اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے ساتھ منسلک کی۔ انسان کے وجود میں اس روح کا مسکن دل ہے ــــ دماغ میں بھی روح ہے۔ لیکن وہ حیوانی روح کہلاتی ہے۔ یہ دونوں روحیں نوری اعتبار سے ایک مجسم ہیں۔ جو دیکھتی۔ سنتی۔ سمجھتی ہیں ــــ روح رحمانی ایک خالص وسیع نوری کیفیت ہے۔ جیسے زمین میں ایثری قوت کہ ہر جگہ وسعت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور اسکا سننا۔ دیکھنا۔ اِسطرح ہے۔ کہ مشرق میں ایک آواز نکل کر ایثر میں جذب ہو جاتی ہے اسی آن مغرب میں یہ آواز سنی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آواز کا ایثری قوت میں جذب ہونا اسکا سننا ہے۔ کہ ایثر نے سنا تو مغرب میں آواز سنی گئی۔ ایثر چونکہ وسیع ہے۔ اسلئے اسکا ایثری جسم تمام زمین پر احاطہ کئے ہے۔ اس جسم نے سنا تو زمین کی وسعت میں ایثری قوت پر یکساں اثر آتا ہے۔ تو گویا ساری ایثر سن لیتی ہے۔ جہاں جہاں۔ آواز سننے کے آلے ہوں وہاں چونکہ ایثر موجود ہوتی ہے تو ہر مقام پر آواز سنی جاتی ہے۔ اسی طرح اسکا دیکھنا ہے کہ ایثر ہر شے پر احاطہ کئے ہے۔ ہر شے کا عکس ایثر میں پایا جاتا ہے۔ اگر مشرق میں ایک شے کا

عکس ایثر میں آیا تو وہ عکس مغرب تک ایثر میں محسوس ہوتا ہے۔اور یہی عکس بصری آلہ میں دیکھا جاتا ہے ـــــ یہی کیفیت روح کی ہے۔کہ اسکی وسعت اللہ کی ذات سے لے کر انسان کے قلب (دل) تک ہوتی ہے۔ادھر اللہ کی کلامی تجلی روح پر پڑی ادھر دل پر (مثل صوتی آلہ یا بصری آلہ) تجلی کا عکس آجاتا ہے ـــــ انسانی وجود میں دل ایک آئینہ کی مانند ہوتا ہے۔جسکا زاویہ دماغ سے ملتا ہے۔یعنی جو عکس دل پر پڑتا ہے۔اسی آن وہ عکس دماغ پر پڑتا ہے۔جیسے مکان کی کھڑکی پر ایک آئینہ اس زاویہ پر رکھا جائے۔ جسکا زاویہ کمرے کی دیوار پر آئینہ سے ملتا ہے۔اور کمرے کے آئینہ کو اس زاویہ پر رکھا جائے جسکا عکس کمرے کے دروازے پر رکھے ہوئے آئینہ پر پڑتا ہو۔اور دروازے کے آئینہ کو دوسرے اندرونی کمرے کی دیوار پر لٹکے ہوئے آئینہ سے ملایا جائے۔تو باہر کے آئینہ پر جب سورج کا عکس پڑتا ہے۔تو اسی وقت وہی عکس اندرونی کمرے کے آئینہ پر پڑتا ہے۔یہی کیفیت دل و دماغ کی ہے۔کہ دل کا زاویہ دماغ سے ملتا ہے ـــــ تو اسی وقت دل کے عکس کو دماغ محسوس کرتا ہے۔اسی دماغی احساس کو مشاہدۂ روحانی کہا جاتا ہے۔اور جب تک بیرونی کیفیات دماغ پر عکس پذیر نہ ہوں۔انسان کسی کیفیت کو مشاہدہ میں نہیں لاسکتا ـــــ دماغ میں روح حیوانی ہی کیفیات کا مشاہدہ کرتی ہے ـــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ روح رحمانی عالمِ روحانی کی عکاسی کا ذریعہ ہے۔جو قلب تک کیفیت کا عکس لاتی ہے۔اور روح حیوانی اس عکس کو انسانی احساس میں لاتی ہے یہی طریق انسانی مشاہدہ کا ہے۔یہی طریق "وَحْیٌ" کا ہے۔کہ ادھر اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے کلام کی تجلی کا عکس روحِ رحمانی پر ڈالتا ہے۔اُسی آن بغیر توقف بغیر وقت۔ایک آن میں قلب پر عکس آجاتا ہے اسی آن یہ عکس مثل آئینہ دماغ پر آجاتا ہے۔اور دماغ تجلی کلام کو سن لیتا ہے۔اسے وحی کہتے ہیں اور وحی کی تکمیل قلب تک کلام آنے سے ہوجاتی ہے۔اسکے آگے کلام کا عکس دل سے دماغ تک نہ پہنچے تو بھی وحی کی تکمیل ہوجاتی ہے۔البتہ تصور میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔یعنی دماغی مشاہدہ سے کلام وحی کہلاتا ہے اور دماغ کے احساس نہ کرنے کی وجہ سے کلام کو القا کہا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں ذکر ہوا ـــــ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا۔(پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۶۸) اور وحی کی آپؐ کے رب نے شہد کی مکھی کو یہ کہ بنائے اپنا گھر پہاڑوں میں۔اس وحی میں شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہوتی ہے۔کہ وہ اپنا گھر پہاڑوں میں بنائے۔شہد کی

مکھی حیوانوں میں شامل ہے۔اس میں روحِ حیوانی ہے۔روح رحمانی نہیں (کیونکہ روح رحمانی صرف انسان کیلئے مخصوص کی گئی ہے) ـــــ اس وحی میں دو ترکیبیں پائی جاتی ہیں۔ایک یہ کہ شہد کی مکھی کے ذرۂ ناری میں ابتدأ یہ تاثر پایا جاتا ہے۔کہ وہ اپنا گھر فطری عادت کے زیر اثر اونچے پہاڑوں پر بنائے۔ یہ اسکی فطری عادت ہے۔عقل سے سمجھ کر نہیں کرتی۔کیونکہ حیوان کی عقل و حافظہ قوی نہیں وہ اپنی عقل سے سمجھ کر کوئی کام نہیں کرتے۔مثال کے طور اسی شہد کی مکھی کے پیچھے ایک کانٹا ہوتا ہے۔جس سے ڈنک مارتی ہے۔اسے یہ سمجھ نہیں کہ میرے پیچھے ایک کانٹا رکھا گیا ہے۔جو ڈنک مارنے کیلئے ہے۔!اور جب کسی نے ہاتھ لگایا۔تو مکھی ڈنک مار کر کانٹا چبھا دیتی ہے۔یہ بھی اسے معلوم نہیں۔کہ میں صرف نقصان کیلئے ڈنک مار رہی ہوں۔بلکہ اسے فطری عادت کہا جاتا ہے۔کیونکہ اسی فطری عادت کے زیر اثر جب کوئی شے وہ لکڑی ہو۔یا پتھر۔پھول ہو یا کوئی سخت شے مکھی کے ساتھ لگ جائے تو مکھی بلا سوچے سمجھے پتھر سے لگ جانے پر بھی پتھر پر ڈنک مارتی ہے۔گویا یہ تاثر ابتدأ اسکی روح میں پایا جاتا ہے۔اور مکھی کا ڈنک مارنا فطری عادت کے مطابق قوتِ دفاع کی تحریک کے زیر اثر ہوتا ہے۔قوت دفاع بھی روح ہوتی ہے۔ورنہ مکھی اپنی دماغی فہم سے یہ فعل نہیں کرتی۔اسی روحانی تحریک پر اسے وحی حاصل ہوتی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا۔کہ ''تیرے رب نے شہد کی مکھی کی روح (ابتدائی بنیادی وجود) میں یہ تاثر ودیعت کر رکھا ہے۔کہ وہ اونچے پہاڑوں میں فطری عادت کے زیر اثر اپنا گھر بنائے۔یہ بھی وحی کی ایک قسم ہے کہ روح کو فطری طور تحریک ہوتی ہے۔کہ وہ اونچے پہاڑوں میں اپنا گھر بنائے۔اور حیوانوں میں بھی لطیف روح ہے جس روح سے انکی زندگی قائم ہے۔یہ روح بھی لطیف ہے۔روحانی اعتبار سے دیکھتی۔سنتی۔ سمجھتی ہے۔لیکن حیوانی روح کا سمع ـــ بصر و فہم اسلئے محسوس نہیں کیا جاتا کہ اس روح سے مثل انسان روحانی مظاہرہ نہیں ہوتا۔حیوان مثل انسان کے نہ بول سکتا ہے۔نہ سمجھ سکتا ہے ورنہ یہ روح انسانی روح کی طرح۔دیکھتی سنتی اور سمجھتی ہے۔اسی روحانی فہم پر حیوان اپنی ناقص عقل سے اپنی زندگی کا سامان حاصل کر لیتا ہے۔اور روحانی اعتبار سے جبکہ حیوانی عقل و شعور کامل نہیں اس روح کی وحی کو القا سے تعبیر دیا جاتا ہے۔کیونکہ بعض حالتوں میں حیوان کو بھی ایک راہ پر چلنے کی تحریک کی ضرورت رہتی ہے۔اور چونکہ حیوان میں بھی روح ہے اسلئے جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا حیوان سے تعلق ہے۔حیوان کو

روح کے ذریعہ وحی حاصل ہو جاتی ہے۔صرف عقلی طور حیوان اس وحی کو سمجھ نہیں سکتا۔جسطرح انسان سمجھتا ہے۔

اسی طرح یہ وحی انسانی روح رحمانی کے ذریعہ انسانی قلب تک پہنچتی ہے۔اور جب انسانی عقل و شعور یعنی ذہن تفکرات میں دبا ہوا ہو۔اور دماغی اعصاب کمزور ہو چکے ہوں۔تو ذہنی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں پھر ظاہر طور وہ روحانی اثر کو محسوس نہیں کرتے۔اسطرح انسان اپنے دماغ سے قلبی کیفیت کو پا نہیں سکتا۔لیکن کیفیت چونکہ قلب پر وارد ہوتی ہے۔اور دماغی روح بھی اس عکس سے متاثر ہوتی ہے۔تو صحیح معنی میں کیفیت مشاہدہ نہ ہونے پر انسانی دل و دماغ پر اس کلامی تجلی کا اثر طاری ہو جاتا ہے۔تو انسان ظاہر طور دماغ سے سوچ کر ایک کیفیت کا موہوم طریقہ پر احساس کرتا ہے۔اس میں کیفیت کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔اس کیفیت کو القا کہا جاتا ہے۔جو وحی کی ہی دوسری نوع ہے۔اسطرح اللہ تعالےٰ ایک ایسے شخص پر بھی وحی کرتا ہے جسکی دماغی قوت مشاہدہ کے قابل نہ ہو ــــ دوسری نوع اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ۔یا پردہ کے پیچھے۔اس طریق میں انسان اللہ کی ذات کو نہ اسکی تجلی کو دیکھ سکتا ہے۔صرف اللہ کی تجلیٔ کلام اسکے دل سے گزر کر ذہن میں آجاتی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اپنی تجلیٔ کلام کو دل سے گزار کر ذہن تک پہنچاتا ہے۔اور ذہن اس کلام کو سن لیتا ہے۔یہ اس لئے کہ بعض حالتوں میں انسان تجلی کی نورانی قوت برداشت نہیں کر سکتا۔اسکی نورانیت اتنی تیز ہوتی ہے۔کہ اسکے اثر سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے۔یا ہلاک ہو جاتا ہے۔اسلئے تجلیٔ کلام کو صرف سننے کی حد تک احساس میں لایا جاتا ہے ــــ یہ دو طریق ہر انسان کیلئے مقرر ہیں۔اس طریق میں رسول اور عام انسان یکساں طور پر شامل ہیں۔

تیسری نوع اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا ملائکہ کے ذریعہ تجلیٔ کلام کا بھیجنا۔ملائکہ کے ذریعہ کلام بھیجنا ــــ !ایسا کیوں ہے۔جبکہ انسان (یا رسول) براہ راست بھی اللہ تعالیٰ سے کلام کر سکتا ہے۔اور کلام سن سکتا ہے۔انسانی مشاہدۂ عالمِ روحانی میں۔انسانی مشاہدہ کی حد عالمِ روحانی کی آخری منزلوں (یعنی آسمانوں) سے لے کر اللہ تعالیٰ کی ذات تک ہے ــــ جیسے قرآن میں ذکر ہوا ــــ وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲۔۵۳) تحقیق آپ پہنچانے والے ہیں سیدھے راستے تک (وہ سیدھا راستہ) اللہ کا

راستہ ہے۔(وہ راستہ) وہی ہے۔ کہ اسی سے (معلول) ہیں۔ ملک آسمانوں اور زمین کے ____ سیدھا راستہ وہ راستہ ہے۔ جو عالمِ روحانی میں۔ تنظیم کائنات خلقت میں پیدا کیا گیا ہے ____ یہی وہ راستہ ہے۔ یہی وہ عالمِ روحانی ہے۔ جو انسان کو وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا میں مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ یہی وہ عالم ہے۔ جس میں دینِ فطرت۔ دین اسلام کی تنظیم قائم کی گئی ہے۔ اسی راستہ پر انسان نے ہمیشہ چلنا ہے۔ اور جب انسان اپنی کمزوری اور بغاوت و فساد کی وجہ سے یہ راستہ بھول جاتا ہے۔ تو رسول اسی راستہ پر دوبارہ پہنچاتا ہے۔ یہ راستہ زمین سے لے کر آسمان تک اور آسمان سے لے کر ذاتِ الٰہی تک وسیع ہے لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں تخلیق کائنات کی ترکیب کا تصور بھی پایا جاتا ہے کہ اسی اللہ سے یہ تمام کیفیتیں پیدا ہوئی ہیں۔ یعنی ان تمام کیفیتوں کی علت وہی اللہ علتِ لامحدود ہے۔ اور اس صراط مستقیم پر چلنے کی غرض صرف عرفان و مشاہدۂ ذات الٰہی ہے۔ کیونکہ باقی نورانی عالم بجائے خود مشاہدہ کیلئے اتنی اہمیت نہیں رکھتے۔ جبکہ اس تنظیم میں ایک خالق کو پہچاننے کا اصلی مقصد پنہاں ہے۔ اور اس عالمِ روحانی کے مشاہدہ کی غرض صرف اتنی ہے۔ کہ اس مشاہدہ سے صرف تنظیم کائنات کی پابندی اور مطابقت کی جانی ہے۔ اور اس مطابقت کی اصل غرض مشاہدۂ خالقِ حقیقی ہے ____ اسلئے عالمِ روحانی کی حد ذاتِ الٰہی تک ہے۔ اور انسان اپنے مشاہدہ میں روح رحمانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اُسکے ذاتی نور کو پہچانتا۔ دیکھتا۔ اور اسکی کلام سنتا اور خود اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے ____ تو پھر اس کلام کے ذریعہ۔ کلام الٰہی بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ کلام وحی (اِلَّا وَحْيًا) میں شامل ہے۔ لیکن ہدایت بھیجنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا کا طریق مقرر کیا۔

اول یہ کہ یہ تجلی کلام اللہ تعالیٰ کے نور کی خصوصی جز ہے۔ کہ اسکی نوری زبان سے نکلتی ہے۔ اور ہر قوم اور رسول کیلئے قبل از موعود (پیدائش یا ظہور) اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ مرتب کر کے ازل سے رکھا ہے۔ کہ فلاں قوم کیلئے فلاں وقت میں فلاں رسول مقرر ہوگا اور اس رسول کو اس قوم کے حالات کے مطابق ہدایت کی ضرورت ہوگی ____

اللہ تعالیٰ نے جب ازل سے مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا ____ تو اس نے ازل سے ابد تک کی تمام مخلوق کا منصوبہ مکمل کرلیا۔ اس منصوبہ میں تمام کیفیات۔ تمام واقعات جنکا ظہور ازل سے ابد تک

ہونا ہے۔ایک بار کُن کے ذریعہ شامل کردیئے۔یعنی تمام مخلوق۔تمام واقعات۔تمام کیفیات کا ظہور ایک علت میں سمائے ہیں۔جو کیفیات ایک ابتدائی علت میں سمائے ہیں انہیں کا ظہور ہونا ہے۔ہر کیفیت کا وجود علتِ لامحدود سے ہے۔تو علت لامحدود اپنی تمام مخلوقی کیفیتوں سے آگاہ ہے۔اس لئے اس اللہ نے اپنی مخلوقی۔معلولی کیفیتوں کو ازل سے قلمبند کردیا۔یہ اسکے لئے آسان ہے۔کہ وہ اپنی ہر صفات سے کماحقہٗ آگاہ ہو ـــــ اسی تحریر میں۔آسمانوں کی کیفیتوں کی صفات وخاصیات درج ہیں۔ اسی تحریر میں۔سیاروں اور زمین کی صفات وخاصیات درج ہیں۔اسی تحریر میں زمین کی مخلوقِ انسانی کی پیدائش اول سے لے کر زمین کی فنا تک جو بھی کیفیت زمین پر ظاہر ہو ـــــ درج ہے۔اسی تحریر میں وہ ہدایت وہ رسول بھی شامل ہے۔جنکا زمین پر ظہور ہوتا رہے گا ـــــ اسی تحریر کو تقدیر سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ تقدیر کے معنی قبل از وقت واقعات کے ظہور کا جاننا اور انہیں ضبطِ تحریر میں لانا ـــــ اب مخلوق میں غیر ارادی طور یا ارادی طور جو کچھ ظہور پذیر ہوگا۔وہ اللہ تعالیٰ نے ازل سے ہی احاطہ تحریر میں لاکر اپنے نوری خزانہ میں جمع کردیا ـــــ اسی تحریر میں ہدایت بھی جمع ہے ـــــ جیسا کہ قرآن میں ذکر ہوا بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ (پارہ ۳۰ سورۃ ۸۵ آیت ۲۱۔۲۲) بلکہ وہ پڑھنے والی کلام ہے جو ایک نوری تختی میں محفوظ کی گئی ہے۔یہ تختی اللہ کے نوری خزانہ (مقامِ نوری) میں محفوظ رکھی گئی ہے۔ اسی طرح ہر ہدایت لوحِ محفوظ میں رکھی گئی ہے۔جو وقت وقت پر رسول کے ذریعہ پیش کی جاتی ہے ـــــ یہ ایک ہدایت نازل کرنے کا مخصوص طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔کہ اسے ملائکہ کے ذریعہ ہی نازل کیا جائے ـــــ اور کیوں ـــــ؟ ـــــ وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر صاحبِ مشاہدہ کے ساتھ وقتِ کلام۔صاحب مشاہدہ کے کلام کا جواب دیتا ہے۔اس میں معرفت سے متعلق کلام ہوتی ہے ـــــ یا عاشق ومعشوق کے درمیان راز ونیاز کی باتیں ہوتی ہیں اور یہ چیز ہدایت میں شامل نہیں ـــــ اور ہدایت چونکہ قبل از وقت مقرر کرکے ایک منتخب مقام پر محفوظ کی گئی ہے۔اسلئے اب اللہ تعالیٰ ہدایتِ مقررہ کے متعلق صاحب مشاہدہ (انسان یا رسول) سے کلام نہیں کرتا۔بلکہ اس کام کیلئے مقامِ محفوظ پر ایک ملائکہ مامور ہے۔جسے اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔کہ مقام محفوظ سے تجلیٔ کلام لے کر زمین کی طرف لے جائے اور رسول پر وحی کرے ـــــ کیونکہ کلام الٰہی میں اصل کلام معرفت ووصال کی کلام مقدم ہے۔اور اس ہدایت کی کلام

میں تو صرف اصلاح انسانی کا مواد جمع ہے۔اسلئے اصلاحی احکام کیلئے ضروری نہیں کہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے تجلّیٔ کلام حاصل کی جائے ـــــ اور ہدایت کیلئے اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا (ملائکہ کے ذریعہ کلام بھیجنے) کا طریقہ مخصوص اسلئے ہے۔کہ ملائکہ مقامِ محفوظ سے کلام لے کر رسول کے پاس براہ راست نازل ہوتا ہے۔جسکے لئے ایک وقت مقرر کیا گیا ہے۔تاکہ رسول کو بار بار مشاہدہ کرنے اور ذاتِ الٰہی سے سوال کرنے کی ضرورت نہ ہو ـــ یہ کلام الٰہی ارادے کے تابع ہوتی ہے۔اسلئے اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق ہی اِسے نازل کرتا ہے۔اس وقت رسول کاروبار دنیوی میں یا تبلیغ دین (اصلاح انسانی) میں مصروف ہوتا ہے۔اس وقت نہ رسول مشاہدہ کرنے کا تصور کرتا ہے نہ ہی رسول اپنی مرضی سے کلام الٰہی پیش کرتا ہے ـــــ کہ اچانک ملائکہ حاضر ہو کر اللہ کا حکم سناتا ہے۔اگر یہ ترکیب مقرر نہ کی جائے۔تو رسول کو ہر لحہ مشاہدۂ الٰہی میں مستغرق رہنا پڑیگا۔تاکہ رسول اللہ کی کلام کے مطابق ہی ہر قدم چلے۔یہ اس لئے کہ اصلاح انسانی میں رسول اپنی طرف سے کوئی اصلاحی ضابطہ پیش کر نہیں سکتا۔سوائے حکم الٰہی کے ـــ جسکے لئے رسول کو ہر لحہ مشاہدہ میں رہنا ضروری ہے۔ایسی حالت میں جبکہ رسول ہر لحہ مشاہدۂ الٰہی میں غرق رہے۔اس سے تبلیغ دین ـــ کا موقع نہیں مل سکتا ـــ اسلئے اس ضرورت کے مدنظر مشاہدۂ الٰہی کو ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا ہے ـــ

تو اللہ تعالیٰ نے اصلاح انسانی کیلئے ہدایت جاری کرنے کا یہ طریقہ مقرر کیا کہ ایک ملائکہ کے ذریعہ تجلّیٔ کلام رسول کے قلب پر نازل کی جائے۔تجلّیٔ کلام نازل کرنے کا طریقہ یہ ہے۔کہ رسول یا تو امور دنیوی میں مصروف ہوتا ہے۔یا اصلاح انسانی میں تبلیغ و وعظ کرتا ہے۔تو حکم الٰہی کے تحت ملائکہ مقامِ محفوظ سے تجلّیٔ کلام (نوری کیفیت) لے کر رسول کے پاس آتا ہے۔اور تجلّیٔ کلام کا نور رسول کے قلب (روح رحمانی) میں داخل کرتا ہے۔جونہی تجلّیٔ کلام کا نور رسول کے قلب پر وارد ہوتا ہے۔تو رسول پر غنودگی طاری ہوتی ہے۔تاکہ ذہن دنیوی تصور سے یکسر علیٰحدہ ہو جائے۔غنودگی کی حالت میں عقل تصورات دنیا سے فارغ ہو کر بے خود ہو جاتا ہے۔ادھر شعور قلب پر تجلیات وارد ہونے پر توجہ کرتا ہے۔تو رسول محسوس کرتا ہے۔کہ ایک ملائکہ سامنے موجود ہے اور تجلّیٔ کلام قلب پر ڈال رہا ہے۔قلب میں تجلی آتے ہی۔رسول یہ مشاہدہ کرتا ہے۔کہ ملائکہ ہم سے مخاطب ہو کر کلام کر رہا ہے۔تجلّیٔ کلام قلب سے شعور

تک پہنچتا ہے۔تو انسانی دماغ کے مطابق۔تجلی حافظہ میں داخل ہو کر شعور میں داخل ہوتی ہے۔حافظہ سے گزر کر شعور پر عکس پذیر ہونے پر یہ تجلی کلام انسانی کلام کی مانند سنی جاتی ہے ـــ مثال کے طور

اِقْـرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ (پڑھ ساتھ نام اپنے پرورش کرنے والے کے) یہ تجلی کلام ملائکہ کے پاس نوری ہیئت میں ہے ـــ ملائکہ اس تجلی کو رسول کے قلب پر ڈالتا ہے۔تو رسول پر مشاہدہ (وحی) کھل جاتا ہے ـــ اور رسول دماغ کے ذریعہ اس مشاہدۂ نوری کو پاتا ہے۔دماغ میں یہ تجلی حافظہ میں جمع ہو جاتی ہے۔اسی حافظہ کی جمع شدہ تجلی کو شعور پاتا ہے تو شعور حافظہ سے انسانی کلام کے مطابق کلام سے آگاہ ہو جاتا ہے۔اور یہ کلام حافظہ میں جمع ہو جاتی ہے۔اسکے بعد ملائکہ واپس چلا جاتا ہے۔رسول سے غنودگی ہٹ جاتی ہے تو رسول اب حافظہ میں جمع شدہ تجلی کو دوبارہ زبان کے ذریعہ لوگوں کو سناتا ہے۔یہ ہے ایک مخصوص طریق کلام الٰہی کی وحی کا ـــ اور اس طریق میں خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ کلامِ الٰہی ایک معینہ (مقررہ) مدت تک نازل ہوتی رہتی ہے۔اور صرف رسول پر ہی اسکا نازل ہونا مقرر ہے۔تو رسول اپنی جماعت میں بیٹھا ہوتا ہے ـــ جماعت بھی صاحبِ مشاہدہ ہوتی ہے ـــ جب ملائکہ کلام الٰہی لے کر نازل ہوتا ہے۔تو ضروری ہے کہ عام صاحبِ مشاہدہ پر بھی اسکا پرتو آئے تو وہ بھی ملائکہ اور کلام الٰہی کا مشاہدہ کرے ـــ لیکن یہ کلام صرف رسول کیلئے مخصوص ہے۔اسلئے دوسرے لوگوں کو اس کلام سے آگاہ نہیں کیا جاسکتا۔اور ایسا ہی ہوتا ہے۔کہ رسول کے گرد اسکی جماعت بھی ہوتی ہے مگر وہ وحی نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں۔دوسرے اگر انسانی مشاہدہ پر ہی کلام الٰہی منحصر کی جائے تو عام آدمی بھی کلام الٰہی سن سکیں گے تو اس طرح رسول کی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔کیونکہ رسول صاحب فہم بدرجہ اولیٰ اور منتخب ہوتا ہے۔اس لئے صرف رسول تک کلام الٰہی کی وحی محدود رکھنے کیلئے ملائکہ کے ذریعہ کلام الٰہی نازل کرنا لازمی ہو جاتا ہے ـــ

ولقد اٰتینا لقمٰن الحکمة

ابتدائی زمانہ میں انسانی ہیئت جسمانی طورقوی تھی اورانحراف وبغاوت کے باوجودانکی جسمانی ہیئت اس قدرکمزورنہ تھی کہ بیماریوں کا شکار ہو جاتے۔ بلکہ صحت مندرہتے تھے لیکن رفتہ رفتہ انسان کی جسمانی حالت بھی کمزور ہونے لگی۔ یہاں تک کہ انسان ماحول کے حادثات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھ سکا___ انسانی صفت وخاصیت یہ تھی کہ انسان پاکیزہ روح رہ کرمشاہدۂ عالمِ روحانی میں ہرلحہ شاہد رہے___ توضروری تھا کہ انسان دینِ فطرت کا پابندرہ کرپاکیزہ روح وجسم رہتا___ اورجب انسان لذتِ نفس کا شکار ہوا۔ تواس نے اپنی ضرورتوں کووسیع کردیا۔ انسانی ضرورتوں نے۔ انسانی دماغ۔ انسانی جسم کوکمزورکردیا___ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک طرف انسانی نظامِ ہاضمہ میں خرابی پیدا ہوئی۔ دوسری طرف تفکرات کے ہجوم نے انسانی عقل حواس کوکمزورکرکے اسکے اعصابی نظام کوبھی کمزورکردیا۔ انہیں کمزوریوں کی وجہ سے انسان بیماریوں میں مبتلا ہونے لگا۔ اس سے قبل نہ بیماری تھی نہ اسکے علاج کی ضرورت وجستجو تھی۔ اسلئے کسی طریق علاج کا وجود ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ اورجب انسان بیمار ہونے لگا تواسے کوئی علاج میسرنہ ہوسکا توہربیماری اس پرغالب آگئی اورانسان بے علاج موت کا شکار ہونے لگا___

ایسے موقع پرفطری عادت کے مطابق جبکہ انسان کوعلاج کی ضرورت پڑی توبعض انسانوں نے بیماری کے علاج پربھی تحقیق شروع کردی___ ادھرقدرت نے اس موقع پربھی انسان کیلئے آسانی پیدا کی۔ تو ایک منتخب حکیم بھی پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ایک زمانہ میں ایک انسان نے طریقہ علاج پرتوجہ دی۔ اورانسانی بیماریوں سے نجات کا ذریعہ نکالا___ اسے لقمان حکیم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے___ قدرت نے اس موقع پرانسان کوبے موت مرنے سے بچانے کی تدبیر بتائی۔ یعنی لقمان کوحکمت کا ملکہ عطا کیا۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ اَنِ شْکُرْ لِلّٰهِ ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۱ آیت ۱۲) اورالبتہ تحقیق دی ہم نے لقمان کوحکمت یہ کہ شکرکرے اللہ کا۔ حکمت سے مراد چھپی کیفیتوں کا علم ہونا۔ پوشیدہ کیفیتوں میں

عالمِ روحانی کی کیفیتیں بھی شامل ہیں۔ چھپی کیفیتیں وہ ہیئتیں ہیں۔ جو حواس کے ذریعہ محسوس نہ کی جا سکیں ۔۔۔ اسی اعتبار سے روحانی کیفیتوں کو بھی حکمت میں شامل کیا جاتا ہے۔۔۔

قرآن نے حکمت کے تصور میں عالم روحانی یا عالم اسرار کو شامل کیا ہے۔ یہ علم ایک رسول اور نبی کو حاصل ہوتا ہے ۔۔۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۲ آیت ۲) وہ اللہ ہے۔ جس نے پیدا کیا ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول جو پڑھ کر سناتا ہے اللہ کی کلام اور لوگوں کی روحانی جسمانی اصلاح (توجہ اور تدبیر کے ساتھ) کرتا ہے۔ اور کتاب کے علم و آثار اور پوشیدہ کیفیتوں سے آگاہ کراتا ہے ۔۔۔ اس بیان میں ایک انسان کو منتخب کر کے اسکی انسانی صفات۔ روحانی۔ جسمانی کو قوی رکھ کر صاحبِ مشاہدۂ عالمِ روحانی رکھا جاتا ہے ۔۔۔ اور اسی مشاہدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذریعہ اپنی خصوصی کلام (جو اصلاحِ انسانی کیلئے مخصوص ہوتی ہے) رسول کو پہنچاتا ہے۔ تو رسول لوگوں کو اللہ کی کلام سناتا ہے۔ اس کلام میں ایک طرف اصلاحی احکام ہوتے ہیں اور دوسری طرف پوشیدہ اسرار کی کیفیتوں کا علم بھی ہوتا ہے ۔۔۔ لوگوں کا تزکیہ روحانی طور اپنی نورانی توجہ سے کرتا ہے۔ اور ظاہری احکام کے ذریعہ اصلاحی تدبیروں سے انسانی ماحول و معاشرہ کو بھی پاک و صاف کرتا ہے۔ اس سے ایک انسان کا روح و جسم پاکیزہ ہو کر اسے عالمِ روحانی کے پوشیدہ اسرار سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ پوشیدہ اسرار۔ وہی عالمِ روحانی کی کیفیات ہیں۔ جو انسان کو اسکی پیدائش کے ساتھ ہی روح حیوانی اور روح رحمانی کے ذریعہ مشاہدہ میں آتی ہیں۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ میں حکمت بھی پوشیدہ اسرار میں شامل ہے۔ اسلئے ظاہرہ ہے۔ کہ پیدائشی حیثیت میں لقمان بھی ایک منتخب انسان ہے۔ جسے انسانی بیماریوں کے علاج کیلئے ایک حکیم کی حیثیت سے پیدا کیا گیا۔ لہٰذا۔ لقمٰن اپنے انتخاب کی وجہ سے خود ایک پاکیزہ روح و جسم صاحبِ مشاہدہ انسان پیدا ہوا۔ اور اسے زمین کی تمام اشیأ کی خاصیات و صفات کا علم بھی حاصل ہوا۔ زمین کی اشیأ میں تمام۔ جماداتی۔ نباتاتی۔ یعنی کیمیادی اشیأ کی صفات و خاصیات مثلاً شنگرف۔ پارہ۔ گندھک۔ ابرک اور دیگر کیمیادی اجزأ کی جملہ صفات و خاصیات کا علم اور نباتاتی جڑی بوٹیوں کی خاصیتوں اور اثرات کا علم حاصل ہوا ۔۔۔ یہ انتخاب۔ اور علم اسلئے مخصوص ہوا۔ کہ لقمان کے ذریعہ انسانی

امراض کا علاج میسر ہو۔انسانی علاج میں ۔انسانی مرکب میں جس قسم کے اجزأ پائے جاتے ہیں۔انکی اصلاح کیلئے۔زمینی اجزأ میں سے ہر وہ جز جو انسان کے وجود میں قوی و پاکیزہ پائی جاتی ہیں۔انکا علم ــــ انسانی بیماری سے مراد یہ ہے۔کہ جب انسان قانونِ فطرت کے خلاف حصولِ زائد کی جستجو کرتا ہے۔تو جسمانی حالت میں انسانی جسمانی مرکب کے اجزأ میں کمزوری واقع ہوتی ہے ــــ یہی کمزوری بیماری سے تعبیر دی جاتی ہے اسلئے ان اجزا کی کمزوری دور کرنے کیلئے زمینی اجزأ کے کیمیادی اور نباتاتی جڑی بوٹیوں کے جوہر سے انسانی کمزوری کو پورا کر کے اسکے جسمانی اجزأ کو قوی کیا جاتا ہے۔جس میں انسانی جسم کے تمام اجزأ سے لے کر اسکی روح حیوانی تک کا علاج کیا جاتا ہے۔

چونکہ زمانہ ایسا آیا کہ انسان کی روحانی۔جسمانی پاکیزہ حیثیت برقرار نہ رہ سکی اسکا جسم کمزور۔اسکی روح کمزور ہوگئی۔اور یہ حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھ سکا۔جسمانی کمزوری کی وجہ سے مریض ہوگیا ــــ جسکے لئے انسان کو ایک حکیم معالج کی ضرورت پڑی تو اللہ تعالیٰ نے اس کمی کو پورا کرنے کیلئے لقمان کو منتخب کر کے انسانی علاج کیلئے پیدا کیا۔

لقمان فطری طور پر صاحبِ مشاہدہ تھا۔اور ہر جڑی بوٹی اور دیگر کیمیادی اشیأ کی خاصیات و صفات سے اِسے آگاہی حاصل ہوئی۔اسطرح انسان کی بیماریوں کیلئے ایک مکمل ضابطۂ علاج میسر ہوا ــــ اسکے بعد علمِ روحانی کے ساتھ علمِ حکمت کا اجرأ ہوا۔اسی علم پر سائنس کا وجود پیدا ہوا۔ضروری تھا کہ بعض موقعوں پر انسان میں روحانی عالم کا مشاہدۂ کامل حاصل نہ رہا۔تو ایسے حکما کا وجود پیدا ہوا۔جو اگرچہ کامل مشاہدہ نہ رکھتے تھے۔لیکن انکے اخلاق و اوصاف پاکیزہ تھے۔اور ایسے لوگوں نے بھی حکمت میں تحقیق اور طریق علاج پر دلچسپی لی۔تو انہوں نے بھی القائی طور۔انسانی امراض کی شناخت اور تمام جڑی بوٹیوں کے تجزیہ میں تحقیق سے کام لے کر ایک مکمل ضابطۂ علاج فراہم کیا ــــ ایسے لوگوں نے زمین کی اکثر اشیأ پر تحقیق کر کے نئی نئی کیفیتوں کا اظہار کیا۔جسے سائنس (یا علم تحقیق) کہا جاتا ہے۔چونکہ یہ لوگ بھی پاکیزہ جسم پاکیزہ روح۔پاکیزہ کردار تھے۔اسلئے انہوں نے اپنی قوتِ روحانی ــــ اور قوتِ عقلی سے کام لے کر اشیائے کائنات پر تحقیق کر کے محیر العقول کیفیات و نظریات پیدا کئے۔ایسے لوگوں کو مادی آلات و ذرائع کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔کیونکہ یہ لوگ بھی انسانی روحانی۔جسمانی۔تحقیق میں انسانی

روحانی خاصیات وصفات سے کاملاً آگاہ ہوتے تھے۔اس علم میں ایک وسیع تصور کی ضرورت ہے کہ ایک محقق نبض پر ہاتھ رکھ کر انسانی قلبی کیفیت کا اندازہ لگا لیتا ہے اور القائی صورت میں اسکا ذہن انسانی جسم میں ان نقائص کو پالیتا۔جن سے وہ مریض ہو جاتا تھا۔ایسے محقق کو انسانی اندرونی اعصابی نظام کو بعینہٖ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی جبکہ ایک حکیم انسان کے چہرے کی رنگت۔اعضٰے کی ساخت۔پیشاب کی رنگت وغیرہ سے انسان کے تمام امراض کی اصل وجہ پالیتا تھا ـــــ اور پھر انکا علاج مجرب اور کامیاب ہوتا تھا۔کیونکہ وہ انسانی اجزأ میں اسکے کمزور اجزأ کے اسباب کو بعینہٖ پالیتا تھا ـــــ

زمانہ کی رفتار کے مطابق اس علم کو بھی دوام حاصل نہ ہوسکا اور ہر زمانہ میں ہر شخص صاحب مشاہدہ نہ ہوسکا ـــــ زمانہ ایسا بھی آیا کہ محققین کا وجود بھی پایا نہ گیا۔علم ذخیروں میں جمع ہوا۔لیکن حکمت کا کوئی حقیقی معلم میسر نہ ہوسکا تو اکثر زمانوں میں انسانوں کو اصل علاج میسر نہ ہوسکا ـــــ تو ایسے زمانہ میں یہ تصور قائم کیا گیا۔کہ انسان پیشتر جاہل اور وحشی تھا ـــــ جبکہ اسکی بود و باش میں ابتدائی زمانوں کے مطابق یہ تصور بھی ساتھ رہا کہ انسان۔جنگلوں میں گزر کرتا رہا۔تو اسے وحشی سمجھا گیا ـــــ اسی طرح اکثر ادوار (زمانوں) میں کبھی انسان ایک حکیم سے محروم رہا اور انسان کے لئے علاج میسر نہ ہوسکا اور پھر زمانہ میں ایک نہ ایک حکیم کا وجود پیدا ہوا۔جس نے اس علم میں تحقیق کر کے علمِ حکمت کا مواد جمع کیا۔ ایسے زمانوں میں مادی آلات کے ایجاد نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایسے حکمأ کی اہمیت وخصوصیت اور علمِ حکمت کے کمال وعروج کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے البتہ تواریخ کے مطالعہ سے ہم اس دور کے حکمأ اور انکے کمالات کا اندازہ کرسکتے ہیں۔لیکن اسکے لئے ضروری ہے۔کہ ایک طالبِ علم کائناتِ فطرت کی تخلیقی ترکیب اور انسانی فطری پیدائش کی خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اندازہ وتصور کرے۔کہ درحقیقت انسان ایک کامل صاحبِ مشاہدہ۔صاحبِ قوت۔صاحبِ قوی عقل وفہم انسان ہے۔ان خصوصیات کے اعتبار سے انسان نہ مادی آلات کی امداد کا محتاج ہے ـــــ نہ وہ انسان آئندہ زمانوں کے مادی ذرائع کی تحقیق سے کسی طرح پیچھے ہے۔بلکہ حقیقی طور وہ انسانی اعتبار سے علمِ حکمت میں کامل واکمل تھے ـــــ اور انکا ہر قدم۔ہر تحقیق انسانی اصلاح کیلئے قطعی سودمند تھی جس میں کسی تباہی۔کسی خطرہ۔اور کسی تنزل کا تصور پایا نہیں جاتا تھا ـــــ

اور آج انسان میں ۔نہ قوتِ روحانی ہے۔نہ جسمانی پاکیزگی ہے۔نہ قانونِ فطرت کی پابندی ہے۔اسلئے انسان کو جب تک مادی ذرائع کی امداد حاصل نہ ہو وہ انسانی علاج میں کوئی کامیاب طریقہ رائج نہیں کرسکتا۔چونکہ اشیائے کائنات میں ہر قسم کے اثرات پائے جاتے ہیں۔جسے ایک محقق عقلی طور حاصل کرلیتا ہے ـــــ اس تحقیق میں بھی ہر تحقیق میں ایک مادی ذریعہ کی ضرورت رہتی ہے۔ یہی ضرورت ایجاد کو جنم دیتی ہے ـــــ اور ہر قدم پر ایک نئی کیفیت کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔جس سے انسانی علاج میں آسانی میسر ہوجاتی ہے۔لیکن بعض حالتوں مین جبکہ ایک حکیم (ڈاکٹر) کامل صاحب فہم نہ ہو ایسے آلات وذرائع سے بھی انسانی امراض، کمزوریوں کا پتہ لگانا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ تشخیص امراض میں ایک حکیم کا صاحبِ القا۔یا صاحب فہم ہونا ضروری ہے۔تاکہ حکیم ان پوشیدہ کیفیتوں کو پانے کی سمجھنے کی صلاحیت رکھ سکتا ہو جو انسانی جسم میں پوشیدہ ہیئت میں پائی جاتی ہیں ـــــ البتہ بعض محققین کی تحقیق قابل تعریف قابل تسلیم ہے۔جنہوں نے اشیائے کائنات کا عقلی تجزیہ کرکے ایسے آلات ایجاد کئے جن سے کائنات کی پوشیدہ کیفیتوں کے ظاہر ہونے میں مدد ملتی ہے ـــــ لیکن ـــــ ان سے پیشتر حکمائے القائی (جنہوں نے اپنی روحانی اور شعوری قوت سے حکمت کا علم جمع کیا اور انسانی علاج کا مکمل ضابطہ ترتیب دیا)۔مدتوں سے ناپید رہے۔اور درمیانی دور میں انسان کو پھر ایک وحشی کے تصور میں دیکھا گیا۔جو اپنا علاج نہ کرسکا ـــــ گزشتہ حکما کے علم کی لوگوں میں صلاحیت باقی نہ رہی۔تو سابقہ علم نے عام انسانی اصلاح میں رواج نہ پایا ـــــ تو یہ علم صرف کتابوں میں ہی دفن رہا ـــــ لیکن ـــــ دور جدید کے محققین کی تحقیقی جولانی اور تحریک کی بنیاد اسی سابقہ علم کے خزانہ پر ہے۔اور دور جدید کے محققین نے بھی گزشتہ حکما کے نظریات پر ہی اپنی تحقیق کو قائم کرکے اس علم کو نئے سانچے میں ڈھالا ـــــ اور یہ ایجادات اسلئے محسوس کی جاتی ہیں۔کہ گزشتہ حکما ایسے مادی آلات کے محتاج نہ تھے۔انہیں ایسے آلات کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔اور دور جدید کے حکما چونکہ القائی قوت سے محروم اور حقیقی دینِ فطرت کے اصولوں پر ایمان وعمل نہیں رکھتے ہیں اسلئے ہر شے کی تحقیق میں انہیں ایک مادی ذریعہ کی ضرورت پڑتی ہے۔دوسری اہم بات یہ کہ گزشتہ حکما کے نزدیک انسانی روحانی جسمانی پاکیزگی کیلئے علاج کی ضرورت تھی لیکن دور حاضر میں انسانی ذہنوں میں۔انسانی حقیقی پیدائش۔اور حقیقی مقصدِ زندگی۔عالم روحانی کا مشاہدہ۔وغیرہ

کا تصور باقی نہیں رہا ـــــ اسلئے یہ تمام تحقیقیں صرف انسانی دفاع (بیماریوں کا علاج) میں صرف ہوتی ہیں۔ چونکہ زمانہ میں قانونِ الٰہی کی تعمیل وتسلیم نہیں۔ اسلئے تحقیق کے نتائج صرف لذتِ نفس اور حصولِ زائد کی تکمیل میں پیدا ہوتے ہیں ـــــ جس میں بجائے اصلاح انسانی ـــــ انسان کی تباہی اور تنزل کا سامان حاصل ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ہم نے لقمان کو حکمت دی ـــــ سے مقصد انسانی روحانی جسمانی پاکیزگی اور قوت کو قائم رکھنے کیلئے۔ مادی ذرائع سے استفادہ کرنا۔ اور روحانی جسمانی قوت کو قائم رکھنا اس غرض سے ہے۔ کہ انسان روحانی جسمانی پاکیزگی سے قانون فطرت کی پابندی کرے ـــــ جب انسان خلافِ فطرت اقدام پر آمادہ ہو جائے۔ تو انسان کی جسمانی قوت تنزل پذیر ہو جاتی ہے۔ اور انسان مختلف قسم کی امراض کا شکار ہو کر ذلیل ہو جاتا ہے۔ اسکے اعصاب واعضٰے کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس کی قوتِ ارادی لذتِ نفس سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ تو اسکے لئے جسمانی ہیئت کو قوی کرنا ضروری ہے ـــــ اسلئے حکیم زمینی جوہری اجزأ سے انسانی امراض کا علاج کرتا ہے۔ جس سے جسمانی قوت و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے ـــــ اکثر زمانوں میں ایسا ہوتا آیا ہے۔ کہ عام حالت میں ہر انسان خواہ وہ قانون فطرت کا پابند ہو۔ یا مخالف۔ ہر شخص کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہوتا رہا۔ اور ان بیماریوں کا تعلق غذا کی بے اعتدالی سے ہے۔ اسلئے اس علاج کیلئے ایک حکیم کو منتخب کیا گیا۔

اس طریقِ علاج کی غرض وغایت بھی یہی ہے۔ کہ انسان نے حصولِ دنیوی کو اپنا واحد مقصد قرار دیا۔ اپنی روحانی پاکیزگی اور روحانیت کی طرف توجہ نہ دی۔ زائد حصول کی جستجو میں قوانین فطرت کی حدود کو توڑ دیا۔ اور انسان لذتِ نفس سے مغلوب ہو کر ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے لگا جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ غیر اصولی طور غذا حاصل کرنے اور زائد حصول میں ضرورت سے زیادہ ذہن کو فکرمند کرنے سے اسکا نظام جسمانی تباہ ہو گیا۔ نظامِ جسمانی خراب ہونے سے اسکی روحانی قوت کمزور ہو گئی۔ روحانی قوت کمزور ہونے سے انسانی حقیقی خاصیتیں کمزور ہو گئیں اور انسان اپنی روحانی قوت سے قانون فطرت۔ دین فطرت کی پابندی سے مجبور ہو گیا۔ اسلئے ضروری ہوا۔ کہ انسان صحت مند جسم حاصل کرکے ایک طرف بیماریوں اور ہلاکت سے نجات حاصل کرے دوسری طرف نظامِ جسمانی کی صحت ہو کر انسانی روح قوی ہو جائے۔ تاکہ انسان قوانین فطرت کی پابندی کرنے کی صلاحیت پا سکے۔ ظاہر ہے۔ کہ اگر

طریق علاج (حکمت) کو روحانی قوت کی اصلاح وتقویت کیلئے استعمال نہ کیا گیا۔اور صرف انسانی جسمانی قوت کو بحال کرنا ہی مقصود سمجھا گیا۔تو انسان روحانیت کی طرف رجوع نہ کریگا۔اور صحت مند ہونے کی صورت میں۔وہ اپنی طاقت حصولِ زائد پر صرف کریگا۔اسطرح قوانین فطرت کی حدود سے باہر رہ کر زائد حصول کی ہوس میں فساد وخونریزی پر آمادہ ہوگا۔اسلئے ہر زمانہ میں ایک نبی۔ایک رسول کا پیدا ہونا ضروری ہوا۔تا کہ رسول کے ذریعہ ہی انسانی جسمانی۔روحانی اصلاح ہو کر۔انسان صحت مند جسم وذہن حاصل کر کے قانون فطرت کا پابند ہو کر ایک صالح معاشرہ قائم رکھے۔ورنہ بغیر رسول اور رسول کی اتباع کے انسان صرف جسمانی صحت پر بغیر پابندی دین فطرت کسی طرح بھی امن وسلامتی اور عروج حاصل نہ کر سکے گا۔اور بغیر دینِ فطرت کی پابندی انسان کی ہر تحقیق ہر ایجاد میں نتیجتاً اسکے لئے فساد وخونریزی ظاہر ہوگی۔

۷۸۶

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاّ کار طفلاں تمام خواہد شد

''پاکستان میں اسلامی نظام رائج کرنے کی بسم اللہ کرتے ہوئے۔ سرکاری دفاتر میں ہر جاری کردہ حکم پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی مہر ثبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ اس حکم کے تحت اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ سرکاری چھٹیوں پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی مہر لگا دی جاتی ہے ــــ ظاہر ہے کہ یہ بسم اللہ کی مہر ہر کاغذ پر لگائی جائیگی ـــــ اور ان چھٹیوں میں بعض کاغذات ردی میں پھینکے جائیں گے۔ اور بعض کاغذات فائل کئے جائیں گے۔ جو ایک وقت معین پر جلا دیئے جائیں گے ـــــ یا ہو سکتا ہے۔ ایسے کاغذات بازار میں ردی کے بھاؤ فروخت کئے جائیں ـــــ اور دوکانداران کاغذات میں ملاوٹ والی مرچیں۔ تمباکو۔ پکوڑیاں۔ سبزی۔ گوشت ڈال کر لوگوں کو دیدیں گے ـــــ کیونکہ دوکانداروں کے پاس بغیر اسکے ان کاغذات کا کوئی مصرف نہ ہوگا ـــــ یہی کاغذات گندی نالیوں۔ نجاست کے ڈھیروں میں پھینکے جائیں گے۔

نظامِ اسلامی کے اربابِ اختیار نے یہ سمجھ کر کہ اس طرح قوم میں ایمانی جذبہ پیدا ہوگا۔ بسم اللہ کی مہریں بنوا کر ہر کاغذ پر چھاپنے کی سوچی ہو ـــــ مگر اس عمل میں جو ''بسم اللہ'' کی مٹی پلید ہوگی۔ شاید انکی نظر اس طرف نہ گئی ہو۔ کہ اس قوم میں ایسے بھی افراد پائے جاتے ہیں۔ جو اپنی اشیائے فروخت کی زیادہ سے زیادہ مانگ حاصل کرنے کیلئے۔ لاکھوں روپیہ ایڈورٹائز میں خرچ کر کے ـــــ پریس سے۔ قرآنی آیات کے عجیب الخلقت قطعات (کیلنڈروں کی شکل میں) چھپوا کر بازاروں۔ دیہاتوں میں۔ اشتہاروں کی طرح تقسیم کرتے ہیں۔ جن میں لطیف قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں۔ اکثر لوگ ان قطعات سے۔ اپنے گھروں اور دوکانوں کو سجاتے ہیں۔ ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جو آدابِ دینی

سے قطعاً بے خبر ہوتے ہیں۔آخر یہ قطعات بوسیدہ ہوکر۔پیروں میں روندے جاتے ہیں۔کہ انسان پر ان الٰہی آیات کی بے حرمتی دیکھ کر لرزہ طاری ہو جاتا ہے ـــــ

پاکستان میں یہ عمل مدتوں چلا آرہا ہے۔کہ اخباروں میں اصلاحِ انسانی کے مدنظر قرآنی آیات میں ۔اللہ ورسول کے اسماء مقدس لکھے جاتے رہے۔اور یہی کاغذ بازاروں میں فروخت ہوتے رہے۔اور ان کاغذوں کی ردی میں پکوڑیاں۔گوشت۔سبزی۔وغیرہ ڈالی جاتی ہیں۔آخر یہ اسمائے مقدس۔گندی نالیوں۔سڑکوں میں پاؤں تلے روندے جاتے ہیں۔بلکہ بعض اوقات دیکھنے میں آیا۔کہ نجاست سے بھرے ہوئے اخباری کاغذوں پر کلمہ توحید اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار کے اسماء مقدس لکھے ہوتے ہیں۔ستم یہ کہ ان واقعات پر احتجاج کے باوجود کوئی بھی فرد ایسے واقعات پر نہ توجہ دیتا ہے۔نہ اس سانحہ عظیم کو خاطر میں لاتا ہے۔

مسلمانان ہند کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے۔تو یہ امر واضح ہے۔کہ پاکستان کے قیام کا اصل مقصد مسلمانان ہند کو بحثیت مجموعی ایک محفوظ خطہ فراہم کرکے ـــــ یا مسلمان کو شریعت اسلامی کا اہل بنانا ـــــ یا ایک علیٰحدہ خطہ میں۔اسلامی قانون کا نفاذ کر کے مسلمانوں کو محفوظ و پاکیزہ معاشرہ فراہم کرنا تھا ـــ یہ ایک اہم نظریہ تھا ـــ جسکے لئے مسلمانانِ ہند کی وحدت کو قربان کر کے چار کروڑ مسلمانوں کو بھارت کی چتا کے بھینٹ چڑھایا گیا ـــ اور پھر مشرقی پاکستان کے سات کروڑ مسلمان بھی اس محفوظ خطہ سے محروم ہو گئے۔اور صرف چار کروڑ مسلمان ایک محفوظ خطہ میں محفوظ ہو گئے ـــــ لیکن افسوس کا مقام ہے۔کہ تیس سالہ دور میں جو کچھ ان چار کروڑ مسلمانوں کے عمل سے ظاہر ہوا۔اس عمل کا ایک حصہ یہ ہے کہ پاکستان میں۔کلمہ توحید ـــ اللہ۔رسول۔اور قرآن کی عظمت پر جو ستم ڈھایا گیا۔ایسا ستم خود غیر مسلم دشمنانِ اسلام بھی ڈھانے پر تیار نہیں۔غیر مذاہب کے اعمال پر نظر ڈالیں۔کہ وہ اپنی الہامی کتابوں کی کس قدر عزت وتکریم کرتے ہیں۔دیکھنا ہو۔تو ہندوستان کے سکھ یاتریوں کے دین سے لگاؤ کا مظاہرہ دیکھا جائے۔کہ وہ اپنی گرنتھ کی عزت وتکریم کا کس قدر پاکیزہ مظاہرہ کرتے ہیں۔اسکے مقابل کائنات کی عظیم ترین کتاب مقدس کی آیات الٰہی کی مسلمانوں کے ہاتھوں کیا درگت بن رہی ہے۔اتنی لاتعداد قربانیوں کے باوجود مسلمانان پاکستان۔چہ جائیکہ وہ اپنی اصلاح و پاکیزگی حاصل

کریں۔کائنات کی پاکیزہ ترین کتاب مقدس کی کھلے بندوں بے حرمتی کرر ہے ہیں ــــــ

ان حالات میں نظامِ اسلامی کے ارباب اقتدار واختیار کا یہ منصوبہ کسی حد تک قابلِ عمل ــــــ نتیجہ خیز ہوسکتا ہے ــــ کہ اس منصوبہ سے مسلمان دین پر عامل ہوسکتا ہے۔یا پاکستان میں اسلامی معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے۔سوائے اسکے کہ۔اس ''بسم اللہ'' کی دیدہ دانستہ تضحیک وتذلیل کا مزید سامان فراہم کیا جانا یقینی ہوگا ــــــ

ایبٹ آباد

23-2-83

برادرم محمود احمد صاحب۔السلام علیکم

آپکا خط ملا۔دیر سے جواب دے رہا ہوں۔معافی چاہتا ہوں۔دراصل میں کافی دنوں سے مصروف رہا۔سر میں اکثر درد رہتا ہے۔جسوجہ سے خط لکھنے کی ہمت نہیں رہتی۔دوسرے مہمانداری۔اور گھریلو مصروفیات کی وجہ سے بھی خط لکھنے کا وقت نہیں ملتا۔ابھی تک تقریباً ایک درجن خطوط پڑے ہیں۔جنکا ابھی تک جواب نہیں دیا____

برادرم۔اپنے ذمہ اللہ کی عبادت فرض ہے۔ہمارا کام عبادت میں دلچسپی اور لگن سے اپنے فرائض پورے کرنا ہے۔دلچسپی۔لگن بہت ضروری ہے۔یہ بات نہ ہوتو عبادتوں میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔لہٰذا۔عبادتوں میں غفلت پیدا ہونا مقصد میں روکاوٹ یا سبب بن جاتا ہے۔بہر حال نماز____اور درود شریف کا ورد اپنی طرف سے مستقل طور جاری رکھیں۔یہی عمل قلب کی نورانیت اور اصلاح کا ضامن ہوتا ہے۔امید رکھیں۔مایوسی اچھی چیز نہیں۔اسکے ساتھ ہی محنت وقربانی لازمی چیز ہے۔بغیر محنت کوئی شے نہیں ملتی۔محنت کرنے کے بعد نتیجہ باطن پر چھوڑ دیں۔عمل کبھی ضائع نہیں ہوتا۔انشاءاللہ مقصد پورا ہو کر رہے گا۔

میں انشاءاللہ کوشش میں ہوں۔مارچ کے پہلے ہفتے میر پور آؤں۔میں نے لاہور بھی جانا ہے۔میر پور آنے پر آپ کو ذوالقرنین وغیرہ کو مطلع کرونگا۔آگے جیسے اللہ کو منظور۔جملہ پرسان حال کو السلام علیکم___اکرم (ادریس)۔ذوالقرنین۔ہمشیرہ زیتون اور جملہ احباب کو میرا السلام علیکم پہنچادیں۔

والسلام

خیر اندیش

نورالدین

شجرہ عالیہ اویسیہ

میسر رکھ ہمیں تا حدِّ عالم ۔۔۔ الٰہی نسبتِ شاہِ دوعالمؐ
بحقِ حضرتِ شاہِ ولایت ۔۔۔ علیِؓ مرتضےٰ شاہِ معظم
بحقِ واقفِ سرِّ حقیقت ۔۔۔ اویسِ قرن آں عاشق مکرّم
بحقِ وارثِ فیضِ اویسی ۔۔۔ لطیفِ نکتہ داں مشہور عالم
بحقِ عالمِ علمِ لَــدُنِّــیُ ۔۔۔ فقیرِ لونگ سندھی قبلہ عالم
بحقِ کامل علمِ شریعت ۔۔۔ ولیٔ بے بدل عارف مکرم
بحقِ آفتابِ علم و عرفان ۔۔۔ شہِ نور الزّمان فخرِ دو عالم
بحقِ ماہِ کامل قبلۂ ما ۔۔۔ متاعِ جاں امینِ حرزِ جانم
بحق تحفۂ شاہِ رسالت ۔۔۔ ولی عبدالکریمِ آں خواجہ عالم
بحقِ اُوتخی است درولایت ۔۔۔ عطیۂ مصطفےٰ و ابنِ مریم
بحقِ وارثِ فیضِ اُمینی ۔۔۔ امین الدیں امانت دارِ دنیم
دیا شجرہ مرتب نورالدیں نے ۔۔۔ بگوید پیرِ ماہست ایں غلامم
الٰہی میرے احبابِ دفا کو ۔۔۔ اویسی سلسلہ پر رکھ تو قائم
ملے عرفانِ حق ہر یک نفس کو ۔۔۔ رہیں مسرور سب در عشق دائم

﴿تمت بالخیر﴾

مطبوعات سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز

۱۔نورالعرفان	از	جناب محمد نورالدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ
۲۔منازل فقر مع شرح		ایضاً
۳۔تاریخ طریقت وحقیقت تصوف		ایضاً
۴۔راہِ حقیقت		ایضاً
۵۔علم العرفان		ایضاً
۶۔فتنہ مرزائیت		ایضاً
۷۔تاریخ خلافت اسلامی		ایضاً
۸۔سیرۃ النبی ﷺ		ایضاً
۹۔روح البیان		ایضاً
۱۰۔عرفان حقیقت	از	ریاض احمد خیال اویسی
۱۱۔نور بصیرت	مُرتب	ایضاً
۱۲۔صراط مستقیم	مُرتب	ایضاً
۱۳۔نور ہدایت	مُرتب	ایضاً
۱۴۔نورِ مُبین	مُرتب	ایضاً

﴿برائے رابطہ وحصول مطبوعات﴾

(۱) محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون: 00441254671126

(۲) ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون: 03007424574,03451566483

(۳) محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون: 03465259352

مطبوعات سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز

۱۔نور العرفان	از	جناب محمد نور الدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ
۲۔منازل فقر مع شرح		ایضاً
۳۔تاریخ طریقت وحقیقت تصوف		ایضاً
۴۔راہِ حقیقت		ایضاً
۵۔علم العرفان		ایضاً
۶۔فتنہ مرزائیت		ایضاً
۷۔تاریخ خلافت اسلامی		ایضاً
۸۔سیرۃ النبی ﷺ		ایضاً
۹۔روح البیان		ایضاً
۱۰۔عرفان حقیقت	از	ریاض احمد خیال اویسی
۱۱۔نور بصیرت	مُرتب	ایضاً
۱۲۔صراط مستقیم	مُرتب	ایضاً
۱۳۔نور ہدایت	مُرتب	ایضاً
۱۴۔نورِ مُبین	مُرتب	ایضاً

﴿برائے رابطہ وحصول مطبوعات﴾

(۱) محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون: 00441254671126

(۲) ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون: 03007424574,03451566483

(۳) محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون: 03465259352

صاحبِ تصنیف کی حیاتِ مبارکہ پر طائرانہ نظر

اسم گرامی:	محمد نور الدین
والد محترم:	امام الدین
پیدائش:	۱۹۱۹ء مائسمہ امیرا کدل سرینگر
روحانی سلسلہ:	اویسیہ
مرشد:	الحاج مولوی محمد امین رحمتہ اللہ علیہ (قطب الاقطاب)
ذریعہ معاش:	پینٹنگ، رائل کنٹریکٹری
ملازمت:	سول پینٹر (ملٹری)
مقصدِ حیات:	تبلیغ وترویج دین محمدیؐ
وصال:	۸ مارچ ۱۹۹۷ء
مزار مبارک:	لنک روڈ ایبٹ آباد (ہزارہ)
تصانیف:	نور العرفان، منازل فقر مع شرح، حقیقت تصوف، راہِ حقیقت، علم العرفان، سیرۃ النبیؐ، تاریخ خلافت اسلامی، فتنہ مرزائیت، روح البیان، صراط مستقیم، نور بصیرت، نور ہدایت، نور مبین۔
اجمالی خاکہ:	خوبصورت کسرتی بدن، پرجلال بارعب پرنور چہرہ، گھنی ریش مبارک، سرخی مائل پرکشش آنکھیں، سادہ پروقار شخصیت، بحر جود وعطا، فنافی الشیخ ـــــ المختصر اسوہ حسنہؐ کی تصویر وتفسیر